بیاد ــــ زینب النساء

فرحت آرا

مدیر اعلیٰ ــــ مشتاق احمد قریشی

مدیرہ ــــ قیصر آرا

نائب مدیرہ ــــ سعیدہ نثار

مدیرہ معاون ــــ ندا رضوان

مدیر تخلیقی ــــ طاہر احمد قریشی

ماہنامہ حجاب کراچی

مجلسِ مشاورت

اقرا صغیر احمد	طلعت نظامی
نازیہ کنول نازی	نزہت جبیں ضیاء
سمیرا شریف طور	نادیہ فاطمہ رضوی
راحت وفا	عثمان عبداللہ

جلد	01
شمارہ	12
اکتوبر	2016

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

infohijab@aanchal.com.pk

aanchalpk.com

ابتدائیہ

بات چیت — مدیرہ — 10
حمد — وجد چغتائی — 11
نعت — ادیب رائے پوری — 11

امہات المومنین

نبی کریم ﷺ اور ازواج مطہرات رض — ندا رضوان — 12

ذکر اس پری وش کا

عمارہ شاہ / رنا سمیرا شفیع / مہرین آصف — زینب احمد / مدیحہ — 16

رخ سخن

شعر و نثر نگار کا انٹرویو — سباس گل — 21

آغوش مادر

ماں کے حوالے سے خیالات — لائبہ میر / مدیحہ اکرم — 26

سلسلہ وار ناول

میرے خواب زندہ ہیں — نادیہ فاطمہ رضوی — 60
دل کے دریچے — صدف آصف — 150

مکمل ناول

تیرے ونگ وچ — ریحانہ آفتاب — 104
میری عید اب تم ہو — سحرش فاطمہ — 184

ناولٹ

برگد — نازیہ کنول نازی — 28
جل اٹھے سب ہی دیئے — شازیہ فاروق — 210
زیاں — سیدہ ضوباریہ ساحر — 232

افسانے

خاموش صدائیں — اقبال بانو — 46
آزمائش — رفاقت جاوید — 92
میں قربان جاؤں — نازیہ جمال — 136
دریچہ — حیاء بخاری — 176
یہ ہی تو عید ہے — سباس گل — 228
جب کرم ہوتا ہے — حمیرا نوشین — 254
میری عید — ماہم علی — 260
بچوں کی قربانی — تحسین انجم انصاری — 266
عیدی آئے گی — سید نیلم شاہ — 270
قربانی کا مقصد — ثوبیہ ملک — 274
عید کی شاپنگ — مریم مرتضیٰ — 278
بہار — حمیرا قریشی — 282

آرٹیکل

فخر ہے قوم کا — حرا قریشی — 284
جانباز مرد مجاہد — طوبیٰ افشین — 284

پبلشر مشتاق احمد قریشی نے ... پرنٹنگ پریس
باکی اسٹیڈیم کراچی دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400
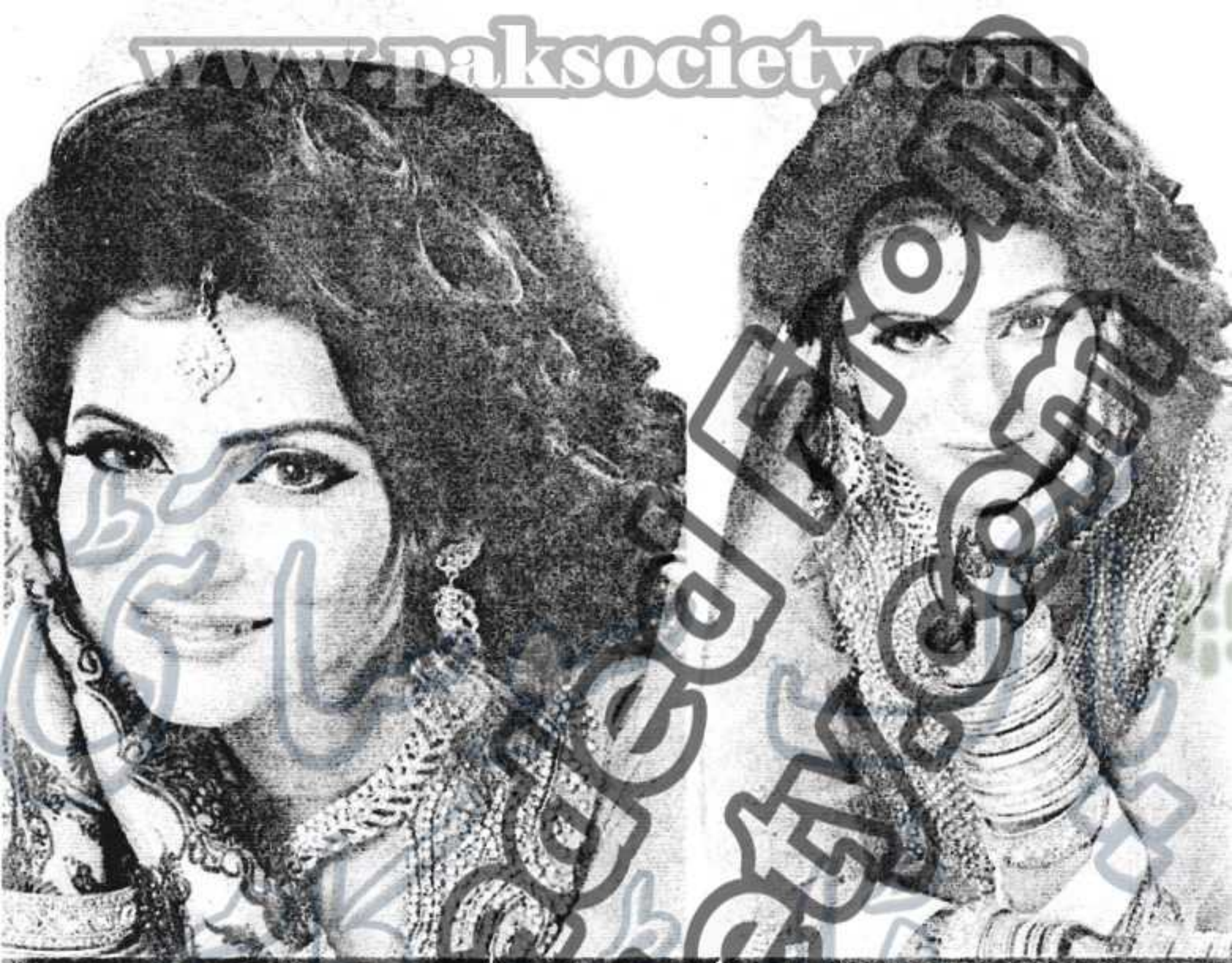
سرورق: سدرہ جبار ...... آرائش: روز بیوٹی پارلر ...... عکاسی: موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

جیسا میں نے دیکھا	رفاقت جاوید	287	شوخئ تحریر	ہما ذوالفقار	303
بزم سخن	سمیعہ عثمان	289	حسن خیال	جویریہ احمد	307
کچن کارنر	زہرہ جبین	291	ہومیو کارنر	طلعت نظامی	314
آرائش حسن	حدیقہ احمد	296	شوبز کی دنیا	دعا فاطمہ	316
عالم میں انتخاب	نزہت جبین ضیاء	298	ٹوٹکے	خدیجہ احمد	321

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 ای میل: Infohijab@aanchal.com.pk
کے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز

حمد

ذرہ ہوں آفتاب کی توصیف کیا لکھوں
کرنیں ملیں کرم کی تو حمد و ثنا لکھوں
تیری صفات وذات میں تفریق ہے عبث
جلوہ لکھوں تجھے کہ میں جلوہ نما لکھوں
واحد کہوں، وحید کہوں، حامد و حمید
تجھ کو حکیم و حاکم روز جزا لکھوں
قیوم بھی، قدیم بھی ہے تو عظیم بھی
مطلق لکھوں، صمد لکھوں، رب العلیٰ لکھوں
ذروں کو آفتاب کے جلوے عطا کیے
اس سے سوا میں اور کیا تیری عطا لکھوں
عالم نیا ہو روز مرے وجد و حال کا
مضمون تیری حمد کا ہر دم نیا لکھوں

وجد چغتائی

نعت

در سے غلام آپ کے سر کو اٹھائیں کس طرح
چھوڑ کر آپ کا دربار جائیں تو جائیں کس طرح
آنکھ کو گر منا لیا دل کو منائیں کس طرح
فصل بہار لٹ گئی پھول کھلائیں کس طرح
آپ کے در کی حاضری اہل جنوں کی عید تھی
کعبۂ دل کو توڑ کر عید منائیں کس طرح
صبح دیار آپ کی نور حیات جاں مری
نور سے تیرگی میں پھر لوٹ کے جائیں کس طرح
چوم کے جالیوں کو ہم بھول گئے تھے سارے غم
پھر سے غم حیات میں دل کو پھنسائیں کس طرح
لوٹ کے اب چلے غلام لیجیے آخری سلام
پھر سے غلام آپ کے لوٹ کے آئیں کس طرح
گنبد سبز دیکھ کر روح میں کیف سر بسر
صبر وقرار اے ادیب روح میں لائیں کس طرح

ادیب رائے پوری

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اکتوبر ۲۰۱۶ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

الحمدللہ آپ بہنوں کا تعاون اور حوصلہ افزائی ہے کہ حجاب بتدریج کامیابی کی منازل طے کررہا ہے۔ آپ کے ہاتھوں میں حجاب کا بارھواں شمارہ ہے اللہ کا شکر ہے کہ کامیابی کا ایک سال مکمل ہوا آئندہ آنے والا حجاب سال گرہ نمبر ہوگا۔

وطن عزیز میں چاروں طرف جوش وخروش پایا جارہا ہے بھارتی ہٹ دھرمی اور کشمیر میں ڈھائے جانے والے مظالم اور آزادی کشمیر کی جدوجہد کی حمایت کرنے پر بھارت جس طرح چراغ پا ہورہا ہے دھونس اور دھاندلی کررہا ہے وہ سب کے سامنے عیاں ہے۔ اس تمام تر مظالم اور انتہا پسندی کے باوجود بھارت نہ صرف کشمیر میں بلکہ کشمیر کی حمایت کرنے پر پاکستان کو بھی دھمکیاں دے رہا ہے۔ اس کی تمام تر گیدڑ بھبکیوں کا منہ توڑ جواب پاکستانی افواج کے دلیر سپہ سالار راحیل شریف نے دے دیا ہے اور انہیں بتادیا ہے کہ اگر بھارتی افواج اچھی طرح جانتی ہے کہ اگر وہ جوہری قوت کا مالک ہے تو پاکستان بھی کسی طرح اس سے پیچھے نہیں بلکہ پاکستان کی جوہری صلاحیت بھارت کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ بھارت پاکستان کو صرف جنگ کے خوف میں مبتلا کرکے عالمی سطح پر کچھ فائدہ اٹھانا چاہتا ہے لیکن پاکستانی قوم بھارت کو ہر محاذ آرائی کا جواب متحد ہوکر دیتی ہے ایسا اس بار بھی ہورہا ہے پاکستان کی حفاظت تو اللہ تبارک وتعالیٰ کررہا ہے کون سی قوت ہے جو اللہ کے مقابلے میں آئے ان کی پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

تمام قلم کار بہنوں سے گزارش ہے کہ ان شاء اللہ آئندہ ماہ حجاب کا سال گرہ نمبر آرہا ہے اس کے لیے اپنی نگارشات جلد از جلد ارسال کردیں تمام بہنوں کا شکریہ جنہوں نے عید کی مبارک باد دی اور اپنے پرخلوص جذبوں کا اظہار کیا۔

اس ماہ کے ستارے

☆ برگد — برگد کے درخت سے انسانی سوچ کو مشابہت دیتی نازیہ کنول نازی کی خوب صورت تحریر۔

☆ خاموش صدائیں — محبت میں اگر اظہار نہ ہو تو خاموش صدائیں بن جاتی ہیں اقبال بانو کا موثر افسانہ۔

☆ آزمائش — بڑی باتیں کس طرح پکڑ میں آکر آزمائش بنتی ہیں رفاقت جاوید کی سبق آموز تحریر۔

☆ تیرے رنگ وچ — زندگی کے سفر کو ایک نیا رنگ دیتی ریحانہ آفتاب اپنے منفرد انداز کے ساتھ موجود ہیں۔

☆ میں قربان جاؤں — اپنی محبت کو قربانی کا درجہ دیتی نازیہ جمال شامل محفل ہیں۔

☆ دریچہ من — زندگی کے سفر میں حسین ہم سفر کی سنگت ہر راہ کو حسین بنادیتی ہے۔ حیا بخاری کا موثر انداز۔

☆ میری عید اب تم ہو — رشتوں کا پاس رکھتی سحرش فاطمہ کی خوب صورت تحریر۔

☆ جل اٹھے سب ہی دیے — ایمان کا دیا روشن کرتی شازیہ فاروق اپنے ناولٹ کے ہمراہ حاضر ہیں۔

☆ یہی تو عید ہے — قربانی کا درس دیتی سباس گل کی خصوصی تحریر۔

☆ جب کرم ہوتا ہے — نمود ونمائش اور ریاکاری کے نقصانات پیش کرتی حمیرا نوشین ایک منفرد انداز میں۔

☆ میکے کی عید — میکے سے عیدی وصول کرتی ماہم علی پہلی بار شریک محفل ہیں۔

☆ عیدی آئے گی — حرص وہوس کے موضوع پر لکھی سیدہ نسیم شاہ کی مختصر تحریر۔

☆ بچوں کی قربانی — قربانی کے اصل مفہوم سے آشنا کرتی تحسین انجم ایک دلکش پیرائے میں۔

☆ عید کی شاپنگ — عید کی خوشی میں غریبوں کا خیال کرتی مریم مرتضیٰ کا موثر افسانہ۔

☆ بہار — ایک ننھی کلی کی آمد کیسے بہار کا پیش خیمہ ثابت ہوئی حمیرا قریشی کا خوب صورت افسانہ۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعاگو
قیصر آرا

نذرانہ

نبی کریم ﷺ اور ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہم

وصال نبی کریم ﷺ کے وقت نو ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہم حیات تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ام سلمٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

نبی کریم ﷺ کی حیات ظاہرہ میں وفات پانے والی ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

ا۔ حضرت خدیجہ طاہرہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

۲۔ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

جن خواتین کو نبی کریم ﷺ نے اپنے آپ سے علیحدہ کردیا وہ دو عورتیں تھیں، ان سے نبی کریم ﷺ نے نکاح فرمایا مگر خلوت سے پہلے ہی ان کو جدا کردیا ان عورتوں کے نام یہ ہیں۔

ا۔ اسماء بنت نعمان کندیہ

جب نبی کریم ﷺ نے ان سے شادی کی تو ان کے بدن پر سفید داغ دیکھے اس سبب سے ان کو رخصت کر کے ان کے لوگوں کے پاس بھیج دیا۔

۲۔ عمرہ بنت یزید کلابیہ

جب یہ حضور ﷺ کے پاس آئی تو اس نے حضور ﷺ سے پناہ مانگی، پس آپ ﷺ نے اسے اس کے لوگوں کے پاس بھیج دیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے اسے بلایا تو اس نے جواب دیا۔

''ہم کسی کے پاس نہیں جاتے، لوگ ہمارے پاس آتے ہیں۔''

یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے اسے اس کی قوم میں واپس بھیج دیا۔

نبی کریم ﷺ کا ازواج مطہراتؓ سے سلوک

نبی کریم ﷺ کا فرمان اقدس ہے۔ نبی کریم صلی اللہ وسلم کا ازواج مطہراتؓ سے سلوک

''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی ازواج سے محبت کروں، انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھوں اور جو رحمتیں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کی ہیں ان میں سے ایک رحمت یہ ہے کہ اس نے میرے دل میں اپنی ازواجؓ کے لیے محبت پیدا کردی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ اپنی مصروفیات اور بھاری ذمہ داریوں کے باوجود عصر کی نماز کے بعد ہر بیوی کے پاس اس کے مکان میں تشریف لے جاتے اور ان کی ضروریات معلوم کرتے پھر بعد نماز مغرب کے سب سے ایک مختصر ملاقات فرماتے اور شب کہ مساویانہ طور پر باری باری ہر ایک گھر میں استراحت فرمایا کرتے تھے ہر بیوی کا مکان الگ الگ تھا اور سب مکان باہم پیوستہ تھے۔

فتح خیبر کے بعد حضور ﷺ نے ہر ایک بیوی کے لیے اسی وسق کھجور اور بیس وسق جو سالانہ مقرر کردیے تھے۔ دودھ کے لیے ہر بیوی کو ایک ایک دودھ دینے والی اونٹنی ملا کرتی تھی۔ حضور ﷺ کھانے پینے، گزارہ اور ملاقات وغیرہ جملہ امور میں ہر ایک بیوی کے ساتھ ایسے عدل و انصاف اور مساویانہ سلوک سے پیش آیا کرتے تھے جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، حضر میں سب بیویوں کے ہاں روزانہ قیام کی باری مقرر تھی مگر سفر میں روانگی کے وقت قرعہ اندازی کی جاتی اور جس بیوی کا نام نکلتا حضور ﷺ اس کو سفر میں ساتھ لے

جاتے اور اس طرح دوسری بیویوں کو اعتراض کا موقع نہ ملتا۔

......☆☆......

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ سے ملنے آئیں اور اذن کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی، ان کی آواز حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت ملتی تھی، رسول اللہ ﷺ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یاد آ گئیں، آپ ﷺ بے جھجک اٹھے اور فرمایا۔

''ہالہ ہوں گی۔''

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی موجود تھیں انہوں نے کہا۔

''یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ ایک بڑھیا کو یاد کرتے رہتے ہیں جو مر چکی ہیں اور اللہ نے آپ ﷺ کو ان سے اچھی بیویاں دی ہیں۔''

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''عائشہ جب لوگوں نے میری تکذیب کی' تو انہوں نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی معین و مددگار نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی۔''

......☆☆......

حضور ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو السلام علیکم فرمایا کرتے اور رات کے وقت حضور ﷺ ایسی آہستگی سے سلام کہتے کہ بیوی جاگتی ہو تو سن لے اور اگر سو گئی ہو تو جاگ نہ پڑے۔

آپ ﷺ ان کی دلداری کا بڑا خیال رکھتے اور ان کے ساتھ شفقت و مہربانی اختیار کرتے۔ کام کاج میں بھی حسب توقع حضور ﷺ ہاتھ بٹاتے اور اگر کام وقت پر نہ ہوتا ناراض ہونے کی بجائے نرمی سے سمجھاتے۔ حضور ﷺ ان کے دکھ درد میں برابر کے شریک ہوتے اور ان کی خوشی کے ساتھ اپنی خوشی کا اظہار فرماتے۔

......☆☆......

ایک غزوہ میں ایک قیدی گرفتار ہو کر آیا، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے میں بند تھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ادھر عورتوں سے باتیں کر رہی تھیں، ادھر وہ قیدی لوگوں کو غافل دیکھ کر بھاگ نکلا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو گھر میں قیدی کو نہ پایا۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ قیدی فرار ہو چکا ہے حضور ﷺ نے غصہ سے فرمایا۔

''تمہارے ہاتھ کٹ جائیں۔''

پھر باہر نکل کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خبر کی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھاگ دوڑ کر کے قیدی کو دوبارہ گرفتار کر لیا۔ قیدی کے دوبارہ گرفتار ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ جب اندر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی ہیں حضور ﷺ نے فرمایا۔

''عائشہ کیا کرتی ہو؟''

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔

''دیکھ رہی ہوں کہ کون سا ہاتھ کٹے گا۔''

رسول اللہ ﷺ بڑے متاثر ہوئے' پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے دعا فرمائی۔

......☆☆......

ایک بار رسول اللہ ﷺ اپنی زوجہ محترمہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے تو وہ رو رہی تھیں۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا۔

''کیوں روتی ہو؟''

حضرت صفیہؓ نے جواب دیا۔

''حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھے طعن دیا ہے کہ تو یہودن ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کی صرف بیویاں ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کی برادری اور آپ ﷺ کی ہم پلہ بھی ہیں۔''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔
"واہ، یہ رونے کی کون سی بات ہے۔ تم نے کیوں نہ یہ جواب دیا کہ میرا باپ ہارون علیہ السلام ہے اور میرا چچا موسیٰ علیہ السلام ہے اور میرا شوہر محمد ﷺ ہے پھر مجھ سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔"
اس بات سے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دل خوش ہو گیا بعد ازاں حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی منع فرما دیا کہ آئندہ ایسی بات کبھی نہ کہنا جس سے ان کا دل دکھے۔

......☆☆......

ایک بار حضور ﷺ کی زوجہ محترمہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابوسفیان سے ان کے بھائی معاویہ ملنے آئے ان دونوں بہن بھائیوں کا آپس میں بڑا پیار تھا وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے رسول ﷺ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا۔
"ام حبیبہ کیا معاویہ تمہیں بہت پیارا ہے۔"
ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں کہا۔
"ہاں حضور ﷺ یہ بھائی مجھے بہت پیارا ہے۔"
یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔
"اگر یہ تمہیں بہت پیارا ہے تو مجھے بھی بہت پیارا ہے۔"

......☆☆......

ایک دن ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں کسی نے تھوڑی سی کھجوریں بھجوائیں۔ رسول اللہ ﷺ کئی دونوں کے فاقے سے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی کئی دن سے کچھ نہ کھایا تھا بھوک کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ کھجوریں خود نہ کھائیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے لیے رکھ چھوڑیں، حضور ﷺ گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ کھجوریں آپ کی خدمت میں پیش کر دیں رسول ﷺ نے کھالیں۔ بعد میں خیال آیا تو حضور ﷺ نے پوچھا۔
"عائشہ تم نے بھی کچھ کھایا۔"
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی۔
"یا رسول ﷺ میرے لیے اپنے رب کی رضا کافی ہے۔"
حضور ﷺ سمجھ گئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کچھ نہیں کھایا آپ ﷺ کو بڑا افسوس ہوا آپ ﷺ نے فرمایا۔
"عائشہ تم کھا لیتیں۔"
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مسکرائیں اور کہنے لگیں۔
"اللہ کے رسول ﷺ نے کھالیں تو میں نے کھالیں۔" اس پر رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی۔
"اے اللہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس صبر کا اجر عطا فرما۔"
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔
"حضور ﷺ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو جنت میں آپ ﷺ کی بیوی بنائے۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔
"عائشہ اگر جنت میں میری رفاقت مطلوب ہے تو پھر زاہدہ اور صابرہ بن جاؤ کل کے لیے سامان خوراک جمع نہ کرو، جو زائد ہو اللہ کی راہ میں صدقہ دے دیا کرو۔"

......☆☆......

رسول اللہ ﷺ ایک بار عید الفطر کی نماز پڑھنے کے لیے جا رہے تھے۔
صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھے راستے میں بچے رسول اللہ ﷺ کی ٹانگوں سے لپٹ لپٹ کر اپنی خوشی کا اظہار کرتے تھے اور حضور ﷺ بھی ان کے سروں پر دست شفقت پھیرتے جاتے تھے بچے خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے تھے۔
رسول اللہ ﷺ ابھی گھر سے کچھ ہی دور گئے تھے کہ

آپ ﷺ کی نظر ایک بچے پر پڑی جو دوسروں سے الگ تھلگ کھڑا تھا اس کے کپڑے بھی نئے نہیں تھے اور لگتا کہ وہ نہا دھو کر بھی نہیں آیا اس کے چہرے پر اداسی ٹپک رہی تھی حضور ﷺ بچوں کو پیار کرتے کرتے اس بچے کی طرف گئے اور پوچھا۔

"آج عید کا دن ہے تم اداس کیوں ہو؟" بچے نے روتے ہوئے جواب دیا۔

"یا رسول اللہ ﷺ میں یتیم ہوں میرے والدین نہیں پھر کون تھا جو مجھے نہلاتا دھلاتا اور مجھے نئے کپڑے پہناتا۔"

رسول اللہ ﷺ نے بچے کو پیار سے گود میں اٹھایا اور اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔

"کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ محمد ﷺ تمہارا باپ اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمہاری ماں ہو۔ تمہیں نہلائے نئے کپڑے پہنائے خوش بو لگائے اور تمہیں اپنے کندھوں پر اٹھا کر نماز عید کے لیے لے چلوں۔"

یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ اس بچے کو اپنے گھر لے گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہلا دھلا کر اسے نئے کپڑے پہنائے اور پھر حضور ﷺ اسے اپنے کندھوں پر بٹھا کر عید کی نماز کے لیے لے گئے۔

......☆☆......

رسول اللہ ﷺ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

"اے اللہ مجھے مسکین رکھ، مسکین اٹھا، مسکینوں کے ساتھ میرا حشر کر۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کو یہ دعا مانگتے دیکھا کرتی تھیں ایک دن انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا۔

یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ یہ دعا کیوں مانگتے ہیں کہ دنیا میں مجھے غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ رکھ انہی کے ساتھ میرا خاتمہ ہو اور قیامت کے دن غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ ہی مجھے اٹھا۔"

حضور ﷺ نے فرمایا۔

"اس لیے کہ یہ دولت مندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اے عائشہؓ کبھی کسی غریب مسکین کو اپنے دروازے سے نامراد نہ پھیرنا، اسے ضرور کچھ دے دینا چاہے چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اے عائشہؓ غریبوں سے محبت رکھو ان کو اپنے قریب کرلو ایسا کرو گی تو اللہ تمہیں اپنے قریب کرلے گا۔"

......☆☆......

رسول اللہ ﷺ جانوروں تک کو برا بھلا کہنے سے منع فرماتے تھے ایک بار سفر میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک اونٹ پر سوار تھیں، چلتے چلتے اونٹ کچھ تیزی سے چلنے لگا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبان سے فقرہ لعنت نکل گیا رسول اللہ ﷺ رک گئے اور فرمایا۔

"یہ اونٹ واپس کردو جس چیز پر لعنت کی گئی ہو وہ ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔"

......☆☆......

ایک بار ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے ہاتھ سے آٹا پیسا اور اس کی روٹیاں پکائیں رسول اللہ ﷺ باہر سے تشریف لائے اور آتے ہی نماز میں مشغول ہوگئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذرا آنکھ لگ گئی، ایک ہمسایہ کی بکری آئی اور ان ٹکیوں کو کھا گئی جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہایت محنت سے رسول اللہ ﷺ کے لیے تیار کی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بکری کو مارنے دوڑیں رسول اللہ ﷺ نے انہیں روکتے ہوئے فرمایا۔

"عائشہؓ...نہ...ہمسائے کو تکلیف نہ دو۔

عمارہ شاہ

السلام علیکم! ڈیئر ریڈرز کیا حال چال ہے؟ امید کرتی ہوں سب کے مزاج اچھے ہوں گے اور دعا کرتی ہوں کہ میرے حال چال کے اختتام تک اللہ پاک آپ سب کے نازک مزاجوں کو درست زاویے پر رکھیں۔ بس بس حال چال بہت ہوگیا اب اصل تعارف کی طرف آتے ہیں' ہاں تو مابدولت باتونی صاحبہ کو عمارہ شاہ اور بہت لاڈ پیار کا نام گالالی ہے میرے بعد (مریم) ہے میری دوسری بہن جو اپنے نام کے بالکل الٹ ہے یعنی مجھ سے زیادہ باتونی اور فیشن ایبل ہے اور لاسٹ میں میری بہت زیادہ اچھی اور میرے دل کے بہت قریب میری سویٹ سی پری بہن (جویریہ) ہے جو ایک بہن ہونے کے ساتھ ساتھ میری بیسٹ فرینڈ بھی ہے۔ مابدولت نے دل کے سارے خفیہ راز اس کے دل کے اکاؤنٹ میں سیو رکھے کیونکہ مابدولت کو اپنی بہن پر خود سے زیادہ بھروسہ ہے۔ ڈیئر فرینڈز اب مابدولت کو ذرا اپنی خوبیاں اور خامیوں کی طرف لے چلیں' ذرا ہاں پہلے بات کرتے ہیں خامیوں کی تاکہ خوبیاں پھر ذرا آرام سے بیان کرلیں۔ بات بات پر رونا' ضد' غصہ اور کچھ کچھ بدتمیز بھی۔ کیا کروں فرینڈز چاہ کے بھی ان خامیوں کو دور نہیں کرسکتی اور بہت چاہ کے بھی دور نہیں ہوتی۔ زندگی میں اپنے سے وابستہ ہر پیارے رشتہ کو انہی خامیوں کی وجہ سے بہت تکلیف دی ہے' بہت ہرٹ کیا ہے سب کو۔ اب چاہے جتنی دفعہ بھی ان سب سے معافی مانگ لوں کچھ نہیں ہوسکتا نہ ہی وہ دن میں واپس لاسکتی ہوں بس زندگی میں مجھے یہی ایک واحد غم ہے کہ میں نے کیوں اپنے پیاروں کو ہرٹ کیا۔ اچھا فرینڈز اب خوبیوں کی بات ہوجائے۔ خوبیاں تو بس ذرا سی ہیں اپنی ہر غلطی کا فوراً احساس ہوجانا' غریبوں اور دکھی لوگوں کی مدد کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جانا اور زندگی سے ناراض لوگوں کو ہر ممکن طرح سے خوش کرنا اور رکھنا۔ خوبیاں اور خامیاں ختم' اب آگے بڑھتے ہیں کچھ اور کھانا پینا میرا بہت سمپل ہے مطلب میں صرف زندہ رہنے کے لیے کھاتی ہوں۔ گوبھی' کدو' بریانی (چکن' آلو دونوں کی) بھنڈی' مٹر پھلی اور آلو چپس یہ میری فیورٹ ڈشز ہیں۔ مشروبات میں روح افزا دودھ ملک' گاجر کا جوس' بنانا شیک' ملک کافی اور چائے یہ سب میرے فیورٹ ہیں۔ جینز' ٹراؤزر اور کرتے پہننا پسند ہے۔ کالا اور سفید رنگ میرا فیورٹ ہے' سونگز مجھے پسند نہیں ہیں' کبھی کبھی سیڈ سونگ سن لیتی ہوں جب بہت اداس ہوتی ہوں۔ کمپیوٹر سے موبائل پر گیمز اور ہارر موویز ڈاؤن لوڈ کرنا فیورٹ کام ہے۔ فرینڈز میں ایک اور کام میں بھی سست ہوں میں صرف تین وقت کی نماز پڑھتی ہوں' فجر' مغرب اور عشاء چاہ کے بھی ہر بار کام کی وجہ سے صرف تین وقت کی نماز ہی ہوپاتی ہے۔ سویٹ فرینڈز پلیز دعا کریں میں پانچ وقت کی نمازی بن جاؤں' مجھے بے حد مخلص لوگ پسند ہیں اس لیے میری زندگی میں بہت ہی کم انسان میرے فرینڈ ہیں۔ میری بیسٹ فرینڈ صرف دو ہی ہیں (شائستہ آپی اور گلشن آپی) مجھے اپنی یہ دونوں سسٹرز' فرینڈ اس حد تک پیاری ہیں کہ اگر کبھی ان کے لیے جان بھی دینی پڑے تو مجھے خود کی پروا نہیں ہوگی کیونکہ ان دونوں نے زندگی کے ہر قدم پر ثابت کرکے دکھایا ہے کہ میں ان دونوں کو بہت پیاری ہوں۔ بس میری دعا ہے کہ اللہ پاک ان کو بہت سویٹ' لونگ اور کیئرنگ ہمسفر عطا کرے' آمین۔ ڈیئر فرینڈز بس دو منٹ برداشت کرلیں۔ اس سال گریجویشن سے فارغ ہوئی ہوں یعنی بی اے فائنل ائر' ان شاء اللہ آگے لاء میں ایڈمیشن لوں گی کیونکہ یہ میرے بچپن کا خواب ہے

کہ میں ایک کامیاب وکیل بن کے اس ملک کے غریب لوگوں کو انصاف دلاسکوں۔ او کے فرینڈز کوشش کریں کہ زندگی میں کبھی بھول کر بھی اپنے سے وابستہ پیارے رشتوں کو ذرا سا بھی دکھ نہ دیں کیونکہ وقت سب کچھ ٹھیک تو کرسکتا ہے مگر کھوئی ہوئی محبت کو کبھی واپس نہیں لاسکتا اور دوسری بات انسانوں کا ساتھ اور دوستی میں کبھی بھی ضرورت کو نہ دیکھیں۔ او کے فرینڈز میری بوری باتیں سن کے کیسا لگا مجھے ضرور بتایئے گا' اپنا خیال رکھیں' خوش رہیں' اللہ حافظ۔

رانا سمیرا

ڈیئر حجاب اسٹاف اینڈ قارئین' آپ سب کو میر پیار بھرا اسلام قبول ہو' کیا حال چال ہے' میری دعاؤں سے سب ٹھیک ٹھاک ہوں گے' خدا کے فضل وکرم سے میں بھی فٹ فاٹ ہوں' پہلی بار حجاب میں لکھنے کی ہمت اور جسارت کی۔ آئی ہوپ کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے' مائی نک نیم سحرش گھر والے بھی اسی نام سے بلاتے ہیں۔ مابدولت نے 14 ستمبر 1995ء میں پاکستان کے خوب صورت شہر جنڈانولہ میں آنکھ کھولی مجھے کائنات کی خوب صورتی بہت متاثر کرتی ہے ایف اے (اکنامکس) کررہی ہوں۔ اسکول لائف کو بہت انجوائے کیا اب جنڈانوالہ کے اکلوتے کالج میں لائف بہت زیادہ لطف ہوگی۔ پڑھنا' پڑھنا اور بس پڑھنا' مجھے پڑھنے کا بہت زیادہ شوق ہے۔ کتابوں سے سچا عشق ہے' ہر انسان میں خوبیاں اور خامیاں ہوتی ہیں۔ خامی یہ ہے کہ انسانوں کو پرکھ نہیں سکتی' جو میٹھا بول دے وہ اچھا لگتا ہے چاہیں وہ اندر سے کتنا ہی کڑوا کیوں نہ ہو۔ سیکنڈ یہ کہ بہت زیادہ ضدی ہوں اپنی زندگی تو برباد کرسکتی ہوں لیکن ضد نہیں توڑ سکتی۔ خوبی یہ ہے کہ نہ کسی کو دکھ دیتی ہوں نہ ہی کسی کا دکھ برداشت کرسکتی ہوں' اگر کوئی مجھ سے ناراض ہوجائے۔ میری غلطی نہ بھی ہو فوراً سوری کرلیتی ہوں' محبت میں کسی کو دھوکہ نہیں دیتی۔ کلر بلیک اور پنک پسند ہے' جیولری میں جھمکے اور کنگن پسند ہیں۔ ہاتھوں پر مہندی بڑی ٹاپ کی لگتی ہے ڈریس فیشن کے لحاظ سے ہر طرح کا پہن لیتی ہوں۔ کھانے میں جو دل کو اچھا لگے کھالیتی ہوں' نخریلو بالکل نہیں ہوں' کوکنگ کرنا' صفائی اور کپڑے پریس کرنا بہت اچھا لگتا ہے۔ ڈاکٹر اور مجاہد لوگ بہت اٹریکٹ کرتے ہیں' سیڈ شاعری اور سیڈ سونگ کی دیوانی ہوں۔ بہت کم گو ہوں' زیادہ بولنے والے لوگ بہت بُرے لگتے ہیں' تنہائی پسند ہوں۔ بلیک ڈریس اور بلیک کنگن پہن کر سنہری بالوں کو کھلا چھوڑ کر بارش میں نہانا ہائے بہت مزا آتا ہے۔ پسندیدہ شہر مدینہ منورہ اور شاہ جیون' پسندیدہ ہستی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ماما' پاپا اور اپنے پانچوں چاند سے بھائی اساتذہ میں ٹیچر شاہین' نازیہ اور کوثر بہت اچھی ہیں' خدا ان کو زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں عطا فرمائے' آمین۔ جن لوگوں سے ایک بار ملاقات ہوجائے وہ اپنے بن جاتے ہیں' میری بیسٹ فرینڈ سمیرا نازش' حمیرا اسلم اور سارہ خان بہت اچھی ہیں۔ صائمہ تو بہت ہی اچھی ہے' چھوٹی پھوپو بہت اچھی لگتی ہے۔ اپنے پیارے آنچل وحجاب کے بغیر مجھے اپنی ذات بہت ادھوری لگتی ہے' آنچل وحجاب میری جان اور ان سے وابستہ ہر چیز مجھے بہت عزیز ہے آنچل و حجاب سے دوستی کبھی بھی نہیں توڑ سکتی کیونکہ اس سے میرا رشتہ بہت مضبوط اور اٹوٹ ہے۔ ایک پیغام آپ سب کے نام' کبھی بھول کر بھی ماں کو مت رُلانا' تمہاری ایک غلطی پورے عرش کو ہلادے گی لیکن ماں کی یک دعا تمہاری زندگی بنادے گی خود روئے گی مگر تم کو ہنسادے گی۔ اجازت چاہتی ہوں اگر سانسوں نے وفا کی تو پھر ملاقات ہوگی۔

مدیحہ شفیع

السلام علیکم! میرے پیارے حجاب کی پیاری پیاری شہزادیوں (بے شک میں نے تم سب کو دیکھا نہیں ہے لیکن چلو کوئی بات نہیں۔ اس دنیا میں سب چلتا ہے اگر کوئی پری میرے سب کو شہزادی مخاطب کرنے پر خفا ہے تو جلدی سے اب اپنا موڈ ٹھیک کرلے) اور سنائیں جناب کیا حال چال ہیں (ارے تم سب بھی سوچ رہیں ہوں گی کہ اپنا تعارف کروایا نہیں اور حال چال بھی پوچھنے والا) اوکے جناب ہم اپنا تعارف بھی کرائے دیتے ہیں۔ میں ہوں مدیحہ شفیع عرف مدو' مانو' آپی زاہدہ کی شہزادی' آہم۔ پاکستان کے پیارے سے شہر بورے والا کی رہائشی ہوں' جو میرے لیے ہر دل عزیز شہر ہے کیونکہ بورے والا سے میری تمام یادیں جڑی ہیں اینڈ اپنی ایج نہیں بتاسکتی کیونکہ ہر لڑکی کی طرح میں بھی اس معاملے میں بہت کچی ہوں (اب یہ مت سمجھ لینا کہ' ہاہاہا) اور میں بھائی عمر سے (سب سے چھوٹا) بڑی ہوں' آہم)۔ اب میں سوچ رہی ہوں کہ اپنی سوچ تک رسائی آپ سب کو بھی کرادی جائے (جناب ہر کام سوچ سمجھ کر کرتی ہوں نا' اس لیے) لیکن محترمہ حافظہ نازیہ عبدالحمید صاحبہ اب یہ مت کہیے گا کہ دوستی اور محبت سوچ سمجھ کر ہی کرنی تھی کیونکہ ہم نے یہ کام بہت سوچ سمجھ کر ہی کیا تھا' کیا یار مجھے خود پر بھی بلیو نہیں ہوتا کہ میں نے محبت کی۔ وہ بھی ایک لڑکی سے (آئی مین تم سے) لیکن ایک بات ہے (میں نے محبت تو سوچ سمجھ کر نہیں کی تھی البتہ اقرار سوچ سمجھ کر ہی کیا تھا) میں نے تمہارا غرور توڑنا تھا' سوری تمہارے منہ سے اپنے لیے پسندیدگی کے الفاظ سننا تھے جو ہمیشہ تمہاری آنکھوں میں' میں نے دیکھے اور ایک راز کی بات بھی بتاتی چلوں' میں انہیں سچے جذبات کو اگنور کرنے کے لیے تمہاری غلافی آنکھوں میں نہیں دیکھتی تھی۔ اظہار تو خیر بہت پہلے سے ہی ہوچکا تھا' ہے ناں۔ وہ مجھے (نازیہ عبدالحمید) نویں میں ملی' میری ہی کلاس فیلو تھی۔ نجانے کیسے محبت ہوگئی پتا ہی نہ چلا' مجھے محبت کا نہ تو معلوم تھا کہ یہ کیا چیز ہے اور نہ ہی کبھی کسی سے ہوجانے کی دعا کی تھی اور نہ ہی کبھی ایسا سوچا۔ وہ بھی ایک مغرور لڑکی سے' توبہ توبہ...... اُف یہ محبت...... پاگل کردیتی ہے یہ محبت' یار ایک ایسی لڑکی تھی میں جو محبت کا مذاق اڑاتے نہ تھکتی تھی اور اسی محبت نے مجھے اپنے جال میں کیسا جکڑا یہ تو کوئی مجھ سے پوچھے' لیکن بتائے سے بھی بتائی نہ جائے گی یہ داستانِ عشق و غم۔

محبت کا مذاق اڑانے والوں کے نام ایک نظم

اڑایا کرتی تھی مذاق میں بھی
اس محبت کا
دیا کرتی تھی نام اس کو
دل لگی کا
نجانے کیسے یہ محبت
مجھے بھی ہوگئی؟
کیا چیز ہے یہ محبت
نجانے میں کہاں
کھوگئی
مجھے بھی محبت ہے
اک بے وفا سے
کیا کرتی ہوں اقرار میں بھی
اس محبت کا......
اور اب لوگ اڑاتے ہیں مذاق
میری محبت کا......
فرق صرف اتنا ہے کہ
دیا کرتے ہیں وہ نام اس کو
دل کی لگی کا......

آواز بھرائی ہوئی' آنکھوں میں نمی' ہونٹوں پر اب جانے کتنے سالوں سے خاموشی کی برف جمی ہے۔ دل اداس' اس کی حسین یاد دھڑکن جیسے ویرانے میں دھڑک

رہی ہوں میں محفل میں ہوتے ہوئے بھی اکیلی' بھیڑ میں بھی تنہا (ارے کس لیے محبت جو ہوئی تھی' ایک مغرور سے اُف......) سوری پلیز اگر آپ میں کوئی بھی میری محبت کا رونا سن کر ڈسٹرب ہوا ہو' میں بھی کیا لے کر بیٹھ گئی۔ گفٹس دینے کا بے حد شوق ہے اور کسی کی برتھ ڈے پر میں ہی سب سے زیادہ پرجوش دکھائی دیتی ہوں' آہم...... (سوری یار نازی! تمہیں دینا تھا لیکن آگے تم خود سمجھ دار ہو' اب تو اس بات کو سال ہا سال بیت گئے' آہ) ڈائجسٹ پڑھنے کا بے حد شوق جواب میرا جنون وحاصل ہے (جناب ایک عدد لکھاری بھی ان شاء اللہ آپ کی دعاؤں سے جلد ہی ضرور بن جاؤں گی) لکھنے کا شوق تو بچپن سے ہے اور اب...... خوابوں کی دنیا سے دور بھاگتی ہوں کیونکہ حقیقت یکسر مختلف ہوتی ہے۔ لباس میں پاجامہ ود لونگ کرتا یا فراک رنگوں میں ریڈ کلر از مائی موسٹ فیورٹ کلر اینڈ اس کے بعد وائٹ اینڈ بلیک یا پنک۔ کھانے پینے کا ذرا خیال نہیں رکھتی کیونکہ اس چیز کا اتنا شوق نہیں (اس لیے بے حد اسمارٹ ہوں عقل سے بھی) اللہ کی ذات پر بھروسہ قائم رکھنا چاہتی ہوں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میری آئیڈیل میری پیاری سی سسٹر (مون) ہے جو مجھ سے بڑی ہے۔ پھلوں میں سب سے زیادہ انگور ہی پسند ہیں جو کہ انگوروں کے موسم میں خوب اڑاتی ہوں' آئی مین بہت کھاتی ہوں او کے جناب اب اللہ حافظ۔

مہرین آصف

پیارے قارئین آنچل اسٹاف اینڈ رائٹرز کو محبت بھرا سلام قبول ہو تو جی جناب کیسے ہیں آپ کیا کہا نہیں پہچانا تو کوئی بات نہیں۔ ہم آپ کو اپنا تعارف کرادیتے ہیں تو ہم سے ملیئے ہم کو مہرین آصف بٹ کہتے ہیں بٹ ہماری کاسٹ ہے بچپن سے ہی نام کے ساتھ لکھتے آرہے ہیں یہی پہچان ہے۔ جنت نظیر وادی کشمیر کی خوب صورت سی وادی سہنسہ آزاد کشمیر سے ہمارا تعلق ہے یہاں کے لوگ ملنسار پیار کرنے والے مہمان نواز ہیں' آزمائش شرط ہے۔ یہاں کی زیادہ آبادی پڑھے لکھے افراد پر مشتمل ہے۔ ہماری ڈیٹ آف برتھ 18 اکتوبر ہے' ہم دراز قامت خوب صورت نرم و نازک حسین ذہین واسمارٹ سے ہیں وہ کیا ہے نا کہ غرور نہیں کیا ماشاء اللہ تو کہہ دو نظر ہی نہ لگ جائے کہی خیر کیوں کہ کشمیری جو ٹھہرے۔ ہائے رے خوش فہمی' ویسے ہماری فیملی کی تمام لڑکیاں لڑکے دراز قامت حسین و ذہین ہیں۔ ارے ارے یہ ہم نہیں کہہ رہے بلکہ عموماً لوگوں کی رائے یہی ہوتی ہے آپ کا اتفاق کرنا ضروری نہیں۔ آپ بھی کیا سوچ رہے ہوں گے ہم نے کیا تعارف کے بجائے اپنی تعریفیں شروع کردی تو پھر آگے ہو جائے۔ ہمارے والد محترم تعلیم کے شعبے سے وابستہ ہیں جبکہ والدہ گھریلو خاتون خانہ کے فرائض سر انجام دے رہی ہیں۔ ہم سے بڑے دو بہن ایک بھائی جبکہ دو بھائی ایک بہن چھوٹے ہیں۔ ہماری فیملی کا شمار تعلیم یافتہ افراد میں ہوتا ہے' ہمارے خاندان کے 90 فیصد افراد تعلیم یافتہ ہیں جہاں تک ہماری تعلیم کا تعلق ہے تو مابدولت بی اے کی اسٹوڈنٹ ہیں۔ فیورٹ سبجیکٹ ہسٹری' ایجوکیشن اینڈ ادب ہے' مستقبل میں صحافت یا ایجوکیشن ان میں سے کسی شعبے کو اپنائیں گے ان شاء اللہ۔ فیورٹ ٹیچر میں صغریٰ ہیں' جس شخصیت نے سب سے پہلے متاثر کیا وہ ہمارے والد صاحب ہیں جو کہ اچھے استاد و باپ کے علاوہ بہت اچھے شاعر بھی ہیں اگر وہ باقاعدہ اپنی کتب کی اشاعت کراتے تو اچھے شاعروں میں ان کا بھی شمار ہوتا ہسٹری سے ان کو بہت لگاؤ ہے اچھے وکیل بھی بن سکتے ہیں کہ اس شعبے میں بھی ان کی کافی معلومات ہیں۔ پسندیدہ شخصیت میں سرفہرست حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ حضرت خالد بن ولید ہیں پسند و ناپسند کی بات کی جائے تو بارش کے بعد کا موسم گیلی مٹی کی خوشبو پسند

ہے اکثر بارشوں کا موسم اداس کر دیتا ہے۔ باغبانی سے لگاؤ ہے ہرے ہرے پودے و پھول بہت پسند ہیں۔ پھولوں میں رات کی رانی موتیے کے پھول اور گلاب بہت پسند ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمارے گھر میں ہر قسم کے ہرے بھرے پھول ہیں جو کہ ماحول کو دلکش بناتے ہیں۔ موسموں میں سردیوں کا موسم بہت پسند ہے فجر اور مغرب کا وقت گرمیوں کی راتیں اچھی لگتی ہیں خصوصاً رات کو ڈوبتے چاند کا نظارہ کرنا اچھا لگتا ہے شاعری سے کافی لگاؤ ہے ایسی شاعری پسند ہے جو دل کو چھو جائے۔ فیورٹ شاعر علامہ اقبال' فیض احمد فیض ہیں۔ چھوٹے بچے پسند ہیں ان کی معصومیت بھری باتیں شرارتیں اچھی لگتی ہیں' بچپن سے تنہائی پسند ہوں دل کی ہر بات کسی سے شیئر نہیں کرتی سوائے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے معاملے میں کنجوس ہوں کہ دوست بنانا پسند نہیں ویسے دعا سلام کی حد تک کئی دوست ہیں پر جس سے دل کی بات شیئر کی جائے ایسی کوئی نہیں۔ اپنی سسٹرز اینڈ کزنز سے بھی دوستی ہے' پھلوں میں آم' آڑو پسند ہیں۔ کھانے میں جو اچھا کھانا چٹ پٹا ہو پسند ہے۔ اپنی فیملی کے برعکس چاول خاص پسند نہیں مگر تناول فرماتے ہیں۔ جہاں تک خوبیوں خامیوں کی بات ہے ہر انسان میں پائی جاتی ہیں انسان جتنا اپنے آپ کو جانتا ہے اتنا کوئی اور نہیں۔ میری نظر میں مجھ میں جو غلطی ہے وہ یہ کہ قوت برداشت کی کمی ہے دو تین سال پہلے تو سب ٹھیک تھا پر اب ذرا سی بات جذباتی کر دیتی ہے۔ غصہ جلد آجاتا ہے غصے کی حالت میں کھانا چھوڑ دیتی ہوں مگر پانی نہیں کہ پانی ہماری کمزوری ہے' غصے کی حالت میں خود کو کمرے تک محدود کر لیتی ہوں' جلد ہی غصہ اتر جاتا ہے کبھی کبھار دوسرے بھی غصے کا نشانہ بنتے ہیں' ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ لباس میں شلوار قمیص چوڑی دار پاجامہ بھی بڑا سا ڈوپٹہ پسند ہے۔ جیولری میں رنگ اور بریسلیٹ پسند ہے' میوزک وہ جو سن کر اچھا لگے۔ اپنے خاندان کی جو سب سے زیادہ بات پسند ہے ہمارے خاندان میں لڑکیوں لڑکوں کو برابری کی سطح پر حقوق دیئے جاتے ہیں انہیں اعلیٰ تعلیم بلکہ وراثت میں ان کا حق دیا جاتا ہے۔ شادی کے معاملے میں ان کی مکمل رضامندی لی جاتی ہے اور برادری سے باہر شادی کرنا غلط نہیں سمجھا جاتا۔ سیرو سیاحت کی شوقین ہوں کہ پوری دنیا گھومنے کی خواہش ہے سب سے پہلے اپنا ملک ہماری دعا ہے کہ کشمیر جلد آزاد ہو کہ ہم اپنے پورے ملک کو اکٹھے دیکھنا چاہتے ہیں۔ مطالعہ کے بہت شوقین ہیں ہر قسم کی کتب زیر مطالعہ رہتی ہیں۔ ایک اور بات اپنے بارے میں بتا دیں کہ ہمیں جھوٹ سے نفرت ہے' ہمیشہ کوشش ہوتی ہے سچ بولنے کی یہ تو نہیں کہوں گی کہ کبھی جھوٹ نہیں بولا بہت کم بولا ہے۔ ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ میری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے' کسی سے محبت کرتی ہوں تو ٹوٹ کر اگر کوئی دل سے اتر جائے تو اس سے ملنا گوارہ نہیں کرتی' انا پرست ہوں جو کہ غلط بات ہے اگر کوئی برا کہہ دے جب تک معافی نہ مانگ لے معاف نہیں کرتی۔ دوسرے مجھ پر اعتبار کرتے ہیں جبکہ میں کسی پر اعتبار نہیں کرتی کبھی کسی کا اعتبار نہیں توڑا۔ مذہب کے زیادہ قریب ہوں آج کل کے حالات سے بہت تکالیف ہوتی ہے مسلمان آپس میں لڑ رہے ہیں یہ کون سی چیز انہیں آپس میں لڑوا رہی ہے جبکہ ہمارا مذہب تو اس سب کی اجازت نہیں دیتا' اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے' آمین۔ کھیلوں میں کرکٹ پسند ہے ویسے آج کل کرکٹ ٹیم کے حالات بھی ملکی حالات کی طرح چل رہے ہیں' دعا ہے جلد بہتر ہوں۔ ہمیں دیجیے اجازت اگر زندگی نے وفا کی تو پھر ملاقات ہوگی' دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایڈ فری لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

سپاس گل

آج ہم جن نامور شخصیت کو حجاب فیملی سے ملوانے جارہے ہیں

وہ کراچی سے تعلق رکھتے ہیں اور شوبز میں ان کا ایک نام اور مقام ہے آج کل ان کا لکھا ایک فیمس سوپ سیریل بہو بیگم اے آر وائے چینل پر بہت پسند کیا جارہا ہے

جی تو ہمارے بہت سے قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ ہم کن کا ذکر کررہے ہیں ۔ شاعر، ناول نگار، سکرپٹ رائٹر، ڈائریکٹر، پرڈیوسر اور وائس اوور آرٹسٹ ”سر امجد بخاری“ کا۔

سر امجد بخاری جب بات چیت کرتے ہیں تو ان کا شفیق اور نرم لہجہ ان سے ملنے والے ہر شخص کے دل میں ان کے احترام کو مزید بڑھا دیتا ہے

”امجد بخاری سادہ طبیعت، سادہ لباس اور پروقار گفتگو کرنے کے ماہر ہیں انھوں نے اعلی پائے کی غزلیں اور ناول لکھے

ان کی شہرت کی سب سے پہلی کڑی ان کی شاعری کتاب آیت ہجر بنی ان کی شاعری میں ایک خاص طرح کی وسعت اور دانش ورانہ گہرائی پائی جاتی ہے۔

پھر ڈرامے ان کی وجہ شناخت بنے

انھوں نے بہت سی نامور شخصیتوں کے ساتھ کام کیا

ان کی دیگر تصانیف میں ناول پاداش اور تحیر واسرار کی دھند میں لپٹی ایک لرزہ خیز داستان گورکھ دھندہ شامل ہیں

ان کی ۱۰۰ کے قریب کتابیں مارکیٹ میں آچکی ہیں

تو آیئے سر امجد بخاری سے ان کی شوبز کی مصروفیت اور تصانیف کے متعلق مزید بات چیت کرتے ہیں

حجاب: سر کیسے ہیں آپ؟

آج کل آپ کی کیا مصروفیت ہے؟

جواب: الحمدللہ

آج کل ایک ڈرامہ سیریل سودائی کا شوٹ پلان کررہا ہوں

حجاب: آپ کی وجہ شہرت شاعری بنی پھر ڈرامہ نگاری کی طرف کیسے آئے؟

جواب: شاعری تسکین دل کے لیے اور ڈرامہ روزی

روٹی کے لیے۔

حجاب: آپ شاعر بھی ہیں، اسکرپٹ رائٹر، ڈائریکٹر اور پروڈیوسر بھی ہیں تو کیسے مینج کرتے ہیں سب کام؟

جواب: سباس گل پہلے میں دوسرے پروڈکشن ہاؤسز کے لیے کام کرتا تھا اب پروڈکشن بھی اپنی کرتا ہوں سو ہوجاتا ہے

حجاب: آج کل آپ کون سے ڈرامے پر کام کررہے ہیں؟

جواب: آج کل ۱۰۰ اقساط پر مبنی ایک سوپ سیریل تم سے بچھڑ کر کی ریکارڈنگ چل رہی ہے جس میں اسی ڈرامے میں کام کرنے والی زینب احمد اور بابر خان مرکزی کردار ادا کررہے ہیں ایک ڈرامہ سیریل سودائی کا شوٹ پلان کررہا ہوں جو ۲۳ اقساط پر مبنی ہوگا

حجاب: پاکستانی اور بھارتی ڈراموں کے کنسپٹ اور تکنیک میں کیا بنیادی فرق ہے؟

پاکستانی ڈرامے کی انفرادیت کا۔

جواب: ہمارا ڈرامہ انڈین ڈرامے سے بہت اچھا اور معیاری ہوتا ہے اس بات کو بھارت والے خود بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن اب ناعاقبت اندیش قسم کے لوگ انڈین ڈرامہ کو کاپی کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں یہ دیکھ کر حیرت بھی ہوتی ہے اور افسوس بھی ہمارے ڈرامے میں ایک مضبوط کہانی ہوتی ہے لیکن ان کے ہاں گلیمر زیادہ ہوتا ہے چھوٹی سی بات کو اتنا طول دیتے ہیں کہ بعض اوقات منگی ہونے لگتی ہے۔

حجاب: موضوعاتی اعتبار سے انتہائی بے باک اور گلیمر سے بھرپور ترکش ڈرامے کی پاکستان آمد کے بارے میں آپ کا نقطہ نظر کیا ہے؟

جواب: دنیا ایک گلوبل ویلیج بن گئی ہے اس لیے ایسا ہونا کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے لیکن میں ذاتی طور پہ اس چیز کو پسند نہیں کرتا کئی لوگ بھی نہیں کرتے ہوں گے کیونکہ یہ ہمارے ٹیلنٹ کی توہین ہے۔

حجاب: کبھی دل میں ایکٹنگ کا شوق چرایا؟

جواب: شوق تو کبھی نہیں چرایا لیکن ایکٹنگ کرچکا ہوں اور کبھی بھی کرسکتا ہوں۔

حجاب: سوپ سیریل بہو بیگم کا کنسیپٹ کیسے آیا دماغ میں؟

جواب: بہو بیگم کا مرکزی خیال ایک حقیقت پر مبنی تھا اور یہ پاکستان کی بہت بڑی کمپنی کے مالکان کی سچی داستان تھی۔

حجاب: اگر آپ شاعر اور رائٹر نہ ہوتے تو کیا ہوتے؟

جواب: مجھے پورا یقین ہے میں پھر انسان ہوتا۔

حجاب: جب آپ نے قلم اٹھایا تو کیا خیالات تھے؟ کیا لکھنا کیسے لکھنا ہے؟

جواب: میں جب بھی قلم اٹھاتا ہوں اسے آزاد چھوڑ دیتا ہوں اتفاق کی بات کچھ نہ کچھ اچھا ہو ہی جاتا ہے۔

حجاب: کچھ لکھنے کے بعد کسی کردار میں کمی کا احساس ہوا؟

جواب: بہت بار کیونکہ مکمل ذات تو صرف اللہ کریم کی ہے انسان کے کام میں کمی، کوتاہی ہمیشہ ہوتی ہے۔

سوال: سر آپ کے کتنے مجموعہ ہائے کلام چھپ چکے ہیں؟

جواب: دس

حجاب: کس موضوع پر طبع آزمائی کا مستقبل میں ارادہ ہے؟

جواب: میرا خیال ہے میں ہر موضوع پر لکھ سکتا ہوں کیونکہ آج تک میں نے جس کام کو بھی پہلی مرتبہ کیا مجھے نہیں لگا کہ میں یہ نہیں کرسکوں گا

حجاب: خود کو کس کا ہم عصر پاتے ہیں؟

جواب: مجھے کسی کا ہم عصر کہلانے کی کبھی خواہش پیدا نہیں ہوئی میں امجد بخاری ہی رہنا چاہتا ہوں۔

حجاب: کوئی ایسی کتاب جو بار بار پڑھی مگر پھر بھی دل کرتا ہو کہ بار بار پڑھوں؟
جواب: شمیم نوید کا ناول تھا ہم زاد۔
حجاب: سر کچھ اپنے بچپن کے بارے میں بھی بتایئے کیسا گزرا؟ شرارتی تھے یا سنجیدہ؟
جواب: شرارتی تو تھا لیکن کھیل کود کا شوقین نہیں تھا پانچ سال کی عمر میں صقلیہ کا مجاہد، نیشا پور کا شاہین اور یوسف بن تشفین پڑھ چکا تھا یعنی مطالعہ کا بہت شوقین تھا۔
حجاب: زبردست سر، فیملی میں کوئی ادب سے دلچسپی رکھتا ہے؟
جواب: میرے بابا مضطر بخاری جنوب پنجاب کے شہر مظفر گڑھ میں رہتے تھے اور استاد الشعراء کہلاتے تھے شاعری پر ان کی کئی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔
حجاب: آپ کو فیملی اور دوستوں میں کون سپورٹ کرتا ہے؟
بابا حیات تھے تو وہی میرا حوصلہ تھے ان کے بعد جو بھی کیا اپنی مدد آپ کے تحت کیا۔
حجاب: آپ کی زندگی کا سنہری دور؟
جواب: بچپن

حجاب: آپ نے زندگی سے کیا سیکھا؟ کیسا پایا اسے؟
جواب: سانسوں کا بوجھ ڈھونے کو جینا کہو اگر
زندہ ہے زندگی کی جفاؤں کے روپ میں
امجد غم حیات سے شکوہ کریں تو کیا؟
تقدیر ڈھل گئی ہے سزاؤں کے روپ میں
حجاب: واہ خوب سر!
زندگی کی سب سے بڑی خواہش؟
جواب: ہزاروں خواہشیں ایسی
کہ ہر خواہش پے دم نکلے
حجاب: خوشی کا اظہار کیسے کرتے ہیں؟
جواب: مسکرا کر، ہنس کر، جھوم کر اور بعض اوقات ناچ کر
حجاب: آپ کو شاعری کرنا زیادہ پسند ہے یا تحریر لکھنا؟
جواب: دونوں
حجاب: کیا چاندنی راتیں اور برساتیں شاعر کے مزاج پر اثر انداز ہوتی ہے؟
جواب: میرا ماننا ہے کہ کسی بھی موسم کا اچھا یا برا لگنا آپ کی اندرونی کیفیات پر منحصر ہے آپ کے جذبات و احساسات ہی آپ کے اردگرد کے ماحول پر اثر انداز

حجاب: ملکی حالات کے ذمہ دار کسے سمجھتے ہیں؟ اگر ہم عوام بھی ان حالات کا ذمہ دار ہیں تو کس حد تک؟

جواب: دیکھیے سپاس ملکی حالات کو سنوارنا اور سنبھالنا حکمرانوں کا کام ہے اور ان کا انتخاب ہم کرتے ہیں کبھی برادری ہیں پر کبھی لالچ میں، کبھی کسی خوف کی وجہ سے تو کبھی شخصیت پرستی کی زد میں آ کر ہم اپنے ملک کو داؤ پر لگا دیتے ہیں ہمیں ضرورت ہے اپنی اپنی آنکھوں پر لگی عینک اتار کر یہ دیکھنے کی کہ ہمارے لیے اور اس ملک کے لیے کون لوگ سودمند ثابت ہوں گے۔

حجاب: اگر آپ کو ملک کی ایک ہفتے کی حکومت مل جائے تو آپ کا پہلا کام کیا ہوگا؟

جواب: پاکستان میں موجود ہر قلم کار کا ماہوار اعزازیہ مقرر کروں گا اور جس لکھاری کے پاس رہنے کو گھر نہیں اسے گھر مہیا کروں گا۔

حجاب: سر امجد بخاری! آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے اپنی مصروفیات میں سے چند لمحات ہمیں دیے۔
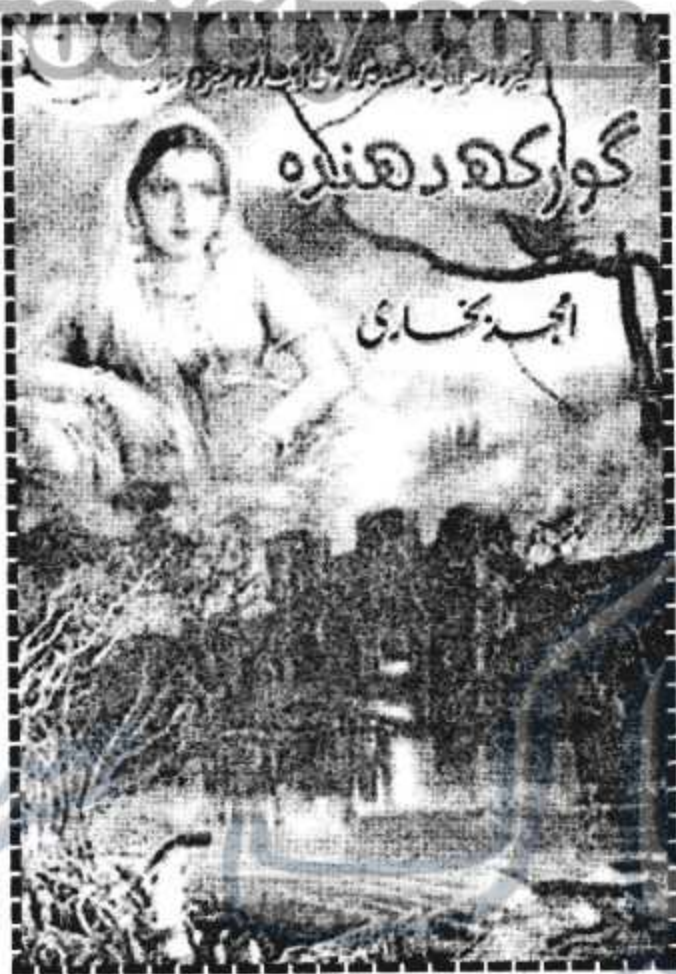
ہوتے ہیں۔

حجاب: محبت کے بارے میں آپ کا خیال؟

جواب: محبت کے بارے میں لوگ ازل سے لکھ رہے ہیں اور ابد تک لکھتے رہیں گے پھر بھی اسے احاطہ تحریر میں لانا ناممکن سا لگتا ہے۔

حجاب: تقدیر پر یقین رکھتے ہیں یا تدبیر پر؟

جواب: تدبیر پر۔

یہ سوچا تھا برستی آنکھ اس کو روک لے شاید
مگر اشکوں کی کڑیوں سے کہاں زنجیر بنتی ہے
ہزاروں بار کوشش کی مگر ممکن نہیں تھا امجد
بھلا خود ہی بنانے سے کہاں تقدیر بنتی ہے

حجاب: زبردست سر!
سیاحت کا شوق ہے آپ کو؟

جواب: کولمبس کی طرح امریکہ تو دریافت نہیں کر سکا لیکن کچھ نئے کی تلاش سیاحت پر اکساتی رہتی ہے۔

حجاب: آپ کو سیاست سے دلچسپی ہے؟

جواب: نفرت کی حد تک۔

آغوشِ مادر

لائبہ میر

سلسلہ آغوش مادر کے توسط سے آپ سب سے مخاطب ہوں۔ جیسا کہ آپ سب بھی جانتے ہیں لفظ "ماں" سے جڑے نہ صرف خدائے تعالیٰ کے فرمان اور حدیثیں ہمارے سامنے موجود ہیں بلکہ بے شمار شعراء فقراء اور اہل علم لوگوں نے نجانے کس کس انداز میں اس ایک لفظ کی وضاحت کی اور اس سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔

"ماں" صرف اس ایک لفظ میں نجانے کون کون سا جذبہ پنہاں ہے ایک ماں کی ظاہری خوب صورتی سے قطع نظر خدا نے صرف ایک ماں کے رشتے میں جہاں بھر کی خوب صورتی کو مقید کر رکھا ہے لیکن یہاں میں اپنے ناقص علم و عقل کی بنا پر اپنے ماں باپ کی بے شمار محبتوں قربانیوں کا ایک چیٹ مٹا (دھندلا) سا عکس بھی دکھا پاؤں گی۔

اس مخصوص سرگوشی اور اس آغوش مادر کے سلسلے نے مجھ پر واضح کیا کہ میرا بچپن جو میرے نزدیک خاصہ ناخوشگوار تھا؛ درحقیقت وہ کتنا عظیم ہے میری امی بچپن کے اپنوں میں نہ صرف والدین کی صحت، توانائی بلکہ وہ ایک ایک پل درج ہے جو میرے ماں باپ کی جوانی کہ مجھ پر یعنی ایک اولاد پر صرف ہوئے اولاد کی زندگی کی نذر ہوگئے۔

میں صرف ایک بیٹی کی ہی حیثیت سے یہ سب نہیں کہوں گی بلکہ میں ایک عام فرد کی نظر سے بھی دیکھوں تو میری امی کو خدا نے نہ صرف بے انتہا ظاہری خوب صورتی سے بلکہ میرے ابو کی طرح سیرت میں بھی سادگی صبر اور وفا کوٹ کوٹ کر بھر دی۔

یہاں اگر ابو کا ذکر نہ کروں تو میرے خیال سے ناانصافی ہوگی چونکہ مجھے پروان چڑھانے میں جتنی محنتیں، قربانیاں امی کی تھیں اتنی ہی ابو کی بھی۔ ہمارا بچپن کا دور خاصہ مشکل دور رہا باوجود اس کے کہ ہم اوپر نیچے کے پانچ بہن بھائیوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ ہانڈی روٹی اور ڈیڑھ صدی کے پرانے مکان کو روزانہ نئے سرے سے گھر بنانا اور ڈھیروں ذمہ داریاں امی کے ذمہ تھیں (چونکہ تب تک دادو کی فوتگی ہو چکی تھی) اور ابو کی دن بھر ہمارے لیے بھاگ دوڑ اور رات کو جاگ جاگ کر ہم سب کو پنکھا جھلنا سب ماؤں کی طرح بچوں کی بدتمیزی پر ہلکے سے ایک دو تھپڑ لگا کر بچوں کے ساتھ خود بھی رونا اور ابو کا ہماری غلطیوں پر تنبیہ کرنا (کبھی کبھی غصے میں) اور غصے کے اثرات کو مٹانے کے لیے چیزوں کے ڈھیر لگا دینا بقول عائشہ کے ظاہری پیار نہیں جتاتے میرے والدین بھی جس پر اکثر مجھے اعتراض بھی رہتا تھا اور میری امی کے نہ صرف سب جاننے والے گرویدہ ہیں بلکہ ان میں میری آپی اور باؤجی (دادا دادی) بھی سرفہرست تھے۔ امی کو بالکل اپنی بیٹیوں کی طرح چاہتے تھے اور بقول دادو کے شاہجہاں (امی) میری بڑھاپے کی لاٹھی ہے۔ ان کے بعد ایک نانو ہی تھیں جنہوں نے ہر حال میں اپنی طرف سے ہر طرح ہمارا ساتھ دیا، مجھے امی ابو سے بھی زیادہ نانو سے پیار تھا اور ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے، آمین۔ میری بے وقوفانہ حرکتیں بھی تک جاری و ساری ہیں جن پر دن بھر میری کلاس ہوتی رہتی ہے لیکن جب بھی رات کو آنکھ کھلتی تھی تو سوچتی ہوں اگر میرے ماں باپ کے احسان سمندر کے برابر ہیں تو اس کے برعکس میرے عمل اتنے بھی نہیں کہ میں انہیں ایک ذرے میں شمار کر سکوں۔

نانو کے لیے ماں کے عنوان سے چند نظمیں لکھیں لیکن جو صرف اپنے والدین کے لیے لکھیں خصوصی طور پر وہ چند سطریں آپ کی نذر۔

اللہ ہم سب کو اپنے فرماں بردار اور پسندیدہ انسان کی حیثیت سے دنیا میں ٹھہرائے، آمین۔

سایہ تیرا سر پر میرے رہے بابل ہزاروں سال
میں بیٹی ایسی ثابت ہوں نہ ہو زندہ کہیں مثال

☆......☆

صدا مہکے تیرے وجود سے میرے دل کا جہاں میری ماں
ایک پل بھی دکھ نہ ملے تجھے میں رہوں نہ مر کے بھی تجھ سے جدا

☆.........☆.........☆.........☆

ملیحہ اکرم

حجاب کا سلسلہ "آغوش مادر" جب پہلی بار پڑھا تو بے اختیار ہی میرا دل چاہا کہ میں بھی اس میں لکھوں مگر قلم تھامنے کے بعد یہ حقیقت مجھ پر پوری طرح آشکار ہوگئی کہ ماں سے محبت کا جو وسیع سمندر دل میں ہمہ وقت موجزن رہتا ہے اس کے شایان شان تو کوئی ایک لفظ بھی نہیں بن پارہا کہ جسے میں قرطاس پر سجا سکوں اور اگر اس بے پایاں محبت کے سمندر کو چند لفظوں کا پیراہن پہنا بھی دوں تو تشنگی نے ہنوز برقرار ہی رہنا ہے مگر پھر بھی......!

ماں کی محبت سے متعلق اپنا لکھا ہوا ایک شعر

قاصر ہے قلم میرا بے پا ہیں جذبے کہ بکھریں قرطاس پر
چشم و دل ہیں سرشار ترے محبت کے ہر انداز پر

میری نظر میں دنیا کا سب سے خوب صورت ترین رشتہ ماں کا اولاد سے ہے۔ مجھے اپنے رب پر بے طرح پیار آتا ہے اور دل شکر گزاری کے جذبات سے لبریز ہونے لگتا ہے یہ سوچ کے کہ اس نے ماں جیسی عظیم نعمت عنایت فرمائی کہ جس کے وجود کی روشنی ہی میری ہستی کی اندھیری زمین کو ہمہ وقت روشن کیے رکھتی ہے۔ ماں وہ ہستی ہے کہ جس کی طبیعت میں معمولی سی خرابی میرے اضطراب میں کئی گنا اضافے کا سبب بنتی ہے اور میرے دل و دماغ میں بس ایک ہی دعا اٹک جاتی ہے......

"یا اللہ میری ماں کو فوراً سے پیشتر صحت یاب فرمادے۔"

تقاضا ہائے دنیا داری جب امی کو کہیں جانا پڑ جائے اور پھر جب تک امی نظروں سے اوجھل رہیں تو وہ لمحات جانے کیوں مجھے نہایت ہی گراں معلوم ہونے لگتے ہیں اور جب تک امی لوٹ کر نہیں آجاتیں میری نظریں گاہے بگاہے دہلیز پر ہی اٹھتی رہتی ہیں۔ امی کے بغیر پورے گھر میں ایک خالی پن سا اتر آتا ہے کسی نے بہت ہی ٹھیک کہا ہے کہ......

"ماں کے بغیر گھر بھی قبرستان کی مانند لگتا ہے۔"

اور پھر جب امی در وا کرتے ہوئے گھر کے اندرونی حصے کی طرف قدم دھرنے لگتی ہیں تو میرے اندر کی کثافت لمحوں میں ختم ہو جاتی ہے۔

ماں! تجھے کیا خبر کہ آہٹیں تری
میری سانسیں بحال کرتی ہیں

جو محبتیں اور دعائیں میں نے اپنی ماں جیسی شفیق اور مہربان ہستی کے طفیل پائیں اپنے تاحال کسی اور رشتے میں نہ پاسکی۔ اب تو ایک دعا لبوں کا احاطہ کیے رکھتی ہے کہ میرے لیے دعا کرنے والے یہ ہاتھ تاحیات سلامت رہیں آمین۔

اب تو ماں ہے کہ میری مسرتیں ماں کی خوشیوں پر منحصر ہیں اور میرے غموں کا تعلق ماں کی افسردگیوں سے ہے۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ میری زیست میں کچھ نہیں سوائے ماں کی محبتوں کے۔ بے حسی اور خود غرضی کے اس دور میں صرف "ماں کی محبت" ہی ہے جو میرا دامن خالی نہیں ہونے دیتی۔ ماں کی توجہ و محبت ہی میرا سرمایہ حیات ہے اور زندگی کا ہر وہ لمحہ جس میں ماں کو اپنے لیے پہلے سے بڑھ کے حساس پاؤں میری زندگی کا حاصل ہے۔

اپنی ماں کی مشقتوں سے مزین زندگی پر جب نظر دوڑاتی ہوں تو اپنے اندر دور دور تک ڈھیروں ڈھیر اداسیاں اترتی ہوئی محسوس ہونے لگتی ہیں اور بے اختیار ایک ہی دعا دل میں گھر کر لیتی ہے کہ یارب! میری ماں کو اتنی آسانیاں عطا فرما کہ وہ گزرے وقت کے سارے کٹھن لمحات بھول جائیں آمین۔

المختصر میری ماں میرا عشق ہیں ماں کی مسکراہٹیں میری زندگی کا اجالا ہیں۔ ماں کی محبتیں میری کل کائنات اور ماں کی دعائیں میرا سرمایہ حیات ہیں۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ ہر ایک کی ماں جیسی عظیم اور انمول ہستی کو سلامت رکھے اور خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

برگد

نازیہ کنول نازی

درد کی کتابوں میں......
ضبط ہی نہیں لکھا، تیرا نام لکھا ہے
زندگی کے پیڑوں کو چاٹنے لگی دیمک
بے کلی کا موسم ہے
آرزو کے پھندے میں قتل چند خوشیوں کا
ریت ہے محبت کی
خار خار جیون میں خوشبوؤں کا موسم تھا
پھول کتنے زخمی تھے
روح سے محبت تھی
بس اسی عداوت میں جسم نے سزا پائی

چاند رات تھی، بھیگی بھیگی چاندنی نے رات کے پُرفسوں منظر کو خوب جلا بخشی تھی۔ عائزہ نے کچن سمیٹا اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔ گھڑی رات کا ایک بجا رہی تھی اس کا دل جیسے ڈوب کے ابھرا، احزار ابھی تک گھر نہیں لوٹا تھا۔ وہ شخص جس کے نام اس نے اپنی پوری زندگی کردی تھی اتنا بے حس ہوجائے گا کہ چاندرات کی اہمیت بھی اس کے نزدیک صفر ہوجائے گی اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

بیڈ پر اس کا لاڈلہ زندگی کی ہر تلخ حقیقت سے بے خبر مزے کی پُرسکون نیند سو رہا تھا، عائزہ نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔ اس کی آنکھیں اس وقت آنسوؤں سے بھری تھیں۔ وقت کتنی جلدی بدل جاتا ہے؟ ابھی صرف پانچ سال پہلے زندگی کے رنگ کتنے خوب صورت تھے وہ کتنی شوخ و چنچل اور باتونی ہوا کرتی تھی۔ گھر ہوتا یا اسکول اس کی زبان کو بریک کم ہی لگا کرتی تھی۔ گھر میں سب اس کی شرارتوں اور بے تکان باتوں سے پناہ مانگتے مگر اسے پروا نہیں تھی، وہ باز جانے والے لوگوں میں سے تھی ہی نہیں۔

بی جان، تایا جان دونوں اس پر جان چھڑکتے تھے کیونکہ اسی کے دم سے گھر میں رونق تھی، تایا جان کی دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی شانزہ جو بے حد خاموش طبع سنجیدہ سی لڑکی تھی، بے حد کم گفتگو کرنے والی، سوچ سوچ کر بولتی۔ شانزہ سے چھوٹی شافیعہ تھی جو کتابی کیڑا تھی۔ سوائے پڑھنے کے اور اچھے گریڈ سے امتحانات پاس کرنے کے اسے اور کسی چیز سے مطلب نہیں تھا۔

تایا جان کے دونوں بیٹے حازق اور فائق تھے، سنجیدہ طبع اپنے کام سے کام رکھنے والے تھے۔ حازق نے اپنے باپ اور چچا کا بزنس سنبھالا ہوا تھا جبکہ فائق یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا۔ یونیورسٹی سے آنے کے بعد شام میں اس کی جم حاضری ہوتی تھی۔ وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی، نہ کوئی بھائی نہ بہن لہٰذا ماں باپ کے لاڈ پیار نے اسے صرف بگاڑا ہی نہیں بلکہ بہت زیادہ پُراعتماد بھی بنادیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی چھوٹی چھوٹی شرارتوں سے سارے گھر والوں کی ناک میں دم کیے رکھتی تھی۔ کبھی حازق کی کوئی ضروری فائل اٹھا کر چھپا دیتی اور بعد میں خوب تنگ کرنے کے بعد منہ مانگے پیسے لے کر ڈھونڈ کردیتی، پیسے الگ احسان الگ۔

حازق کے ساتھ تو تقریباً روز ہی اس کا جھگڑا ہوتا، کبھی وہ اس کے کمپیوٹر کو لاک لگا دیتی تو کبھی سیل کے سارے ضروری میسجز اور نمبر ڈیلیٹ کردیتی۔ کبھی کوئی دوست

ضروری کام سے باہر گیٹ پر ملنے آتا تو اسے جھوٹ بول کر واپس بھیج دیتی۔ کبھی انجان نمبرز سے رانگ کال بن کر اس کی پارسائی کا امتحان لیتی۔ تنگ آ کر اس نے زیادہ وقت گھر سے باہر گزارنا شروع کردیا تھا۔

وہ نویں جماعت میں تھی جب اس کی اکلوتی پھوپو اقبال بیگم اس کے لیے اپنے ہونہار بیٹے احزار کا رشتہ لے کر گئیں۔ احزار نہ صرف بے حد خوب صورت تھا بلکہ ماں باپ کا فرماں بردار ذہین وفطین لڑکا تھا۔ وہ انٹر کا طالب علم تھا اور کالج سے واپسی کے بعد باپ کے میڈیکل اسٹور پر رات گئے تک ڈیوٹی سرانجام دیتا۔ پورے خاندان میں اس کی قابلیت اور فرماں برداری کی مثالیں دی جاتی تھیں۔

عائزہ کے لیے احزار کا پرپوزل اس گھر میں بے حد خوشیاں لے کر آیا تھا' تایا نے بناء اپنی بیٹیوں کا مسئلہ اٹھائے گھر میں سب سے مشاورت کے بعد یہ رشتہ پکا کردیا۔ اسکول میں جب عائزہ کی دوستوں کو اس کی منگنی کا پتا چلا تو سب نے اسے چھیڑ چھیڑ کر عاجز کردیا۔ وہ عمر جو ناپختگی کی عمر تھی' عائزہ نے اس عمر میں احزار کے خواب دیکھنے شروع کردیے پھر ایک روز اس کی کال بھی آ گئی۔

اس رات بہت ٹھنڈ تھی' عائزہ کے نویں جماعت کے سالانہ امتحانات قریب تھے لہٰذا وہ رات دیر تک پڑھتی رہتی۔

اس رات بھی وہ پڑھ رہی تھی جب گھر کے لینڈ لائن نمبر پر کسی کی کال آ گئی۔ عائزہ کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ کال احزار کی ہوگی' اس نے تو گھر والوں کی نیند خراب نہ ہونے کے خیال سے کال اٹینڈ کی تھی مگر دوسری طرف احزار کی آواز سن کر اس کا دل بے حد شدت سے دھڑک اٹھا تھا۔ احزار نے سلام دعا کے بعد اس سے پوچھا تھا کہ کیا وہ اس منگنی سے خوش ہے اور جواب میں عائزہ نے کہہ دیا وہ اپنے والدین کی خوشی میں خوش ہے۔ فون کال کا یہ سلسلہ شروع ہوا تو پھر رکا نہیں تھا۔

احزار روز رات میں میڈیکل اسٹور سے کال کرتا اور عائزہ روز اس سے بات نہ کرنے کا عہد کرتی' کئی کئی گھنٹے اس کی گفتگو کے سحر میں ڈوبی رہتی۔ جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے تھے دونوں کی ایک دوسرے میں دلچسپی بڑھتی جارہی تھی۔ ساری ساری رات جاگ کر احزار کے ساتھ باتوں میں لگی رہنے کا جو سب سے بڑا نقصان ہوا تھا وہ نویں میں اس کی کمپارٹ کی صورت سب کے سامنے آیا تھا۔ گھر والے صرف حیران ہی نہیں بلکہ بے حد شاکڈ بھی تھے۔

کہاں تو وہ ہر سال پوزیشن لیتی تھی اور کہاں اب یہ کمپارٹ...... احزار کو پتا چلا تو اس نے اسے تسلی دی کہ وہ دل پر نہ لے' اسے کون سا پڑھ لکھ کر شادی کے بعد کہیں جاب کرنی ہے تبھی وہ قدرے مطمئن ہوئی تھی۔ انہی دنوں احزار اس کے اعصاب پر کچھ اس طرح سے سوار تھا کہ سوائے احزار کے بارے میں سوچنے کے اسے اور کوئی کام بھی نہیں رہا تھا۔

گھریلو معاملات میں اس کی دلچسپی بھی نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ احزار کی طرف سے اب جلد شادی کا مطالبہ ہو رہا تھا' اس کے بقول وہ اب اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ عائزہ کا بھی یہی حال تھا' یہی وجہ تھی کہ احزار نے اپنے گھر میں شادی کا شوشا چھوڑ کر افراتفری پھیلادی تھی۔ دونوں گھرانوں کے بزرگ اس قدر جلدی شادی کے حق میں نہیں تھے مگر احزار کی ضد کے سامنے کسی کی نہ چلی یوں عائزہ میٹرک کلیئر کرتے ہی احزار کی دلہن بن کر اس کے گھر آ گئی مگر یوں کہ شادی کے دو ہفتوں بعد ہی اقبال بیگم نے انہیں الگ کردیا۔

احزار کی ابھی تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی' لہٰذا وہ جاب کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا پھر بھی اس نے جاب کی تلاش شروع کردی تھی۔ شادی کے ابتدائی دن بے حد حسین تھے' احزار بے حد محبت کرنے والا اچھا ہمسفر ثابت ہوا تھا۔ ابھی ان کی شادی کو ایک سال بھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ قدرت نے پیارے سے بیٹے کی صورت ایک پھول ان کی جھولی میں ڈال دیا۔ عائزہ بیٹا پا کر بے حد مسرور تھی مگر احزار کو بیٹے سے کوئی خاص رغبت نہیں تھی اس کی ساری توجہ جاب' پڑھائی اور عائزہ پر ہی ہوتی تھی۔

ننھا سعد ابھی تین ماہ کا تھا کہ احزار کو ایک مقامی بینک میں کیشئر کی جاب مل گئی۔ جاب کے حصول کے بعد وہ زیادہ خوش اور مطمئن دکھائی دینے لگا تھا۔ عائزہ کو گھر داری کا سلیقہ تھا لہٰذا احزار کے آفس جانے کے بعد وہ گھر کی صفائی ستھرائی اور کھانے پکانے میں مصروف ہوجاتی' ننھے سعد کی ذمہ داری اس پر الگ تھی۔ سعد کی پیدائش کے بعد اس کے پاس احزار اور اپنی ذات کے لیے بہت کم وقت بچتا تھا۔ تبھی احزار کی توجہ بٹ گئی تھیں' آفس میں جو لڑکیاں اس کے ساتھ کام کرتی تھیں وہ اسے زیادہ اپیل کرنے لگی تھی۔ جدید تراش خراش اور فیشن سے آراستہ ان کے ملبوسات نگاہوں کو بے حد خیرہ کرتے تھے ان کی گفتگو کا انداز' بول چال ہنسی ہر چیز منفرد تھی۔ اوپر سے وہ ہر روز شام میں اپنی ماں کے پاس چکر لگاتا تو وہ اس سے گلا کرنے بیٹھ جاتیں کہ اس نے جلد بازی میں شادی کر کے اچھا نہیں کیا۔ دنیا باتیں کرتی ہے کہ جوان بہنیں گھر بیٹھی ہیں اور بے غیرت بھائی شادی رچا کر بیٹھ گیا۔ روز یہی باتیں سن سن کر وہ اب اپنی جلد بازی پر نادم ہونے لگا تھا۔ عائزہ کی ذات میں اب اس کی پہلے جیسی دلچسپی برقرار نہیں رہی تھی اور یہ بات وہ محسوس بھی کرنے لگی تھی مگر احزار اسے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیتا۔

بینک میں جاب کرتے اسے ایک سال ہو گیا تھا جب اس کی دعا سلام اپنی کولیگ سمیہ سے بڑھ گئی۔ دونوں کی اسٹیٹس پاس پاس تھیں لہٰذا کام کے ساتھ ہلکی پھلکی گپ شپ بھی چلتی رہتی' جلد ہی معاملہ ساتھ چائے پینے اور کھانا کھانے تک بھی آ گیا۔

سمیہ اپنے گھر کی واحد کفیل تھی' اس سے چھوٹی تین بہنیں تھیں جن کے تعلیمی اخراجات بھی وہی پورے کرتی تھی۔ اس کا باپ ایک ضعیف انسان تھا اور فالج زدہ تھا۔ گھر کے اخراجات کے ساتھ ساتھ باپ کی دوا دارو کے لیے بھی وہی پیسے دیتی تھی۔ احزار کو حیرت ہوتی تھی کہ اتنی ذمہ داریوں کے باوجود وہ روز نت نئے ملبوسات میں دکھائی دیتی تھی۔ ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ اس کے معمولی نقوش بھی کافی جاذب دکھائی دیتے تھے۔ اسے اپنی گفتگو اور اداؤں سے مخالف انسان کا دل جیتنا آتا تھا یہی وجہ تھی کہ اپنی جاب کے تھوڑے عرصے میں ہی وہ ترقی پا کر کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔

احزار نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ اپنی شادی سے خوش نہیں ہے' یہ بھی کہ اس کی بیوی ایک جاہل انسان ہے جسے نہ پہننے اوڑھنے کا سلیقہ ہے نہ مرد کا دل لبھانے کا فن آتا ہے۔ جواب میں سمیہ نے اس کی قسمت پر افسوس کیا تھا۔ احزار کے منہ سے نکلی بیوی کی خامیاں سمیہ جیسی لڑکی کے لیے ایک خوش آئند بات تھی لہٰذا اس نے پہلے سے زیادہ احزار پر توجہ دینی شروع کر دی تھی۔ کبھی وہ اس کے لیے میکرونی بنا کر لا رہی تھی تو کبھی ابلے چاول اور کڑھی' آئے روز گفٹس کا تبادلہ بھی ہونے لگا تھا۔ احزار کو اب حقیقی معنوں میں اپنی جلد شادی پر پچھتاوا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ آفس سے واپسی کے بعد ڈھیلے ڈھالے میلے کپڑوں میں ملبوس عائزہ اب اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی' یہی وجہ تھی کہ اب اس نے اس کی ضروریات کا خیال رکھنا بھی چھوڑ دیا۔ عائزہ اگر اس سے کوئی گلہ کرتی تو وہ کاٹ کھانے کو دوڑتا' اسے ناشکری' ذہنی' شکی نجانے کیا کیا کہتا۔ تنگ آ کر اس نے اس سے کچھ کہنا سننا ہی چھوڑ دیا تھا۔

رفتہ رفتہ احزار کے بدلے رویے کے ساتھ ساتھ اس کی مصروفیات بھی بڑھتی گئیں۔ پہلے وہ آفس سے آنے کے بعد رات دیر تک گھر سے باہر رہتا۔ گھر میں بھی ہوتا تو ہمہ وقت موبائل فون کے ساتھ چمٹا رہتا پھر اس نے دیر سے گھر آنا شروع کر دیا۔ عائزہ کھانا پکا کر اس کا انتظار کرتی رہتی یہاں تک کہ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو جاتی تھیں مگر وہ گھر نہیں آتا تھا۔

اب وہ بھی روتی تھی کہ کیوں اتنی جلدی شادی کا فیصلہ کر کے خود کو کڑی آزمائش میں ڈالا۔ ذہنی پریشانی بڑھی تو وہ احزار سے الجھنے لگی۔ رفتہ رفتہ یہ الجھن لڑائی جھگڑوں کی شکل اختیار کر گئی اور اب یہ صورت حال تھی کہ نہ احزار اس کی شکل دیکھنا چاہتا تھا نہ وہ احزار کی۔ اس کی تمام دوستیں

اکتوبر ۲۰۱۶ء کے شمارے کی ایک جھلک

اوتار : سمیر احمد فاروقی کوئی عام نوجوان نہیں تھا وہ کم عمری ہی سے ذہین پڑھنے کی خداداد صلاحیت لے کر پیدا ہوتا تھا۔ خطرے کا احساس اسے وقت سے پہلے ہوجاتا تھا لیکن اس کی سترہویں سالگرہ پر اسے احساس ہوا کہ وہ کتنا مختلف ہے پھر ایک حادثے نے اسے احساس دلایا کہ اسے اپنی خداداد صلاحیت کو بڑھانے کی ضرورت ہے ورنہ اس کا جینا ناممکن ہوگا۔ اس کہانی کا کردار، جگہیں اور واقعات رائٹر کے ذہن کی تخیل ہیں اور کسی سے ان کی مماثلت صرف اتفاقیہ ہوسکتی ہے۔

ایک سو سولہ چاند کی راتیں: یہ ناول 1947ء کی ایک کہانی پر مبنی ہے اس ناول کا پلاٹ، اس کے تمام کردار تقریباً 69 سال قبل کے یہ محبت کی ایک کہانی ہے جس نے Partition سے ایک سو سولہ دن قبل جنم لیا، انڈو پاک کی تقسیم جب ہونے جارہی تھی اس محبت کی کہانی دوران اپنا سفر شروع کیا۔

اس کے علاوہ اور بہت کچھ

اسے احزار سے علیدگی کے مشورے سویتیں مگر وہ کانپ کر رہ جاتی۔ احزار کے ساتھ لڑائی جھگڑے اپنی جگہ مگر وہ اس سے مستقل دوری کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کل رات کے شدید جھگڑے کے باوجود وہ اس وقت بھی جاگ کر اس کا انتظار کر رہی تھی۔

اس کے گھر والوں کو اس کے حالات کا علم نہیں تھا ورنہ وہ شاید ایک لمحہ بھی اسے احزار کے ساتھ نہ رہنے دیتے۔ یہی وجہ تھی۔ جس کے سبب اس نے اب تک اپنے اور احزار کے تمام معاملات اپنے گھر والوں سے چھپا کر رکھے ہوئے تھے۔ گھڑی کی ٹک ٹک کرتی سوئیاں ایک سے دو کا ہندسہ پار کر گئی تھیں۔ عائزہ کی آنکھیں بند ہونے لگیں، احزار کا تو روز کا معمول تھا لیٹ آنا اور اس کی نیند برباد کرنا وہ کب تک جاگتی، بوجھل ہوتی پلکوں نے اسے جلد ہی ہوش وحواس سے بیگانہ کر دیا تھا تبھی وہ گھر آیا تھا بے حد شاد و مسرور...... عائزہ کی نیند پھر ٹوٹی تھی، پاؤں میں چپل پھنسا کر وہ بیرونی دروازے تک آئی اور دروازہ کھولا اور احزار موٹر سائیکل اندر لے آیا، عائزہ دوبارہ اپنے بستر پر آ کر سو گئی۔ احزار نے جوتے اتارے پھر منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو کر بستر پر آ گیا۔

"تم گئی نہیں ابھی تک؟"

"مجھے کہیں نہیں جانا۔"

"جانتا ہوں تم اتنی آسانی سے میری جان چھوڑنے والی نہیں ہو بہرحال میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میں دوسری شادی کر رہا ہوں۔" وجود پر پوری عمارت آ گرے تو گھٹی گھٹی سانسوں کی تکلیف کیا ہوتی ہے کوئی عائزہ حسین سے پوچھتا اسے جیسے پورے ایک ہزار والٹ کا کرنٹ لگا تھا۔

"دوسری شادی......؟" اچنبھے سے اس کی آواز ہی نہ نکل سکی، سوتے سے وہ اٹھ بیٹھی تھی۔ احزار موبائل میں مصروف رہا۔

"ہاں دوسری شادی۔" اس کا لہجہ سفاکانہ تھا، وہ تڑپ اٹھی۔

"مگر کیوں؟"

"سکون کے لیے۔" جتنی تڑپ کر اس نے سوال کیا تھا احزار نے اتنی ہی بے پروائی سے جواب دیا۔

"کیسا سکون؟"

"ذہنی سکون جو تم مجھے نہیں دے سکتیں۔" وہ غصے سے ایک دم چیخا پھر خود کو نارمل کرتے ہوئے بولا۔ "تمہیں اگر یہاں رہنے کا شوق ہے تو رہو لیکن اگر جانا چاہو تو کسی بھی وقت جا سکتی ہو میں نہیں روکوں گا۔"

"تم ایسے تو نہیں تھے احزار!" اس کا لہجہ بھیگا تھا، احزار نے ان سنی کر دیا۔

"تمہیں تو مجھ سے بات کیے بغیر رات میں نیند نہیں آتی تھی، تمہاری وجہ سے میں نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑی۔ ہنسنے کھیلنے والی عمر میں تمہارے گھر کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھالیا۔ کبھی سوچا تم نے کہ میں یہاں اکیلی اپنے گھر والوں کے بغیر کیسے رہتی ہوں۔ کتنی تکلیف برداشت کی میں نے تمہارے بچے کو جنم دیتے وقت، کتنی مشکل سہ کر میں تنہا اس کی ذمہ داری اٹھا رہی ہوں۔ تمہیں تو اتنی توفیق بھی نہیں کہ آفس سے واپسی پر گھر آ کر اس کا ماتھا ہی چوم لو۔ میں نے تمہارے لیے اتنی قربانیاں دیں اور تم...... تم کہہ رہے ہو تمہیں سکون نہیں ہے۔"

"ہاں نہیں ہے مجھے سکون...... تنگ آ گیا ہوں میں تمہاری روز کی بک بک سے، نہ مرتی ہو نہ چین سے جینے دیتی ہو۔" کروٹ بدلتے ہوئے اس نے بے حد تلخ لہجے میں کہا تھا، عائزہ نے آنسو پی لیے۔

"مجھے میرا قصور بتا دو احزار...... میں نے کیا برا کیا ہے تمہارا جس کی سزا تم مجھے یوں دو حصوں میں بانٹ کر دینا چاہتے ہو۔"

"مجھے نہیں پتا، اب سو جاؤ خدا کا واسطہ ہے تمہیں۔" وہ زچ ہو رہا تھا، عائزہ کے اندر جیسے سب کچھ ٹوٹ گیا۔ وقت اس کا نہیں رہا تھا، تقدیر بدل گئی تھی۔ اس نے جیسے خود سے ہار مان کر آہستہ سے سر تکیے پر ٹکا دیا۔ باہر صحن میں چاند اپنی پُر نور کرنیں بکھیرتے چاند رات کی خوب صورتی میں اضافہ

کررہا تھا اور اندر کمرے میں اس کے آنسو تمام رات تکیہ بھگوتے رہے بھلا مرد کو اس کی خود ساختہ بے وفائی سے روکنا کہاں آسان ہوتا ہے۔

❀......❀......❀

اگلے روز عید تھی۔ وہ ننھے سعد کے ساتھ اپنے میکے چلی آئی جہاں سب ہی اسے دیکھ کر بے حد مسرور ہوگئے تھے۔ اسے فی الحال اپنا غم چھپا کر سب کی خوشیاں قائم رکھنا تھیں تبھی اس نے جھوٹ بولا کہ احزار بینک کے کسی ضروری کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے تو وہ ادھر آگئی۔ حازق عید کی نماز پڑھ کر آیا تو اسے سامنے موجود دیکھ کر ٹھنک گیا۔

"تم کب آئیں؟"

"ابھی جب آپ نے دیکھا۔" وہ مسکرائی اور کس دقت سے مسکرائی تھی یہ صرف اس کا دل جانتا تھا۔ حازق کی گہری نگاہیں اسے اندر تک ٹٹولتی رہیں۔

"بڑا ظلم کیا ہے تم نے اپنے ساتھ عائزہ..... مگر کاش تم سمجھ سکتیں۔" وہ ہمیشہ مبہم اور گہری باتیں ہی کیا کرتا تھا وہ ہونقوں کی طرح اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔ احزار نے عید کے دن کی بھی پروا نہیں کی اسے موہوم سی امید تھی کہ شاید اپنے بزرگوں کے خیال سے ہی وہ عید ملنے آجائے مگر وہ نہیں آیا تھا۔

بھلا وہ اس بیوی سے ملنے آبھی کیسے سکتا تھا جسے گھر کی صفائی ستھرائی اور بچے سے فرصت ہی نہیں تھی۔ جس کے ہاتھوں سے ہمہ وقت کچن کے مصالحوں کی بو آتی تھی۔ اس کے برعکس سمیہ کے نرم و ملائم ہاتھ مختلف قیمتی لوشنز اور کریموں کی خوشبو سے مہکتے رہتے تھے۔ سمیہ ہر لحاظ سے عائزہ سے بہترین تھی تو پھر وہ عید کے دن بھی اسی کے گھر والوں کے ساتھ گھومنے پھرنے اور کھانے پینے میں کیوں نہ گزارتا۔ ویسے بھی سمیہ اور اس کے گھر والوں پر خرچ کرکے ویسے بھی اسے دلی تسکین ملتی تھی۔ عائزہ کا عید کا دن بے حد خوشگوار گزرا تھا۔ اپنوں کے درمیان ان کی محبت کی چھاؤں میں اسے جیسے اپنی ہر تکلیف بھول گئی۔

شام ڈھل رہی تھی، سورج کی نارنجی کرنوں نے سمٹ کر رات کی تاریکی کے لیے میدان خالی کرنا شروع کردیا تھا۔ عائزہ اپنے بیٹے کو سلا کر کچن میں چلی آئی۔ عید کے فوراً بعد تایا کی دونوں بیٹیوں کی شادی کی تاریخ طے کی جاچکی تھی۔ گھر میں آج کل عید کے ساتھ ساتھ شادی کی تیاریاں بھی چل رہی تھیں۔ حازق مغرب کے بعد گھر لوٹا تو سب ہال کمرے میں بیٹھے ادھر اُدھر کی باتیں کررہے تھے جبکہ عائزہ رات کے کھانے کی تیاری کررہی تھی تبھی وہ کچن میں چلا آیا۔

"احزار نہیں آیا ابھی تک؟" فریج کھولتے ہوئے بناء عائزہ کی طرف دیکھے اس نے سرسری سے انداز میں پوچھا تھا۔ عائزہ کے ہاتھ روٹی بیلتے ہوئے وہیں رک گئے۔

"ہاں وہ...... انہیں ضروری کام آپڑا تھا شہر سے باہر بینک کی طرف سے تو انہوں نے مجھے اکیلے ہی بھیج دیا۔ میں تو کہتی رہی کہ کام کو گولی ماریں سب کیا سوچیں گے مگر...... انہوں نے کہا کہ مجبوری ہے، تم تو سمجھتے ہو نوکری کی مجبوریوں کو۔"

"ہاں...... بہت اچھی طرح سے سمجھتا ہوں۔" اس نے بے حد ٹھہرے لہجے میں کہا تھا۔ عائزہ نے سکون بھری سانس خارج کی مگر اگلے ہی پل اس کا سکون غارت ہوگیا جب حازق نے کہا۔

"آج ریسٹوران میں دیکھا تھا اسے، بے حد خوش باش ایک لڑکی کے ساتھ اور جو میں دیکھ کر آیا ہوں ناں عائزہ! میرا دل کرتا ہے میں اس شخص کو شوٹ کردوں۔" بھرم کانچ ٹوٹنے میں فقط ایک لمحہ لگا تھا۔ عائزہ شرمندہ سی پتھرئی وہیں کھڑی رہی۔

"کب سے چل رہا ہے یہ سب؟" وہ اب اس کے مقابل کھڑا پوچھ رہا تھا۔ عائزہ کی نظریں زمین میں گڑھ گئیں اس کے پاس سچ بولنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ حازق بال کی کھال نکالنے والوں میں سے ایک تھا۔

"بتاؤ......؟" اس کی خاموشی اسے گراں گزر رہی تھی، عائزہ نے بھیگی پلکیں صاف کرلیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

"سعد کی پیدائش کے بعد میں گھر اور بچے میں مصروف ہوگئی تو وہ مجھ سے کھنچ گیا۔ اس کا کہنا ہے کہ میں اس کے قابل نہیں ہوں اسے ایک پڑھی لکھی ماڈرن بیوی چاہیے تھی جسے بات کرنے، پہننے اوڑھنے کا سلیقہ ہوتا۔ مجھ جیسی عام سی گھریلو لڑکی کی اس کی ضرورت نہیں تھی اسی لیے وہ اس رشتے پر پچھتا رہا ہے۔"

"اس نے کہا تم سے یہ سب؟"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے تم پریشان مت ہونا' سب ٹھیک ہوجائے گا۔" ساری بات سننے کے بعد اسے تسلی دیتا وہ فوراً کچن سے نکل گیا تھا۔ عائزہ اسے روکتی رہ گئی' وہ اسے کہنا چاہتی تھی کہ گھر میں اس کی ازدواجی زندگی کے بارے میں کوئی بات نہ کی جائے مگر...... اسے کہنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ حازق ویسے بھی بہت خودسر تھا' وہ وہی کرتا تھا جو اس کا دل چاہتا تھا۔

❀......❀......❀

اس روز بہت تیز بارش ہوئی تھی' گھر میں بناء کسی کو مطلع کیے وہ احزار سے ملنے اس کے گھر چلا آیا تھا۔

"السلام علیکم!" احزار کو گمان نہیں تھا کہ وہ یوں اس سے ملنے چلا آئے گا تبھی وہ حیران ہوا تھا۔

"وعلیکم السلام! تم یہاں کیسے؟"

"کیوں...... کیا میں اپنی پھوپی کے بیٹے کے گھر نہیں آسکتا جو بچپن میں کبھی میرا کلاس فیلو بھی رہا ہو۔"

"ہوں' کیوں نہیں۔ میں تو اس لیے پوچھ رہا ہوں کیونکہ تم اس سے پہلے کبھی نہیں آئے۔"

"بس کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی' ابھی بھی کل تمہیں ایک حسین دوشیزہ کے ساتھ کافی فری دیکھا تو پوچھنے چلا آیا کہ کیا معاملہ ہے کہیں دوسری شادی تو نہیں کررہے؟" احزار کے چہرے کا رنگ اس کی بات پر بدلا تھا مگر اس نے ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے لبوں پر مسکراہٹ پھیلالی۔

"نہیں' فی الحال تو ایسا کچھ نہیں ہے' ہم صرف اچھے دوست ہیں۔"

"شکر...... میں تو ڈر گیا تھا کہ کہیں تمہارا دوسری شادی کا ارادہ تو نہیں مگر پھر سوچا کہ عائزہ جیسی خوب صورت' سگھڑ' باکردار بیوی کے ہوتے ہوئے بھلا تم ایسا کیوں کرنے لگے۔" احزار نے اس بار بناء کوئی وضاحت پیش کیے صاف نظریں چرائی تھیں تبھی وہ بولا تھا۔

"کیا بات ہے احزار؟ مجھے لگتا ہے جیسے تم کسی الجھن کا شکار ہو۔"

"ہاں یار...... الجھن ہی تو ہے۔"

"کیسی الجھن؟"

"میں عائزہ کے ساتھ خوش نہیں ہوں' مجھے لگتا ہے میں اپنی زندگی ضائع کررہا ہوں اس کے ساتھ۔"

"اوہ...... مگر یہ بات تو تمہیں پہلے سوچنی چاہیے تھی اب تو تم ایک بیٹے کے باپ بھی ہو۔"

"میرے سارے دوستوں میں سے کسی کی شادی نہیں ہوئی ابھی' سب زندگی کو انجوائے کررہے ہیں مگر میں ذمہ داریوں میں پھنسا ہوں وہ بھی ایسی بیوی کے ساتھ جسے نہ پہننے اوڑھنے کا سلیقہ ہے نہ ہنسنے بولنے کی تمیز ہے' ڈھنگ سے رومانس تک کرنا نہیں آتا اسے۔ ماسیوں والے حلیے میں پھرتی رہتی ہے' شرمندگی ہوتی ہے مجھے اپنے دوستوں کو یہ بتاتے ہوئے کہ میری بیوی صرف میٹرک پاس ہے۔"

"مگر یہ اتنا بڑا ایشو نہیں ہے۔" احزار نے شکایتوں کی لمبی فہرست تیار کررکھی تھی تبھی وہ گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

"فرسٹ آف آل تو تمہاری غلطی ہے تمہاری جلد شادی کی ضد کی وجہ سے عائزہ کی تعلیم ادھوری رہ گئی اگر تم جلد شادی کی رٹ نہ لگاتے تو یہ سلسلہ نہ ہوتا۔ دوسری بات تمہیں اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ جس نے اس عمر میں تمہیں بیٹے جیسی نعمت سے نواز کر سرخرو کردیا ورنہ دیر سے شادی کرنے والے بچوں کے بچپن میں ہی والدین بڑھاپا اوڑھ لیتے ہیں۔ تیسری بات اگر عائزہ خود پر توجہ نہیں دے

رہی تو اس کی وجہ بھی تم خود ہو احزار اگر تم اسے محبت اور توجہ دو وقت اور سہولت دو تو وہ بھی تمہاری ڈیمانڈ کے مطابق نکھر سکتی ہے اگر وہ خود پر توجہ نہیں دے پا رہی تو تم اسے اس کا احساس دلاؤ۔ وہ کم عمر ہے ابھی خود کو مینج نہیں کر پا رہی‘ تمہاری ماشاءاللہ اچھی جاب اور سیلری ہے اسے ملازمہ رکھ دو۔“

”نہیں‘ میں ایسا نہیں کرسکتا۔“

”مگر کیوں‘ کیا تم عائزہ سے محبت نہیں کرتے؟“

”نہیں۔“

”کیا...... اگر محبت نہیں کرتے تو شادی کیوں کی؟“

”بس غلطی ہوگئی یار...... عقل پر پردہ پڑ گیا تھا۔“

”تو تم اپنی غلطی کی سزا اسے کیوں دینا چاہتے ہو؟“

”کیسی سزا...... میں تو اسے آزاد کرنا چاہتا ہوں تاکہ وہ اپنی پسند سے جی سکے اور میں اپنی پسند سے وگرنہ ساری عمر یونہی جلتے کڑھتے نکل جائے گی۔“

”اور اگر عائزہ ایسا نہ چاہے تو؟“

”تو یہ اس کا دردسر ہے میرا نہیں۔“

”تم اتنے خودغرض کیسے ہوسکتے ہو احزار...... مت بھولو زندگی کا یہ سفر دونوں نے مل کر شروع کیا تھا تم بیچ سفر سے تنہا کیسے راستہ بدل سکتے ہو۔“

”میں راستہ بدل چکا ہوں‘ بہتر زندگی جینے کا حق ہر انسان کا ہوتا ہے‘ ضروری نہیں ہے کہ اگر ایک غلطی مجھ سے ہوئی ہے تو اس غلطی کو ساری عمر گلے کا طوق بنا کر جیتا رہوں‘ ویسے میں اور سمیہ بھی اب ایک دوسرے کے بہت قریب آچکے ہیں‘ اگلے ہفتے نکاح ہے ہمارا۔“ وہ شخص صرف بے حس نہیں بے ضمیر بھی تھا۔

حازق دکھ سے گڑھ کر رہ گیا‘ فیصلہ ہوچکا تھا دلوں میں خلیج پیدا ہوگئی تھی۔ وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ آیا۔ اس شخص کے لہجے میں لچک نہیں بے زاری تھی۔

❁❁❁

احزار نے اپنے وعدے کے عین مطابق اگلے ہفتے سمیہ حسن کے ساتھ نکاح کرلیا تھا۔ عائزہ کو خبر ہوئی تو اسے چپ لگ گئی۔ وہ شخص جس کے لیے اس نے اپنی پوری زندگی داؤ پر لگادی تھی‘ کتنی آسانی سے کسی اور کا ہوگیا تھا۔

”حسن منزل“ کے مکینوں کو پتا چلا تو جیسے بھونچال آگیا۔ اقبال بیگم خود بیٹے کی اس حرکت پر بھونچکاں رہ گئی تھیں‘ انہیں گمان ہی نہیں تھا کہ ان کا بیٹا ایسا قدم بھی اٹھا سکتا ہے۔

احزار نے خفیہ نکاح نہیں کیا تھا بلکہ پوری شان و شوکت کے ساتھ‘ میرج ہال میں اپنے سب دوستوں اور سمیہ کے تمام عزیز و اقارب کی موجودگی میں بناء کسی بھی رشتے کا لحاظ کیے دوسری شادی رچائی تھی۔ اس موقع پر اس نے اپنے گھر والوں کی موجودگی بھی ضروری نہیں سمجھی۔ اب تک اقبال بیگم اسے عائزہ سے متنفر کرتی آئی تھیں تاکہ وہ بیوی کا غلام ہو کر ان کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ انہیں کیا خبر تھی اللہ کی لاٹھی بڑی بے آواز ہے‘ ان کا لخت جگر ان کی کوشش سے بیوی سے ایسا متنفر ہوا کہ ان کا پتہ بھی ساتھ ہی کاٹ دیا۔

عائزہ گھر کی لڑکی ہونے کے ساتھ‘ سادہ اور شریف تھی۔ سب سے بڑھ کر وہ ان کی بے حد عزت کرتی تھی اگر احزار اسی کا ہو کر رہتا تو وہ ساری عمر ان دونوں کو اپنے پنجے میں دبوچ کر رکھ سکتی تھیں مگر...... ایسا نہیں ہوا تھا۔ بیٹے سے ہاتھ دھونے کے ساتھ ساتھ وہ دونوں بھائیوں کی شفقت سے محروم بھی ہوگئی تھیں ان کے چہیتے لخت جگر نے واقعی انہیں کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔

❁❁❁

احزار کی زندگی کا نیا سفر شروع ہونے سے پہلے ہی عائزہ نے اس سے طلاق لے لی تھی۔ اس کا صرف مان نہیں ٹوٹا تھا دل بھی مر گیا تھا۔ لبوں پر لگی چپ کی مہر مزید پختہ ہوگئی تھی‘ زندگی پہلے بھی حسین نہیں رہی تھی اب مزید بے رنگ ہوگئی۔ شانزہ اور شافعیہ بیاہ کر اپنے اپنے سسرال آباد کرچکی تھیں۔ عائزہ نے جیسے دوبارہ شادی نہ کرنے کی قسم کھالی تھی۔ احزار کے دیئے ہوئے زخم اگلے کئی سالوں کا سکون برباد کرنے کے لیے کافی تھے۔ سعد اب چھ سال کا

ہوگیا تھا' بے حد ذہین و فطین شرارتی لڑکا ثابت ہوا تھا وہ' بنانے کا موقع مل جائے۔

عائزہ اسے سنبھالتے سنبھالتے تھک جاتی۔

حازق بزنس میں کامیابی کے جھنڈوں پر جھنڈے گاڑ رہا تھا تبھی گھر والے اس کے سر پر سہرا سجانے کے خواہش مند ہورہے تھے مگر وہ مسلسل ٹال رہا تھا یہ کہہ کر کہ ابھی اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں سعد سب سے زیادہ اسی کے قریب تھا' وہی تھا جو اس کے ساتھ کھیلتا تھا اسے باہر گھمانے پھرانے لے کر جاتا تھا' اس کی ہر فرمائش فوری پوری کرتا تھا' ایک طرح سے سعد میں اس کی جان تھی۔

عائزہ اس کی ممنون تھی کہ اس نے اس کے بیٹے کی زندگی کو محرومیوں کی نظر نہیں ہونے دیا تھا' زندگی اپنی ڈگر پر رواں دواں تھی۔ حازق کے والد شوگر کے مریض ہوگئے تھے جبکہ عائزہ کی والدہ مسلسل ہائی بلڈ پریشر کی شکار رہنے لگیں۔ شانزہ اور شافعیہ کے ہاں ایک ایک بیٹی بھی پیدا ہوگئی تھی۔ گھر میں حازق کی شادی نہ کرنے کی ضد سے تنگ آ کر گھر والوں نے فائق کے لیے لڑکی ڈھونڈنی شروع کردی تھی اور اب اس کی شادی کی تاریخ بھی طے کردی گئی تھی۔

شانزہ اٹلی سے اور شافعیہ ناروے سے شادی میں شرکت کے لیے گھر آ گئی تھیں۔ عائزہ نے اس موقع پر گھر کی بیٹی ہونے کا حق ادا کردیا۔ کچن اور مہمانوں کی دیکھ بھال کی تمام تر ذمہ داری اس پر تھی اور اس نے یہ ذمہ داری یوں نبھائی تھی کہ سب اس کی تعریف کرتے نہ تھکتے تھے۔

فائق کی بیوی گھر آ چکی تھی۔ سمیہ حسن کی طرح وہ بھی ایک نازک اندام فیشن کی ماری لڑکی تھی جسے سوائے خود کو بنا سنوار کر رکھنے کے اور کسی بات سے دلچسپی نہیں تھی۔ گھر والوں پر فقط تین ہی روز میں اس کے سارے گر کھل گئے تھے۔ اگلے دو ماہ تک وہ اس کے مزاج کے عادی ہوگئے' عادی نہ ہونے کی صورت میں ایک تو گھر کا ماحول لڑائی جھگڑوں سے متاثر ہورہا تھا جبکہ دوسری طرف نئی بہو رانی بات بات پر خلع لینے کی دھمکی دیتیں۔ اس گھر کی بیٹی چونکہ طلاق کا داغ ماتھے پر سجائے بیٹھی تھی تبھی وہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ بیٹے کا گھر بھی برباد ہو اور لوگوں کو باتیں

حازق سب دیکھتا تو بے بسی سے خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا۔ فائق کی بیوی حائقہ صبح گیارہ سے بارہ بجے کے بعد اٹھنے کی عادی تھی۔ شروع شروع میں اسے جلد اٹھنے کی تلقین کی گئی تو اس نے صاف جواب دے دیا کہ وہ رات میں دیر سے سونے کے سبب صبح جلدی نہیں اٹھ سکتی اگر ان لوگوں کو کام کی کوئی پرابلم ہے تو وہ نوکرانی کا بندوبست کرلیں۔

بارہ بجے کے بعد اٹھتے ہی اسے سب سے پہلے اپنے من پسند ناشتے کی طلب ہوتی تھی اور اس کا من پسند ناشتا گرما گرم تیار کرکے دینے کی ذمہ داری عائزہ کی تھی۔ صبح سے شام تک کولہو کے بیل کی طرح گھر کے کام کاج میں مصروف وہ بھی تھکتی ہی نہیں تھی' جانے کس مٹی کی بنی تھی۔

حازق یہ سب دیکھ رہا تھا مگر خاموش تھا۔ اس کے پاس ابھی ایسا کوئی اختیار نہیں تھا کہ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کچن سے باہر نکال سکتا۔ شادی کا فنکشن بھی گزر گیا' عیدیں بقر عیدیں بھی گزر جاتیں مگر نہ وہ ہاتھوں پر مہندی لگاتی' نہ میک اپ کرتی ایک طرح سے اس نے زندگی کی خوب صورتی سے منہ موڑ لیا تھا۔

اس روز سب ہال کمرے میں جمع فائق کی بیوی کے خلاف اپنا اپنا محاذ کھول رہے تھے جب تایا جان نے فیصلہ کن انداز میں حازق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ان حالات میں جبکہ فائق کی بیوی اس گھر کے لیے اچھا انتخاب ثابت نہیں ہوئی' تمہاری بیوی کا اس گھر میں آنا بہت ضروری ہوگیا ہے۔ عائزہ نے ساری عمر کے لیے ہم سب کا بوجھ اٹھانے کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا' اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ بغیر تمہاری نہیں نہیں کو خاطر میں لائے میں اسی مہینے میں تمہاری شادی طے کررہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر لڑکی وہ پسند کیجیے گا جو مجھے بھی پسند ہو۔''

''ہاں ہاں تمہیں تصویر دکھا کر ہی سب معاملہ طے کریں گے۔''

"صرف تصویر دیکھنے سے کیا ہوتا ہے بابا! تصویر دیکھ کر تو فائق نے بھی لڑکی او کے کردی تھی‘ کامیاب شادی کے لیے صرف تصویر کافی نہیں ہوتی۔"

"تو پھر؟"

"پھر یہ کہ میں اس لڑکی کو ہر طرح سے پرکھوں گا جس کے ساتھ میں نے پوری زندگی گزارنی ہے۔"

"ٹھیک ہے‘ ہمیں منظور ہے۔" اس کی شرط مان لی گئی تھی‘ حازق آفس کے لیے نکل گیا۔

اگلے پندرہ روز تک اسے کئی لڑکیوں کی تصاویر دکھائی گئیں ساتھ مکمل تعارف بھی پیش کیا گیا مگر وہ ہر لڑکی کو ایک نظر دیکھنے کے بعد ریجیکٹ کردیتا۔ گھر والوں نے تنگ آ کر یہ سلسلہ ہی موقوف کردیا۔

❁......❁......❁

اس روز سنڈے کی چھٹی کے باعث حازق گھر پر تھا۔ عائزہ اپنی والدہ کے ساتھ گھر کے سودا سلف کی خریداری کے سلسلے میں مارکیٹ گئی ہوئی تھی‘ موسم بے حد ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ زکیہ بیگم (حازق کی والدہ) حازق کو لان میں پودوں کے ساتھ مصروف دیکھ کر وہیں چلی آئیں۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد وہ اصل موضوع کی طرف آ گئی تھیں۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو حازق...... بیسیوں لڑکیاں دکھا چکی ہوں تمہیں مگر کوئی بھی پسند نہیں کی تم نے۔ عمر ہاتھوں سے پھسلتی جارہی ہے مگر تم ہو کہ سنجیدہ ہی نہیں ہو رہے‘ کیا سوچ رکھا ہے تم نے‘ آخر کب تک دوسروں کی بیٹیوں میں کیڑے نکالتے رہو گے۔" وہ خفا تھیں‘ حازق نے ہاتھ میں پکڑا پائپ نیچے رکھا۔ وہ بولا تو اس کا لہجہ بلا کا سنجیدہ تھا۔

"جب تک آپ کو اپنے گھر میں موجود اپنی بیٹی نظر نہیں آجاتی‘ تب تک؟"

"کس کی بات کررہے ہو تم عائزہ کی؟"

"جی ہاں۔"

"پاگل تو نہیں ہوگئے ہو‘ وہ طلاق یافتہ ایک بیٹے کی ماں ہے۔"

"تو کیا ہوا؟ زندگی میں نے گزارنی ہے جب مجھے کوئی اعتراض نہیں تو آپ کو یا کسی کو کیونکر ہوسکتا ہے۔"

"لوگ کیا کہیں گے حازق...... اتنی اچھی اچھی بہترین کنواری لڑکیاں چھوڑ کر ایک مطلقہ سے شادی کرلی‘ ایسا کیا عیب تھا بیٹے میں۔"

"مجھے لوگوں کی پروا نہیں ہے امی...... میں صرف اس گھر کی اور اپنے دل کی خوشی چاہتا ہوں‘ اس گھر کو ایک بہترین کنواری دوشیزہ سے زیادہ ایک ہمدرد‘ سمجھدار اور سلیقہ مند لڑکی کی ضرورت ہے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی طرف دیکھیں تو انہوں نے بھی ایک کے سوا باقی سب شادیاں بیوہ اور مطلقہ خواتین سے کی تھیں۔ آپ خود دو بیٹیوں کی ماں ہیں اور عائزہ کو ان کی جگہ پر دیکھیں گی تو اعتراض نہیں کرسکیں گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر......"

"اگر مگر چھوڑ دیں امی...... میں چچا جان کا سہارا بننا چاہتا ہوں‘ سب سے بڑھ کر مجھے عائزہ سے محبت ہے۔"

"محبت......؟"

"جی ہاں...... جس وقت آپ لوگوں نے پھوپو کے بیٹے کے ساتھ اس کی شادی طے کی‘ تب بھی میں اس سے اور اس کی شرارت بھری فطرت سے محبت کرتا تھا مگر کہہ نہیں سکا۔ موقع ہی نہیں ملا کبھی‘ میں نے سوچا اس کی شادی کے بعد میں بھی کسی اچھی لڑکی کو اپنا ہمسفر بنا کر اسے بھول جاؤں گا مگر ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ شاید قدرت نے اسے بنایا ہی میرے لیے ہے تبھی تو اس کی شادی کامیاب نہ ہوسکی۔"

"ہوں۔ وہ سب تو ٹھیک ہے مگر مجھے نہیں لگتا کہ عائزہ اس کے لیے آسانی سے راضی ہوگی۔"

"کوئی بات نہیں آسانی سے راضی ہو یا مشکل سے اسے شادی کے لیے منانا میرا کام ہے آپ اپنی طرف سے ساری تیاریاں مکمل کرلیں۔"

"ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔" اس کی خواہش پر سرد آہ بھرتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ حازق پھر سے پائپ اٹھا کر اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

گھر میں پھر سے شادی کی تیاریاں شروع ہوئیں تو عائزہ چونکے بغیر نہ رہ سکی۔ اس روز جب زکیہ بیگم لاؤنج میں بیٹھی، حازق کی دلہن کے لیے زیورات نکال رہی تھیں وہ ان سے پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"تائی ماں...... کیا آپ حازق کی شادی کی تیاری کررہی ہیں؟"

"نہیں۔"

"تو پھر؟"

"یہ سب تمہارے لیے ہے، تمہاری شادی کررہی ہوں میں۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ آپ جانتی ہیں میں ابھی شادی نہیں کرسکتی، سوچ بھی نہیں سکتی میں دوسری شادی کا۔"

"ہوں، جانتی ہوں مگر حازق نہیں جانتا۔ بہتر ہے تم اسے سمجھادو اس کا کہنا ہے وہ تمہارے سوا اور کسی سے شادی نہیں کرے گا۔"

"کیا......؟" اسے دھچکا لگا تھا، صوفے کی پشت گاہ پر اس کی انگلیاں بہت مضبوطی سے گڑی تھیں تبھی حائقہ نے تمسخرانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"چلو بھئی، خدمتیں رائیگاں نہیں گئیں ان کی، چولہا چوکی سے آئیڈیل شوہر تو مل گیا۔"

"میں لعنت بھیجتی ہوں ایسی خود غرضی اور لالچ پر، سمجھیں تم۔" پھنکار کر کہتے ہوئے وہ واپس پلٹ گئی تھی۔ زکیہ بیگم نے دیکھا اس کی آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں شاید وہ بہت ہرٹ ہوئی تھی۔ انہیں اپنی سوچ اور رویے پر افسوس ہونے لگا۔

میں وہ تہہ خانہ ہوں جس میں
شکستہ خواہشوں کے ان گنت آسیب بستے ہیں
جو آدھی شب تو روتے ہیں، پھر آدھی رات ہنستے ہیں
میری تاریکیوں میں......
گمشدہ صدیوں کے گرد آلود نا آسودہ خوابوں کے
کئی عفریت بستے ہیں
میری خوشیوں پر روتے ہیں، میرے اشکوں پر ہنستے ہیں
میرے ویران دل میں رینگتی ہیں مکڑیاں غم کی
تمناؤں کے کالے رنگ شب بھر سرسراتے ہیں
گناہوں کے جتنے بچھو
دموں پر اپنے اپنے ڈنک لادے
اپنے اپنے زہر کے شعلوں میں جلتے ہیں
یہ بچھو دکھ نگلتے اور پچھتاوے اگلتے ہیں
زیادہ پاس مت نا
میں وہ تہہ خانہ ہوں جس میں
کوئی روزن، کوئی کھڑکی نہیں باقی
فقط قبریں ہی قبریں ہیں
کہیں ایسا نہ ہو تم بھی انہی قبروں میں کھو جاؤ
انہی میں دفن ہو جاؤ
گلابی ہو کہیں ایسا نہ ہو تم زرد ہو جاؤ
محبت کی حرارت کھو کے بالکل سرد ہو جاؤ
سراپا درد ہو جاؤ
سو میرے سادہ و معصوم! مجھ کو راس مت آنا
زیادہ پاس مت آنا

حازق اس رات بہت لیٹ گھر آیا تھا۔ عائزہ نے رو رو کر آنکھیں سجالیں، حازق کے کمرے کی ایک چیز بھی سلامت نہیں ملی تھی۔ پچھلے پانچ سال کے بعد پہلی بار وہ اپنے پرانے روپ میں واپس آئی تھی، حازق کو صورت حال کا اندازہ نہیں تھا تبھی کمرے میں پہلا قدم رکھتے ہی وہ ٹھٹکا تھا۔ عائزہ اسی کے کمرے میں موجود تھی، حازق کو دیکھتے ہی وہ زخمی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹی تھی۔

"میں ہی ملی تھی تمہیں پوری دنیا میں ترس کھانے کے لیے...... بولو......" اس کا صرف لہجہ زخمی نہیں تھا آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں وہ بھونچکاں رہ گیا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟"

"تماشہ بنا ہے میرا' وہ بھی سب کے سامنے' کیوں تماشہ بنایا تم نے میرا۔ کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا جو تم نے یہ بدلہ لیا' مجھ سے۔" وہ دھاڑی' حازق نے اس کی کلائی دبوچ لی۔

"ٹھنڈا کرو خود کو اور آرام سے بتاؤ مجھے کہ کیا ہوا ہے' کیوں ایسے ری ایکٹ کررہی ہو تم؟"

"پاگل ہوگئی ہوں میں اس لیے۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو پڑی' حازق نے لب بھینچ لیے۔

"ٹھیک ہے' تم پہیلی بنی رہو میں ابھی نیچے جا کر پوچھتا ہوں سب سے کہ کیا طوفان آیا ہے یہاں۔" قدرے خفگی سے کہتے ہوئے وہ فوراً کمرے سے نکل گیا تھا۔ عائزہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے روتی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کمرے میں آیا تو اس کی چال میں شکستگی تھی۔

"بس اتنی سی بات پر تم نے میرے کمرے کا یہ حشر کر ڈالا عائزہ......!"

"اتنی سی بات؟" وہ تڑپی۔ "میری ذات کا غرور' میری نیک نامی' میری خودداری سب خاک میں ملا کر کہہ رہے ہو کہ اتنی سی بات؟"

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا' تم خوامخواہ جذباتی ہو رہی ہو۔"

"ہاں میں ہو رہی ہوں جذباتی' تم نے کیوں کہا کہ تم صرف مجھ سے شادی کرو گے اور کسی سے نہیں جبکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔" جذبات اور آنسوؤں کا طوفان تھم چکا تھا' حازق گہری سانس بھرتے ہوئے صوفے پر ٹک گیا۔

"کیوں قابل نہیں ہو تم میرے لیے؟ لنگڑی ہو' اندھی ہو یا بہری ہو؟"

"طلاق یافتہ ہوں' ایک بچے کی ماں ہوں۔"

"پھر......؟"

"مجھے تمہاری ہمدردی اور نوازش نہیں چاہیے حازق۔"

"کس کافر کو تم سے ہمدردی ہے اور کون نوازش کررہا ہے تم پر۔"

"تم......"

"پاگل ہوئی ہو میں بھلا کیوں ہمدردی کروں گا اس لڑکی سے جس نے ساری عمر میری ناک میں دم کر کے رکھا ہو۔"

"تو کیا اس شادی سے تم مجھ سے بدلہ لینا چاہتے ہو؟"

"آف کورس......" اس نے شانے اچکائے تھے عائزہ نے لبوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

"تم ایسا نہیں کرسکتے حازق!"

"میں ایسا کر رہا ہوں' خبردار دوبارہ تم نے کوئی طوفان اٹھایا تو۔" وہ ازحد سنجیدہ تھا۔ عائزہ اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹتی کمرے سے بھاگ گئی' اس کے کمرے سے جانے کے بعد وہ بنا کپڑے تبدیل کیے بستر پر دراز ہوگیا تھا۔

❁......❁......❁

"حسن منزل" میں حازق حسن اور عائزہ حسین کی شادی کی ساری تیاریاں مکمل ہوگئی تھیں۔ حازق کی مصروفیات اور رویے میں کوئی فرق نہیں آیا' وہ پہلے گھر سے جیسے بے نیاز تھا اب بھی اس کی وہی بے نیازی برقرار تھی۔ عائزہ کی آنکھیں البتہ ضرور نم رہنے لگی تھیں' اسے لگتا تھا شاید اس گھر میں اسے حازق سے زیادہ کوئی نہیں سمجھتا مگر وہ غلط تھی۔ وہ شخص اس سے اس کی لاابالی عمر کی غلطیوں کا بدلہ لینے کے لیے شادی کا ڈھونگ رچا رہا تھا جبکہ وہ جانتا تھا کہ وہ پہلے سے کتنی ٹوٹی بکھری ہوئی ہے' چوٹ کھائی ہوئی ہے اگر اپنا خون ہی ایسا تھا تو وہ دوسروں سے ان کی بے حسی کا کیا گلہ کرتی؟ رو رو کر اس نے اپنی آنکھیں ویران کر ڈالی تھیں جبکہ سعد کو بھی وہ اب حازق کے پاس نہ جانے دیتی' حازق سب دیکھ رہا تھا مگر خاموش تھا۔ زکیہ بیگم نے شادی کی تیاری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی' ساری بری اعلیٰ سے اعلیٰ زیورات نئے ڈیزائن کے حائقہ دیکھ دیکھ کر منہ بناتی اور جلتی۔ حسن صاحب اور حسین صاحب کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا' گھر کی بات گھر میں رہ گئی تھی۔

عائزہ کا خیال تھا کہ نکاح سادگی سے ہوگا مگر حازق

نے اس کا خیال غلط ثابت کردیا۔ اس نے اپنی شادی پر دل کے سارے ارمان نکالے تھے۔ ساری خوشیاں پوری کی تھیں' شادی کے تمام فنکشنز میں ننھا سعد اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ بلیک پینٹ کوٹ میں اس کی وجاہت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی' شانزہ اور شافعیہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ مہندی والی رات عائزہ کو تیز بخار نے جکڑ لیا مگر وہ کسی پر بھی اپنی حالت ظاہر کیے بغیر چپ چاپ پڑی رہی۔ شادی والے دن اس پر یوں ٹوٹ کر روپ آیا کہ کیا کسی کنواری دوشیزہ پر بھی کیا آیا ہوگا۔ جو بھی اسے دلہن بنی دیکھتا تھا بے ساختہ نظر اتارتا تھا' زکیہ بیگم اور رفیہ بیگم دونوں کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

❁ .... ❁ .... ❁

حازق تمام رسومات سے فراغت کے بعد کمرے میں آیا تو عائزہ بیڈ پر حسن کا مجسمہ بنی یوں ساکت بیٹھی تھی جیسے اس کے وجود میں جان ہی نہ ہو۔ شاید وہ خود کو ہر طرح کے بدلے کے لیے تیار کر کے بیٹھی تھی' وہ مسکرا دیا۔ کمرہ لاک کرنے کے بعد وہ بیڈ پر آ کر بیٹھا تو عائزہ کے قندھاری انار کی مانند دہکتے چہرے نے اسے پریشان کردیا تبھی اس نے بے ساختہ دائیں ہاتھ سے اس کا چہرہ چھوا تھا۔

"عائزہ...... تم ٹھیک ہو؟" مگر عائزہ نے کوئی جواب دیا نہ نظر اٹھا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا' اس کی آنکھیں بے حد بوجھل ہو رہی تھیں' وہ اٹھا اور جلدی سے جا کر بخار کی ٹیبلٹ اور دودھ کا گلاس لے آیا۔

عائزہ کو اپنے ہاتھ سے دوا کھلانے کے بعد اس نے اسے سہولت سے سلا دیا تھا۔ دلہن کے روپ میں وہ اتنی حسین دکھائی دے رہی تھی کہ اسے بے ساختہ اپنے نصیب پر رشک آنے لگا' سعد رضیہ بیگم کے پاس بے خبر سو رہا تھا۔ حازق نے جوتے اتارنے کے بعد لباس تبدیل کرلیا' اگلی صبح اذان سے پہلے عائزہ کا بخار اتر چکا تھا مگر کمزوری باقی تھی' اس کا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ حازق ساری رات اس کے پہلو میں بیٹھا جاگتا رہا۔ اگلے روز اسی کے بتانے پر سارا گھر اس کے کمرے میں جمع تھا۔ وہ ابھی تک عروسی لباس میں ملبوس میک اپ سے لدی پھندی تھی' زیورات البتہ حازق نے اس کی سہولت کے لیے اتار دیئے تھے۔ عائزہ کی خراب طبیعت کے پیش نظر ولیمے کا فنکشن رات میں خاصا لیٹ رکھا گیا۔ کل شادی کی تقریب کی طرح وہ آج ولیمے کے فنکشن میں بھی بالکل خاموش تھی۔ ننھا سعد اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

رات گھر واپسی کے بعد اسے پھر بخار نے جکڑ لیا مگر اس نے پروا نہیں کی شاید وہ نہیں چاہتی تھی کہ سارے گھر میں پھر سے اس کا تماشہ لگے۔ حازق کمرے میں آیا تو وہ لباس تبدیل کر کے کمبل میں دبک چکی تھی' وہ اس سے قدرے فاصلے پر نیم دراز ہوگیا۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"بخار کم ہوا؟"

"ہوں۔"

"ویسے میں اتنا برا نہیں ہوں کہ میرے ساتھ شادی کے دکھ میں تم بیمار ہی پڑ جاؤ۔" اس کا انداز شگفتہ تھا' عائزہ نے پلکیں موند لیں۔

"میں دوسری شادی کے حق میں نہیں تھی۔"

"جانتا ہوں۔ اسی لیے تو بدلے کی بات کر کے بلیک میل کیا میں نے' اگر میں یہ قدم نہ اٹھاتا تو ضرور تم نے اپنی ساری زندگی فضول میں برباد کردینی تھی۔" وہ انکشاف کر رہا تھا' عائزہ نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

"تم نے مجھے چیٹ کیا؟"

"ہاں...... مگر اس چیٹنگ کے پیچھے میرا مقصد برا نہیں تھا۔"

"مجھے ہمدردیوں سے نفرت ہے۔"

"جانتا ہوں۔"

"جب جانتے ہو تو پھر کیوں کی یہ شادی؟"

"ضروری تھی اس لیے۔"

"کیوں ضروری تھی؟"

"میرے بال تیزی سے سفید ہو رہے تھے اس لیے۔"

وہ غیر سنجیدہ تھا' عائزہ نے رخ پھیر لیا۔

"میرے لیے ایک مرد کے دیئے زخم کافی ہیں حازق...... میں دوبارہ کوئی نیا تجربہ کرنے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔"

"یہ بھی جانتا ہوں۔ اسی لیے تو یہ قدم اٹھایا ہے میں نے' تم مجھے چاہے جتنا بھی غلط سمجھو مگر یہ حقیقت ہے عائزہ کہ مجھے تمہارے سوا اور کسی لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ احزار سے تمہاری شادی سے پہلے مجھے سو فیصد یقین تھا کہ ابو اور امی میری نسبت تمہارے ساتھ ہی طے کریں گے کیونکہ تم نہ صرف چچا کی اکلوتی لخت جگر تھیں بلکہ تمہارا کردار' شرافت' سلیقہ سب امی ابو کے سامنے تھا تاہم اس کے باوجود انہوں نے پھوپو کی خواہش کا بھرم رکھا اور مجھے لگا جیسے میرے اندر سب کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ میں نے سوچ لیا تھا میں اس وقت تک شادی نہیں کروں گا جب تک کہ مجھے تمہاری جیسی کوئی دوسری لڑکی نہیں مل جاتی مگر تمہارے جیسی کوئی دوسری لڑکی ملتی اس سے پہلے تم ہی مل گئیں۔ بہت کوشش کی میں نے احزار کو سمجھانے کی کہ وہ تمہارا دل نہ دکھائے مگر وہ نہیں سمجھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے گھریلو بیوی کے ساتھ ساتھ ایک ماڈرن بیوی بھی چاہیے جو کہ اس کی نظر میں تم کبھی نہیں ہوسکتی تھیں مگر...... میں اسے دکھاؤں گا عائزہ کہ عورت کو اگر گھرداری کے ساتھ ساتھ مرد کا تعاون' اعتماد اور پیار بھی ملے تو وہ آپ کی خواہش کے ہر پیمانے پر پوری اتر سکتی ہے۔" عائزہ کا ہاتھ تھامے وہ بے حد اپنائیت سے کہہ رہا تھا۔ "میں جانتا ہوں تمہارے کیا کمپلیکیشنز ہیں مگر یہ حقیقت ہے ڈیئر بعض اوقات سگا باپ بھی اپنی اولاد کو وہ پیار نہیں دے پاتا' جو ایک پالنے والا باپ دے دیتا ہے۔ سعد کے ذہن میں باپ کے لیے ابھی کوئی پختہ خاکہ نہیں ہے' وہ صرف پیار کو سمجھتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تم دیکھو گی وہ اپنے اس باپ کی محبت اور پرورش پر ناز کرے گا۔" وہ خواب دکھا رہا تھا مگر عائزہ نے یقین نہیں کیا' وہ خاموشی سے کروٹ بدل کر سوگئی تھی۔

حازق اندر تک کٹ کر رہ گیا' اپنی ذات کی یہ بے وقعتی اسے بہت گراں گزری تھی۔ آنے والے دنوں میں عائزہ کی طرح اس کے لبوں نے بھی چپ کی بکل مار لی تھی' دونوں ہی بے حد سنجیدہ ہوکر رہ گئے تھے۔ وقت گزر رہا تھا جب ایک روز صفائی کے دوران فون کی بیل بجنے پر اس نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو......"

"ہیلو عائزہ...... احزار بول رہا ہوں' کیسی ہو تم؟" پورے سات سال کے بعد اس کے کانوں نے احزار کی آواز سنی تھی' اس کا پورا وجود جیسے سن ہوگیا۔

"تم سن رہی ہو ناں عائزہ...... پلیز میری زندگی میں واپس آجاؤ' حازق سے طلاق لے لو پلیز' میں تمہارے بغیر نہیں جی سکتا۔" وہی اس کا بے قراری میں ڈوبا' ملتجی لہجہ عائزہ کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں۔

"میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں عائزہ...... ہماری طلاق کے پیچھے حازق کا ہاتھ تھا' اس نے بدگمانی پھیلائی تھی پلیز ایک بار امی کے گھر آکر میری بات سن لو پلیز۔" اس کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا' اس روز وہ پھر بہت روئی تھی مگر اس نے احزار سے کچھ بھی نہیں کہا۔ احزار کی کالز روز آنے لگی تھیں' وہ گھر میں بغیر کسی کو بتائے اس روز پھوپو کے گھر چلی آئی۔ احزار گھر پر نہیں تھا مگر اقبال بیگم نے اسے بہت پیار کیا تھا' انہوں نے ہی احزار کے موبائل پر کال کرکے اسے گھر بلوالیا تھا۔ عائزہ نے دیکھا وہ پہلے سے بہت کمزور ہوگیا تھا شاید واقعی وہ اس کے بغیر خوش نہیں رہ پایا تھا۔ عائزہ کو اپنے گھر میں دیکھ کر اس کے چہرے پر جیسے بہار آگئی تھی۔

"میں جانتا تھا تم ضرور آؤ گی' میرا پیار اتنا کمزور نہیں تھا کہ تم آسانی سے بھلا سکتیں۔"

"کیا یہی کہنے کے لیے تم نے مجھے یہاں بلایا تھا؟"

"نہیں۔" اس کی سنجیدگی پر وہ بھی تھوڑا محتاط ہوگیا۔

"میں تمہیں بتانا چاہتا تھا عائزہ کہ حازق اچھا انسان نہیں ہے' تمہیں کم از کم اس کے ساتھ دوسری شادی نہیں کرنی

چاہیے تھی۔ اسی کی وجہ سے ہمارے رشتے میں دراڑ آئی اس نے مجھے کہا تھا کہ تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اسی لیے میں تم سے متنفر ہوا وہ بہت بڑا چالباز ہے عائزہ...... تمہارے حصے کی ساری جائیداد ہتھیانا چاہتا ہے۔“

”تو......“

”تو پلیز تم اس سے طلاق لے کر دوبارہ میری زندگی میں آجاؤ‘ میں تمہیں کھو کر بہت پشیمان ہوں عائزہ۔“

”اوہ...... اتنی جلدی تمہیں ہیرے کو کھونے کا احساس ہوگیا‘ ابھی تو پوری زندگی پڑی ہے احزار......“

”تم میری بات سمجھ نہیں رہیں عائزہ‘ میں نے کہا ناں میں حازق کی وجہ سے......“

”کیا حازق کی وجہ سے...... اس نے کہا ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور تم نے اس پر یقین کر کے میری ذات کو دو کوڑی کا کردیا۔ میری محبت‘ میرے بچے‘ میرے ماں باپ کسی کا نہیں سوچا تم نے‘ اب یہی بات تم جا کر حازق سے کہو میں دیکھتی ہوں وہ کیا فیصلہ کرتا ہے میرا۔“ احزار کی بات درمیان میں کاٹتے ہوئے وہ دھاڑی تھی۔ احزار خاموش ہوگیا۔

”میں یہاں تمہارے پچھتاوے دیکھنے نہیں آئی احزار...... بلکہ تمہیں وارن کرنے آئی ہوں دوبارہ میری زندگی میں دخل اندازی کی کوشش مت کرنا۔ کوئی میری جائیداد ہتھیائے یا عزت نفس‘ تمہیں اس سے مطلب نہیں ہونا چاہیے آئی سمجھ۔“ وہ بہت بدل گئی تھی احزار بے بسی سے لب بھینچتا رہ گیا۔ رات میں حازق آفس سے گھر لوٹ رہا تھا جب اس نے اسے کال کھڑکا دی۔

”ہیلو......“ اس کی بار بار کال کی وجہ سے مجبوراً اسے ڈرائیونگ کے دوران کال ریسیو کرنی پڑی تھی‘ دوسری طرف وہ قدرے خشک لہجے میں بولا تھا۔

”احزار بول رہا ہوں‘ جانتا ہوں تمہارا وقت بہت قیمتی ہے ضائع نہیں کروں گا۔ کہنا صرف اتنا ہے کہ آج عائزہ مجھ سے ملنے میرے گھر آئی تھی‘ اس کا کہنا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ خوش نہیں ہے دوبارہ میری زندگی میں آنا چاہتی ہے لہٰذا تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم اسے طلاق دے دو۔“

”میں ابھی ڈرائیو کررہا ہوں‘ گھر جا کر عائزہ سے بات کروں گا‘ اگر اس نے کہا کہ وہ تمہاری زندگی میں واپس جانا چاہتی ہے تو میں زبردستی نہیں کروں گا۔ زبردستی کے رشتے ویسے بھی زیادہ دیر نہیں چلتے۔“ اپنی بات مکمل کرتے ہی اس نے کال ڈس کنکٹ کر کے موبائل ڈیش بورڈ پر ڈال دیا تھا‘ احزار تلملا کر رہ گیا۔

❀......❀......❀

حازق کمرے میں آیا تو عائزہ سعد کو سلا کر اس کے آفس کے لیے کپڑے پریس کررہی تھی اس نے بریف کیس سائیڈ پر رکھا اور بیڈ کی پائنتی کی طرف آ بیٹھا۔

”آج پھوپو کی طرف گئی تھیں تم؟“ کمرے میں آتے ہی اس نے پہلا سوال یہی کیا تھا‘ عائزہ کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

”ہاں۔“

”کیوں؟“

”احزار نے بلایا تھا اس لیے۔“

”اس نے کیوں بلایا تھا؟“

”دوبارہ شادی کرنا چاہتا ہے وہ مجھ سے اس لیے۔“

”تم نے کیا کہا؟“

”وہی جو ضروری تھا۔“

”کیا ضروری تھا“

”یہی کہ وہ دوبارہ میری زندگی میں دخل اندازی نہ کرے۔“

”اور تم نے ایسا کیوں کہا جبکہ تم اب بھی اس سے محبت کرتی ہو۔“

”ضروری تھا اس لیے۔“

”کیا ضروری تھا؟“

”اسے اس کی اوقات میں رکھنا۔“ صرف ایک جملہ کہا تھا اس نے اور حازق کو لگا جیسے وہ خوشبوؤں میں نہا گیا ہو۔

"شکریہ...... تمہاری کتابیں لے آیا ہوں میں ٹیوشن کی امید نہ رکھنا مجھ سے۔"

"ٹھیک ہے، تم اتنے اچھے ہو بھی نہیں کہ تم سے میں ایسی کوئی امید رکھوں۔" دوبدو جواب دے کر وہ اپنا کتابوں والا شاپر اٹھاتی کمرے سے باہر نکل گئی تھی، حازق سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

وہ محبت جو نکاح کے دو بول عائزہ کے دل میں پیدا نہ کرسکے تھے اس کی رفاقت نے کردی تھی۔ چند ماہ میں حازق کی اچھی عادات اور محبت بھرے احسن سلوک نے اسے باور کرادیا کہ کمی اس میں پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ احزار کی نیت بدل گئی تھی۔ مرد جب کسی بھی رشتے سے فرار چاہتا ہے تو مختلف حیلوں کی ندیاں خود ہی بہا لیتا ہے۔ حازق کی رفاقت نے اسے ایسا اعتماد بخشا کہ ہزار گھریلو معاملات میں مصروف ہونے کے باوجود وہ اپنے لیے ضرور ٹائم نکالتی تھی۔ اسے حازق کے آفس سے آنے سے پہلے خود کو فریش رکھنا اور دکھائی دینا اچھا لگتا تھا۔ یہ حازق ہی تھا جو اس کا ہاتھ پکڑ کر بڑے استحقاق سے کچن سے نکال لیتا تھا اور کوئی کچھ بھی نہ کہہ پاتا۔

آنے والے دنوں میں عائزہ کے امتحانات قریب آئے تو اس نے کل وقتی ملازمہ رکھ دی۔ سعد اب بڑا اور سمجھ دار ہوگیا تھا زیادہ تنگ نہیں کرتا تھا مگر پھر بھی اسے وقت دینے اور سنبھالنے کی ذمہ داری بھی حازق نے خود اٹھالی تھی۔ یہ اس کی محبت اور تعاون کا نتیجہ ہی تھا کہ اگلے چند سال میں میٹرک پاس عائزہ ڈبل ایم اے کے ساتھ کالج کی لیکچرار بن گئی تھی۔ لیکچرار بننے کے بعد اس کی شخصیت کو مزید چار چاند لگ گئے اب تو اس کی شخصیت پہچانی ہی نہیں جاتی تھی جتنی وہ کامیاب ہوئی تھی اتنی ہی عاجز ہوتی گئی تھی۔

اب وہ حازق سے محبت نہیں کرتی تھی بلکہ دیوانگی کی حد تک عشق کرتی تھی۔ اس کے سارے کام حازق کے لاکھ منع کرنے کے باوجود وہ اپنے ہاتھ سے کر کے مطمئن ہوتی۔ حسن صاحب اور زکیہ بیگم تو پہلے ہی اس کی تعریفیں کرتے اور دعائیں دیتے نہیں تھکتے تھے۔ شادی تو اس کی احزار سے بھی ہوئی تھی مگر وہ شادی صرف کٹھن آزمائش تھی اور عائزہ نے خود کو اس آزمائش میں کامیاب کیا تھا تبھی تو اسے حازق کی صورت انعام بھی خوب صورت ملا۔

سعد بارہ سال کا ہوگیا تھا جب اس نے حازق کی بیٹی کو جنم دیا۔ بیٹی کے بعد اللہ نے پھر اسے دو جڑواں بیٹیوں سے نوازا اور تینوں بچوں کی پیدائش کے وقت عائزہ نے دیکھا کہ اچھے ہمسفر اور محض ایک شوہر میں کیا فرق ہوتا ہے۔ ایک اچھا ہمسفر برگد کی ٹھنڈی چھاؤں کی مانند ہوتا ہے، جو عورت کے وجود کی ساری تھکن اور تکالیف اپنی محبت کے سائے میں سمیٹ لیتا ہے بناء جورو کا غلام بنے۔ صرف تھوڑے سے تعاون، توجہ اور احساس کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو عورت کو ازدواجی زندگی میں آسودگی عطا کرسکتی ہے۔ اس عورت کو جو آپ کے لیے اپنا گھر بار اپنے ماں باپ، بہن بھائی، اپنا گلی محلہ یہاں تک جن کے ساتھ اس نے اپنی زندگی کا ایک حصہ بیتایا ہوتا ہے چھوڑ کر ایک اجنبی گھر لوگوں کے درمیان آبستی ہے جہاں کوئی بھی اس کا شناسا نہیں ہوتا، مزاج آشنا نہیں ہوتا۔

ایسے میں اگر وہ شخص بھی اس کا درد آشنا نہ بنے جس کے لیے وہ سب کچھ چھوڑ کر آتی ہے تو اس عورت کے خسارے کا حساب کرنے والا کون ہے؟

❀.......❀.......❀

احزار نے اپنے نفس کی تسکین کے لیے بیوی کی امانت میں خیانت کرتے ہوئے پرائی لڑکیوں پر نظر ٹکائی تو خدا نے اسے اس کی سزا بھی دی۔

عائزہ ایک گھریلو محبت کرنے والی لڑکی تھی، جو کفایت شعاری سے کام لیتی تھی اس نے کبھی پیسوں کے لیے احزار کو تنگ نہیں کیا تھا جبکہ سمیہ ایسی نہیں تھی اسے اپنی ضرورتوں اور خرچ کے لیے ہر وقت پیسہ درکار تھا۔ آئے روز وہ صرف اپنی ذات کے لیے ہی نہیں بلکہ اپنے گھر والوں کے لیے بھی اس کی جیب خالی کرواتی تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ احزار دوستوں کا قرض دار رہنے لگا، گھر میں

اپنی ماں کو پیسے بھجوانے بھی اس نے بند کردیئے تھے پھر بھی سمیہ اسے کوستی کہ اگر وہ اس کے اخراجات برداشت نہیں کرسکتا تھا تو اس نے اس سے شادی کیوں کی؟ دوسری طرف وہ اس کے جس فیشن اور بات چیت کے سلیقے کا فین تھا' اسی فیشن اور بات چیت کے سلیقے سے اس نے احزار کے دوستوں کو بھی گھیرنا شروع کردیا تھا اور یہی وہ موڑ تھا جہاں اس کی یہ دوسری شادی اختتام پذیر ہوئی تھی۔

سمیہ حسن کے بعد اس نے تیسری شادی سمیرا نامی امیر لڑکی سے کرلی جس کے باپ نے تین چار سال اسے اپنا نوکر بنا کر رکھا' بعد ازاں ایک رات وہ امیر زادی بھی کسی کے ساتھ بھاگ گئی اور وہ پھر خالی ہاتھ رہ گیا تبھی اسے عائزہ یاد آئی تھی مگر......وہ عام لڑکی نہیں تھی جو اس کی باتوں میں آجاتی اور اپنی صلاحیت کی بناء پر محض تھوڑے دنوں کی رفاقت میں ہی اس نے حازق کو پرکھ لیا تھا۔ اس رات حازق' سعد کے ساتھ بقرہ منڈی قربانی کا جانور لینے آیا تھا جب اچانک احزار اس کے پاس آ گیا' قدرے رف حلیے میں وہ شخص خاصا قابل رحم لگ رہا تھا۔

"سعد......" اس نے سعد کو آواز دی تھی' حازق نے بے ساختہ پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ وہ قریب آ گیا' سعد اب اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا' وہ اس کے سامنے دوزانوں بیٹھ گیا۔

"کیسے ہو بیٹا؟"

"آپ کون ہیں؟" ابرو اچکائے سعد نے پوچھا تھا' حازق خاموش کھڑا رہا۔

"میں آپ کا پاپا ہوں بیٹا......بھول گئے آپ مجھے؟"

"جی نہیں' میرے پاپا اس وقت میرے ساتھ ہیں' میں آپ کو نہیں جانتا۔"

"یہ آپ کے پاپا نہیں ہیں بیٹا......آپ کے اسکول میں' برتھ سرٹیفکیٹ پر ہر جگہ آپ کے نام کے ساتھ میرا نام جڑا ہے۔ یہ شخص صرف آپ کی مما کا عاشق ہے اور بس......" اس نے بچے کا دماغ الجھانے کے لیے کہا اور یہی وہ وقت تھا جب حازق نے اسے گریبان سے پکڑ کر خوب دھویا تھا' وہ خود پر ہر الزام برداشت کرسکتا تھا مگر عائزہ پر نہیں۔ احزار کو اس روز بہت اچھا سبق ملا تھا۔

❀......❀......❀

اگلے روز عید پر عائزہ نے کئی سالوں کے بعد خوب ہاتھ بھر بھر کر چوڑیاں پہنیں اور مہندی لگائی۔ آج اس عید پر اس کے گلابی لبوں نے جس مسکراہٹ کا لبادہ اوڑھا تھا' وہ سچی مسکراہٹ تھی۔ کون اسے دیکھ کر کہہ سکتا تھا کہ وہ وہی دس سال پہلے والی عائزہ ہے۔ وقت جیسے اسے چھوئے بغیر گزر رہا تھا۔

چار بچوں کی ماں ہو کر بھی وہ شادی شدہ نہیں لگتی تھی اور بے شک اس کے پیچھے حازق کی محبت بھری رفاقت کا بڑا ہاتھ تھا۔ وہ صحیح معنوں میں اس کے دکھ سکھ کا ساتھی اور مزاج آشنا تھا تبھی وہ اسے تنگ کرنے سے باز نہیں آتی تھی۔

اس وقت بھی وہ قربانی سے فارغ ہو کر تھک کر سو رہا تھا' جب اس نے الارم سیٹ کرکے اس کے تکیے کے قریب رکھ دیا۔ الارم کے بجنے سے حازق ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔ عائزہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"باز نہ آنا تم بھی' پتا نہیں کب بچپنا جائے گا تمہارا۔" گھور کر اسے دیکھتے ہوئے اس نے الارم بند کیا تھا۔ عائزہ نے پاس آ کر اس کے بازو پر سر ٹکا دیا۔

"میں بڑی ہونا بھی نہیں چاہتی حازق......ہمیشہ اسی بچپنے میں رہنا چاہتی ہوں تاکہ آپ ہمیشہ یونہی بڑوں کی طرح میرا خیال رکھتے رہیں' میرے ناز اٹھاتے رہیں۔" اور حازق نے مسکراتے ہوئے اسے اپنی پناہ میں لے لیا تھا' برگد جیسی ٹھنڈی پُرسکون پناہ میں۔

❀

خاموش صدائیں

اقبال بانو

وہ کوئی ماورائی مخلوق تو نہ تھی اور نہ ہی کوئی رئیس زادی مگر نجانے کیا بات تھی میں جب بھی گاؤں جاتا دل بڑا مضطرب رہتا ہر تیسرے یا چوتھے مہینے گاؤں جاتا اور یہ جو دل ہے نا وہاں بے چین ہو جاتا اس کو دیکھنے کو بے قرار ہو جاتا ہے۔ آنکھیں بے چین سی سرسبز پگڈنڈی پر کچھ تلاش کرتی اور جب وہ مجھے کبھی سرسوں کے کھیت میں پیلے پیلے پھولوں کے درمیان نظر آجاتی تو نجانے کیوں دل کو ایک دم ہی قرار آجاتا تمام بے قراریاں ختم ہو جاتیں یوں لگتا جیسے دل کے آنگن میں کوئی دھیرے دھیرے چل رہا ہو اور یہ آہٹیں صاف سنائی دیتیں یہ لالی کی چاپیں تھیں۔ جنہیں میں کبھی کوئی نام نہ دے سکا تھا اور مجھے تو پتا بھی نہ ہوتا کہ آخر یہ آہٹیں میرے دل میں کیوں پیدا ہوتی ہیں۔

میں نے کئی بار اپنا محاسبہ کیا بارہا خود کو ٹٹولا اور اس قدر ٹٹولنے کے باوجود بھی میں اپنے آپ سے کچھ نہ معلوم کرسکا تھا کہ آخر اس بے چینی اور بے قراری کی وجہ کیا ہے۔

”کیا میں اسے چاہنے لگا ہوں؟“ میں بے چین ہو کر خود سے سوال کرتا۔

”ارے نہیں۔“ میرے اندر ہی اندر کوئی بڑے زور سے ہنس دیتا۔

”تف ہے تم پر چوہدری شجاعت علی صرف ایک معمولی سی لڑکی کی خاطر تم بے قرار ہو، چھوڑو یار تم اس دیہاتن کو بالکل نہیں چاہتے‘ چاہنے کے لیے یہاں شہر میں کم لڑکیاں ہیں۔“

میں خود ہی سوال کرتا اور خود ہی جواب دے کر اپنے آپ کو مطمئن کرلیتا مگر یہ جو پگلا دل ہے نا اس کی بے قراری کبھی نہ گئی یہ ہمیشہ بے قرار رہا مجھے وہ ایسے تو کبھی یاد نہ آتی مگر جیسے ہی میں چھٹیاں گزارنے کے لیے گاؤں جانے کی تیاری کرتا تو نہ جانے کہاں سے دھم سے خیالوں میں آجاتی۔

”نہیں اس کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں۔“ میں خود سے عہد کرتا۔

”اس طرف بھی نہ جاؤں گا جہاں لالی کے ملنے کا امکان ہو۔“ اور پھر میں جب گاؤں پہنچتا تو نجانے کہاں سے لالی کی شبیہہ آنکھوں میں اتر آتی۔

کپاس کے کھیتوں میں کپاس چنتی لڑکیاں جو کہ رنگ برنگی چنریاں اوڑھے ہوئے ہوتیں۔ کھیت کے قریب سے گزرتے ہوئے میری نظر ایک ایک پر پڑتی کہ شاید ان میں لالی بھی ہو خود کو ڈانٹتا بھی مگر پگلا من مچلتا ہی چلا جاتا اور جب وہ مجھے اتنی ڈھیر ساری لڑکیوں میں نظر آجاتی تو یوں لگتا جیسے سوکھے ہوئے دھانوں پر پانی پڑ گیا ہو۔ برسوں کی پیاس ایک دم بجھ گئی ہو روح کو شانتی مل گئی ہو اور میں بڑا مسرور سا حویلی چلا آتا۔

کبھی میں اسے سرسوں کے کھیت میں پیلے پیلے پھولوں کے درمیان ساگ توڑتے دیکھتا تو نجانے کیوں آپ ہی آپ مسکرا دیتا۔ دل کھل کر پھول بن جاتا جس پر شبنم کے قطروں کی نرم نرم پھوار برسنے لگتی۔ گرمیوں میں جب گندم کی کٹائی ہوتی تو اس قدر گرمی میں لالی اور لوگوں کے ساتھ مل کر فصل کاٹتی تو مجھے یوں لگتا جیسے اس کی درانتی گندم کے پودوں کو نہیں بلکہ میرے دل کے ٹکڑے کررہی ہے اور میری بے قراریاں مزید بڑھ جاتیں مگر میں کبھی اس سے کچھ نہ کہہ سکا۔ ہم نے جب سے بچپن کی حدود پار کرکے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تھا

ہم دونوں کے درمیان کبھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی بس میری بے قراری صرف اتنی تھی کہ اسے دیکھ سکوں اور اسے دیکھتے ہی مجھے چین آجاتا۔ میرا دل اس کی خوش بو دل میں سمو لینے کو بے قرار رہتا اور جب میں اسے دیکھ لیتا تو سرشار ہوجاتا۔

اس بار تقریباً گیارہ ماہ بعد گاؤں جارہا تھا اپنے پیارے گاؤں رتن پور میں میرے بابا رتن پور کے بہت بڑے زمیندار ہیں۔ بہت مخلص اور بہت چاہنے والے اپنے مزارعوں کا، اپنے بچوں کا خیال رکھنے والے میری پانچ بہنیں اور دو بھائی ہیں سب شادی شدہ اور بال بچوں والے ہیں میں سب سے چھوٹا ہوں۔

اصل میں قصہ کچھ یوں ہے کہ میرے بابا کو ڈاکٹر بننے کا بہت شوق تھا وہ ڈاکٹر بن کر رتن پور میں ایک اسپتال بنانا چاہتے تھے اور یہ شوق انہیں گاؤں میں ایک ڈاکٹر کے آنے کی وجہ سے ہوا تھا جو کہ زیادہ کمائی نہ ہونے کی وجہ سے کسی اور گاؤں چلا گیا تھا۔ تب بابا بہت چھوٹے تھے گاؤں کے پرائمری اسکول میں پڑھتے تھے انہوں نے جب دادا ابا سے کہا کہ وہ ڈاکٹر بنیں گے تو وہ گرم ہوگئے۔ رتن پور کا وارث ہو اور ڈاکٹر بنے وہ بھی کمی لوگوں کے لیے یہ وہ کسی طرح نہ گوارا کرسکے وہ بھلا یہ سب کیسے برداشت کرسکتے تھے کہ میلوں پھیلی ہوئی زمینوں کا مالک شہر جاکر ہاسٹل میں رہے۔

''پتر اوئے، اے ڈاکٹر شاکٹر غریب لوگ بنتے ہیں کرتے تھے۔

اے پڑھائیاں صرف غریب لوگوں کے واسطے ہیں جو کہ بعد میں نوکری کرکے پیسہ کماسکیں تیرے پاس تو بہت کچھ ہے اور تمہیں شہر جانے کی کوئی لوڑ نہیں۔'' اور پھر بابا اپنے جاگیردار باپ کے سامنے نہ بول سکے ان کا تو بچپن ہی میں دل ٹوٹ گیا تھا بڑے ہوئے تو محرومی کا وہ ننھا سا پودا تناور درخت بن چکا تھا۔ مجھ سے بڑے دونوں بھائی پرائمری سے آگے نہ پڑھ سکے اور بھلا کیسے پڑھتے دادا ابا جو زندہ تھے جب سب ہی مایوس تھے بالکل اچانک میں اس دنیا میں وارد ہوا میں اپنی سب سے چھوٹی بہن سے گیارہ سال چھوٹا ہوں جب میں پیدا ہوا تو دادا ابا دنیا میں نہیں تھے۔ تین بہنوں اور دونوں بھائیوں کی شادیاں ہوچکی تھیں اور پھر بابا نے مجھے اپنی آرزوؤں کا مسکن بنالیا اور آج میں شہر میں میڈیکل کے تھرڈ پروفیشنل میں ہوں۔

جلد ہی میرے ابا کے خواب پورے ہونے والے تھے وہ مجھے ایک زمیندار سے زیادہ ایک فرض شناس ڈاکٹر کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے اور میں نے بھی ان کے خوابوں کی حسین تعبیر دینے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔ بابا نے گاؤں میں پورے ایک ایکڑ پر اسپتال بھی بنوانا شروع کردیا تھا۔ میں جب اپنی تعلیم سے فارغ ہوجاؤں گا تو اسپتال تیار ہوچکا ہوگا۔

بابا نے میرے دل میں گاؤں والوں کی محبت کوٹ کوٹ کر بھردی ہے وہ مجھے شہر آنے سے پہلے اکثر کہا کرتے تھے۔

"تجو پتر دولت ہمارے پاس بہت ہے خدا کی مہربانی سے بہت ہے پتر تو یہ نہ سمجھنا کہ میں نے تجھے شہر بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے تو پیسے کے لیے نہیں پتر میں تجھے رتن پور کے لوگوں کی خدمت کے لیے شہر بھیج رہا ہوں یہاں صرف ایک حکیم ہے جو نسل در نسل حکیم چلا آ رہا ہے مرض اس کی سمجھ میں آتا نہیں ہے اور وہ ہاون دستے میں دوائیں پیس پیس کر انہیں دیے چلا آ رہا ہے...... میرے رتن پور کے لوگ سسک سسک کر مر جاتے ہیں اور انہیں میں اس حالت میں نہیں مرنے دینا چاہتا...... میں چاہتا ہوں میرا رتن پور گاؤں بے نظیر بن جائے...... پتر شہر میں تو بہتر ڈاکٹر ہیں اور پھر گاؤں سے لوگ ڈاکٹری پڑھنے جاتے ہیں وہ بھی وہیں کے ہو جاتے ہیں اور ان کے گاؤں کے غریب لوگ ان کا انتظار کرتے کرتے کھانستے ہوئے بیماریوں سے کراہتے ہوئے منوں مٹی تلے دفن ہو جاتے ہیں پتر شہر نے ہم سے، بہت سے ڈاکٹر چھین لیے ہیں۔"

بابا کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا میرا کلیجہ شق ہو کر رہ گیا۔

"بابا میں رتن پور کو آئیڈیل گاؤں بناؤں گا آپ کے خاکے میں رنگ بھروں گا۔" میں بابا سے لپٹ گیا اور نجانے کیوں میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"پتر اگر ہر گاؤں کا لڑکا تجھ جیسا ہو جائے سب تعلیم حاصل کر کے واپس اپنے آشیانوں کو اپنی زرخیز زمینوں، بھولے بھالے لوگوں کی طرف لوٹ آئیں تو سب مسائل خود بخود حل ہو جائیں مگر بڑا مسئلہ تو یہ ہے کہ شہر جا کر وہ بھی شہری بن جاتے ہیں اور دیہاتی کہلوانا اپنی ہتک سمجھتے ہیں دولت کچھ نہیں ہوتی پتر۔" بابا نے مجھے چوم لیا تھا۔

اور اب میں صرف دو سال بعد بابا کے خوابوں کی تعبیر بن جاؤں گا میں نے مڈل تک گاؤں کے اسکول میں پڑھا پھر شہر آ گیا میں اب تک ہاسٹل میں رہ رہا ہوں مگر ہر تیسرے چوتھے مہینے گاؤں ضرور جاتا ہوں دل جو نہیں لگتا یہاں اپنوں سے ملنے کے لیے بے قرار رہتا ہوں اس بار پڑھائی کی وجہ سے امتحان کے بعد جا رہا ہوں تاکہ چند ماہ سکون سے گزار سکوں۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی لالی کی...... میں نے لالی سے نہ ملنے، اسے نہ دیکھنے کا عہد کیا تھا اور اب بھی اس عہد پر قائم ہوں۔

لالی ہمارے مزارعے "کرمو" کی اکلوتی بیٹی ہے نام تو اس کا لالی ہے مگر سانولے سلونے چہرے پر بس ہلکی سی لالی کی جھلک ہے شاید اس لیے والدین نے اس کا نام لالی تجویز کیا جبکہ وہ مجسم لالی کبھی نہ رہی تھی وہ میرے بچپن کی ساتھی ہے۔

ہم دونوں اکٹھے کھیلا کرتے تھے جب میں نے مڈل پاس کیا تو وہ دس سال کی تھی میں شہر جانے سے پہلے اس سے ملا تھا وہ ندی کے صاف و شفاف پانی میں پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی اور نجانے کیا سوچ رہی تھی میں اس کے قریب چلا گیا مجھے پتا تھا اسے بھی میرے جانے کا علم ہے کیونکہ رات ہی تو بابا نے پورے گاؤں کی دعوت کی تھی اور شبینہ کرایا تھا۔

"لالی۔" میں نے اپنی ساتھی کو ہولے سے پکارا۔

"تجو...... تجو تو نہ جا۔" اس نے اپنی سیاہ بھنور سی آنکھوں میں اداسی سمیٹ کر کہا۔

"ارے پگلی میں آیا کروں گا تُو' تو بے وقوف ہے میں نے واپس یہیں آنا ہے آخر ڈاکٹر بھی تو بننا ہے میں نے۔" میں نے نہایت بے تکے پن سے اسے دلاسا دیا۔

"اچھا......" اس نے اداسی سے کہا۔

"جلدی جلدی آیا کرنا۔"

"ہاں بابا سے کہوں گا جلدی جلدی بلوایا کریں۔" میں نے کہا۔

پھر ہم برسین کے کھیت میں گھس کر گھاس کے ٹڈے پکڑنے لگے ایک دم ہی ساری اداسی ختم ہو گئی تھی۔ جیسے ہر طرف پھول کھل اٹھے ہوں اور پھر میں شہر آ گیا بابا بھی میرے ساتھ تھے انہوں نے مجھے ہاسٹل میں کمرہ دلوایا اور نجانے کیوں دو روز بعد ہی میرا جی رتن پور جانے کو کرنے

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

لگا مگر پھر میں نے خود کو سمجھایا اگر میں ایسی کوئی خواہش کرتا تو بابا کو دکھ ہوتا کہ ابھی تو منزل شروع ہوئی ہے اور میں نے ابھی سے تھکنا شروع کردیا۔

پھر بابا گاؤں چلے گئے مجھے پڑھنے کی ڈھیروں نصیحتیں کرتے ہوئے ہاسٹل میں بے شمار لڑکے تھے اس لیے میرا دل بھی بہل گیا ویسے بھی میں تھا دیہاتی لڑکا سیدھا سادا اور وہ تھے شہری تیز اور چلبلے میں بھی جلد ہی ان کے رنگ میں رنگ گیا۔ مجھ میں بہت تیزی آگئی تھی پڑھائی میں بھی تیز تھا شرارتوں میں بھی اور ویسے بھی جب بچے والدین سے دور ہوجائیں تو اپنی من مانی کرتے ہیں۔ والدین کے پاس من مانی کا موقع ہی نہیں ملتا نا۔ میں جب بھی گاؤں جاتا لالی مجھے ضرور ملتی ہم گھنٹوں ندی میں پاؤں لٹکائے بیٹھے رہتے گنے چوستے گندم کی ہری ہری بالیوں کو توڑ کر انہیں آگ میں بھونتے اور پھر بھنی ہوئی بالیوں کو ہتھیلی پر مسل کر دانے نکال کر گرم گرم گندم کے نرم نرم دانے کھاتے۔

غرض یہ کہ میں جب بھی گاؤں جاتا وہی میری دوست ہوتی مجھے لڑکوں سے کوئی دلچسپی بھی نہ تھی اصل میں میرے گاؤں کے لڑکے مجھ سے خوف کھاتے تھے اس لیے کہ آخر میں زمیندار کا بیٹا تھا اور خوف نہ کھاتی تو لالی اس کا کہنا تھا۔

''دوستی اپنی جگہ زمینداری اپنی جگہ۔'' اور مجھے اس کی یہی بات پسند تھی۔

وقت کا پنچھی پر پھیلائے محوسفر رہا میں نے میٹرک کا امتحان دیا تو بابا مجھے لینے آگئے اور میں ان کے ساتھ گاؤں آگیا بابا بہت خوش رہنے لگے تھے ان کی آرزوؤں کی تکمیل جو چند سال بعد ہونے والی تھی۔ اس بار مجھے لالی نہ ملی میں نے اسے کنویں پر دیکھا کھیتوں میں دیکھا مگر مجھے نظر نہ آئی۔

اس روز لالی کی سہیلی نوراں پنگھٹ پر پانی بھر رہی تھی کہ میں پہنچ گیا مجھے دیکھ کر بارہ تیرہ سال کی وہ بچی گھبرا گئی اور میں تو تھا ہی جنت پتر پندرھواں سن تھا میرا مگر میں اپنی عمر سے بھی بڑا لگتا تھا۔

''نوراں، تجھے لالی کا پتا ہے۔'' میں نے نہایت آہستگی سے پوچھا۔

''ہاں چوہدری جی وہ اپنے نانکے گئی ہوئی ہے اس کا نانا بیمار ہے نا اس لیے۔'' نوراں نے پانی بھرتے ہوئے کہا میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور آگے بڑھ گیا۔ مجھے شدید غصہ آرہا تھا اس پر حالانکہ اسے علم تھا کہ میں آنے والا ہوں آخر وہ کیوں گئی مگر مجھے اپنے غصے کی وجہ سمجھ نہیں آرہی تھی۔

پھر یوں ہوا کہ اس بے قراری کا انکشاف پہلی بار ہوا راہ چلتے ہوئے میری نظریں اسی کی متلاشی رہتیں جہاں لڑکیوں کا جھمگھٹا ہوتا وہیں ایک ایک کو غور سے دیکھتا کہ شاید ان میں لالی بھی ہو۔ ان دنوں عجیب حالت تھی میری ہر جگہ میں اسی کو تلاش کرتا رہتا اور اپنی اس کیفیت کو کوئی نام بھی نہ دے سکا۔

میرے بہنوئی اشرف علی سرگودھا میں رہتے تھے انہی دنوں وہ آگئے اور ان سے میری بے قراری چھپی نہ رہ سکی وہ سمجھے شاید میں گاؤں میں آکر اداس ہوگیا ہوں کتنا غلط خیال تھا ان کا گاؤں آنے کے لیے تو میں انگلیوں پر دن گنا کرتا تھا گاؤں ہی میں تو میرا دل لگتا تھا۔

''سرگودھا چلو گے۔''

''ہاں۔'' میں نے کہا۔ اماں کو پتا چلا تو بہت ناراض ہوئیں مگر اشرف بھائی نے انہیں منا لیا اور یوں میں سرگودھا آگیا۔

گاؤں سے نکلتے ہی میں پُرسکون ہوگیا میں نے پوری چھٹیاں سرگودھا میں گزار دیں اور جب صرف ایک ہفتہ رہ گیا تو میں واپس گاؤں آگیا مگر میرا پھر وہی حال تھا۔ سرگودھا میں، میں جتنے دن بھی رہا مجھے وہ بالکل یاد نہ آئی گاؤں آنے کی دیر تھی کہ پھر وہی بے قراریاں شروع ہوگئیں۔

میری جان جل گئی خود پر بے تحاشا غصہ آنے لگا کیونکہ لالی ابھی تک نہیں آئی تھی نوراں سے پتا چلا کہ اس

کا ناتا فوت ہوگیا ہے۔ پھر میرا رزلٹ بھی نکل آیا میں پاس ہوگیا تھا۔

بابا ایک بار پھر میرے ساتھ شہر آئے اور مجھے کالج میں داخلہ دلوایا ہمیشہ کی طرح ڈھیروں نصیحتیں کیں اور چلے گئے۔

کالج میں میرے کئی دوست بن گئے تھے اسکول لائف سے کالج لائف زیادہ اچھی لگی تھی مجھے ان لڑکوں کے والدین پر بے حد ترس آتا جو پورا وقت کینٹین میں گزارتے تھے ایک دو پیریڈ اٹینڈ کرلیتے ورنہ کینٹین کو اکھاڑا بنائے رکھتے لڑکیوں کے متعلق باتیں کرتے اور گرلز فرینڈز کے قصے سناتے۔ ایک روز ہمارا پیریڈ فری تھا تو میں اپنے دوست زاہد اور وسیم کے ساتھ کینٹین آ بیٹھا زاہد تو انگیج تھا اپنی کزن ناہید کے ساتھ اور وسیم اپنے محلے کی ایک لڑکی کا دیوانہ تھا۔

''یار چوہدری تیری بھی کوئی دوست ہے۔'' وسیم نے میرے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا یہ سب مجھے چوہدری ہی کہتے تھے۔

''ہے۔'' میں نے کہا۔

''کون ہے؟'' زاہد نے اشتیاق سے پوچھا۔

''ارے بھئی تم لوگ۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

''نہیں یار کوئی لڑکی شڑکی۔ تو تو زاہد ہو ہے۔'' وسیم نے کہا۔

''نہیں کوئی نہیں۔'' میں نے ہونٹ سی لیے حالانکہ خیالوں میں فوراً لالی آگئی تھی دل چاہا کہہ دوں لالی ہے مگر کہہ نہ سکا۔

''یار کوئی بناؤ، ایسے اچھا نہیں لگتا۔''

''تمہارے مشورے کا شکریہ آئندہ مجھ سے ایسی بات مت کرنا۔'' مجھے غصہ آ گیا میں ان دونوں کو چھوڑ کر لیب میں آ گیا۔

حالانکہ زاہد اور وسیم میرے بہت اچھے دوست تھے اور انہوں نے کہا ہوا تھا کہ اگر وہ ڈاکٹر بن گئے تو میرے ساتھ ''رتن پور'' جائیں گے زاہد کی منگیتر بھی خواتین کے کالج میں پڑھتی تھی اور اس کا ارادہ بھی ڈاکٹر بننے کا تھا اس نے بھی زاہد سے کہا تھا کہ وہ بھی گاؤں جائے گی یعنی ڈاکٹرز کا مسئلہ حل ہوگیا تھا۔

بہت سے دن بنا آہٹ کے گزر گئے میں بس دو دن کے لیے گاؤں جاتا مگر لالی گاؤں میں ہونے کے باوجود بھی مجھ سے نہ ملتی اس کے گھر بھی ایک دو بار گیا مگر مایوس لوٹ آیا۔ میں سخت پریشان رہتا ایف ایس سی کے ایگزام سے فارغ ہو کر میں بابا کو بتائے بغیر اچانک ہی گاؤں پہنچ گیا تانگے نے مجھے سڑک پر اتار دیا آگے راستہ نہ تھا۔ کیونکہ آگے لہلہاتے کھیت تھے میں نے اٹیچی کیس اٹھایا اور اونچی نیچی پگڈنڈی پر ہو لیا میں چاروں طرف نظریں دوڑاتا ہوا چل رہا تھا ہر طرف سناٹا تھا کوئی ذی روح بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

کھیتوں میں سے ہوا سرسراتی ہوئی گزر رہی تھی تب ہی مجھے گنے کے کھیت میں سرخ چیز نظر آئی اور نہ جانے کیوں ایک دم سے میرے دل کی پُرسکون دنیا میں ہلچل مچ گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ لالی ہو اور میری منتظر تھی میں تیر کی سی تیزی سے اس کی طرف لپکا میں نے اندازے سے ہی پیچھے سے جا کر اس کی آنکھیں بند کردیں مگر دل میں سوچ رہا تھا اگر کوئی اور لڑکی ہوئی تو چوہدری شجاعت علی جوتی تمہارے سر پر پڑے گی۔

''ہائے کون ہے تو ہی ہوگی کم بخت نوراں۔'' اور میں خوشی سے جھوم اٹھا وہ صد فیصد لالی کی آواز تھی وہ اپنی آنکھوں سے میرا ہاتھ ہٹانے کی کوشش کرنے لگی مگر میں بھی جٹ پتر تھا بھلا اتنی سی لڑکی میرے شکنجے سے کیسے آزاد ہو سکتی تھی۔

آخر میں نے ہاتھ ہٹا دیے میں اسے پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور میں تو اسے دیکھتے کا دیکھتا ہی رہ گیا یہ لالی اس لالی سے بہت مختلف تھی جو کہ میری دوست تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں قندیلیں جل اٹھتی تھیں اور یہ جوانی کی دہلیز کو چھوتی ہوئی لالی اس پر تو ٹوٹ کر شباب آیا تھا گالوں پر

گلاب کھل رہے تھے بھنوری آنکھوں میں جوانی کا خمار انگڑائی لے رہا تھا اور نازک سے لب کپکپا رہے تھے جیسے گلاب کی دو پنکھڑیاں ہوں اس کے قرب نے مجھے مدہوش کردیا۔

''یہ اچھی حرکت نہیں شجو۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں مجھے سرزنش کی۔

''تو مجھے ملتی کیوں نہیں۔ میں جب بھی یہاں آتا ہوں تو غائب ہوتی ہے۔''

''اچھا نہیں لگتا شجو اور ویسے بھی اب ہم بچے نہیں ہیں۔'' لالی نے ہولے سے کہا۔

''کیا مطلب......!'' میں نے حیرت سے دیکھا۔

''آسان سا مطلب ہے تم یہاں کے زمیندار کے بیٹے ہو اور میں ایک غریب مزارعے کی بیٹی ہوں۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''تو میں تجھے کھا رہا ہوں۔'' مجھے غصہ آ گیا۔

''اب ہم بڑے ہوگئے ہیں۔'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نہایت اداسی سے کہا۔

''ہم کتنے ہی بڑے ہوجائیں دوستیاں تو بہت مضبوط ہوتی ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوتیں۔'' میں نے مضبوط لہجہ میں کہا۔

''یہ شہر والوں کی باتیں تم وہیں چھوڑ آیا کرو اب۔'' لالی نے کچھ کہنا چاہا تو میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''بہر حال میں تم سے اب بھی بات نہیں کروں گا۔'' میں پاؤں پٹختا ہوا حویلی کی طرف چل پڑا اتنا بڑا ہونے کے باوجود بھی مجھ میں بچپنا تھا مجھے اس کا احساس تک نہ تھا۔ پھر یوں ہونے لگا کہ میری نظریں اس کی متلاشی رہتیں اور جب وہ نظر آجاتی تو مجھے سکون مل جاتا۔

یوں ہی بہت سے دن بیت گئے اور میرا رزلٹ نکلا تو میں نے فرسٹ ڈویژن فرسٹ کلاس لی مجھے شہر جانا تھا اور اب مجھے میڈیکل کالج میں داخلہ لینا تھا اور میں جانے سے پہلے نہ جانے کیوں لالی سے دوستی کرنا چاہتا تھا آخر وہ میرے بچپن کی دوست تھی۔

آخر ایک روز مرچوں کے کھیت میں دوسری لڑکیوں کے ساتھ وہ بھی مرچیں چنتی ہوئی نظر آ گئی سب لڑکیاں نہایت احتیاط سے مرچیں چننے لگیں تاکہ کوئی پودا نہ ٹوٹے وہ یہ سمجھیں کہ میں ان کی نگرانی کررہا ہوں۔ ہاں میں نگرانی کررہا تھا صرف لالی کی جب وہ کھیت کے ایک کونے میں لگے بوٹے سے مرچیں توڑ رہی تھی تو میں اس کے قریب پہنچ گیا۔

''لالی۔'' میں نے اسے دھیرے سے پکارا۔

''کیا ہے؟'' اس نے نہایت بے رخی سے پوچھا۔

''مجھ سے ناراض ہو۔'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''کیوں۔'' اس نے اپنی آنکھیں مجھ پر گاڑھ دیں۔

''مجھ سے دوستی کرلو۔'' میں نے نہایت لجاجتی لہجے میں کہا۔

''میں تو ناراض نہیں ہوں۔'' وہ آنکھیں پٹ پٹا کر بولی۔

''میں شہر جارہا ہوں۔''

''تُو تو ہمیشہ جاتا ہے کوئی نئی بات نہیں۔'' وہ مرچیں توڑنے میں مصروف ہوگئی مجھے اس نے بالکل اگنور کردیا تھا میری تو جان ہی جل گئی میں نے ایک قہر آلود نظر اس پر ڈالی اور میں خود پر لعنت بھیجتا ہوا وہاں سے آ گیا۔

دو روز بعد مجھے شہر آنا تھا اور یہ دو روز میں نے گاؤں میں سولی پر لٹک کر گزارے اور پھر میں شہر آ گیا۔ اور اب پورے تین برس ہوگئے تھے میں آج پھر گاؤں جارہا ہوں اور مجھے وہ شدت سے یاد آ رہی ہے۔ حالانکہ میں جب تک شہر میں رہتا ہوں وہ مجھے بالکل یاد نہیں آتی گاؤں پہنچتے ہی وہ حواسوں پر چھا جاتی ہے اب میں نے خود سے عہد کیا تھا اور دل ہی دل میں اس عہد کو دہرا رہا تھا۔

''اب میں اسے دیکھنے کی خواہش بھی نہیں کروں گا۔'' مگر یوں لگتا ہے جیسے میرے اندر بہت دور کوئی ہنس رہا ہو جیسے کہہ رہا ہو۔

''میاں اتنے بلند و بانگ دعوے مت کرو۔'' میں سختی سے اسے جھڑک دیتا ہوں ہمیشہ کی طرح حالانکہ ان تین سالوں کے دوران میں جب بھی گاؤں گیا ہوں اس سے کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔

دور ہی دور سے اسے دیکھتا ہوں اور میرا یہ مضطرب دل چین پالیتا ہے۔ گاڑی جیسے ہی اسٹیشن پر رکی میں اپنے خیالات سے چونک پڑا اور اٹیچی اٹھا کر نیچے اتر آیا میرا ملازم دینو مجھے لینے کے لیے موجود تھا۔

''سلام چوہدری جی۔'' دینو نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر سلام کیا اور میرے ہاتھ سے اٹیچی لے لی۔

''وعلیکم السلام ٹھیک ہو۔'' میں نے اس کا کندھا تھپکتے ہوئے کہا۔

''دعا ہے جی۔'' وہ انکساری سے بولا۔ اسٹیشن کے باہر ہی تانگہ کھڑا تھا میں بیٹھ گیا اور دینو نے گھوڑا آگے بڑھا دیا دو گھنٹے بعد ہی میں رتن پور پہنچ چکا تھا اور میرا عہد متزلزل ہوگیا تھا۔

''دینو تو سڑک سے تانگہ لے کر آ میں ادھر درمیان سے چلا جاتا ہوں۔'' میں تانگے سے اتر کر چھوٹی سی پگڈنڈی پر ہولیا۔ میرے دونوں طرف گندم کی سنہری سنہری بالیاں جھوم رہی تھیں فصل کی کٹائی کے دن تھے اور اس قدر دھوپ میں بھی لوگ کٹائی کررہے تھے۔

ہر طرف سنہری سنہری بالیاں کٹ رہی تھیں اور میں گرمی سے بچنے کے لیے تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا حویلی کی طرف جارہا تھا کہ اچانک میں ٹھٹک گیا۔

''لالی۔'' میرے لب آپ ہی آپ کپکپا کر رہ گئے میرا عہد متزلزل ہونے لگا میں اسے پہچان گیا تھا۔

وہ ندی کی پگڈنڈی پر بیٹھی شاید پانی پی رہی تھی میں تیزی سے آگے بڑھا سب عہد بھلا ڈالے میں اس سے خاصا دور تھا تب ہی وہ اٹھی اور واپس کھیت میں جانے لگی اس کے ہاتھ میں درانتی تھی تب ہی وہ نیچے بیٹھ گئی۔

میں اس کے قریب پہنچ چکا تھا میرا دل نجانے کیوں بلیوں اچھل رہا تھا اور میں اس کے اچھلنے پر حیران بھی تھا۔ مجھے خود حیرت تھی کہ میں اس کے پاس کیسے پہنچ گیا اور اب تو آ ہی چکا تھا اس لیے سوچنا فضول تھا۔

''کیا ہوا لالی۔'' میں نے بے چین ہوکر پوچھا اس نے ایک دم سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں ایک چمک لہرائی پھر معدوم ہوگئی۔

''کانٹا چبھ گیا ہے۔'' لالی نے سر جھکا کر جواب دیا۔

''لاؤ میں نکال دوں۔'' میں نیچے بیٹھ گیا اور اس کا پاؤں اپنے گھٹنے پر رکھ کر کانٹا کھینچ نکالا وہ ایک سسکی لے کر رہ گئی میں نے جیب سے رومال نکالا اور ٹھنڈے ٹھنڈے پانی میں بھگو کر اس کے پاؤں پر رکھ دیا کیونکہ پاؤں میں سے خون رسنے لگا تھا۔

''تو نے جوتی بھی نہیں پہنی۔'' میں نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کرتے ہوئے کہا تو وہ بس مسکرا کر رہ گئی۔

''اتنی گرمی ہے لالی اور تو فصل کیوں کاٹ رہی ہے۔'' میں نے دھیرے سے پوچھا۔

''کاش چوہدری خدا غربت نہ دیتا ارے نہیں اگر وہ غربت نہ دیتا تو اسے کون یاد کرتا۔'' وہ ہنس دی۔

''اگر ہم فصل نہ کاٹیں تو شہروں میں رہنے والے کیسے کھائیں اور کیا کھائیں ہم زمین سے سونا اگاتے ہیں اور پھر وہ سونا صاف ہو کر شہروں کو جاتا ہے ہمیں کیا ملتا ہے صرف دو وقت کی روٹی اور مہینوں بعد ایک نیا جوڑا۔'' لالی دکھ سے ہنس دی اس کی ہنسی میں ہزاروں آنسوؤں کی آمیزش تھی میں حیرت سے اسے ٹکر ٹکر دیکھے جارہا تھا اس نے مجھے کبھی بھی چوہدری کہہ کر مخاطب نہیں کیا تھا ہمیشہ شجو کہتی تھی اور آج یہ انقلاب وہ مجھے اتنے تکلف سے مخاطب کررہی تھی۔

مجھے یوں لگا جیسے اس کی زبان سے لفظ چوہدری ایک نشتر کی طرح نکلا ہو اور میرے سینے میں گھونپ دیا گیا ہو آخر میں نے دکھتے دل کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''لالی تو نے مجھے کبھی چوہدری نہیں کہا پھر آج......''

''میں تیرے اور اپنے درمیان جو دیوار ہے اسے تجھ سے روشناس کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نہایت تلخ لہجے میں کہا۔

مگر لالی......'' میں نے کہنا چاہا مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔

''بس چوہدری شجاعت علی مزید کچھ نہ کہنا اب گھر جا چوہدرانی تیری ماں انتظار کررہی ہوگی۔''

وہ درانتی اٹھا کر لنگڑاتی ہوئی آگے بڑھ گئی جیسے اب کوئی بات نہ کرنا چاہتی ہو اور میں بھی سر جھکائے اس راستے پر ہولیا جو حویلی کی طرف جاتا تھا قدرت کے کھیل کتنے نرالے ہوتے ہیں میرا عہد ملیامیٹ ہوگیا تھا اور قسمت کی بات تھی کہ اسی سے سب سے پہلے میرا ٹکراؤ ہوا تھا۔ میں گھر پہنچا تو واقعی اماں میری منتظر تھیں۔ بابا بھی موجود تھے کیونکہ دینو کافی دیر پہلے پہنچ چکا تھا۔

''کہاں رہ گیا تھا شجو۔'' اماں نے مجھے لپٹا لیا اور نجانے کیوں میں ماں کے سینے سے لگ کر رودیا۔

''اوئے پگلا پتر صرف گیارہ مہینے بعد آیا تو اداس ہوگیا۔'' بابا نے محبت سے میری پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔

''مگر یہ آنسو ماں باپ سے دوری کے تو نہ تھے پھر کاہے کے تھے۔'' میں نے خود سے پوچھا مگر کوئی جواب نہ ملا۔

پھر دن بنا آہٹ کے گزرنے لگے کیونکہ ان کا تو کام ہی گزرنا ہے چاہے کوئی دکھی یا سکھی بابا کے ساتھ کبھی میں اسپتال دیکھنے چلا جاتا بابا اسے میری پسند سے بنوانا چاہتے تھے تاکہ بعد میں کوئی شکایت نہ کرسکوں ان سے بابا بہت خوش تھے اور رتن پور کے رہنے والے بابا سے بھی زیادہ خوش تھے آخر ان کو گاؤں میں تمام سہولتوں سے آراستہ ایک اسپتال جو بننے والا تھا سب کو ان کے سہانے سپنوں کی سہانی تعبیر جو ملنے والی تھی۔

میں شام کو گھر سے نکل کھڑا ہوتا اور پھر میری نظریں اس کی متلاشی رہتیں اور جب وہ نظر آجاتی تو میں گھر آجاتا پھر میں دل میں انجانی سی کسک لیے شہر واپس چلا گیا۔

وقت آگے بڑھتا رہا گزرتا رہا اور پھر میں نے بہت محنت کی ایم بی بی ایس کرلیا اور ایک سال ہاؤس جاب کرنے کے بعد گاؤں آگیا۔ زاہد اور وسیم بھی میرے ہمراہ تھے ناہید بھی آئی تھی بابا بہت خوش تھے گاؤں میں کئی

روز تک خوشیاں سنائی جاتی رہیں چراغاں ہوا اور رتن پور اسپتال کا افتتاح کردیا گیا بابا نے اسپتال کے کاغذات میرے حوالے کردیے اور ساتھ ہی میرے حصے کی زمین کے کاغذات بھی۔

"بابا...... آپ نے مجھے اسپتال بنوادیا یہی بہت ہے زمین میں کیا کروں گا۔" میں نے حیرت سے بابا کو دیکھا۔

"پتر یہ تیرا حق بنتا ہے اور میری خواہش تو نے پوری کی ہے تو دل چاہتا ہے کہ جان بھی تجھے دے دوں۔ تو نے میرے رتن پور کو آئیڈیل گاؤں بنایا ہے۔" بابا نے مجھے لپٹا لیا اور بابا کی خوشی کی خاطر میں نے بھی کاغذات لے لیے۔

"بابا زمینوں کی نگرانی آپ کو کرنی ہوگی۔"

"ہاں...... ہاں پتر۔" بابا خوش دلی سے بولے۔

میں گاؤں آکر خوش تھا مگر نجانے کیوں دل مضطرب سا رہتا لالی کو دیکھنا اب بھی میرا معمول تھا جب میں اسپتال جارہا ہوتا تو وہ کبھی مجھے کنویں پر پانی بھرتی نظر آتی کبھی جانوروں کے لیے چارا سر پر اٹھائے نظر آتی اور میں دل میں انجانی سی کسک لیے آگے بڑھ جاتا میری سمجھ میں نہ آتا کہ میں اتنا مضطرب کیوں رہتا ہوں۔

"کیا میں اسے چاہنے لگا ہوں۔" میں گھبرا کر خود سے سوال کرتا۔

"ارے نہیں چوہدری شجاعت وہ صرف تمہاری بچپن کی دوست ہے اس کے سوا کچھ نہیں بھلا شہر میں کم لڑکیاں تھیں چاہنے کے لیے۔" میں خود کو دلاسا دیتا۔

لیکن جس روز وہ صبح مجھے نظر نہ آتی میں واپس گھر آجاتا اسپتال بھی نہ جاتا کیا فائدہ غلط نسخہ لکھ دیتا تو کیا ہوتا۔ پھر ایک روز یوں لگا جیسے کسی نے میرا دل سینے سے نکال لیا ہو۔

گاؤں میں تو آئے روز شادیاں ہوتی ہی رہتی تھیں مگر یہ کیسی شہنائی تھی جو کہ مجھے غم کی نوید سنارہی تھی یہ کیسے ڈھول تھے جن کی دھمک مجھ پر نیزے کی طرح پڑتی محسوس ہوئی تھی اور یہ کیسا جھومر رقص تھا جو میرے دل کو اندر ہی اندر مسل رہا تھا اور پھر مجھے سب کچھ پتا چل گیا۔

میں ڈھول کی آواز سن کر باہر آیا تو دیکھا کہ اماں اور میری دونوں بھابیاں گوٹا کناری والے کپڑے پہنے بالکل تیار کھڑی تھیں۔ شادو جو ہماری ملازمہ ہے اس نے چھوٹا سا اٹیچی اٹھا رکھا تھا میری اماں کی شروع سے عادت تھی کہ گاؤں میں جب بھی کوئی شادی ہوتی وہ اسے گیارہ اچھے جوڑے اور ہلکا سا سونے کا سیٹ دیتی تھیں ہمیشہ کی طرح آج بھی جارہی تھیں۔

"اما کس کو سولی پر لٹکایا جارہا ہے۔" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے ہنس کر پوچھا۔ اور پھر میری ہنسی کو بریک لگ گئے بالکل اسی طرح جیسے سیاہ تارکول کی سڑک پر گاڑی بھاگتی ہوئی آرہی ہو اور اچانک سگنل کی سرخ بتی روشن ہوجائے یہ ماں کیا کہہ رہی تھی اور میں کیا سن رہا تھا مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے چاروں طرف دھماکے ہورہے ہوں اور میرے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ہوں ماں کہہ رہی تھی۔

"پتر لالی کی شادی ہے اور اس کی برات آگئی ہے لالی اپنے ہی گاؤں کی بیٹی ہے اور بیٹیاں تو سب کی سانجھی ہوتی ہے نا، وہیں جارہی ہوں۔" ماں تو کہہ کر چلی گئی مگر میرے من کی دنیا میں ہلچل مچاگئی دل کی پُرسکون ندی میں تلاطم پیدا ہوگیا اس پانی میں ماں نے پتھر پھینک کر دائرے بنادیے تھے میں اپنے کمرے میں آگیا مضمحل سا دل لیے ہارے ہوئے جواری کی طرح دل اندر ہی اندر بیٹھا چلا جارہا تھا۔

"ارے اس کی شادی ہے تو تم کیوں پریشان ہو۔" میں نے خود کو تسلی دی۔

"اس لیے کہ تم لالی کو چاہتے ہو۔" میرے اندر ہی اندر کوئی زور سے بولا۔

"نہیں......" میں چیخ پڑا۔

"تم چاہے جتنا بھی انکار کرو مگر تم لاشعوری طور پر اسے چاہتے ہو۔" دل کی عمیق گہرائیوں سے آواز آئی۔

''نہیں...'' میں نے سختی سے اپنے خیال کو مسترد کردیا۔

''اگر نہیں تو تمہارا دل اتنا بے قرار کیوں رہتا تھا اس کو دیکھنے کے لیے۔ تمہاری آنکھیں کیوں اس کی متلاشی رہتی تھیں اور تم کیوں اس راستے پر جاتے تھے جس پر اس کے نظر آنے کا امکان ہوتا تھا بتاؤ۔'' کسی نے میرے دل کو جھنجوڑ ڈالا۔

''وہ صرف میری دوست تھی اور کچھ نہیں۔'' میں نے پھر انکار کیا۔ اور پھر میری زبان نہ نہ کرتے تھک گئی میں نہیں نہیں کہہ کر ہار گیا مگر دل...... دل ان کی آواز پر حاوی ہوگیا۔

پھر میں نے آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا اور میرے لب آپ ہی آپ کپکپا اٹھے۔

''ہاں......'' میں نے ہتھیار ڈال دیے۔

''میں اسے چاہتا ہوں۔'' میں نے خود سے اعتراف کیا۔ یہ ایسی بات تھی جو میں خود سے بھی چھپاتا آیا تھا آج میں نے اس بات کو قبول کرلیا تھا مگر کب جب گزرے وقت کا کوئی بھی لمحہ میرے پاس نہ تھا جب حالات کے دھاگے اس قدر الجھ گئے تھے کہ مجھے سرا بھی نہیں مل رہا تھا کہ کہاں سے پکڑوں وقت کے پاؤں میں، میں نے بیڑیاں نہیں ڈالی تھیں میں اپنی محبت کی بازی انجانے میں ہار چکا تھا اور پھر نجانے کیا ہوا میں کڑیل سا چوہدری شجاعت علی ایک فرض شناس ڈاکٹر اپنے بازوؤں میں چہرہ چھپا کر رو دیا۔

نجانے کتنا وقت بیت گیا اور پھر الوداعی شہنائی نے میرے دل کے زخموں میں مزید اضافہ کردیا میں اپنے کمرے سے نکل آیا اور حویلی کے آہنی گیٹ پر کھڑا ہوگیا کیونکہ برات نے یہیں سے گزرنا تھا۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد برات وہاں سے گزری کہاروں نے ڈولی اٹھائی ہوئی تھی اور لالی پی کے دیس جارہی تھی۔ تب ہی مست پروا کے شریر جھونکے نے شرارت کی، ڈولی کا پردہ ہوا کے جھونکے نے اڑا دیا اور میں صرف اس کی ایک ہی جھلک دیکھ سکا تھا صرف ایک جھلک اس نے سرخ آنچل کا گھونگھٹ نکالا ہوا تھا اور ڈولی میں سر جھکائے نجانے کن خیالوں میں گم تھی۔

''شاید میرے ہی خیالوں میں گم ہو۔'' میں نے سوچا اور پھر وہ اپنی ایک جھلک دکھا کر مجھے مزید بے کل کرگئی میں واپس اپنے کمرے میں آگیا۔

مجھے اپنی حالت پر افسوس ہو رہا تھا کہ میں ایک دیہاتی لڑکی پر فریفتہ ہوگیا تھا تف ہے مجھ پر میں نے خود پر لعنت ملامت کی۔ مگر یہ جو دل ہے نا یہ کسی کی نہیں مانتا اپنی من مانی کرتا ہے اور پھر ٹھوکر کھا کر چوٹ لگنے پر لہولہان ہوجاتا ہے میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا میں دل کی ہر بات کو ٹھکراتا آیا تھا اور آج وہ بے چارہ لہولہان ہوگیا تھا میں اس کے بے قرار و مضطرب ہونے کے انداز کو نہ سمجھ سکا تھا کتنا بے عقل تھا میں۔

میں بہت پریشان رہنے لگا انہی دنوں زاہد اور ناہید ایک ماہ کے لیے شہر گئے اور واپس آئے تو مقدس بندھن میں بندھ چکے تھے اور پھر وہ فوراً ہی رتن پور آگئے تھے میں نے شرارت سے کہا۔

''یار تم لوگ ہنی مون منانے نہیں گئے۔''

''ہم اپنی خوشیوں میں مگن رہیں اور دوسروں کو غموں میں دھکیل دیں نہیں شجاعت یہ نہیں ہوسکتا بس ہم نے شادی کرلی بہت ہے یہاں کے لوگوں کو ہماری اشد ضرورت ہے۔'' زاہد نے کہا تو میں اس کی عظمت کا قائل ہوگیا انہیں گاؤں آئے صرف ڈیڑھ سال ہوا تھا اور انہیں یہاں کے لوگوں سے اتنی محبت ہوگئی تھی۔ جبکہ میرا دل رتن پور سے اچاٹ ہوگیا تھا دل چاہتا گاؤں سے بھاگ جاؤں بہت سوچا، بہت چاہا مگر کچھ بھی سمجھ نہ آیا تو میں نے رتن پور سے فرار ہونے کی راہ نکالی میں کبھی کبھی لالی کو دیکھ لیتا تھا تو میرے دل کا درد جاگ اٹھتا تھا پہلے یہی دل تھا جو اسے دیکھ کر قرار پالیا کرتا تھا اب اور بھی مضطرب ہوجاتا تھا۔ میں لالی کا سامنا کرتے ہوئے بھی گھبراتا تھا ابھی آنکھ مچولی میں کئی دن بیت گئے تب ہی میں نے رتن

پور سے فرار ہونے کی راہ نکالی اگر میں یونہی کہیں چلا جاتا تو بابا کو دکھ ہوتا کہ میں نے ان کے خواب چکنا چور کردیے ہیں۔ مگر مجھے خود کو بھی تو سنبھالنا تھا آخر بہت سوچنے کے بعد خیال آیا اور میں نے بابا سے کہا۔ بابا میں ایس آر سی ایس کرنے یو کے جانا چاہتا ہوں۔

"ضرور پتر بڑے ڈاکٹر تو رتن پور کا رخ نہیں کریں گے میں خود بھی سوچ رہا تھا اچھا ہے تو چلا جا مگر پتر یاد رکھنا تو نے واپس رتن پور ہی آنا ہے تو رتن پور والوں کا خادم ہے۔" بابا نے نہایت شفقت سے کہا۔

"ہاں بابا مجھے پتا ہے ہر شے اپنے مرکز کی طرف لوٹتی ہے اور رتن پور میرا مرکز ہے میں ضرور آؤں گا۔" میں نے کہا۔

پھر ایک روز وہ جاتی بہاروں کی ایک خوب صورت ارغوانی شام تھی جب میں ڈھیروں لوگوں کی دعائیں سمیٹے رتن پور سے کراچی اور کراچی سے لندن روانہ ہوگیا۔ پھر بہت سا وقت گزر گیا دن بدلے مہینے بنے رتیں بدلیں کئی بہاریں آئیں اور پودوں پر ڈھیروں پھول کھلے۔ خزاؤں نے بھی ڈیرے جمائے۔ بہاروں میں بھی من کا آنگن سونا ہی رہا پیڑوں کی ننگی شاخوں کی طرح کوئی کلی نہ چٹکی تھی۔ بہت عرصہ بیت گیا۔

نو سال کم تو نہیں ہوتے نا۔

میں نے ایس آر سی ایس کرلیا ہارٹ اسپیشلسٹ بن گیا بابا کے فون آتے کہ رتن پور کے لوگوں کو میری ضرورت ہے اور میں بھی چپ کر کے فون سن لیتا۔

حالانکہ کئی بار میرا بھی جی چاہا تھا کہ میں اپنے وطن چلا جاؤں اپنے مرکز کی طرف لوٹ جاؤں مگر یہ جو دل ہے نا یہ نہیں مانتا تو میں ان دیکھے خواب بھول گیا تھا ایسے سپنے جنہیں میں نے دیکھا بھی نہ تھا۔ مگر وہ مالا میں پروئے ہوئے موتیوں کی طرح مالا کے ٹوٹنے پر بکھر گئے تھے ہائے یوں بھی ہونا تھا شاید ہی دنیا میں کبھی کسی کے ساتھ ایسا ہوا ہو۔

یورپ میں بہت سی لڑکیوں کا ساتھ ملا میری کئی لڑکیوں سے دوستی ہوئی مگر وہ لڑکی جو ہر دم میرے ساتھ رہتی تھی میری تنہائیوں کی شریک تھی میرے دل کا قرار تھی اور دل کے جس خانے میں وہ معصوم سی دیہاتی لڑکی فٹ تھی۔ وہاں پر تو کسی کی پرچھائیں بھی نہ پڑی تھی اور نہ ہی پڑ سکتی تھی کیونکہ میں کسی لڑکی کو اتنا آگے بڑھنے ہی نہیں دیتا تھا کہ لالی کی شبیہہ دھندلا جاتی میں اور ٹینا فلور پر رقص کررہے تھے تب ہی ٹینا نے پوچھا۔

"تم مجھ سے شادی کب کررہے ہو؟"

"شاید کبھی نہیں۔" میں نے ایک طویل سانس لی۔

"کیا کہا؟" ٹینا نے اپنی کانچ جیسی نیلی آنکھوں میں حیرانی سمو کر مجھے دیکھا اصل میں، میں نے اردو میں "کبھی نہیں" کہا تھا اور وہ نہ سمجھ سکی۔

"کچھ نہیں ٹینا، میں جلد ہی تم سے شادی کرلوں گا۔" میں نے اسے دلاسہ سا دیا اور پھر اسٹیپ لینے لگا۔

پھر مجھے بالکل سکون نہ ملا میں سکون کی خاطر در بدر مارا مارا پھرا دنیا کا کونا کونا چھان مارا صرف دل کے سکون کی خاطر۔ صرف اس گوشت کے لوتھڑے کے چین کی خاطر اس دنیا میں ٹھنڈی ٹھنڈی پھوار کی خاطر۔

قدیم ملک مصر دیکھا اس کے حسین بازار جن کی جتنی تعریف سنی تھی اس سے بڑھ کر پایا۔ اسپین دیکھا ترکی کی خوب صورت اور محنت کش عورتیں دیکھیں بینکاک دیکھا لندن میں دریائے ٹیمز کے کنارے گھنٹوں نیلے پانیوں کو دیکھتا رہا۔ جاپان میں ٹوکیو گڑیوں کا شہر دیکھا۔ غرض کہ سب کچھ دیکھ ڈالا مگر اس دل کی بے سکونی ختم نہ ہوئی میں اسے نہ بھلا سکا جس نے مجھے در بدر کیا تھا۔

اور پھر میں نے سوچا جب بے قرار ہی رہنا ہے تو پھر اپنے وطن کیوں نہ لوٹ جاؤں اور تیرہ برس بعد اپنے مرکز کی طرف لوٹ آیا بے تحاشا دولت تھی میرے پاس مگر میں پھر بھی تہی دامن تھا۔ دل کی دولت میرے پاس نہ تھی دل میں اندھیرا ہی اندھیرا داغ ہی داغ اجڑا اجڑا سا تھا میں۔

بے سکون..... بے چین..... بے قرار سا۔

گاؤں پہنچا تو پھر وہی حال ہوگیا میری آنکھیں آج تیرہ برس بعد بھی اس کی متلاشی تھیں میں سر جھکائے حویلی کی طرف تیزی سے قدم بڑھانے لگا گاؤں میں بھی خاصی تبدیلیاں آگئی تھیں پکی سڑکیں بن گئی تھیں اور اب تو گھر گھر میں بجلی آگئی تھی۔

حویلی پہنچا تو سامنے ہی نیم کے بڑے سے درخت کے نیچے بابا بیٹھے حقہ گڑگڑا رہے تھے اتنے عرصے بعد بھی میں اپنے بابا کو پہچان گیا بابا بہت کمزور اور لاغر ہوگئے تھے۔

اور پھر مجھ سے برداشت نہ ہوسکا میں ''بابا'' کہہ کر دوڑ کر ان کے قدموں سے لپٹ گیا اور میرے آنسو بابا کے پاؤں بھگونے لگے میں جو آنسو اندر ہی اندر پینے کا عادی تھا بابا کے پاؤں پر سر رکھ کر بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

''اوئے تو بڑا کمینہ نکلا شجاعت۔'' بابا نے میری کمر تھپکی انہیں پتا چل گیا تھا کہ اس طرح آنسوؤں سے ان کے پاؤں دھونے والا میرے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا۔

''مجھے معاف کردو بابا۔'' میں نے آنسوؤں سے تر چہرہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''چل میں نے تجھے معاف کیا صبح کا بھولا شام کو واپس آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے چل نہ رو۔'' بابا نے مجھے اٹھا کر لپٹا لیا۔

''او مجو کی ماں ادھر دیکھ اے نالائق آ گیا ہے۔'' بابا نے اماں کو آواز دی ان کا چہرہ خوشی سے تمتا رہا تھا۔

اماں کمرے سے باہر تقریباً دوڑتی ہوئی آئیں میں ان سے لپٹ کر رو دیا وہ بھی رو رہی تھیں آخر دل کی آگ کو اسی طرح ٹھنڈا کرنا تھا نا پھر بڑے بھائی بھی آگئے میری بہنوں کو پتا چلا تو وہ بھی آگئیں۔ سب مجھے سرزنش کر رہے تھے اور میں شرمندہ بیٹھا ہوا تھا۔ آج میں ان کا مجرم تھا۔ بابا نے بتایا کہ اسپتال کو مزید بڑھا دیا گیا ہے زاہد اور وسیم نے میری غیر موجودگی میں اسپتال کو بہت اچھی طرح چلایا اور اب تو حکومت بھی تعاون کر رہی ہے کئی نئے ڈاکٹر بھی آگئے ہیں۔

مجھے اپنے دوستوں پر ہمیشہ فخر رہا ہے اور شاید میں زاہد اور وسیم کے احسانات کبھی نہ بھول سکوں میں تو بہت چھوٹے دل کا مالک تھا جو ذرا سی پریشانی پر بھاگ گیا تھا اپنے لوگوں کو چھوڑ کر حالانکہ بعض مرتبہ سوچتا ہوں کہ اس محبت میں اتنی شدتیں کیوں ہیں جو انسان کو بے سکون کر دیتی ہیں۔

ابھی تو لالی اور میں نے عہد و پیمان بھی نہیں کیے تھے مجھے علم نہیں تھا کہ اس کے دل میں کیا تھا اگر مجھے پتا چل جاتا کہ وہ بھی مجھے چاہتی ہے تو شاید میں اب تک زندہ نہ رہتا خیر جو ہوا اچھا ہوا میں باقاعدگی سے اسپتال جانے لگا۔

مگر میری پرانی عادت نہ گئی میری نظریں اس کی متلاشی رہتیں ہر مریض میں مجھے اس کی شبیہ نظر آئی۔

پھر انہی دنوں اماں مجبور کرنے لگیں کہ میں شادی کرلوں انہیں میری ووہٹی کا بڑا ارمان تھا مگر میں نے شادی کرنے سے صاف انکار کردیا بھلا میں کسی کو اس آگ میں کیوں جلاتا جس میں جل کر میں کندن ہوگیا تھا۔ میں بھلا کسی کو کیا محبت دے سکتا تھا جو کسی معصوم لڑکی کی زندگی تباہ کرتا میری محبت صرف لالی کے لیے تھی اور میں اس امانت میں خیانت نہیں کرسکتا تھا۔

اماں کے تقاضے زور پکڑتے گئے اور ادھر میرے انکار میں شدت آتی گئی اماں نے انکار کی وجہ پوچھی اور پھر میں نے اماں کے مجبور کرنے پر انہیں لالی کے بارے میں بتادیا کہ میں انجانے میں ہی خود کو لٹا چکا ہوں۔

''تو پگلا تھا میرے لال اگر تو پہلے بتادیتا تو میں ضرور لالی سے تیرا بیاہ کرتی تو نے اچھا نہیں کیا۔''

''ساری زندگی کا دکھ مول لیا ہے۔'' ماں مجھے لپٹا کر رو دیں۔

''اماں وقت نے اچھا نہیں کیا اور یہ وقت بہت ظالم ہے۔'' میں نے دھیرے سے کہا۔

اور پھر میرے اطراف اتنے برسوں بعد دھماکے ہونے لگے یوں لگا میرا سمٹا ہوا وجود پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہو اماں کہہ رہی تھیں۔

''شجو وہ تو شادی کے صرف ایک سال بعد ہی مرگئی تھی کنوئیں میں چھلانگ لگادی تھی اس نے۔''

''کیوں اماں۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''پتر اس کے شوہر کو شک تھا کہ وہ کسی اور سے ملتی ہے اسی کے خیالوں میں گم رہتی ہے وہ یہ الزام برداشت نہ کرسکی......اور......!''

''یعنی میرے جانے کے صرف سات ماہ بعد اماں مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا مجھے فون پہ بتادیتیں میں اپنے بے قرار دل کو سکون دینے کی خاطر در بدر بھٹکتا رہا میں جلد لوٹ آتا اماں یہ بن باس تو نہ سہنا پڑتا اماں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں اب بھی باہر نکلتا ہوں تو میری نظریں اسی کی متلاشی رہتی ہیں۔ کسی بھی مریضہ کو دیکھتا ہوں تو اسی ظالم کے نقوش ابھرتے آتے ہیں یہ ظلم کیوں کیا مجھ پر اور اب بھی مجھے آتے ہی نہ بتایا ڈھائی ماہ بعد بتارہی ہو میں اس کی آخری آرام گاہ پر تو چلا جاؤں مجھے یقین ہے وہ میری منتظر رہتی تھی کہ میں کب شہر سے آؤں گا۔ اس کی آنکھوں کی چمک بتاتی تھی مگر وہ دونوں کے درمیان اونچی دیوار سے خائف تھی میں یہ دیوار نہ پھلانگ سکا تو وہ لڑکی ہوکر یہ سب کیسے کرتی؟'' میں اماں کے جھریوں زدہ ہاتھ آنکھوں سے لگائے رو رہا تھا بلک رہا تھا اور اماں مجھے دلاسے دے رہی تھیں۔ اس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتیں تھیں لالی کے انجام نے میرا دل ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ پھر میں اٹھا اور اپنے بھتیجے حامد کے ساتھ شہر خموشاں کی طرف چل دیا میرے ہاتھوں میں ڈھیروں پھول تھے میں اپنی ناکام محبت کی خاطر آخری آرام گاہ پر پھول چڑھانے اور آنسوؤں کے موتی نچھاور کرنے جارہا ہوں۔ وہ میرے آنسوؤں کے چھڑکاؤ کی منتظر ہوگی اپنی قبر میں یقیناً اسے اسی طرح سکون آئے گا۔ میں نے اس کی آخری آرام گاہ پر پھول چڑھائے اور فاتحہ کے لیے ہاتھ بلند کیے چند لمحے یوں ہی گزر گئے۔

''ارے چوہدری تجھے پتا چل گیا۔'' یہ نوراں تھی لالی

کی سہیلی۔

''ہاں ابھی بتایا ہے اماں نے تم لوگ بہت ظالم ہو پہلے کیوں نہ بتایا۔''

''ظالم ہم ہیں یا تو چوہدری تجھے خبر ہے اس نے موت تیری خاطر قبول کی۔'' نوراں نے قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا اس کے لہجے میں دکھ تھا۔

''کیا مطلب۔'' میں نے حیرت سے نوراں کو دیکھا۔

''چوہدری لالی کو پتا تھا کہ تم اس کی خاطر گاؤں چھوڑ کر گئے ہو اور یہ تمہاری خاطر دنیا چھوڑ گئی جب اس کی لاش کنوئیں میں سے نکالی تھی تب اس کی زبان پر تمہارا نام تھا۔ پتا ہے لالی نے مجھے کیا کہا تھا چوہدری۔ کہا تھا نوراں اگر چوہدری کبھی تجھ سے ملے تو اس سے کہہ دینا کہ لالی ہمیشہ تیری منتظر رہی وہ تیرے آنے کے دن انگلیوں پر گن گن کر گزارتی تھی اور جب تو آ جاتا تو روز اس کی نظریں تجھی کو تلاش کرتیں مگر وہ مجبور تھی تم آسمان تھے وہ زمین تھی نہ تم نیچے آ سکتے تھے اور نہ دنیا اسے اوپر جانے دیتی اگلے جہاں میں ہم ضرور ملیں گے یہ کہا تھا اس نے۔'' نوراں نے کہا اور میں تو سر پکڑ کر نیچے بیٹھتا چلا گیا میں جو سمجھتا تھا کہ اس آگ میں، میں تنہا جل رہا ہوں مگر نہیں اس کی تپش لالی تک بھی پہنچی تھی اور وہ جان کر انجان بن گئی تھی یہ اس کی عظمت تھی میں نے اس کی کچی قبر پر سر ٹیک دیا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کہ تمام بے قراریاں اور بے چینیاں ایک دم مٹ گئی ہوں ہر طرف سکون ہی سکون ہو گیا تھا۔ دل کی دنیا میں دل کے کھولتے سمندر میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا اور پھر مجھے پتا نہ چلا کہ میں کیسے گھر آیا کون مجھے لایا۔

اور آج کئی برس بیت گئے ہیں میں نے اب تک شادی نہیں کی۔ اماں ابا یہ آرزو لیے قبر میں سو گئے گہری نیند...... زاہد اور وسیم بھی اپنے بچوں کی تعلیم کی خاطر شہر جا چکے تھے اور میرا صرف ایک کام ہے روز اسپتال جانے سے پہلے لالی کی قبر پر پھول چڑھاتا ہوں اور ہر جمعرات کو دیا جلاتا ہوں پکی اور شاندار قبر بنوائی ہے میں نے اس کی۔ اب تو پورے گاؤں کو ہماری خاموش محبت کا پتا چل گیا ہے مجھے زمانے کی اب پروا نہیں ہے لالی کی یادیں میری تنہائی کا سرمایہ ہیں لوگ کچھ کہتے ہیں میں سنتا ہی نہیں اب تو میں بھی بوڑھا ہو گیا ہوں مگر اب بھی وہ میرے ساتھ ہے میری تنہائی کی ساتھی ہے اور شاید چند سالوں بعد یہ تنہائی ختم ہو جائے اور اس کی بات پوری ہو جائے کہ ہم اگلے جہان میں ملیں گے۔

اور میں سوچتا ہوں یہ خاموش محبت تو بہت ظالم ہوتی ہے انسان کو جلا کر اندر ہی اندر راکھ کر دیتی ہے اور میرا دل بھی راکھ ہو گیا ہے مگر اس راکھ میں سے اب بھی صدائیں آتی ہیں۔

''لالی...... لالی...... لالی......!''

اور جس روز یہ صدائیں آنا بند ہو گئیں سمجھ لیں کہ وہ میری زندگی کا آخری دن ہو گا اور پھر لالی کی قبر کے ساتھ ایک اور قبر کا اضافہ ہو گیا جی دیکھیے اب بھی آواز آ رہی ہے۔

''لالی...... لالی...... لالی!''

''سن رہیں ہیں نا آپ؟''

یہی آواز مجھے یہ یاد دلاتی ہے کہ ابھی میں زندہ ہوں پھر یہ آوازیں آتی رہتی ہیں تو میرا دل پُرسکون رہتا ہے اب تو نہ یہ بے قرار ہوتا نہ مضطرب بس پگلا گردان کیے جاتا ہے۔

''لالی...... لالی...... لالی......!''

میرے خواب زندہ ہیں

نادیہ فاطمہ رضوی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

زرتاشہ اپنے باپ کی دائمی جدائی کا صدمہ برداشت نہیں کر پاتی اور اپنے باپ سے آخری گھڑیوں میں دوری کا ذمہ دار لالہ رخ کو قرار دیتی ہے۔ جبکہ لالہ رخ زرتاشہ کی سوچ جان کر بے حد دکھی ہو جاتی ہے اس نے صرف زرتاشہ کی پڑھائی کے خیال سے اسے اصل حقیقت سے آگاہ نہ کیا تھا۔ فراز مشکل وقت میں زرینہ اور لالہ رخ کی بہت مدد کرتا ہے زرینہ اس کے ساتھ ہی واپس کراچی آنے کا ارادہ کرتی ہے اور لالہ رخ ایک مختصر ملاقات میں اس کی بے حد شکر گزار ہوتی ہے فراز سمیر شاہ کو تمام احوال بتاتے اپنے مری آنے کا بتاتا ہے دوسری طرف ساحرہ فراز کا رشتہ طے کرنے کی بات کرتی ہیں فراز کراچی پہنچ کر سونیا کو اپنے دلی جذبات سے آگاہ کرتا ہے کہ وہ اسے لائف پارٹنر کے طور پر نہیں اپنا سکتا سونیا یہ سب جان کر شاکڈ رہ جاتی ہے ایسے میں وہ اپنے لیے کامیش شاہ کا انتخاب کرتی ہے اور ساحرہ سے خود اس پرپوزل کی بات کرتی ہے۔ ساحرہ بھی یہ جان کر بے حد خوش ہوتی ہے اور یوں وہ باقاعدہ رشتہ قائم کرنے کی خاطر سونیا کے گھر پہنچ جاتی ہے فراز کے لیے سونیا کا یہ ردعمل انتہائی غیر متوقع ہوتا ہے۔ اسے لگتا ہے کہ سونیا اس کے بھائی کامیش سے سنسئر نہیں ہے ایسے میں سمیر شاہ اسے تسلی دیتے اور ہر ٹینشن سے دور رہنے کا کہتے ہیں۔ ماریہ کا رویہ جیکولین اور ابرام کو تشویش میں مبتلا کر دیتا ہے ایسے میں جیکولین کا ضبط جواب دے جاتا ہے اور وہ ماریہ کے باپ کی غیر ذمہ داری کا ذکر کرتے اس کی ذات کو طنز کا نشانہ بناتی ہے ابرام اپنی ماں کو سنبھالتا ہے اور ماریہ کو سمجھانے کا وعدہ کرتا ہے۔ دوسری طرف ماریہ ابرام کی بات ماننے سے انکاری ہوتی ہے جب ہی وہ طیش میں آتے اس شخص کو مارنے کا ارادہ کر لیتا ہے جس نے ماریہ کے ذہن میں یہ غلط باتیں پیدا کی تھیں۔ زرینہ ہاسٹل پہنچتی ہے تو سب ہی چھٹیوں کے دوران اپنے گھر جا رہے ہوتے ہیں ایسے میں مہوش کا بھائی بھی اسے لینے ہاسٹل پہنچتا ہے اور وہیں زرینہ اور اس کا تصادم ہو جاتا ہے زرینہ اپنے گھر پہنچ کر زرتاشہ سے بات کرتی ہے اور اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن زرتاشہ لالہ رخ کی حمایت میں ایک لفظ بھی سننا پسند نہیں کرتی دوسری طرف مہرو اور لالہ رخ زرتاشہ کے اس ردعمل پر نہایت متفکر ہوتی ہیں لالہ رخ زرتاشہ کو سمجھانے کی خاطر اس کے کمرے میں آتی ہے لیکن اندر زرتاشہ کی کیفیت دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁ ❁ ❁ ❁

اس پل خالی کمرہ بھائیں بھائیں کر رہا تھا زرتاشہ کا کچھ اتا پتہ نہیں تھا سامنے ہی باتھ روم کا دروازہ بھی پوری طرح کھلا ہوا تھا لہٰذا باتھ روم میں اس کی موجودگی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

"یا اللہ یہ تاشو کہاں چلی گئی، مہرو تو کہہ رہی تھی کہ تاشو یہاں سو رہی ہے کہیں بیٹھک میں تو نہیں چلی گئی۔" لالہ رخ بے حد متوحش ہو کر خود سے بات کرتے ہوئے بولی اور اگلے ہی پل وہ سرعت سے پلٹ کر باہر کی جانب آئی۔

''آج میں نے تاشو کی پسند کا کٹر ے مصالحے کا قیمہ اور چاول پکائے ہیں۔'' مہرو امی سے محوِ کلام تھی جب ہی اس نے انتہائی بدحواس سی ہو کر لالہ رخ کو باہر آتے دیکھا وہ بنا ان لوگوں کی جانب توجہ کیے سیدھی بیٹھک میں جا گھسی۔ بیٹھک کی تمام لائیٹس بے پناہ عجلت میں کھولیں اور اگلے ہی پل اسے لگا جیسے جسم سے روح کھینچ لی گئی ہو۔ زرتاشہ وہاں بھی نہیں تھی۔ یہ گھر تھا ہی دو کمروں اور ایک بیٹھک پر مشتمل باقی مختصر سے لاؤنج میں اس وقت امی اور مہرو موجود تھے اس کا مطلب تھا کہ زرتاشہ گھر میں موجود نہیں۔

''یہ...... یہ تاشو کہاں چلی گئی اف میرے خدا اس کی تو ذہنی کیفیت بھی آج کل ٹھیک نہیں ہے وہ کہاں جا سکتی ہے۔'' بے پناہ وحشت کے عالم میں لالہ رخ خود سے بولی کہ اسی اثناء میں مہرو اس کے پیچھے اندر آئی۔

''کیا ہوا لالہ یہ تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟''

''مہرو تاشو کہیں نہیں مل رہی وہ پتا نہیں کہاں چلی گئی۔'' وہ بے پناہ متوحش ہو کر بولی۔

''کیا......!'' لالہ رخ کو انتہائی اچنبھے سے دیکھتے ہوئے وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔

''اب...... اب کیا ہوگا مہرو میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا...... یہ تاشو کہاں جا سکتی ہے۔ وہ اس پل رو دینے کو تھی۔

''اے اللہ ہماری مدد کر ہماری تاشو کی حفاظت کرنا میرے مالک۔'' وہ بے ساختہ سسک اٹھی تو یکلخت مہرو نے اسے خاموش ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے سرگوشیانہ انداز میں کہا۔

''پلیز لالہ تم اپنے آپ کو سنبھالو تھوڑا ہمت سے کام لو اگر امی کو پتہ چل گیا تو وہ بے حد پریشان ہو جائیں گی تم حوصلہ کرو وہ یقیناً یہیں کہیں ہوگی ہم ابھی اسے ڈھونڈنے نکلتے ہیں۔'' مہرینہ کی بات پر وہ اسے بغور دیکھنے لگی پھر اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

''ارے یہ تم دونوں لڑکیاں اندر بیٹھک میں کیوں گھس گئیں ہو تاشو بھی اپنے کمرے سے نہیں نکلی۔''

''آ...... آ رہے ہیں امی۔'' مہرو وہیں سے آواز دے کر بولی پھر لالہ رخ کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''لالہ میں تاشو کو ڈھونڈنے نکلتی ہوں تم امی کو کھانا کھلا کر دوا دے کر سلا دینا اور مجھ سے فون پر رابطہ رکھنا پھر ہم دونوں ساتھ اسے تلاش کرتے ہیں او کے۔''

''مہرو میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے نجانے کہاں چلی گئی ہے یہ لڑکی۔'' مہرو نے بڑی عجلت میں اس کا بازو تھاما۔

''پلیز لالہ اس وقت ہمت مت ہارنا ورنہ یقیناً امی جو خود کو سنبھالے بیٹھی ہیں وہ اپنے ہاتھ پیر چھوڑ دیں گی۔ چلو فوراً اب باہر آ جاؤ۔'' یہ کہہ کر مہرو تیزی سے پلٹ کر باہر چلی گئی جب کہ لالہ رخ کو لگا جیسے اسے کسی نے قبر میں زندہ اتار دیا ہو وہ بے ساختہ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀

باسل عدیل اور احمر آخری پرچہ دے کر ہال سے باہر آئے تو خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے ورنہ کچھ دنوں سے وہ بے حد پڑھائی میں مصروف تھے۔

''شکر ہے اللہ کا ان پیپرز سے جان چھوٹی اچھا ہوا جو بنا کسی گیپ کے تمام پیپرز جلدی جلدی نمٹ گئے۔'' عدیل بڑے ریلیکس انداز میں بولا تو دونوں نے تائیدی انداز میں اسے دیکھا۔

''تمہارا کیا پروگرام ہے باسل، یہ چھٹیاں تم کہاں اور کیسے گزارنے کا پلان بنا رہے ہو؟'' عدیل باسل کو دیکھنے لگا تو باسل قدرے سستی سے اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

ادب کے افق پر چمکتا ستارہ

کامیابی کی پہلی منزل خوب صورتی سے طے کرتے ہوئے
کم وقت میں اپنی پہچان اور اپنا مقام بنانے میں کامیاب ٹھہرا

نومبر 2015ء سے اپنے سفر کا آغاز کرنے والا ماہنامہ حجاب
نومبر 2016ء میں کامیابی کا پہلا سال مکمل کرتے ہوئے
آپ لوگوں کی دعاؤں سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے
حجاب کی سالگرہ نمبر میں دیکھئے اپنی پسندیدہ مصنفین کی تحریریں
ساتھ ہی ملک کے نامور شعرا و ادیبوں سے ملاقات
اس کے علاوہ جو آپ چاہیں اپنی آرا ہمیں فوراً ارسال کریں

کہیں دیر نہ ہو جائے، آج ہی اپنی کاپی ہاکر سے بک کرالیں

"ابھی تو میں نے کچھ سوچا نہیں ہے فی الحال تو ہر چیز سے دل اچاٹ ہو رہا ہے۔" اس پل اس کے لہجے میں بے زاری ہی بے زاری تھی عدیل نے اسے شرارت سے دیکھا پھر ہنستے ہوئے بولا۔

"آج کل میرے بھائی کے پاس کوئی گرل فرینڈ جو نہیں...... اسی لیے صاحب بہادر کا دل کسی چیز میں نہیں لگ رہا نہ پھولوں سے خوشبو آ رہی ہے نا ہوا میں ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے دنیا کچھ پھیکی پھیکی سی لگ رہی ہے نا اسی لیے تو کہتے ہیں میرے دوست کہ وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ۔"

"اوہ شٹ اپ عدیل۔" اس وقت باسل خاور حیات بے حد چڑ کر بولا تو احمر نے بھی ہنستے ہوئے ٹکڑا لگایا۔

"ہاں جی جب سے نیلم فرمان جیسی لڑکی سے واسطہ پڑا ہے تب سے وجود زن کائنات کا رنگ نہیں بلکہ بھنگ لگنے لگی ہے۔" اس بات پر باسل نے دونوں کو کینہ توز نگاہوں سے دیکھا جو اسے چھیڑ کر بہت لطف اٹھا رہے تھے۔

"تم دونوں باز نہیں آؤ گے تو میں یہاں سے اٹھ کر چلا جاتا ہوں۔" وہ واقعی میں اٹھنے لگا تو احمر اور عدیل دونوں نے ہی تیزی سے اسے دوبارہ بیٹھایا۔

"اوکے...... اوکے سوری یار اچھا اب ہم کچھ کہیں گے۔" عدیل جلدی سے بولا تو احمر نے بھی تیزی سے جملہ ادا کیا۔

"بالکل یہ بات اب ختم۔" باسل نے انہیں لحظہ بھر کر دیکھا پھر ایک ہنکارا بھرتے ہوئے بولا۔

"مجھے تو فی الحال گرلز سے الرجک ہوگئی ہے نجانے کیوں اب ہر لڑکی کو دیکھ کر میرے اندر غصہ اٹڈنے لگتا ہے۔" احمر نے باسل کو سنجیدگی سے دیکھا عدیل نے بھی اس کی بات کو غور سے سنا۔

"مگر باسل ہر لڑکی نیلم جیسی نہیں ہوتی کچھ لڑکیاں بارش کی پہلی بوند سے بھی کہیں زیادہ شفاف ہوتی ہیں رات کی آنکھ سے ٹپکتی شبنم کی طرح پاکیزہ کہ جنہیں بس ایک نگاہ ہی دیکھ کر انہیں اپنی پلکوں میں چھپا لینے کا دل چاہتا ہے۔" احمر کے بے حد گھمبیر لہجے میں بولتے عجیب وغریب انداز کو محسوس کر کے عدیل اور باسل دونوں نے ہی بے اختیار چونک کر اسے دیکھا تھا جو اس پل نجانے کن خیالوں کی سیر کو نکل پڑا تھا۔ عدیل نے اپنی دائیں آنکھ دباتے ہوئے باسل کو خفیف سا اشارہ کیا پھر بے پناہ شرارت سے بولا۔

"اوے ہوئے ہمارا یار تو شاعر بن گیا بارش بوندیں پاکیزہ واہ بھئی واہ کیا بات ہے یہ چکر کیا ہے میرے دوست؟" عدیل کی آواز جب اس کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ جیسے اپنے خیالوں ہڑبڑا کر چونکا۔

"مجھے تو دال میں کافی کالا کالا نظر آ رہا ہے۔" باسل بے حد دلکشی سے مسکراتے ہوئے احمر کو سر سے پیر تک گھورتے ہوئے بولا تو احمر خواہ مخواہ میں نروس ہو گیا۔

"گائز کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو بھئی میں تو ایک عام سی بات کر رہا ہوں۔"

"ہاں...... ہاں۔ اب تو اپنے دوستوں سے بھی چھپائے گا نا۔" عدیل لڑاکا عورتوں کی طرح اپنا سیدھا ہاتھ کمر کی خم پر ٹکاتے ہوئے بولا تو بے ساختہ احمر کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"یہ تو پھا پھا کٹنی والے اسٹائل کیوں مار رہا ہے۔" احمر ایک ہاتھ اس کے شانے پر دھرتے ہوئے بولا۔

"عدیل یار یہ ایسے نہیں بتائے گا...... ذرا پتہ تو لگاؤ کہ وہ ہے کون؟ جس نے ہمارے دوست کو بارش اور شبنم جیسی باتیں کرنا سکھا دی ہیں۔" باسل کے کہنے پر احمر نے اسے بے حد شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا پھر قدرے افسوس سے بولا۔

"باسل یار تو بھی...... چلو یہ عدیل تو شروع سے ہی کمینہ ہے مگر...... مجھے تجھ سے یہ امید نہیں تھی یار۔"

”اور زیادہ مظلوم بننے کی اداکاری نہ کرو ہم نے بھی گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ بچے ایک نگاہ میں بتا دیتے ہیں کہ کون کس کی نظر کا گھائل ہو گیا یا پھر زلف کا اسیر ہو گیا ہے۔“

”یا اللہ میں کہاں جاؤں۔ تم دونوں کو کیسے سمجھاؤں کہ ایسی کوئی بات نہیں۔“ عدیل کی بات پر احمر بے ساختہ اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے بولا تو عدیل اور باسل دونوں احمر کی حالت زار پر ایک بلند قہقہہ لگا کر ہنس دیئے۔

❀......❀......❀......❀

وہ صبح سے اسے تقریباً دس پندرہ بار کال کر چکا تھا مگر اس نے ایک بھی بار فون ریسیو نہیں کیا تھا وہ شاید فراز شاہ کی بے بسی و بے قراری سے بے پناہ حظ اٹھا رہی تھی یا پھر اس سے بدلہ لے رہی تھی۔ فراز شاہ اپنے آفس کی سیٹ پر بیٹھا کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا سونیا نے کل شام سے اب تک اسے سخت ذہنی اذیت اور کوفت میں مبتلا کر رکھا تھا وہ مزید بھی کچھ اور سوچتا کہ اسی پل اس کا سیل فون بج اٹھا فراز شاہ کی محویت یکلخت ٹوٹی تھی اس نے بے صبری سے اپنا سیل فون اٹھا کر اسکرین دیکھی تو سونیا کالنگ بلنک کر رہا تھا فراز نے فوراً فون پک کیا۔

”ہیلو فراز کیسے ہو بھئی۔ تم کل کیوں نہیں آئے تھے میں تم سے سخت خفا ہوں بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی۔“ سونیا خان اتنے فریش اور مگن لہجے میں بات کر رہی تھی کہ اس پل فراز شاہ کا منہ تحیر کے عالم میں کھلا کا کھلا رہ گیا۔

”تمہیں معلوم ہے نا کہ یہ ٹائم کسی لڑکی کی لائف کا سب سے زیادہ امپورٹنٹ اور بیوٹی فل ہوتا ہے اور ان لمحوں میں ہر لڑکی کو اپنے سب سے اچھے دوست کی ضرورت ہوتی ہے اور دیکھو تم کل بھی نہیں آئے نا۔“ سونیا اتنے نارمل انداز میں بولی جیسے ان دونوں کے درمیان کچھ ہوا ہی نہیں بے پناہ اچنبھے سے فراز نے اپنے سیل فون کو دیکھا جیسے یقین کرنا چاہتا ہو کہ دوسری طرف سونیا ہی ہے۔ پھر اگلے ہی لمحے الجھتے ہوئے اسے دوبارہ کان سے لگایا جواب کہہ رہی تھی۔

”سوری میں نیچے ذرا ممی کے ساتھ کچن میں بزی تھی تو تمہارا فون پک نہیں کر سکی...... اینجو لی میں نے آج سے ممی اور کک سے اب باقاعدہ کلاسز لینا شروع کر دی ہیں۔“ آخر میں اس کا لہجہ شوخی سے بھرپور تھا اس تمام وقت میں اس نے ایک بار بھی فراز کو بولنے کو موقع نہیں دیا تھا وہ بے ساختہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا پھر سپاٹ انداز میں گویا ہوا۔

”سونیا میں آج شام کو تمہارے گھر آ رہا ہوں مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔“

”موسٹ ویلکم فراز میں تمہارا انتظار کروں گی۔“ سونیا بڑے دوستانہ انداز میں بولی تو فراز نے بائے کہہ کر فون بند کر دیا اور دروازے کی جانب متوجہ ہو گیا جہاں کوئی دستک دے رہا تھا۔

❀......❀......❀......❀

مہرو نے لالہ رخ کو زبردستی کر کے سلایا تھا ورنہ تو وہ بنا پلک جھپکائے بس خاموشی سے زرتاشہ کے سرہانے بیٹھی اسے سوتا ہوا دیکھ رہی تھی کل رات مہرینہ کی بروقت عقل اور حاضر دماغی کی بدولت ان دونوں نے امی سے زرتاشہ کے گھر سے غائب ہو جانے کی بات چھپالی تھی۔ مہرو اپنے گھر امی سے یہ کہہ کر جانے کا بہانہ بنا کر وہاں سے رفو چکر ہو گئی کہ اس کا ابا ابھی اور اسی وقت اس کو بلا رہا ہے جب کہ لالہ رخ نے خود کو سنبھال کر امی سے جھوٹ بولا کہ زرتاشہ بے حد گہری نیند میں ہے۔ اس لیے اسے آرام کرنے دیں۔

”مگر لالہ وہ یوں خالی پیٹ کیوں سو گئی؟ تھوڑا سا تو کچھ کھا لیتی۔“ امی متفکرانہ لہجے میں بولیں۔

”مہرو کہہ رہی تھی کہ اس نے شام کو سینڈوچ کھلا دیا تھا آپ فکر نہ کریں جیسے ہی وہ بیدار ہو گی میں اسے کھانا کھلا دوں گی۔“ اس پل وہ خود کو کمپوز کر کے امی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ پھر کھانے سے فارغ ہو کر انہوں نے زرتاشہ کو ایک

نگاہ دیکھنے کی ضد کی تو لالہ رخ نے انہیں بڑی مشکل سے ٹالا پھر دوا وغیرہ دے کر جب ان کے سونے کا یقین ہوگیا تو بے پناہ کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے اپنے موبائل فون سے مہرو کا نمبر ملایا۔

''ہاں لالہ تم سڑک کی نچلی ڈھلان پر آجاؤ میں اور بٹو وہیں پر ہیں۔'' رابطہ ملتے ہی اسے مہرو کی آواز سنائی دی تو لالہ رخ نے بناء کچھ کہے فون بند کیا اور پھر بڑی خاموشی مگر تیزی سے دروازہ پار کرگئی بٹو اور مہرینہ نے تقریباً ہر وہ جگہ دیکھ لی تھی جہاں زرتاشہ کے ہونے کا احتمال تھا۔

''کیا ہوا مہرو تاشو ملی۔'' جواباً بٹو اور مہرو کے چہروں پر مایوسی کے رنگوں کو دیکھ کر وہ ڈول سی گئی مہرو نے سرعت سے آگے بڑھ کر اسے دونوں ہاتھوں سے تھاما اس پر اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرہ سا چھا گیا تھا۔

''لالہ خود کو سنبھالو یار مل جائے گی تاشو ہمیں ان شاء اللہ۔'' لالہ رخ کے اعصاب بے پناہ شل ہوچکے تھے۔ اس سے تو ایک قدم بھی نہیں بڑھایا جا رہا تھا۔

''کہیں تاشو باجی اپنے ابا کے پاس تو نہیں۔'' یک دم بٹو کی آواز ابھری تو دونوں لڑکیوں نے بے حد سرعت سے گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا وہ تھوڑا سا گڑبڑا گیا پھر فوراً وضاحت دیتے ہوئے بولا۔

''میرا مطلب ہے اپنے ابا کی قبر پر تو نہیں چلی گئی۔'' لالہ رخ نے چند ثانیے سوچا پھر یک دم اس کے دماغ میں اسپارک ہوا تو اس کے پیروں میں بجلی سی بھر گئی۔

''مہرو بٹو فوراً آؤ میرے ساتھ۔'' وہ تینوں بے پناہ تیزی سے وہاں سے پلٹے رات کے آٹھ بجے مری اس پل رات دو بجے کا سماں پیش کر رہا تھا۔ رہائشی علاقے سے تھوڑا دور بنے قبرستان کی جانب وہ بڑی سرعت سے بڑھ رہے تھے مہرو بٹو اور لالہ رخ ٹارچ کی روشنی میں اب قبرستان کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے یہاں لگے الیکٹرک پول پر جلتے دودھیا بلبوں نے اندھیرے کی وحشت ناکی اور سیاہی کو کافی حد تک معدوم کردیا تھا مگر قبرستان کا مخصوص ماحول لالہ رخ اور مہرو کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا گیا تھا وہ دونوں اپنے دل کو مضبوط کرتی ہوئیں گرل کا بڑا سا گیٹ دھکیل کر اندر داخل ہوئیں ابا کی قبر لب سڑک ہی بنی ہوئی تھی اور پھر انہیں وہاں تاشو بیٹھی ہوئی نظر آ گئی...... لالہ رخ اس پل اتنی عجیب وغریب کیفیت سے دوچار ہوئی کہ اسے لگا کہ اب وہ مزید اپنے پیروں پر کھڑی نہیں رہ پائے گی۔

اس نے بے اختیار مہرو کا بازو دبوچا جو خود بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے تاشو کو وہاں بیٹھا دیکھ رہی تھی پھر وہ تینوں تاشو کے پاس پہنچے جو ایک مسمریزم کی کیفیت میں بیٹھی تھی۔

''تاشو...... تم یہاں اس وقت اکیلے کیوں آ گئیں؟ چلو فوراً اٹھو یہاں سے۔'' مہرو کے لہجے میں اس پل تختی کے ساتھ ساتھ غصے کی بھی آمیزش تھی۔ جواباً زرتاشہ نے بے حد معصومیت بھرے لہجے میں کہا۔

''میں ابا سے ملنے آئی تھی مہرو۔ وہ مجھ سے ملے بناء ہی چلے گئے نا تو میں خود ہی ان سے ملنے آ گئی۔'' لالہ رخ کو اس پل لگا جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا۔ اس نے بے ساختہ اپنی ہتھیلی منہ پر رکھ کر اپنی چیخوں کا گلا گھونٹا اور پھر پلٹ کر وہاں سے دیوانوں کی طرح بھاگی جب کہ بٹو اور مہرو نے اسے نرمی سے اٹھایا اور وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں ان کے ہمراہ گھر آ گئی تھی۔

جب کہ لالہ رخ تمام رات آنکھیں کھولے یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اسے یہ خوف تھا کہ کہیں اس کی پلک جھپکے اور زرتاشہ اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ مہرو نے خود بھی وہاں بیٹھ کر سوتے جاگتے رات گزاری تھی اور پھر صبح زبردستی کرکے اس نے لالہ رخ کو سلایا تھا۔ وہ بے تحاشہ ہڑبڑا کر اٹھی اور انتہائی وحشت کے عالم میں کمرے کے چاروں طرف دیکھا اس وقت کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

''تاشو..... تاشو'' وہ بے حد حواس باختہ ہوکر یونہی ننگے پیر دروازے کی جانب بھاگی مگر پھر جیسے یک لخت اپنی جگہ ٹھہر گئی۔ زرتاشہ تخت پر امی کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی۔ لالہ رخ نے اپنے بے تحاشہ دھڑکتے دل کو معمول پر لانے کی کوشش کی اور پھر ایک گہری اطمینان آمیز سانس بھری۔ اسی اثناء میں مہرینہ وہاں آچکی تھی۔ لالہ رخ پر نگاہ پڑی تو بے حد خوش گواری سے بولی۔

''لالہ جلدی سے منہ ہاتھ دھوکر آجاؤ کھانا بالکل تیار ہے۔''

''لگتا ہے کل تم سارا اصطبل بیچ کر ہی سوئی تھیں۔'' مہرو کی بات پر امی نے دروازے پر کھڑی لالہ رخ کو مسکرا کر دیکھا۔ البتہ زرتاشہ یونہی بے نیازسی رہی۔

''آں...... ہاں کل کچھ تھکن زیادہ ہوگئی تھی آج تو آفس کی چھٹی بھی ہوگئی۔'' وہ نارمل لہجے میں بولی پھر وہاں سے پلٹ کر فریش ہونے کی غرض سے واش روم کی جانب آگئی۔

❁......❁......❁......❁

کافی شاپ کے بے حد دلکش اور خواب ناک سے ماحول میں جیسکا ابرام کے سنگ کافی کے ساتھ ساتھ اپنے من پسند اسنیکس سے بھی لطف اندوز ہورہی تھی۔ آج بہت دنوں بعد وہ بڑے خوش گوار موڈ میں ایک دوسرے سے محو گفتگو تھے۔ وگرنہ گزشتہ دنوں ان کی باتوں کا مرکز اور محور صرف اور صرف ماریہ تھی۔ ڈارک بلو شرٹ میں ڈارک بلو ہی جینز پر لیدر کی براؤن جیکٹ پہنے ابرام بے حد وجیہہ اور ہینڈسم لگ رہا تھا۔ جیسکا اس کی قربت میں خود پر فخر محسوس کررہی تھی۔ ابرام کی پرسنالٹی اس کا اسٹائل بے حد منفرد اور پُرکشش تھا۔ اس پر اس کا گفتگو کرنے کا انداز تو غضب ڈھاتا تھا۔

''ویسے ابرام مجھے سچ سچ بتانا آج تک تم پر کتنی لڑکیاں فدا ہوچکی ہیں؟'' وہ اپنی نیلی آنکھیں ایک ادائے خاص سے گھماتے ہوئے انگریزی میں بولی تو ابرام بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنسا پھر مسکراتی نگاہوں اور لبوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''تم جیلس تو نہیں ہوجاؤ گی یہ جان کر؟'' وہ کافی کا ایک بڑا سا سپ لیتے ہوئے محظوظ کن لہجے میں بولا تو جیسکا نے اسے بے حد خاص نظروں سے دیکھ کر صاف گوئی سے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے کہا۔

''اف کورس ابرام میں بالکل جیلس ہوجاؤں گی۔''

''تو پھر رہنے دو خوامخواہ میں تمہارا دل جلے گا۔'' وہ اسے چھیڑنے والے انداز میں بولا تو جیسکا ذرا کی ذرا اس کے قریب جھک کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''کوئی میری جیسی تو تمہیں نہیں ملی ہوگی ناں؟'' جیسکا کے لہجے میں زعم اور اعتماد اس بات کا غماز تھا کہ اسے اپنے حسین اور پُرکشش ہونے کا بھرپور احساس ہے۔ ابرام نے اس کے چہرے پر بغور نگاہیں ٹکاتے ہوئے دلکش مسکراہٹ کے ساتھ سرنفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں تم جیسی ابھی تک نہیں ٹکرائی۔'' جیسکا ابرام کے جواب پر بے اختیار ایک طمانیت آمیز سانس بھر کر رہ گئی پھر قدرے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''تو پھر ابرام تم مجھے چاہ کیوں نہیں سکتے......؟ میں چاہتی ہوں ابرام کے تم صرف مجھے چاہو میری خواہش کرو۔'' اس پل ابرام بھی سنجیدگی سے اسے دیکھے گیا پھر کچھ ثانیے کے بعد گویا ہوا۔

''جیسکا تمہارے نزدیک چاہت کیا ہے چاہت کا مطلب کیا ہے؟''

''میرے نزدیک چاہت کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے دل میں صرف اور صرف میں رہوں تم مجھ سے اپنی باتیں

شیئر کرو ہر پل میری یاد میں وقت گزارو اور مجھے پیار کرو بہت سارا پیار۔" جیسکا اپنی خوب صورت آنکھوں کو بند کیے بے باکی سے بولے گئی تو ابرام کسی سوچ میں پڑ گیا پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوا۔

"جیسکا میرے دل میں تمہارے لیے ایک خاص جگہ ہے۔ جس کے سبب تم میری سب سے قریبی فرینڈ بن گئی ہو۔ رہا باتوں کا سوال تو زیادہ تر باتیں تم سے ہی شیئر کرتا ہوں ہر پل تو نہیں مگر اکثر مجھے تمہاری یاد بھی آ جاتی ہے اور رہا پیار تو مجھے تم سے پیار بھی ہے تبھی تو میں اپنے اتنے ٹف شیڈول میں سے تمہارے لیے وقت نکالتا ہوں تمہارے ساتھ آؤٹنگ کرتا ہوں، ٹائم گزارتا ہوں۔"

"اوہ...... ابرام یہ وہ والی محبت نہیں ہے۔ جس کا تذکرہ میں کر رہی ہوں۔" جیسکا تھوڑا بے مزہ ہو کر بولی تو ابرام نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو جیسکا اپنی کرسی پر تھوڑا الرٹ ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"دیکھو ابرام تم میری بات سمجھ نہیں رہے ابرام میں چاہتی ہوں کہ......" وہ تھوڑا ہچکچائی پھر تیزی سے بولتی چلی گئی۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم میرے دل کے ساتھ ساتھ میری جان میرے وجود کے بھی مالک بن جاؤ میری تنہائیوں کے ساتھی۔ ان خاص لمحوں کے شراکت دار بن جاؤ جو ہر لڑکی کسی خاص شخص کو سونپنا چاہتی ہے۔" ابرام بغور اسے دیکھتا رہا پھر بے حد سنجیدگی سے بولا۔

"تم مجھ سے فیزیکل لو ایکسپرٹ کر رہی ہو جیسکا۔ جانتی ہو کہ سب سے پائیدار اور مضبوط رشتہ دل اور روح کا ہوتا ہے اور سب سے کمزور اور کھوکھلا تعلق جسمانی ہوتا ہے کیا تم مجھ سے یہ چاہ رہی ہو کہ تم سے جسمانی تعلق رکھوں جو کبھی بھی کسی بھی لمحہ ٹوٹ کر فنا ہو جائے گا یا پھر روح کا رشتہ قائم کروں جو تمام عمر زندہ رہتا ہے۔"

"ابرام تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو میں تم سے صرف فیزیکل ریلیشن شپ کی ڈیمانڈ نہیں کر رہی۔" جیسکا نے قدرے گھبرا کر وضاحت کی۔ "دل اور روح کے ساتھ ساتھ میں یہ رشتہ قائم کرنا چاہتی ہوں۔"

"جیسکا ہم جن سے دل اور روح کا رشتہ استوار کرتے ہیں نا ان کے جسموں کو پامال نہیں کرتے بلکہ ایک مقدس چیز سمجھ کر اس کا احترام کرتے ہیں۔ اس کو قابل عزت سمجھتے ہیں۔" ابرام سہولت سے بولا پھر مزید گویا ہوا۔

"اور جن کو ہم کچھ بھی نہیں سمجھتے اس کے جسم کو کھلونا سمجھ کر اس سے کھیلنا چاہتے ہیں۔ میرا تم سے دل اور روح کا رشتہ ہے۔ مقدس اور قابلِ احترام۔" ابرام بلاشبہ مغربی اقدار اور روایات کا پروردہ تھا مگر اس نقطے پر اس کی سوچ اس کی فکر دیگر لڑکوں سے بے حد مختلف تھی۔ جیسکا نے بے حد حیران ہو کر اسے دیکھا اگر وہ یہی بات کسی اور لڑکے کے سامنے کہتی تو اسے تو جیسے ہفت اقلیم مل جاتے وہ فوراً سے بیشتر جیسکا جیسی بلا کی خوب صورت اور پُرکشش لڑکی کے سامنے سرنگوں ہو جاتا مگر یہاں ابرام تھا سب سے منفرد اور انوکھا انسان جیسکا نے اسے دیکھ کر ساختہ ایک گہری سانس کھینچی۔

❀ .... ❀ .... ❀ .... ❀

ڈارک پنک اور لائیٹ پنک کلر کے چوڑی دار پاجامے قمیص میں سائیڈ پر چنری کا دوپٹہ ڈالے وہ آج کافی مختلف حلیے میں فراز کے سامنے بیٹھی تھی جب کہ دونوں کلائیوں میں بھر بھر کر اسے نے چوڑیاں بھی پہن رکھی تھیں۔ لان میں بچھی کرسیوں میں وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"ہوں بولو تمہیں کیا ضروری بات کرنی تھی مجھ سے؟" وہ پوری توجہ سے اسے دیکھتے ہوئے بڑے مگن لہجے میں بولی تو فراز چند ثانیے اسے دیکھتا چلا گیا پھر کچھ دیر بعد ہموار لہجے میں بولا۔

"یہ سب کیا ہے سونیا؟"

"کیا سب فراز؟" انداز میں حیرت تھی اور وہ اس سے الٹا سوال کر گئی۔

”تم نے کامیش سے شادی کرنے کا فیصلہ کیسے کرلیا سونیا جب کہ تم......!“ وہ قصداً اپنا جملہ ادھورا چھوڑ گیا تو سونیا نے جیسے ایک ادا کے بے نیازی سے اسے دیکھا پھر بڑی بے پروائی سے اس نے اپنی جگہ سے پہلو بدلا اور فراز شاہ کو ایسے تاثر دیا جیسے اس کی بات اس کے نزدیک انتہائی غیر اہم اور بے زار کن ہو۔ جس پر وہ بات بھی نہ کرنا چاہتی ہو۔ اس نے قدرے اکتائے ہوئے اپنے کندھے اچکا کر کہا۔

”میرے خیال میں فراز اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں سب کچھ بھول کر آگے بڑھ چکی ہوں۔“ اس پل اس کے ہر ہر انداز میں بے زاری جھلک رہی تھی۔ فراز شاہ نے اسے بے حد اچنبھے سے دیکھا۔

سونیا اسے ہر لحہ شاکڈ پر شاکڈ کررہی تھی۔ اس نے کچھ دیر اسے بے حد غور سے دیکھا۔ جواب اپنی بات کہہ کر اپنے لمبے لمبے ناخنوں پر لگی کیوٹکس کو دیکھ رہی تھی۔ سونیا اعظم کا رویہ اور باتیں دونوں اس کی سمجھ سے باہر تھیں مگر اسے ہر حال میں یہ سب سمجھنا اور جاننا تھا کہ آخر سونیا ایسا کیوں کررہی ہے۔ کچھ دیر دونوں کے درمیان گہری خاموشی طاری رہی پھر فراز ایک گہرا سانس بھر کر بے حد سنجیدگی سے گویا ہوا۔

”ویری گڈ سونیا یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ تم پچھلی باتوں کو بھول کر آگے بڑھ گئی ہو مگر...... میں تم سے صرف یہ پوچھنا اور جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے اپنے لائف پارٹنر کے طور پر کامیش کا ہی کیوں انتخاب کیا جب کہ دو دن پہلے ہی تم یہی خواہش میرے حوالے سے رکھتی تھیں۔“ فراز کی بات پر سونیا نے اس کی جانب دیکھا اور بڑی سہولت بھرے لہجے میں گویا ہوئی۔

”یہ درست ہے فراز کہ مجھے ایسا فیل ہوتا تھا کہ ایز آ لائف پارٹنر تمہاری چوائس میں ہی ہوں گی مگر......“ وہ قدرے رکی پھر تیزی سے بولتی چلی گئی۔

”مگر تم نے مجھے انکار کیا تو میرے دل کو کافی چوٹ پہنچی پھر جب میں نے تمہاری جگہ رکھ کر خود کو سوچا تو پھر میرا غصہ اور دکھ جاتا رہا۔ ہر انسان کو اپنی مرضی اور پسند کا جیون ساتھی چننے کا پورا حق ہے۔ پھر ڈیڈ کو کامیش بہت زیادہ پسند آیا تھا انہوں نے مجھ سے کامیش کے لیے بات کی اور مجھے فورس کیا تو پھر میں سوچ میں پڑگئی کہ کیا کروں؟ مجھے شادی تو کسی نہ کسی سے کرنی ہے تو پھر کامیش میں کیا برائی ہے وہ بہت اچھا اور ڈیسنٹ ہے پھر میرا کزن بھی بس پھر فی الفور یہ فیصلہ ہوگیا اور ڈیڈ بھی خوش ہوگئے۔“ فراز بے حد توجہ سے اس کی بات سنتا رہا۔

”مگر تم نے ماما کے پاس جاکر خود سے کیوں کہا کہ تم کامیش سے شادی کرنا چاہتی ہو؟“ فراز شاہ کے انتہائی الجھے ہوئے انداز پر سونیا نے پل کے پل اسے دیکھا پھر بڑی دلکشی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

”وہ اس لیے فراز کہ میں نے آنٹی سے وعدہ کیا تھا کہ جس لڑکے سے میں شادی کرنا چاہوں گی تو اس کا نام انہیں ضرور بتاؤں گی۔ بس ڈیڈی کی مرضی اور خوشی پر سر جھکاتے ہوئے میں نے آنٹی کو کامیش کا نام بتا کر اپنا پرامس پورا کیا سمپل۔“ آخر میں اس نے بڑی بے پروائی سے کندھے اچکائے...... جب کہ فراز شاہ اسے یک ٹک دیکھتا رہ گیا۔ سونیا نے ہر بات کی وضاحت اس کے سامنے پیش کردی تھی۔ بظاہر کوئی گڑبڑ بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی مگر کچھ تو تھا جو اس کے دماغ میں کھٹک رہا تھا جو اس کی نگاہوں کے سامنے نہیں آرہا تھا۔

”اچھا اب چھوڑو بھی ان باتوں کو فراز...... تم ہمیشہ میرے دوست تھے اور آئندہ بھی میرے بیسٹ فرینڈ رہو گے فائن۔“ آخر میں وہ تائیدی لہجے میں بولی تو اپنے خیالوں میں گم فراز چونکا پھر بے ساختہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

”آف کورس سونیا، یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔“ جواباً سونیا کھل کر مسکرادی۔

موسم کے مزاج میں کافی بدلاؤ آ گیا تھا گرمی اور حبس کا زور ٹوٹ گیا تھا گزشتہ دنوں ہونے والی بارشوں اور ٹھنڈی ہواؤں نے موسم بے حد سہانا اور دلفریب کردیا تھا اور پھر آج رات کی رنگینی اور دلکشی کچھ زیادہ ہی خاص تھی۔ ''باسل پیلس'' کے بے حد خوب صورت اور وسیع گارڈن کی سجاوٹ اور رونق آج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ شہر کے فیمس ایونٹ مینجمنٹ کو ہائر کیا گیا تھا۔ جس نے ''باسل پیلس'' کے گارڈن کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا تھا جہاں سجاوٹ کی ٹون ریڈ اینڈ وائٹ کلرز کی رکھی گئی تھی۔ پورے گارڈن کے اطراف میں سفید اور لال پھولوں سے ایک ایک کونے اور چپے چپے کو سجایا گیا تھا۔ انٹریس میں سفید اور لال پھولوں سے بے حد اسٹائلش سی محراب بنائی گئی تھی جس کے اطراف میں بے حد چمکتے دمکتے گولڈن اسٹینڈ میں بیضوی خوب صورت لیمپ جلا کر رکھے گئے تھے جس میں سفید اور لال لائٹس جل رہی تھیں۔ راہداری بنا کر اس پر سرخ کارپٹ بچھا رکھا تھا جس کے سائیڈ پر رکھے بڑے بڑے گل دانوں میں سفید پھولوں کی ٹہنیوں سے گلدستہ بنا رکھا تھا جب کہ آگے چل کر ایک جانب کو مصنوعی فوارہ بنا ہوا تھا۔ جس میں سے پانی نیچے سے اوپر کی جانب اچھلتا تو اس میں لال اور سرخ رنگ کے امتزاج کی لائٹس بھی جل اٹھتیں۔ اس پل بہت ہی دلکش فانوس کی تیز چمکتی گولڈن روشنی نے جیسے رات میں دن کا سماں باندھ دیا تھا۔

ایک جانب میوزک کے ساز و سامان کی جگہ مختص کی گئی تھی جو بڑی شوخ سی دھن بجانے میں مصروف عمل تھے۔ محفل کی تابانیاں اور رنگینیاں عروج پر تھیں۔ باوردی ویٹر کولڈ اور سوفٹ ڈرنکس کے ساتھ ہلکا پھلکا اسنیکس بھی پیش کررہے تھے۔ جب کہ فضاء میں کھانے کی اشتہاء انگیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ آج حورین اور خاور حیات کی شادی کی سال گرہ تھی اور شہر کے معززین اس پارٹی میں شریک تھے۔ طرح دار خواتین شوخ و چنچل لڑکیاں اور بڑے بڑے بزنس مین پارٹی کو بے حد انجوائے کررہے تھے۔ آج حورین کا حسن بھی بے مثال نظر آرہا تھا جو آف وائیٹ ساڑھی جس پر گولڈن رنگ کا بے حد فینسی کام کیا گیا تھا۔ اسے پہنے بے حد ڈیسنٹ اور خوب صورت لگ رہی تھی جب کہ صراحی دار لمبی گردن میں ڈائمنڈ کا لشکارے مارتا گلوبند اور اس کے لمبے بندے اس پر بے انتہا جچ رہے تھے۔ اس نے خاور کے بے حد اصرار پر بالوں میں رولرز ڈلوا کر انہیں بہت منفرد اسٹائل دیا ہوا تھا۔ شہر کی مشہور بیوٹیشن نے اس کے چہرے پر اپنی مہارت کے تمام جوہر دکھائے تھے وہ اس پل آسمان سے اتری حور لگ رہی تھی حالانکہ وہ اتنی تیاریوں کے لیے رضا مند نہیں تھی۔

''اف خاور..... آپ بھی ناں دو تین سال بعد میں بہو والی ہوجاؤں گی، ماشاء اللہ سے میں جوان بیٹے کی ماں ہوں اتنا زیادہ ہار سنگھار اچھا نہیں لگے گا سب بولیں گے بڈھی گھوڑی لال لگام۔'' حورین کو جب خاور نے بتایا کہ تمہیں ہماری شادی کی سال گرہ میں کس طرح نظر آنا ہے تو وہ کافی گھبرا کر بولی تھی۔ جواباً خاور حیات قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔

''میری بیوی کو کوئی بڈھی گھوڑی بول کر تو دیکھے میں اس کی جان نہیں نکال دوں گا...... اور ویسے بھی تمہاری عمر اتنی بھی نہیں ہے جتنا تم اپنے آپ کو بڑا اور بوڑھا سمجھتی ہو۔'' خاور حیات نے بھی امپورٹڈ بلیک ڈنر سوٹ زیب تن کررکھا تھا سب حورین کی بے حد تعریف کررہے تھے اور حسب معمول ساحرہ کے کلیجے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ نجانے کیوں حورین کو اپنے سامنے پاکر وہ خوانخواہ کمپلیکس میں مبتلا ہوجاتی تھی۔

سمیر شاہ بھی خاور حیات اور دیگر ملنے والوں سے خوش گپیوں میں مصروف تھے جب کہ آج فراز نے بھی پارٹی میں شرکت کی تھی۔ حورین کے اردگرد جب خواتین کا رش چھٹا تو سمیر شاہ بڑی حکمت سے حورین کے پاس چلے آئے ساتھ میں فراز بھی تھا۔

”سمیر بھائی میں سچ میں آج بہت خوش ہوں کہ آپ اپنے ہمراہ اس بے مروت فراز کو بھی لائے ہیں۔ اسے اپنی آنٹی سے ملنے کی بھلا فرصت ہی کہاں ہے۔“ حورین فراز کو دیکھ کر اس پُرلطیف سا طنز کرتے ہوئے سمیر شاہ سے بولی تو فراز تھوڑا کھسیا گیا۔ پھر اپنا کان کھجاتے ہوئے شرمندگی سے بولا۔

”آئی ایم سوری آنٹی یہ واقعی میری غلطی ہے مگر یقین کریں اب آئندہ ایسا نہیں ہوگا میں ٹائم نکال کر آپ سے ضرور ملنے آیا کروں گا...... ویسے سچ میں آنٹی آج آپ بہت زیادہ پریٹی اور بیوٹی فل لگ رہی ہیں۔ آنٹیز تو کیا ساری لڑکیوں کا بھی حسن آپ کے آگے ماند پڑ گیا ہے۔“ آخر میں بے حد شوخی اور لگاوٹ سے بولا تو حورین اپنے مخصوص انداز میں دھیمے سے مسکرائی جب کہ کچھ فاصلے پر کھڑی ساحرہ کے کانوں میں فراز کی آواز بخوبی پڑی تھی۔ اس کا دل جل کر کباب ہوگیا تھا۔

”آپ دونوں یہاں موجود ہیں۔“ ساحرہ کی آواز پر وہ دونوں بے ساختہ مڑے۔

❀......❀......❀......❀

دبیز سیاہی کی چادر اوڑھے آسمان پر جا بجا چمکیلے ننھے منے ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ ان پر نگاہیں ٹکائے کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے افشاں کی پوری ڈبیا آسمان کے اوپر انڈیل دی ہو۔ جب کہ ابتدائی راتوں کا پُرکشش چاند بڑے طمطراق سے بیٹھا اپنی چاندنی بکھیر رہا تھا۔ لالہ رخ اپنے کمرے کے ساتھ ہی چھوٹی سی بالکونی میں بڑی محویت سے آسمان پر خالی الذہن نگاہیں ٹکائے کھڑی تھی جب ہی خاموشی سے مہرینہ اس کے پہلو میں آ کھڑی ہوئی۔ جب کہ لالہ رخ ہنوز آسمان کی جانب تکتی رہی۔ مہرینہ آج کل لالہ رخ کے گھر پر ہی ٹھہری ہوئی تھی۔ دور دور تک پھیلے سناٹے میں صرف جھینگروں کے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ دونوں کے درمیاں خاموشی کا بھاری پردہ حائل تھا۔

”کیا سوچ رہی ہو لالہ؟“ لالہ نے مہرو کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا وہ مسلسل آسمان کو دیکھے گئی۔

”موسم آج کافی بدلا بدلا سا لگ رہا ہے ناں؟“ مہرو یونہی بات کرنے کی غرض سے بولی تو لالہ رخ انتہائی دھیمی آواز میں بولی۔

”ہوں بہت کچھ بدلا بدلا سا محسوس ہو رہا ہے۔“ مہرو نے اسے چونک کر دیکھا پھر ایک بوجھل سی سانس لیتے ہوئے بولی۔

”لالہ میں جانتی ہوں کہ تم تاشو کی وجہ سے بہت اپ سیٹ اور ڈسٹرب ہو۔ ماموں کے انتقال نے اسے شدید صدمے اور شاکڈ سے دوچار کیا ہے۔ تم پریشان مت ہو آہستہ آہستہ وہ اس کیفیت سے ان شاء اللہ باہر نکل آئے گی۔“

”مہرو تاشو کی اس حالت کی میں ذمہ دار ہوں صرف میں۔ آج جو کچھ بھی تاشو پر گزر رہی ہے۔ وہ جو اذیت اور تکلیف سہہ رہی ہے اس کی وجہ میری ذات ہے۔ میں ہوں اس کی مجرم اس کی قصور وار۔“ اس پل جیسے لالہ رخ کی آواز گہرے کنوئیں سے برآمد ہوئی تھی۔ مہرو نے انتہائی متفکرانہ انداز میں اس کی جانب دیکھا جس کا چہرہ ابھی تک آسمان کی جانب تھا۔

”یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو لالہ۔“ جب ہی اس نے رخ اس کی جانب موڑا اور گھوم کر اس کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔

”ہاں میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں مہرو۔ میری وجہ سے زرتاشہ کی یہ حالت ہے اس کی ہر بات درست اور حقیقت پر مبنی ہے...... مہرو میں نے تاشو کے ساتھ اچھا نہیں کیا بہت غلط کیا ہے میں نے۔ مجھ سے کیا ہوگیا مہرو۔“

لالہ رخ کے چہرے پر دکھ پچھتاوے اور تاسف کے جھلکتے رنگوں اور آنکھوں میں نمی دیکھ کر مہرو کا دل دکھ سے بھر گیا۔ لالہ رخ اسے بے حد عزیز تھی اس کی فکر پریشانی اس کے دل کو تڑپا دیتی تھی۔ اس لمحے بھی ایسا ہی ہوا تھا لالہ رخ کی یہ کیفیت اسے بے حد اپ سیٹ کر گئی تھی۔

"تم نے جان بوجھ کر تو تاشو کو ماموں سے دور نہیں رکھا تھا اور پھر تمہیں بھی تو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ ماموں یوں ہم سب کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور......اور!"

"مجھے سب معلوم تھا مہرو کہ ابا......" وہ تھوڑا رکی پھر تیزی سے بولتی چلی گئی۔

"ابا کی جان لیوا مہلک بیماری کی بابت میں سب کچھ جانتی تھی، مگر میں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی ایک تلخ اور وحشت ناک سچائی میرے سامنے کھڑی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سب کچھ باور کراتی رہی......مگر میں پھر بھی اس سے نگاہیں چراتی رہی......مہرو اب مجھے بہت شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے۔ تاشو کے لیے ابا سے بڑھ کر کچھ اور نہیں تھا اور میں نے ابا کے مقابلے میں اس کی پڑھائی کو ترجیح دی۔" لالہ رخ اس وقت اذیت و تکلیف کے جیسے سمندر سے گزر رہی تھی۔ یک دم مہرو کی بھی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔

"مگر پھر بھی لالہ تم یہ تو ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ تاشو کو یہ صدمہ پہنچے وہ آخری وقت میں ماموں سے دور رہے تم نے جان بوجھ کر تو اس کے ساتھ زیادتی نہیں کی۔" مہرو نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر رندھی ہوئی آواز میں کہا تو لالہ رخ نے اس کو لحظہ بھر دیکھا پھر ایک تلخ مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے بولی۔

"جان بوجھ کر نہ سہی مگر مہرو میرے ہاتھوں تاشو کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگئی نا......اگر تاشو ابا کے پاس آجاتی اور ان کے ساتھ کچھ وقت گزار لیتی تو شاید اس کے دل کو قرار آجاتا وہ بھی حوصلے سے یہ غم سہہ جاتی مگر میں نے تو ساری عمر کے لیے اس کی روح اور دل کو ایک کسک میں مبتلا کر دیا......مہرو میں سوچتی ہوں کہ اگر یہی سب کچھ میرے ساتھ ہوتا جو تاشو کے ساتھ ہوا تو......تو میری کیا حالت ہوتی مہرو......؟" بولتے بولتے لالہ رخ کی آنکھیں ساون کی طرح برسنے لگیں ایک سسکی اس کے لبوں سے برآمد ہوئی جب کہ مہرو مہر بہ لب کھڑی بڑی بے چارگی اور لاچاری سے اسے دیکھے گئی۔ اس پل اس کے پاس جیسے لفظ ختم ہوگئے تھے اس نے بے حد نرمی سے لالہ رخ کو اپنے گلے سے لگالیا۔

❁ ❁ ❁ ❁

ماریہ آج کل بہت کوفت اور الجھن کا شکار تھی۔ ولیم تو جیسے اس کا سایہ بن گیا تھا۔ ہمہ وقت وہ ماریہ کے اردگرد منڈلاتا رہتا جب کہ ماریہ صرف جیکولین کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی غرض سے بادل نخواستہ اور زبردستی ولیم کو لفٹ دے رہی تھی۔ وگرنہ تو اس کا دل ولیم کا چہرہ بھی دیکھنے کو نہیں چاہتا تھا آج بھی ایسا ہی ہوا وہ حسب معمول شام کے ایک مخصوص پہر خاموشی سے اپارٹمنٹ سے باہر نکلنے لگی تھی کہ وہ پھر آدھمکا۔

"ولیم تمہیں کوئی اور کام نہیں ہے کیا ابھی تین گھنٹے پہلے ہی میرے ساتھ کالج سے واپس آئے تھے اور میرے ہاتھ کی کافی پی کر گئے تھے۔ کچھ دیر گزری نہیں کہ تم پھر آدھمکے۔" بے ساختہ ماریہ انتہائی تلخی اور روکھائی سے کہہ گئی پہلے تو ولیم نے کافی غور سے ماریہ کو دیکھا جس کے چہرے پر ناگواری اور ناپسندیدگی کے واضح رنگ جھلک رہے تھے۔ اگلے ہی لمحے وہ ڈھٹائی سے ہنسا پھر بڑے رومانی لہجے میں بولا۔

"کیا کروں ڈیئر تمہارے بغیر اب میرا دل ہی نہیں لگتا میں چاہتا ہوں کہ تم ہر وقت ہر پل میری نظروں کے سامنے رہو۔" ولیم کی باتوں نے اسے اندر ہی اندر سرتاپا جھلسا کر رکھ دیا۔

"اوشٹ اپ ولیم......مجھے اس طرح کی باتیں بالکل بھی اچھی نہیں لگتیں اوکے آئندہ احتیاط کرنا۔" وہ بے تحاشہ

ادب کے افق پر چمکتا ستارہ

کامیابی کی پہلی منزل خوب صورتی سے طے کرتے ہوئے
کم وقت میں اپنی پہچان اور اپنا مقام بنانے میں کامیاب ٹھہرا

نومبر 2015ء سے اپنے سفر کا آغاز کرنے والا ماہنامہ حجاب
نومبر 2016ء میں کامیابی کا پہلا سال مکمل کرتے ہوئے
آپ لوگوں کی دعاؤں سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے
حجاب کی سالگرہ نمبر میں دیکھئے اپنی پسندیدہ مصنفین کی تحریریں
ساتھ ہی ملک کے نامور شعرا و ادیبوں سے ملاقات
اس کے علاوہ جو آپ چاہیں اپنی آرا ہمیں فوراً ارسال کریں

کہیں دیر نہ ہو جائے، آج ہی اپنی کاپی ہاکر سے بک کرا لیں

چڑھتے ہوئے اپنے قدم باہر کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔ اس پل وہ دونوں اپارٹمنٹ کے مین گیٹ پر کھڑے تھے۔ اسے چلتا دیکھ کر ولیم بھی تیزی سے اس کے ساتھ چلنے لگا۔

"مگر کیوں میں تمہارا منگیتر ہوں میں ایسی باتیں تم سے نہیں کروں گا تو بھلا کس سے کروں گا تم میری جولیٹ ہو اور میں تمہارا رومیو۔" آخر میں وہ ایک جدت سے بولا تو اس پل ماریہ کا بے اختیار دل چاہا کہ اپنا جوتا اتار کر اس کے سر پر زور سے مارے۔

"ولیم مجھے اس طرح کی بے ہودہ باتیں بالکل پسند نہیں۔" وہ ہنوز چلتے ہوئے کلس کر بولی تو اس بار ولیم قدرے ڈھیلا پڑ گیا اور تیزی سے گویا ہوا۔

"اوکے......اوکے ریلیکس ڈیئر......آئندہ میں کوشش کروں گا کہ تم سے محبت بھری باتیں نہ کروں......اچھا یہ بتاؤ کہ اس وقت تم کہاں جا رہی ہو؟" ولیم کے استفسار پر ماریہ اندر ہی اندر خائف ہوگئی۔ وہ روز روز بہانے بنا کر تھک گئی تھی۔ غصے اور جھنجھلاہٹ میں اس کے ذہن میں ہی نہیں آیا کہ آج وہ ولیم سے کہاں جانے کا کہے گی۔

"تم اس وقت کہاں جا رہی ہو ماریہ؟" ولیم نے اپنا سوال دہرایا تو ماریہ تھوڑا اسٹپٹائی۔ اس پل اس کا ذہن بالکل سوچنے سمجھنے سے عاری ہوگیا تھا برقت بہانہ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔

"وہ میں......کیا تمہیں بتانا ضروری ہے؟" وہ جھنجھلا کر بولی تو ولیم نے اسے کافی حیرت سے دیکھا۔ پھر اگلے ہی لمحے وہ اسے بے پناہ سنجیدہ دکھائی دیا۔ ماریہ کافی نرم پڑ گئی۔ پھر قدرے شرمندگی سے بولی۔

"آئی ایم سوری ولیم دراصل آج کل اسٹڈیز کا پریشر میرے ذہن پر بہت ہے ناں تو میں تم سے تھوڑا روڈ ہوگئی۔" ماریہ کی وضاحت پر ولیم نے اسے مسکرا کر دیکھا پھر کندھے اچکاتے ہوئے مختصراً بولا۔

"اٹس اوکے ڈیئر۔"

❋......❋......❋......❋

"آیئے ساحرہ بھابی۔" حورین ساحرہ کو دیکھ کر خوش دلی سے بولی تو ساحرہ سج سج کر قدم بڑھاتے ہوئے ان کے قریب آن پہنچی۔

"ویسے کچھ دنوں کے بعد ہم لوگ بھی آپ کو انوائٹ کرنے والے ہیں اور اس سے بڑی پارٹی دینے کا ارادہ ہے۔" ساحرہ اتنے بچکانہ اور چیپ انداز میں بولی کہ پاس کھڑے سمیر اور فراز دونوں خفیف سے ہوگئے۔ اس پل ساحرہ کے لب ولہجے میں جلن اور احساس کمتری واضح طور پر جھلک رہی تھی۔

"ہاں......ہاں کیوں نہیں بھابی ماشاء اللہ آپ کی پارٹیز تو ہوتی ہی بے حد شاندار ہیں۔" حورین بڑی دلکشی سے مسکراتے ہوئے بولی تو ساحرہ کی مارے تفاخر کے گردن تن سی گئی۔

"اس میں تو کوئی شک نہیں میری پارٹیز تو ہمارے سوشل سرکل میں بہت زیادہ مشہور ہیں لوگ تو مہینوں اسے یاد رکھتے ہیں۔" رائل بلو کلر کی اسٹائلش سی میکسی گاؤن میں ملبوس ساحرہ اس پل سمیر کو بے حد عامیانہ اور سطحی لگی۔ انہیں اس وقت ساحرہ کے اپنی شریک حیات ہونے پر بہت افسوس ہوا۔ فراز بھی اپنی ماں کی باتوں پر جز بز ہوتا دکھائی دیا۔

"تم دیکھنا حورین کامیش اور سونیا کی شادی میں کتنے اعلیٰ پیمانے پر کروں گی۔ ایسی شادی تو نہ کسی نے دیکھی ہوگی نہ سنی ہوگی۔" ساحرہ کی بات پر فراز کو اب وہاں کھڑا رہنا مشکل ہوگیا وہ ان لوگوں سے ایکس کیوز کر کے باسل کی جانب چلا آیا جو اپنے دوستوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔

"ارے فراز بھائی آیئے ناں ہمیں جوائن کیجیے۔" باسل اس لمحے احمر اور عدیل کے ہمراہ موجود تھا۔ فراز کو دیکھ کر خوش

دلی۔۔۔ بولا تو وہ مسکراتے ہوئے ان لوگوں سے محوکلام ہوگیا۔

❁......❁......❁......❁

دن اپنی مخصوص چال چلتے ہوئے ایک دوسرے کے تعاقب میں نکلتے چلے گئے گرمیوں کی چھٹیاں ختم ہوچکی تھیں۔ جامعہ بھی کھل گئی تھی۔ چھٹیاں گزارنے کے لیے اپنے گھروں کو جانے والے اسٹوڈنٹس واپس ہاسٹل میں آچکے تھے۔ سب کے چہرے بہت تروتازہ اور خوش باش دکھائی دے رہے تھے۔ ایک دوسرے کو اپنی چھٹیوں میں ہونے والی سرگرمیوں کے متعلق بتارہے تھے۔ زرمینہ بھی واپس آچکی تھی مگر وہ زرتاشہ کی طرف سے کچھ متفکر اور الجھن کا شکار تھی۔ زرتاشہ اب تک واپس نہیں آئی تھی اس نے کئی بار اس کے سیل فون پر رابطہ کیا مگر وہ ہر بار اسے بند ملا پھر اس نے لالہ رخ کو فون کیا تو اس کی زبانی اسے زرتاشہ کی حالت کے بارے میں علم ہوا جو ہمہ وقت چپ چاپ گم صم سی پڑی رہتی تھی۔ لالہ رخ اس کو لے کر بے حد پریشان تھی وہ کسی کی بھی بات سننے یا ماننے کو تیار نہ تھی۔ اس تمام عرصے میں امی نے خود کو کافی حد تک سنبھال لیا تھا وہ بھی زرتاشہ کی طبیعت کی وجہ سے بہت متفکر تھیں۔ زرتاشہ جس ڈپریشن کے آکٹوپس میں جکڑی ہوئی تھی اس سے باہر نکلنے کے لیے یہ بے حد ضروری تھا کہ وہ کراچی آکر دوبارہ اپنی پڑھائی میں مصروف ہوجائے مگر وہ تو یہاں آنے کو تیار ہی نہیں تھی۔

"آپ سب میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں میں نے کہہ جو دیا ہے کہ مجھے نہیں جانا کراچی۔ نہیں پڑھنا مجھے آپ لوگ مجھے اکیلا کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔" زرتاشہ انتہائی وحشت زدہ ہوکر چلائی۔ جب کہ امی نے بے پناہ تحیر کے عالم میں اسے دیکھا۔

یہ زرتاشہ تو ان کی تاشو نہیں تھی وہ تو کبھی اونچی آواز میں بات بھی نہیں کرتی تھی۔ کجا کہ اس طرح چیخ و پکار کرنا وہ کچھ دنوں سے یہ بھی دیکھ رہی تھیں کہ لالہ رخ کے ساتھ اس کا رویہ بے انتہا سرد اور اجنبیوں جیسا تھا البتہ وہ مہرینہ سے پھر بھی نرمی سے بات کرلیا کرتی تھی۔

"تاشو یہ تمہیں کیا ہوتا جارہا ہے تم کس لہجے اور انداز میں اپنی لالہ سے بات کررہی ہو۔ تمیز اور تہذیب ہے تمہیں...... بڑی بہن ہے یہ تمہاری۔" امی سے یہ سب برداشت نہیں ہوا تو وہ اپنے غصے اور ناگواری کا برملا اظہار کرتی چلی گئیں۔ جب کہ ان کی بات سن کر زرتاشہ نے بے حد رکھائی سے اپنا منہ دوسری جانب پھیرا تھا۔ لالہ رخ امی کو مشتعل دیکھ کر گھبرا اٹھی۔

"امی آ...... آپ میرے ساتھ باہر آئیے۔" وہ بے اختیار جلدی سے ان کا بازو پکڑ کر بولی پھر حیرانی و پریشانی میں گھری امی کو کمرے سے باہر لے آئی۔

"لالہ یہ...... یہ تاشو کو کیا ہوتا جارہا ہے وہ تمہارے ساتھ ایسا سلوک کیوں کررہی ہے؟" امی بے حد متعجب ہوکر کافی دل گرفتگی سے بولیں تو لالہ رخ نے انہیں شانوں سے تھام کر صحن میں بچھے تخت پر بٹھایا۔

"امی آپ فکر مت کریں ان شاءاللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ وہ چھوٹی ہے امی اسے ابا کے جانے کا بے حد صدمہ ہے اسی وجہ سے اس کے رویے میں تلخی و کڑواہٹ آگئی ہے۔" وہ انہیں پیار و نرمی سے سمجھاتے ہوئے بولی تو امی نے بے انتہا الجھ کر لالہ رخ کو دیکھا۔

"مگر بیٹا وہ یوں تمہارے......"

"اچھا چھوڑیں ان باتوں کو آپ یہاں بیٹھیں میں چائے تیار کرکے لاتی ہوں۔" وہ تیزی سے کچن کی جانب بڑھی تو امی اس کی پشت کو بس دیکھتی رہ گئیں۔

کامیش شاہ اور سونیا خان کی شادی کی تیاریاں بڑے زور وشور سے جاری تھیں۔ ساحرہ بے حد خوش اور ایکسائیٹڈ ہو کر تمام شاپنگ خود کررہی تھی اس نے ڈرائنگ روم ڈائننگ ہال اور اپنے کمرے کا فرنیچر بھی تبدیل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور انہی سب میں ان دنوں وہ گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ جب کہ کامیش شاہ اپنی ڈیوٹی میں آج کل بہت زیادہ مصروف تھا ایک کیس کے سلسلے میں وہ دس دن بہاول پور میں گزار کر آیا تھا اور یہاں آتے ہی وہ دوبارہ اسی کیس میں لگ گیا تھا۔ فراز اس سے سونیا کی بابت بات کرنا چاہ رہا تھا مگر اتنے دنوں میں اسے کوئی مناسب موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔ آج کامیش کو فرصت ملی تو وہ سر شام تھکا ماندہ گھر چلا آیا۔ نہا دھو کر سفید کرتا شلوار پہن کر تولیے سے اپنے بالوں کو رگڑتا ہوا کمرے میں آیا تو وہاں فراز کو موجود پا کر دھیرے سے مسکرا دیا۔

''کیسے ہو بھائی۔ آج اتنے دنوں بعد تمہارا رخ روشن دیکھنے کا شرف مل رہا ہے۔'' فراز اسے دیکھ کر شوخی سے بولا تو کامیش بے اختیار ہنس دیا پھر سہولت سے گویا ہوا۔

''یار ایک کیس میں بہت دنوں سے گھن چکر بنا ہوا تھا بچے اسمگل کرنے والوں کا ایک گینگ تھا جنہیں آج علی الصبح چھاپا مار کر پکڑ لیا ہے' تھینک گاڈ فراز۔ ہماری اتنے دنوں کی انتھک محنت رنگ لائی ورنہ یہ گینگ ہر بار پولیس کو بڑی آسانی سے غچہ دے جاتا تھا۔'' فراز نے بڑی توجہ اور دلچسپی سے اس کی بات سنی پھر خوش ہو کر سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''ویل ڈن مائی براور تمہیں یہ کامیابی مبارک ہو۔''

''تھینکس فراز......'' وہ مختصراً بولا تو فراز دھیرے سے گلا کھنکھار کر اپنے اصل مدعے پر آتے ہوئے کہنے لگا۔

''دراصل کامیش میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا تھا۔'' کامیش جو ڈریسنگ کے آئینے کے سامنے کھڑا بال سنوار رہا تھا آئینے کی سطح پر فراز کے جھلکتے ہوئے عکس کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں ہاں بات کرو پلیز۔''

''کامیش تم تو جانتے ہونا کہ آج کل گھر میں تمہاری اور سونیا کی شادی کی تیاریاں چل رہی ہیں۔'' فراز کی بات پر کامیش نے محض اثبات میں سر ہلایا تو فراز دوبارہ اپنی بات کا سلسلہ جوڑتے ہوئے گویا ہوا۔

''کامیش تم اپنے دل کی آمادگی سے سونیا کے ساتھ شادی کرنے پر رضامند ہوئے ہونا...... میرا مطلب ہے کہ کیا وہ تمہیں پسند ہے یا پھر محض مام کے کہنے پر تم یہ سب کررہے ہو؟'' کامیش نے رخ موڑ کر فراز کی طرف دیکھا پھر دھیرے سے چلتا ہوا اس کے مقابل کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''فراز میں ذرا مختلف مزاج کا لڑکا ہوں اپنی اسٹڈیز اور ایکٹویٹیز میں اتنا بزی رہا کہ کسی لڑکی کو پسند کرنے کا یا دل دینے کا خیال ہی نہیں آیا یوں سمجھ لو کہ یہ سب باتیں میرے لیے بے حد فضول اور بچکانہ رہیں لہٰذا اس طرف کبھی دھیان ہی نہیں دیا......'' وہ خود ہی ہنس کر بولا پھر مزید گویا ہوا۔

''رہا سونیا کا سوال تو وہ بھی دوسری لڑکیوں کی طرح میرے لیے ایک عام لڑکی ہے مام نے مجھے سونیا سے شادی کرنے پر فورس کیا تو میں ان کی خاطر مان گیا دیٹس اٹ۔''

''مگر کامیش اپنی شریک سفر کے حوالے سے تم نے کوئی تو خاکہ اپنے ذہن میں اور دل میں بنایا ہوگا نا تم مام کے کہنے پر زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کررہے ہو۔'' فراز بے اختیار بول اٹھا۔ جب کہ کامیش اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''ڈیئر براور میں نے تمہیں بتایا نا کہ مجھے اس صنف میں کبھی دلچسپی نہیں رہی تو پھر خاکہ کیا بناتا۔'' فراز نے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

کامیش کی اس موضوع پر بے پروائی اور عدم دلچسپی دیکھی تو مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے دوسرے حوالے سے گفتگو کرنے لگا۔

❀......❀......❀......❀
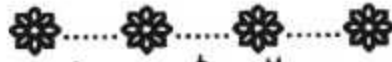
یونیورسٹی میں یکے بعد دیگرے مختلف پیپرز کے رزلٹس نوٹس بورڈ پر لگ چکے تھے۔ زرتاشہ اور زرینہ دونوں بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوئی تھیں۔ زرینہ کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا زرتاشہ سر شرجیل کے پیپر میں بھی بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے زرتاشہ کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی تھی۔ اس نے بے حد خوشی و مسرت سے زرتاشہ کو فون پر اطلاع دی تو جواباً زرتاشہ نے ویسے ہی سرد مہری کا اظہار کیا جواب تک زرینہ سے کرتی چلی آئی تھی۔ زرتاشہ اسے کچھ کہتے کہتے رکی پھر دوسرے ہی لمحے بے حد منت بھرے لہجے میں لجاجت سے بولی۔

''پلیز میری سہیلی واپس آجانا میں تجھے بہت مس کرتی ہوں...... دیکھو تاشو تم دوبارہ آ کر اپنی پڑھائی شروع کروں گی نا تو یقیناً ابا کی روح اس سے بے پناہ خوش ہوگی پلیز میری اچھی سہیلی میری بات مان جاؤ نا۔'' اور اس پل بے ساختہ زرتاشہ کو ابا کی یاد بری طرح تڑپا گئی اس کے پاس ہونے پر کتنا خوش ہوتے اس کے لبوں سے ایک سسکی برآمد ہوئی تھی پھر بنا کچھ کہے اس نے فون بند کر دیا تو زرینہ مارے بے بسی کے اپنے سیل فون کو دیکھتی رہ گئی۔

سر شرجیل کی کلاس میں آج سارے ہی اسٹوڈنٹس خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وہ ہر ایک سے ان کی چھٹیوں کی بابت پوچھ رہے تھے پھر یک دم زرینہ سے مخاطب ہو کر بولے۔

''زرینہ آپ کی دوست زرتاشہ کے والد کا انتقال کا سن کر بہت افسوس ہوا آپ پلیز میری جانب سے ان سے دکھ کا اظہار کر دیجیے گا۔'' سر شرجیل بے حد سنجیدگی سے بولے تو یک دم پوری کلاس میں سناٹا چھا گیا سب خاموشی سے ان کی بات کو سنے لگے۔

''جی سر بالکل میں زرتاشہ کو آپ کا پیغام پہنچا دوں گی۔'' وہ اتنا ہی کہہ سکی پھر سر شرجیل ایک گہری سانس کھینچ کر تمام کلاس پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے بولے۔

''گائز آپ سب سے مجھے ایک بات کہنی ہے۔'' وہ کچھ توقف کے لیے رکے تو سب اسٹوڈنٹس نے حیران کن نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

''آپ لوگوں کے لیے اس پل سب سے قیمتی چیز وقت ہے یہ وقت جو آپ اس یونیورسٹی میں گزار رہے ہیں یہ کبھی واپس نہیں آئے گا اور یہی وقت آپ کے مستقبل کا تعین کرے گا۔ اگر آپ نے اس قیمتی چیز کی قدر نہ کرتے ہوئے اسے فضول کی مشغول اور کھیل تماشوں میں ضائع کر دیا تو یہ آپ کو بھی ہمیشہ کے لیے ضائع کر دے گا اور اگر آپ نے اس کا بھرپور استعمال کر کے اسے عقل و سمجھ کے ساتھ گزارا تو یہ آپ کے مستقبل کو بے حد روشن اور تابناک بنا دے گا۔ لہٰذا اس کی قدر و منزلت کو ضرور سمجھیے گا اور دوسری اہم بات ایک انسان ہونے کے ناطے ہر انسان کی عزت و توقیر کیجیے گا کسی کو حقیر و ادنیٰ سمجھ کر یا پھر اس کو کمزور جان کر اس کا ناجائز فائدہ مت اٹھائیے گا۔''

''اف...... یہ سر کو کیا ہو گیا یہ تو ہمیں وعظ ہی دینے لگیں۔'' عروبہ جو زرینہ کی پچھلی رو میں بیٹھی تھی اس کی ناگوار سی سرگوشی زرینہ کے کانوں میں باآسانی پہنچی تھی۔

''اور اب جو بات میں آپ سب سے کہنے والا ہوں وہ یہ ہے کہ میں نے اپنا ٹرانسفر اسلام آباد یونیورسٹی میں کروا لیا ہے۔''

"کیا...... ہائیں...... کیوں...... اوہ تو...... مگر کیوں سر؟" اس طرح کی کئی ایک آوازوں سے کلاس روم میں ایک شور سا اٹھا۔

"یہ کیا بات ہوئی سر آپ نے اپنا ٹرانسفر اسلام آباد کیوں کروالیا کیا کراچی والے آپ کو پسند نہیں آئے یا پھر ہم لوگوں سے کوئی خطا ہوگئی؟" ان کی کلاس کا نٹ کھٹ سا اسٹوڈنٹ دانیال کافی افسوس سے بولا تو تقریباً سب نے ہی اس کی بات کی تائید کی۔

"یس سر۔ کیا ہم لوگ آپ کو اچھے نہیں لگے یا پھر ہم سے کوئی خطا ہوگئی جو آپ ہمیں یہ سزا دے رہے ہیں۔" کوئی دوسرا اسٹوڈنٹ بولا تھا جواباً سر شرجیل کے ہونٹوں پر دلکش سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اوہ تو یہ کہانی تھی اتنے دنوں سے یہ مجھے اسی لیے اگنور کر رہے تھے مجھ سے فون پر بھی کوئی بات چیت نہیں کر رہے تھے۔ اونہہ مائی فٹ فلرٹی کہیں کا۔" عروبہ عظیم جلبلا کر بولی اس کی آواز ایک بار پھر بخوبی زرمینہ کی سماعت تک پہنچی تھی عروبہ کا موڈ اس لمحے بے حد خراب ہو چکا تھا۔

"گائز ایسی کوئی بھی بات نہیں ہے آپ لوگ بہت اچھے اور لونگ ہیں۔ میں آپ سب کو ہمیشہ یاد رکھوں گا میری کچھ پرسنل پرابلمز تھیں جس کے سبب یہ سب کچھ ہوا۔ امید ہے آپ مجھے اور میری باتوں کو ہمیشہ......" پل کی پل سر شرجیل کی توجہ ہٹی عروبہ اپنے پورے گروپ سمیت سیٹ چھوڑ کر باہر کی جانب بڑھی تھی۔ تمام اسٹوڈنٹس نے مڑ کر انہیں دیکھا پھر کچھ ثانیے بعد انہوں نے اپنا سر جھٹکا اور دوبارہ اپنا کلام جوڑا۔

"ہمیشہ یاد رکھیں گے۔" کچھ دیر وہ اسٹوڈنٹس کے سوالوں اور شکووں کا جواب مسکرا کر دیتے رہے پھر ڈائس چھوڑ کر کلاس روم کے دروازے کی طرف بڑھے تو زرمینہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سر شرجیل پل بھر کے لیے زرمینہ کے پاس رکے۔

"مس زرمینہ مجھے آپ سے بات کرنی ہے پلیز ذرا دو منٹ کے لیے میرے روم میں آیئے۔" یہ کہہ کر وہ یہ جا وہ جا۔ جب کہ زرمینہ عجیب سی کیفیت میں گھری کھڑی رہ گئی۔

❀ ❀ ❀ ❀

فراز شاہ نے لالہ رخ سے خیریت دریافت کرنے کے لیے فون کیا تو اس نے بہت اخلاق اور سبھاؤ سے بات کی۔ زرمینہ فراز کو زرتاشہ کی دماغی کیفیت اور ذہنی انتشار کی بابت سب کچھ بتا چکی تھی مگر اس وقت فراز چاہتا تھا کہ لالہ رخ خود اپنے منہ سے زرتاشہ کے بارے میں اسے بتائے جب فراز نے اندازہ کرلیا کہ لالہ رخ محض رسماً اِدھر اُدھر کی گفتگو کر رہی تھی۔ تب ہی وہ خود ہی بات کرنے کا فیصلہ کر کے سہولت سے بولا۔

"مس لالہ رخ زرمینہ نے مجھے زرتاشہ کے حوالے سے بتایا مجھے افسوس ہے کہ وہ اس پل انتہائی اندرونی خلفشار اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔" یوں اچانک غیر متوقع طور پر فراز شاہ کی زبان سے یہ بات سن کر لالہ رخ چند ثانیے کے لیے بالکل خاموش سی رہ گئی جب کہ فراز اپنے تصور کی آنکھوں سے اس پل لالہ رخ کو بخوبی دیکھ رہا تھا۔

"آپ پلیز گھبرایئے نہیں، زرتاشہ کی یہ کیفیت وقتی ہے اسے بہت بڑا شاکڈ لگا ہے لہٰذا سنبھلنے میں کچھ تو وقت درکار ہوگا مجھے پورا یقین ہے کہ وہ ان شاء اللہ جلد ہی اس کیفیت سے باہر آ کر نارمل ہو جائے گی۔" فراز اپنے دھیمے انداز میں بولتا چلا گیا۔

قدرت کچھ لوگوں کی شخصیت اور ان کی باتوں میں ایسی تاثیر عطا کر دیتی ہے جس کی بدولت مقابل ان کے لفظوں کو آسانی سے نظر انداز نہیں کر پاتا وہ نہیں نہ نہیں ان کے وجود پر ضرور اثر انداز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فراز شاہ کی

بھی شخصیت اور باتوں میں عجیب سی کشش ڈال رکھی تھی جس کی وجہ سے سامنے والا اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کرسکتا تھا لالہ رخ بھی متاثر ہوگئی تھی۔ پھر ایک گہری سانس کھینچ کر گویا ہوئی۔

''فراز صاحب غلطی میری ہی تھی جو میں نے تاشو سے ابا کی حقیقت کو چھپائے رکھا۔''

''لیکن آپ کی نیت صاف تھی آپ کا مقصد یہ ہرگز نہیں تھا کہ زرتاشہ اپنے ابا کے آخری وقت میں ان کے پاس نہ ہو۔ پلیز لالہ رخ آپ خود کو موردِ الزام مت ٹھہرائیے ورنہ اس طرح تو مشکلات میں اور اضافہ ہوجائے گا۔'' لالہ رخ کے لہجے میں ندامت وتاسف کے رنگوں کو محسوس کرکے فراز سمجھانے والے انداز میں بولا تو لالا رخ بے اختیار اسے بتانے لگی۔

''زرتاشہ نے یونیورسٹی جانے سے بھی انکار کردیا ہے۔ پڑھائی وڑھائی سب چھوڑ چھاڑ کر وہ بس بند کمرے میں بڑی ابا کو یاد کرتی رہتی ہے امی بھی اس کی وجہ سے بہت پریشان رہنے لگی ہیں۔ فراز صاحب تاشو اپنے آپ کو اذیت دے رہی ہے اور اس کی اذیت وتکلیف مجھ سے نہیں دیکھی جارہی۔'' اس وقت لالہ رخ نے بے حد دقتوں سے خود کو فراز کے سامنے سنبھال رکھا تھا وگرنہ اتنا مہربان انداز سن کر اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردے۔

''آپ پریشان نہ ہو لالہ رخ میں زرتاشہ سے بات کرکے اسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔'' فراز شاہ کچھ سوچ کر قدرے توقف کے بعد بولا تو وہ بے اختیار چونکی پھر اگلے ہی لمحے پُرمسرت لہجے میں گویا ہوئی۔

''آپ بات کریں گے نا تاشو سے......؟''

''جی میں اسے بھرپور طور پر راضی کرنے کی کوشش کروں گا آپ فکر مت کیجیے وہ ان شاء اللہ میری بات ضرور مان جائے گی۔'' اس وقت فراز کے لہجے کا یقین اور مضبوطی اسے بے پناہ تقویت دے گئی وہ خوشی سے بولی۔

''پلیز فراز صاحب آپ اسے راضی کرلیجیے اسے یونیورسٹی جوائن کرنے پر آمادہ کرلیجیے۔''

''میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔''

''اوہ تھینک یو فراز صاحب تھینک یو سوچ۔''

''اٹس اوکے۔'' وہ زیرلب مسکرا کر بولا پھر اللہ حافظ کہہ کر اس نے فون بند کیا تو ایک بار پھر لالہ رخ کا تصور میں خوشی سے گلنار چہرہ دیکھ کر دھیرے سے مسکرادیا۔

❀......❀......❀......❀

''مے آئی کم ان سر......'' زرینہ سرشرجیل کے روم کے دروازے پر مہذب انداز میں بولی تو کسی فائل پر سر جھکائے سرشرجیل نے سرعت سے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ ڈارک گرین رنگ کے سوٹ میں سر پر ڈوپٹہ جمائے وہ بہت خوداعتمادی سے کھڑی تھی۔

''پلیز آئیے مس زرینہ۔'' سرشرجیل انتہائی خوش اخلاقی سے بولے تو زرینہ سہولت سے چلتی ہوئی ان کی میز کے قریب آئی اور ان کے اشارے پر سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ سرشرجیل اپنی دونوں کہنیاں میز پر ٹکائے دونوں ہاتھوں کو آپس میں جوڑے اس پر تھوڑی جمائے کچھ دیر میز کو پُرسوچ نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ زرینہ خاموشی سے بیٹھی ان کے بولنے کی منتظر تھی۔ تب ہی سرشرجیل ایک ہنکارا بھر کر گویا ہوئے۔

''مس زرینہ بسا اوقات ہمارے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ جو عمل یا کام ہم کررہے ہوتے ہیں ہمیں یہ جاننے یا سمجھنے میں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہوتی کہ آیا ہمارا وہ عمل مناسب ہے یا نہیں۔ پھر خوش قسمتی سے ہماری زندگی میں وہ لمحہ آتا ہے

جو ہمارے ضمیر کو جھنجھوڑ دیتا ہے ہمیں اپنے غلط ہونے کا احساس دلاتا ہے اور ہم بڑی سرعت سے آگہی کی منزل پر پہنچ کر ندامت و شرمندگی کے مقام پر جا پہنچتے ہیں۔'' زرمینہ نے بہت غور و خوض سے سر شرجیل کی باتیں سنی مگر ابھی بھی ان کی باتوں کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا تھا جب وہ خاموش ہوئے تب ہی وہ نرمی سے گویا ہوئی۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں سر کبھی کبھار ادراک اور آگہی و شعور کی روشنی بالکل ہمارے سامنے موجود ہوتی ہیں مگر پھر بھی نجانے کیوں جان بوجھ کر اس سے نگاہیں چرا کر اندھیروں میں بھٹکتے رہتے ہیں اور خود کو دھوکہ دیتے ہیں۔''

''آپ کی بات سے میں اتفاق کروں گا۔ زرمینہ...... مگر اپنی غلطی اور غلط ہونے کا ہمیں اگر احساس ہو جائے تو پھر سامنے والے کو معاف کر دینا چاہیے۔''

''میں آپ کی بات نہیں سمجھی سر۔'' زرمینہ سر شرجیل کی مبہم بات پر کچھ الجھ کر بولی۔ زرمینہ کو کنفیوز سا بیٹھا دیکھ کر شرجیل نے ایک گہری سانس بھری پھر گمبھیر لہجے میں گویا ہوا۔

''زرمینہ میں آپ کی فرینڈ زرتاشہ سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔'' سر شرجیل کے منہ سے اس پل انتہائی غیر متوقع بات سن کر زرمینہ بے ساختہ حیرت سے قدرے اچھلی پھر دوسرے ہی لمحے اس نے انتہائی نا سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھا۔ شرجیل زرمینہ کی کیفیت سمجھتے ہوئے ہولے سے مسکرائے پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے ہنوز لہجے میں بولے۔

''مجھے اس بات کا بخوبی احساس ہو گیا ہے کہ میرا طرز عمل آپ کی دوست کے ساتھ انتہائی غیر مہذب اور غلط تھا ایک استاد ہونے کی حیثیت سے مجھے ایسی باتیں بالکل نہیں کرنی چاہیے تھیں۔ آپ کی سہیلی نے بالکل ٹھیک کہا تھا مجھے شدت سے اپنے غلط ہونے کا احساس ہو گیا ہے...... مگر زرمینہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم خود تو بڑے مگن ہو کر سیدھے راستے پر سہولت سے چل رہے ہوتے ہیں مگر سامنے سے آتا کوئی انسان ہمارے قدموں کو ڈگمگا کر ہمیں غلط راستے پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ کہتے ہیں نا برائی میں بہت کشش اور طاقت ہوتی ہے۔''

''مگر سر اچھائی کو لاکھ برائی کے پردوں میں چھپا دیا جائے اس کی ہلکی سی کرن برائی کے دبیز اندھیروں کا پردہ ایک ہی جست میں تار تار کر دیتی ہے۔'' بغور سر شرجیل کی باتوں کو سنتی زرمینہ کے منہ سے بے اختیار نکلا تو سر شرجیل نے تائیدی انداز میں اپنا سر تیزی سے اثبات میں ہلایا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ عروبہ عظیم جیسی لڑکیاں راہ سے بھٹکا دینے والی ہوتی ہیں اور زرتاشہ جیسی لڑکیاں نیکی و بھلائی کی شفاف روشنی ہوتی ہیں جس کے آگے برائی اپنی موت آپ مر جاتی ہے۔'' اس وقت سر شرجیل زرمینہ کو حیران پہ حیران کر رہے تھے۔

''آپ پلیز میرے رویے اور عمل کی مس زرتاشہ کو ضرور معافی بھجوا دیجیے گا اگر وہ یہاں ہوتیں تو میں خود ان سے سوری کرتا مگر فون پر بات کرنا مجھے کچھ مناسب نہیں لگا۔ لہٰذا اپنے دل کی بات میں آپ سے کہہ گیا مجھے امید ہے کہ آپ میرا میسج ان تک پہنچا دیں گی۔'' وہ ہموار لہجے میں بولے تو دوسرے ہی پل زرمینہ دلکشی سے مسکرا کر گویا ہوئی۔

''کیوں نہیں سر میں آپ کا میسج ضرور زرتاشہ کو پہنچاؤں گی اور مجھے یقین ہے کہ آپ کا سوری بھی ضرور قبول کر لے گی غلط کرنا اتنا فکر انگیز...... نہیں جتنا غلط کر کے اسے غلط نہ ماننا ہوتا ہے آپ کو اس چیز کا احساس ہو گیا اس سے اچھی اور کیا بات ہو گی...... ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں سر اور ہماری دعا ہے کہ زندگی کے کسی بھی لمحہ اور مقام پر آپ کو دوبارہ بھی کسی کے سامنے نادم اور شرمندہ نہ ہونا پڑے آمین۔'' آخری جملہ اس نے انتہائی خلوص و محبت سے ادا کیا تو سر شرجیل نے اسے بہت تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

''تھینک یو...... تھینک یو سو مچ زرمینہ...... میری بھی دعا ہے کہ آپ دونوں ہمیشہ خوش اور کامیاب رہیں۔'' وہ ممنون

سے ہو کر بولے تو زرمینہ ان سے اجازت لے کر اور اللہ حافظ کہہ کر ان کے کمرے سے ہلکی پھلکی ہو کر باہر نکل آئی۔

❀......❀......❀......❀

دن تو جیسے پر لگا کر اڑ رہے تھے آج سونیا کا مایوں تھا۔ فراز شاہ نے ان دنوں اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر سونیا کی شادی میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ وہ اسے دو تین مرتبہ خود شاپنگ پر بھی لے کر گیا تھا یہ حقیقت تھی کہ سونیا اس کی بچپن کی دوست تھی اور وہ اس کی شادی میں اپنی طرف سے کوئی نہیں رکھنا چاہتا تھا مگر نجانے کیوں اندر ہی اندر وہ کافی الجھن میں مبتلا تھا بظاہر تو سب ٹھیک دکھائی دے رہا تھا سونیا خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھی اور گھر والے بھی اس شادی سے کافی مسرت میں مبتلا تھے جب کہ کامیش بھی اپنے نارمل انداز میں اپنی جاب میں مصروف تھا ایک آدھ بار وہ بھی ان دونوں کے ہمراہ شاپنگ پر گیا تھا اس کا مطلب تھا کہ سونیا اعظم خان کو اپنی لائف پارٹنر بنانے میں کوئی اعتراض نہیں تھا۔

آج مایوں کا اہتمام سونیا کے گھر کے وسیع و عریض لان میں ہی کیا گیا تھا اور فراز نے خود ایونٹ مینجمنٹ کے ساتھ مل کر مایوں کا اسٹیج بے حد خوب صورتی اور دلکشی کے ساتھ سجایا تھا۔ پورے لان کو گیندے اور بیلے کی کلیوں کے ساتھ انتہائی آرٹسٹک طریقے سے سجایا گیا تھا۔ اس پل فراز بے حد تھک گیا تھا سونیا اسے دیکھ کر بے ساختہ زور سے ہنسی۔

"فراز یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے اپنا۔ ذرا آئینہ میں جا کر خود کو دیکھو اس وقت کوئی مزدور لگ رہے ہو تم او مائی گاڈ سر سے پیر تک گرد میں اٹے ہوئے ہو۔"

"ہاں...... ہاں ہنس لو مجھے پر...... مذاق اڑا لو یہاں تو خلوص کی کوئی قدر ہی نہیں ہے۔ میں یعنی فراز شاہ اپنی بیسٹ فرینڈ کی مایوں کا اسٹیج دل و جان سے سجا رہا ہوں اور لوگ ہیں کہ ہم پر ہنس رہے ہیں ٹھیک ہے بھئی۔" فراز مصنوعی طور پر برا مانتے ہوئے بولا۔ تو وہ کھلکھلا کر ایک بار پھر ہنسنے لگی۔

"تم سے بڑا ڈرامے باز کوئی نہیں ہے بھئی...... اچھا اب جاؤ گھر اور جلدی سے تیار ہو کر آؤ مہمان بھی آنے والے ہوں گے اور سنو تم لیٹ بالکل نہیں ہونا آخر میرے بیسٹ فرینڈ ہو تمہیں یہاں سب سے پہلے موجود ہونا چاہیے انڈر اسٹینڈ۔" آخر میں وہ قطعیت بھرے انداز میں بولی تو فراز اپنے سینے پر اپنا بایاں ہاتھ رکھ کر سر کو قدرے جھکا کر بولا۔

"یس مادام اور کوئی حکم۔" سونیا اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اٹھلا کر بولی۔

"نہیں فی الحال اتنا ہی۔" فراز یک دم "اوکے" کہہ کر باہر کی جانب پلٹا تو یک لخت سونیا نے اپنے لبوں کو سختی سے بھینچا چہرے کی مسکراہٹ آن واحد میں غائب ہوگئی اور چہرے پر انتہائی ناقابل فہم تاثرات ابھر آئے پھر چند ثانیے وہ یونہی کھڑی کچھ سوچتی رہی اور پھر اگلے ہی پل اس کے ہونٹوں پر انتہائی پراسرار سی مسکراہٹ امڈ آئی تھی۔

❀......❀......❀......❀

سلونی شام بے حد سہانی تھی ماریہ نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکا تو زندگی معمول کے مطابق رواں دواں نظر آئی۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف دکھائی دیئے وہ چند ثانیے یونہی کھڑی رہی۔ اس وقت ذہن کہیں اور محوِ پرواز تھا آج ابرام گھر پر ہی موجود تھا۔ یک دم کمرے کی دیوار پر لگی وال کلاک نے پانچ بجے کا اعلان کیا تو بے ساختہ اس نے نگاہ اٹھا کر گھڑی کی جانب دیکھا۔ حسب عادت اپنی کشادہ پیشانی کھڑکی کے گلاس پر ٹکا دی پچھلے دو دنوں سے وہ اپنی مطلوبہ جگہ پر جانے سے قاصر رہی تھی اور اس کی وجہ ابرام کی گھر میں موجودگی تھی۔ وہ دو دن سے مسلسل گھر پر ہی تھا اور ماریہ اس کی موجودگی میں گھر سے باہر نکلنے کا رسک نہیں لینا چاہتی تھی۔ اس پل اس کا دل کسی بے چین پنچھی کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گیا تھا۔ اپنی مطلوبہ جگہ جانے کی خواہش اب اضطراب بن کر اس کے اندر ایک

بے چینی سی پھیلا گئی تھی وہ بے ساختہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں سے چبانے لگی۔ زندگی میں آج پہلی بار اپنے عزیز از جان بھائی کی گھر میں موجودگی اسے الجھن میں مبتلا کررہی تھی وہ کافی دیر یونہی کھڑی رہی پھر اسی سادے سے حلیے میں اپنا اوورکوٹ پہن کر کمرے سے باہر نکل آئی جب وہ اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول رہی تھی تب ہی عقب سے اسے ابرام کی گھمبیر آواز سنائی دی۔

''ہنی اس وقت کہاں جارہی ہو؟'' ابرام کے استفسار پر وہ چند پل کے لیے ٹھٹکی مگر پھر دوسرے ہی لمحے وہ نارمل انداز میں بولی۔

''کہیں نہیں برو بس ذرا نیچے پارک تک جارہی تھی۔'' اس نے اپنے گھر کے بالکل قریب کے پارک کا نام لیا تو ابرام گویا ہوا۔

''او کے تم ایک منٹ ٹھہرو، میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔'' پھر کچھ ہی دیر میں وہ دونوں پارک کی دبیز اور سبز گھاس میں چہل قدمی کررہے تھے۔ ابرام اس سے کالج اور پڑھائی کے بابت پوچھتا رہا جب کہ وہ مختصراً اسے بتاتی رہی جب ہی اچانک وہ بولا۔

''ماریہ تم آج کل روز شام کو کہاں جاتی ہو؟'' بے حد غیر متوقع سوال پر ماریہ کے قدم بے ساختہ رکے۔ دل جیسے اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ہاتھ پیروں میں یک دم سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

''اوہ نو...... یہ برو کو کیسے پتہ چلا کہ میں شام کو کہیں جاتی ہوں۔'' وہ انتہائی متوحش ہو کر دل ہی دل میں خود سے بولی۔ ماریہ کو اپنی جگہ رکتا دیکھ کر ابرام بھی اس کے قریب ٹھہر گیا۔ جب کہ ماریہ نے اسے شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔

''تو میری جاسوسی کررہے ہیں؟'' اس کے لہجے میں ناگواری وناپسندیدگی کے رنگوں کو محسوس کرکے ابرام سہولت سے مسکرا دیا۔

''تم......خوامخواہ میں مجھ سے بدگمان ہورہی ہو ڈیئر ایسی کوئی بات نہیں ہے میں نے تم سے یونہی پوچھ لیا۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا تو ماریہ ایک بار پھر چلنے لگی۔ جب کہ ابرام نے بھی اس کی تقلید کی۔

''کیا میں اپنی مرضی سے کہیں آ جا نہیں سکتی؟ یا پھر ہر بات کے لیے مجھے آپ کو جواب دینا پڑے گا۔'' وہ ہنوز لہجے میں بولی تو ابرام نے اپنے پہلو میں چلتی ہوئی ماریہ کو سنجیدگی سے دیکھا پھر دھیرے سے بولا۔

''تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو ماریہ۔ جیسا تم سوچ رہی ہو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' یک دم ماریہ کو احساس ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی اوورری ایکٹ کرگئی ہے۔ تب ہی وہ خود کو سنبھال کر قدرے شرمندگی سے گویا ہوئی۔

''آئی ایم سوری برو ایکچو لی میں ابھی تک خود کو مکمل ٹھیک محسوس نہیں کررہی بس چھوٹی چھوٹی بات پر آج کل یونہی غصہ آ جاتا ہے۔'' ماریہ کی وضاحت پر ابرام نے اسے مسکرا کر دیکھا اور پھر کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

''اٹس او کے ڈیئر...... میں سمجھ سکتا ہوں تم ایک مشکل دور سے گزر رہی ہو۔ اسی لیے طبیعت میں چڑچڑا پن آ ہی جاتا ہے۔'' ماریہ نے تائیدی انداز میں سر ہلایا تو وہ مزید گویا ہوا۔

''ایکچو لی میں کسی کام کی وجہ سے گھر آیا تو تم گھر پر نہیں تھیں۔ دوسرے دن بھی اتفاق سے گھر پہنچا تو اس وقت بھی تم گھر سے باہر تھیں بس اسی لیے تم سے پوچھ لیا۔'' ماریہ یہ سب سن کر اندر ہی اندر خائف ہوگئی۔

''ایک بار تو میں بک شاپ چلی گئی تھی اور ایک دفعہ ولیم کے ساتھ آؤٹنگ پر نکل گئی تھی۔'' وہ سہولت سے اپنے انداز کو سرسری سا بناتے ہوئے بولی تو ابرام نے محض سر ہلایا پھر ابرام اور ماریہ کچھ دیر بعد واپس گھر کی جانب چل دیئے۔

فراز شاہ نے زرتاشہ کو نجانے کون سے دلائل دے کر سمجھایا تھا کہ وہ یونیورسٹی جوائن کرنے پر آمادہ ہوگئی تھی۔
زرتاشہ کو حامی بھرتے دیکھ کر لالہ رخ بے پناہ خوش ہوئی تھی جس نے خود آ کر اس سے کہا تھا کہ وہ واپس کراچی جانا چاہتی ہے مگر اس نے لالہ رخ کو اپنے ساتھ چلنے کے لیے سختی سے منع کر دیا تھا وہ اکیلے ہی کراچی جانا چاہتی تھی مگر لالہ رخ اسے یوں تن تنہا وہ بھی اس کیفیت میں ہرگز جانے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ مہرینہ نے بھی اسے بہت سمجھایا تھا کہ بھلا وہ اتنی دور اکیلے کیسے جاسکتی ہے مگر وہ تو لالہ رخ کا چہرہ بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی کجا اس کے ساتھ سفر کرنا۔
یہاں پر بھی لالہ رخ نے فراز شاہ سے مدد لی اور فراز کے پاس نجانے کون سا منتر تھا جسے پڑھ کر وہ ضدی اور اڑیل بنی زرتاشہ کو منالیتا تھا وہ بے حد خراب موڈ میں تیوری پر بل ڈالے لالہ رخ کے ہمراہ جانے کو تیار ہوگئی تھی لالہ رخ کے لیے یہی کافی تھا کہ کم از کم وہ اس کے ساتھ کراچی جانے کو راضی ہوگئی ہے بس اسے امی کی فکر تھی جوان کے پیچھے تنہا رہ جاتی مگر قدرت نے یہاں بھی سہولت فراہم کردی تھی مہرینہ کا باپ مومن جان کچھ دنوں کے لیے پنڈی جارہا تھا لہٰذا طے پایا کہ مہرو کی اماں اور مہرو دونوں امی کے پاس آ کر رہیں گی۔ لہٰذا اس جانب سے وہ مطمئن ہو کر کراچی جانے کی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ لالہ رخ کی زبانی جب زرینہ نے زرتاشہ کے واپس آنے کی بابت سنا تو مارے خوشی و انبساط کے وہ جھوم اٹھی۔
”یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تاشو یہاں آنے پر راضی ہوگئی۔ آپی بس آپ بالکل فکر مت کیجیے گا۔ یہاں پڑھائی میں مصروف ہو کر زرتاشہ ان شاء اللہ جلد ہی نارمل ہوجائے گی اور زندگی کی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے گی اور آپ کی طرف سے اس کے دل میں جو ناراضی اور بدگمانی ہے وہ بھی ختم ہوجائے گی۔“ زرینہ نان اسٹاپ تیزی سے جوش و خوشی میں بولتی چلی گئی جب کہ دوسری جانب موبائل فون کان سے لگائے لالہ رخ دھیرے سے مسکراتی رہی۔
”ویسے آپی یہ معجزہ کیسے ہوگیا بھلا وہ کون سی عظیم شخصیت ہے، جس نے تاشو کو یہاں آنے پر راضی کرلیا۔“ زرینہ چہک کر بولی تو لالہ رخ نے بڑی عزت سے نام لیا۔
”فراز شاہ۔“ جب کہ دوسری جانب زرینہ اچھل پڑی۔
”واقعی......اوہ فراز بھائی سچ میں بہت گریٹ ہیں انہوں نے یہ تو بہت ہی زبردست کام کیا ہے۔“
”بالکل انہوں نے ہم پر ایک اور احسان کیا ہے......اچھا زرینہ ان شاء اللہ کل صبح کی بس سے ہم اسلام آباد پہنچے گے پھر وہاں سے کراچی کے لیے ٹرین لیں گے۔“
”او کے آپی میں آپ دونوں کا شدت سے انتظار کروں گی۔“ لالہ رخ کی بات پر وہ جوشیلے انداز میں بولی تو لالہ رخ نے اللہ حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

❀ ❀ ❀ ❀

آج سونیا اعظم خان اور کامیش شاہ کی شادی تھی تقریب کا اہتمام شہر کے معروف فائیو اسٹار ہوٹل میں کیا گیا تھا۔ ہر طرف سے جیسے رنگ و خوشبوؤں کا سیلاب سا اُمڈ رہا تھا ملک کی بے حد مشہور اور بڑی شخصیات بھی اس ایونٹ میں مدعو تھے۔ ہوٹل کے اس ہال کو انتہائی آرٹسٹک اور خوب صورت انداز میں سجایا گیا تھا۔ ساحرہ نے آج سیاہ رنگ کی میکسی زیب تن کی ہوئی تھی بالوں کو بے حد دلکش سا اسٹائل دیئے اور ماہر بیوٹیشن کے میک اپ میں بلیک اسٹون کی جیولری پہنے وہ بلاشبہ بہت حسین اور ینگ لگ رہی تھی۔ سمیر شاہ نے بھی بلیک ڈنر سوٹ پر میرون ٹائی لگائی ہوئی تھی وہ بظاہر تو خوش تھے مگر اندر ہی اندر کچھ متفکر اور ڈسٹرب بھی تھے اور یہی حال فراز شاہ کا بھی تھا۔ وہ بھی اندر سے الجھن میں گرفتار

ڈل گولڈن قیمتی کرتے اور سفید شلوار میں بے پناہ ڈیشنگ اور ہینڈسم لگ رہا تھا ایک اچھے دوست کی طرح اس نے سونیا کی شادی میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا تھا۔
مہندی کی تقریب بھی کافی وسیع پیمانے پر منعقد کی گئی تھی جب کہ فراز نے مہندی والے دن سونیا کے بیسٹ فرینڈ کی حیثیت سے اس کی طرف سے شرکت بھی کی تھی جس پر کامیش نے مصنوعی طور پر برا منایا تھا سونیا کی بھی آج چھب ہی نرالی تھی سی گرین عروسی جوڑے جس کی لانگ سلولیس شرٹ کے ساتھ شرارہ تھا جب کہ دوپٹے پر آتشی گلابی باڈر سے جوڑے کو بے حد حسین بنایا گیا تھا یہ ڈریس ملک کے مشہور ڈزائنر نے خود بنایا تھا جب کہ برائیڈل میک اپ کے لیے ٹاپ کی بیوٹیشن کا انتخاب کیا گیا تھا۔ بے حد قیمتی اور خوب صورت جیولری میں آج سونیا بلاشبہ کسی ریاست کی حسین ترین شہزادی لگ رہی تھی کامیش شاہ بھی کسی سے پیچھے نہیں رہا تھا ڈارک براؤن سوٹ جس کے اندر آف وائٹ شرٹ پہنی ہوئی تھی اپنے ڈیسنٹ اور سوبر انداز میں وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا سب ہی دونوں کی جوڑی کو بے حد سراہ رہے تھے۔
"مسز سمیر آپ کی بہو پر سے تو ہماری نظریں ہٹ ہی نہیں رہیں کیا گوہر نایاب ڈھونڈا ہے آپ نے۔" مسز سلمان رشک وحسد کے ملے جلے جذبات میں گھر کر بولیں تو ساحرہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس دی۔
"بھئی ہم نے تو آج سے پہلے اتنی خوب صورت اور حسین دلہن کبھی نہیں دیکھی...... مسز سمیر یو آر وری لکی۔" ایک اور خاتون نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔
"پلیز ساحرہ میرے بیٹے کے لیے بھی اپنی جیسی بہو ڈھونڈ دونا۔" مسز ریاض سونیا کی جانب دیکھتے ہوئے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولیں تو مارے غرور وفخر کے ساحرہ کی گردن تن گئی۔
"سوری مسز ریاض سونیا جیسا پیس اب آپ کو نہیں مل سکتا یہ تو میرے نصیب میں لکھ دی گئی تھی ہاں آپ کے لیے دعا ضرور کر سکتے ہیں۔" جواباً ساری خواتین قہقہہ لگا کر ہنس دیں جب ہی دروازے سے خاور حیات اور حورین کی انٹری ہوئی تو سمیر شاہ مہمانوں کے نرغے سے نکل کر تیزی سے ان لوگوں کی جانب بڑھے۔
"شاباش میرے دوست خوب دوستی نبھائی تم نے...... یعنی میرے بیٹے کی شادی میں بھی تم اتنی دیر سے آرہے ہو۔" سمیر شاہ بے حد اپنائیت سے شکوہ کرتے ہوئے بولے تو وہ دونوں حقیقی معنوں میں بری طرح شرمندہ ہوگئے۔
"وری وری سوری یار...... دراصل عین ٹائم پر کچھ کام آگیا تھا......" خاور خجل ہو کر دائیں ہاتھ سے اپنا سر کھجاتے ہوئے بولا تو حورین نے مسکرا کر کہا۔
"بھائی صاحب ساحرہ بھابی کہاں ہیں؟" کاہی گرین اور مہرون رنگ کے امتزاج کے میکسی گاؤن پہنے چہرے پر سوفٹ سا میک اپ کیے بے حد نفیس سی جیولری پہنے حورین نے آکر ایک بار پھر یہاں موجود تمام خواتین کو مات دے دی تھی خوب صورت گھنے بالوں کو چوٹی کا جدید انداز دیے وہ بے پناہ حسین لگ رہی تھی۔
"ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ حورین بھابی آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں...... آپ پلیز برائیڈ کے قریب نہیں جایئے گا ورنہ یقیناً وہ آپ کے سامنے ماند پڑ جائے گی۔" سمیر شاہ نے بے ساختہ اس کی تعریف کی تو حورین اچھی خاصی جھینپ گئی جب کہ خاور حیات نے بے حد فخریہ انداز میں اپنی نصف بہتر کو دیکھا۔
"آپ بھی نا سمیر بھائی اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ خفیف سی ہو کر بولی تو خاور حیات اور سمیر شاہ حورین کو جھینپتا دیکھ کر زور سے ہنس دیے۔
"میں ذرا بھابی سے مل کر آتی ہوں۔" حورین نے وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت جانی۔ سمیر شاہ خاور حیات کو اپنے

مہمانوں سے ملوانے کے لیے دوسری جانب لے آیا۔

"فراز بھائی یہ ساحرہ آنٹی نے مجھے کچھ شاپرز دیئے ہیں وہ کہہ رہی ہیں کہ آپ کو جا کر دے دوں۔" باسل کے ہاتھوں میں اس پل کچھ شاپرز تھے۔ فراز جو مختلف کاموں میں اس وقت بے حد مصروف تھا باسل کو چونک کر دیکھا۔

"اوہ میں ان شاپرز کو کہاں جا کر رکھوں یار۔" فراز قدرے الجھ کر بولا پھر اسے یاد آیا تو وہ فوراً بولا۔

"باسل میرے بھائی یار یہ شاپرز تم برائیڈل روم میں جا کر رکھ دو۔ آئی تھنک اس میں گفٹس ہیں وہاں آل ریڈی کافی سامان ہے۔" وہ اپنے کرتے کی جیب سے روم کی چابی نکالتے ہوئے بولا تو باسل نے اثبات میں سر ہلا کر چابی اس کے ہاتھ سے لے لی اور پھر وہ ہال سے باہر نکل آیا لفٹ کے ذریعے وہ ہوٹل کے رومز کی جانب آ گیا اور دروازہ کھول کر اس نے تمام شاپرز وہاں رکھ دیئے جہاں پہلے ہی کافی سامان رکھا ہوا تھا دوسرے ہی لمحے وہ مڑ کر جانے ہی والا تھا کہ ایک چیز پر اس کی نگاہ پڑی وہ کچھ چونک اٹھا پھر کچھ دیر بعد جب وہ وہاں سے پلٹا تو اس کا ذہن کافی الجھا ہوا تھا وہ گہری سوچ میں ڈوبا جب ہال میں داخل ہوا تب ہی عقب سے اسے نسوانی شوخ سی آواز سنائی دی۔

"ہیلو......" وہ بے ساختہ اپنے دھیان سے چونک کر پلٹا تو سامنے ایک انتہائی کیوٹ سی لڑکی بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی گولڈن چست پاجامے پر ڈیپ ریڈ شرٹ میں ملبوس وہ باسل کو اپنی جانب متوجہ پا کر ایک دلکش سی مسکراہٹ اپنے لبوں پر بکھیرتے ہوئے بولی۔

"میرا نام عنایا کامران ہے۔ میں سونیا کے کزن کی سالی ہوں۔" باسل نے اسے اس بار سر سے پیر تک دیکھا پھر بڑی دلفریب مسکراہٹ اس کی جانب اچھالتے ہوئے بولا۔

"اوہ نائس ٹو میٹ یو مس عنایا۔" عنایا باسل کو بغور دیکھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر فولڈ کرتے ہوئے بولی۔

"ایکچولی میں نے آپ کو سونیا کی مہندی میں فرسٹ ٹائم دیکھا تھا آپ کافی ہینڈسم لگ رہے تھے۔" وہ بے باکی سے اس کی تعریف کرتے ہوئے بولی تو باسل نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا کوئی اور وقت ہوتا تو باسل اس نٹ کھٹ سی لڑکی میں نا چاہتے ہوئے بھی دلچسپی لیتا مگر اس پل وہ کچھ ڈسٹرب سا تھا جب ہی وہ اس لڑکی سے جان چھڑا کر فراز کو متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا جو اس وقت اپنے اور سونیا کے مشترکہ یونیورسٹی کے کلاس فیلوز کے ساتھ اسٹیج پر براجمان تھا۔ جب کہ کامیش نیچے اپنے دوستوں کے نرغے میں گھرا ہوا تھا کافی عرصے بعد وہ سب اس موقع پر اکٹھے ہوئے تھے لہٰذا ان لمحات کو خوب انجوائے کر رہے تھے۔

"ویسے سونیا ہم سب کو تو یہی لگتا تھا کہ تم فراز سے شادی کرو گی مگر تم نے تو فراز کے بھائی سے شادی کر لی یہ ہمارے لیے کافی سرپرائزنگ ہے۔" غزل جوان کے گروپ میں سب سے منہ پھٹ لڑکی تھی اس وقت بھی اپنے اسی انداز میں بولی تو لمحے بھر کو اسٹیج پر بالکل خاموشی چھا گئی جب کہ فراز شاہ اس لمحے بری طرح خجل ہو گیا۔

"اوہ کم آن غزل تم بھی نا...... وہ بات تو تم نے سنی ہو گی نا کہ جوڑے آسمان پر بنتے ہیں تو پھر یہی سمجھ لو کہ سونیا کا جوڑا کامیش شاہ کے ساتھ بنا تھا اور ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے بنے نہیں لگ رہے؟" سب سے پہلے راحیل نے خود کو سنبھال کر بے حد نارمل اور ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو غزل جو خود یہ بات بول کر پچھتا رہی تھی کھسیانی سی ہنسی ہنس کر بولی۔

"یو آر رائٹ راحیل واقعی سونیا کا ہزبینڈ بے حد ہینڈسم اور ڈیشنگ ہے اور پھر اوپر سے اس کا عہدہ اس کی شخصیت کو چار چاند تو کیا آٹھ چاند لگا رہا ہے۔" سب ہی غزل کی بات پر ہاں میں ہاں ملانے لگے تھے جب کہ سونیا خان نے اس پل فراز کو انتہائی ناقابل فہم نگاہوں سے دیکھا تھا۔

❀..........❀..........❀..........❀

لالہ رخ اور زرتاشہ کراچی بخیریت پہنچ چکی تھیں رات کے اس پہر زرتاشہ اپنے بستر پر لیٹی گہری نیند میں تھی جب کہ زرینہ نے نیچے ایک موٹی سی کھیس بچھا کر لالہ رخ کے ساتھ سونے کا انتظام کیا تھا۔ اس پل لالہ رخ کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی وہ مسلسل زرتاشہ کے متعلق سوچے جارہی تھی پورے سفر کے دوران وہ بالکل خاموش بیٹھی رہی تھی ورنہ ٹرین کے سفر میں وہ بہت چہکتی تھی ٹرین کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کی زبان بھی تیزی سے چلتی تھی جب کہ یہاں پہنچنے کے بعد بھی اس کی خاموشی نہیں ٹوٹی تھی۔ زرینہ نے اسے بے حد گرم جوشی اور خوشی سے والہانہ انداز میں گلے لگایا تھا مگر وہ زرینہ سے بھی بہت سرد مہری اور روکھائی سے پیش آئی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہیں لالہ آپی آپ...... نیند نہیں آرہی کیا؟'' لالہ رخ کو اپنے پہلو سے زرینہ کی دھیمی آواز سنائی دی تو وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی پھر بے حد تھکے ہوئے لہجے میں گویا ہوئی۔

''زری...... تاشو کی فکریں میری نیندیں اڑائے ہوئے ہیں وہ یہاں آکر بھی اسی کیفیت کا شکار ہے جو اس کی گھر پر تھی میں اس کی جانب سے بے حد پریشان ہوں زری...... وہاں تو میں ہر وقت اس کی جانب سے چوکنا رہتی تھی مگر یہاں اسے یوں تنہا چھوڑنے پر میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔'' بولتے بولتے وہ یک دم اٹھ کر بیٹھ گئی تھی زرینہ بھی دھیرے سے اٹھ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

''لالہ آپی آپ پلیز پریشان مت ہوں اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھیں۔ وہ ہے نا ہم سب کا خیال رکھنے والا اور ہاں یہاں اس پر نظر رکھنے کا رہا سوال تو اس کے لیے میں ہوں ناں میں تاشو کا ہمہ وقت خیال رکھوں گی یہ تو ایک طرح سے بہت اچھا ہوا کہ وہ یہاں آنے پر رضا مند ہوگئی ورنہ گھر پر رہ کر وہ ابا کے صدمے سے کبھی نہ نکل پاتی اس ماحول اور جگہ میں اس کا نارمل ہونا بہت مشکل تھا مگر اب آپ دیکھیے گا وہ یہاں بہت جلد نارمل ہوجائے گی۔ آپی سب ٹھیک ہوجائے گا ان شاء اللہ۔'' آخر میں زرینہ لالہ رخ کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر بولی تو لالہ رخ نے بے حد ممنونیت سے اسے اپنے گلے سے لگالیا۔

''بہت بہت شکریہ زری مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تاشو کے بعد تمہاری شکل میں دوسری بہن بھی عطا کردی ہے اب میری دو چھوٹی بہنیں ہیں۔'' وہ محبت سے لبریز لہجے میں بولی تو بے ساختہ زرینہ کی آنکھوں میں نمی در آئی۔

''شکریہ تو آپ کا لالہ آپی کہ آپ نے مجھے اپنی چھوٹی بہن جو بنالیا۔'' وہ گلوگیر لہجے میں بولی تو لالہ رخ اس کی آواز کے بھیگے پن کو محسوس کر کے اس کے سر پر پیار سے چپت لگا کر بولی۔

''پاگل کہیں کی۔''

❀..........❀..........❀..........❀
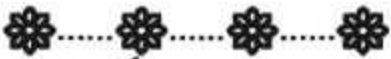
ابرام آج کل گھر جلدی آرہا تھا۔ اس وقت بھی وہ دوپہر میں ہی گھر آگیا تھا حسب معمول گھر میں مکمل خاموشی اور سناٹے کا راج تھا شاید ماریہ اب تک کالج سے لوٹی نہیں تھی وہ ایک گہری سانس کھینچ کر اپنے کمرے میں فریش ہونے کی غرض سے بڑھ گیا تھوڑی دیر بعد وہ باتھ لے کر کچن کی جانب چلا آیا اور اپنے لیے کافی تیار کرنے لگا جب کہ سینڈوچ میکر میں سینڈوچ بھی ساتھ ساتھ تیار کرنے میں مصروف رہا تھوڑی دیر بعد وہ بڑے ریلیکس انداز میں ٹی وی کے سامنے بیٹھا تھا جب ہی اس کا سیل فون بج اٹھا دوسری جانب جیسکا روبن تھی ابرام اس کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ پھر کچھ دیر بعد اسے ایک خیال ذہن میں آیا تو وہ تیزی سے جیسکا سے استفسار کرتے ہوئے بولا۔

"جیسکا کیا تم کالج سے گھر آ چکی ہو؟" جیسکا ابرام کی بات پر لاپرواانداز میں گویا ہوئی۔

"آف کورس ابرام کالج ٹائم آف ہوئے ایک گھنٹے سے زیادہ ہو چکا ہے، میں تو سیدھا گھر ہی آتی ہوں۔" جیسکا کی بات سن کر ابرام کچھ متفکر سا ہو گیا پھر بے ساختہ اس نے دیوار پر لگی گھڑی کی جانب دیکھا جو اس پل شام چار بجے کا عندیہ دے رہی تھی۔

"اچھا مگر ماریہ تو ابھی تک گھر نہیں پہنچی وہ آج تمہارے ساتھ تھی نا۔" ابرام اپنے بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے گویا ہوا۔

"ابرام ماریہ میرے ہی ساتھ تھی۔ ان فیکٹ آج تو ہمارے دو پریڈ بھی فری تھے وہ تمام وقت میرے ہی ہمراہ تھی البتہ آف ٹائم پر ہم دونوں ساتھ ساتھ نہیں نکلے تھے میں پہلے نکل گئی تھی۔" یک لخت ابرام کے رگ و پے میں بے چینی واضطراب کی لہریں سرعت سے سرائیت کرنے لگیں۔

"تو آف ٹائم پر وہ کہاں تھی جیسکا۔" جیسکا چند ثانیے کے لیے سوچ میں پڑ گئی پھر ذہن پر زور ڈالتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر بولی۔

"میرے خیال میں وہ لاسٹ موومنٹ میں فریش ہونے کی خاطر باتھ روم گئی تھی اس کے بعد مجھے آئیڈیا نہیں...... مگر ابرام تم پریشان مت ہو اتنی تو دیر سویر ہو ہی جاتی ہے ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کام میں الجھ گئی ہو، فکر نہیں کرو وہ آجائے گی۔" جیسکا ابرام کے لہجے سے پریشانی بھانپتے ہوئے اسے تسلی دینے والے انداز میں بولی تو نجانے کیوں ابرام کے دل کو تسلی نہیں ہوئی بلکہ بے چینی و بے قراری میں قدرے اضافہ ہی ہو گیا۔

"اچھا تم ذرا فون بند کرو میں ماریہ کے سیل پر کال کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر ابرام اس کا جواب سنے بناء ہی لائن کاٹ گیا پھر بڑی تیزی سے اس نے موبائل فون سے ماریہ کا نمبر ملایا اگلے پل وہ شاکڈ سا رہ گیا ماریہ کا نمبر بند جا رہا تھا اس نے یکے بعد دیگرے کوئی چھ سات مرتبہ کال ملائی مگر ہر بار اس کا نمبر بند ہی ملا ابرام کا جیسے جسم کا خون خشک ہونے لگا اس نے بے حد الجھ کر فون بند کیا تو اگلے ہی لمحے جیسکا کی کال آ گئی۔

"تمہارا فون لگا ابرام؟" جیسکا کے بھی لہجے سے پریشانی اور گھبراہٹ مترشح تھی۔

"میں نے بھی ماریہ کا نمبر ٹرائی کیا مگر وہ مسلسل بند جا رہا ہے۔" ابرام سیل فون کان سے لگائے گھر کے فون سے ایک بار پھر ماریہ کا نمبر ملانے لگا مگر ہر بار اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اس نے بے تحاشا جھنجھلا کر ریسیور کریڈل پر پٹخا۔

"ڈیم اٹ...... یا آخر ماریہ کا فون سوئچ آف کیوں جا رہا ہے؟" وہ بڑبڑا کر بولا پھر اچانک جیسکا سے مخاطب ہوا۔

"جیسکا کہیں ماریہ ولیم کے ساتھ تو نہیں چلی گئی تھی؟" ابرام کی بات پر جیسکا نے اپنے ذہن پر زور ڈال کر کچھ سوچا پھر قدرے مایوسی سے بولی۔

"مگر میں نے آج ولیم کو تو دیکھا ہی نہیں، میرے خیال میں وہ کالج آیا ہی نہیں...... ہاں مگر یہ ہوسکتا ہے کہ آف ٹائم میں وہ آ گیا ہو اور ماریہ اس کے ساتھ چلی گئی ہو۔"

"تم ایسا کرو فوراً ولیم کو فون کرو۔" وہ عجلت بھرے لہجے میں بولا جب کہ جیسکا نے اوکے کہہ کر لائن ڈسکنکٹ کی ابرام سے ایک پل بھی گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں جیسکا کی کال آئی تو اس نے تقریباً جھپٹنے والے انداز میں فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"ہاں بولو جیسکا وہ ولیم کے ہی ساتھ ہے نا۔" وہ بے حد یقین آمیز لہجے میں بولا۔ جب ہی جیسکا گھبرائے ہوئے انداز میں گویا ہوئی۔

"نہ...... نہیں ابرام ولیم کو تو بہت تیز بخار ہے وہ تو بستر پر پڑا ہے۔"
"واٹ......! تو اس کا مطلب ہے کہ ماریہ ولیم کے ساتھ بھی نہیں ہے تو پھر کہاں ہے وہ۔" وہ بے تحاشا متوحش ہو کر تقریباً چیخنے والے لہجے میں بولا تو جیسکا نے فوراً سے پیشتر کہا۔
"ابرام ہوسکتا ہے کہ وہ جیکولین آنٹی کے پاس چلی گئی ہو۔"
"میں ابھی مام سے پوچھتا ہوں۔" وہ سرعت سے بولا پھر دوسرے ہی پل وہ جیکولین سے آن لائن تھا اس نے گول مول انداز میں ماریہ کی بابت استفسار کیا مگر ماریہ وہاں بھی نہیں پہنچی تھی ابرام نے جیکولین کو کسی بھی بات کی بھنک پڑنے نہ دی اس کا سر بری طرح چکرانے لگا تھا آنکھوں کے گرد اندھیرا چھانے لگا وہ بے حد مضبوط اعصاب کا مالک تھا مگر ماریہ کے لیے وہ بے حد حساس اور چھوٹے دل کا انسان بن جاتا تھا اس وقت بھی ایسا ہی ہوا اس کے اعصاب اور ہمتیں ڈھلنے لگیں دوسرے ہی لمحے جیسکا کا فون آیا تو ابرام کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے خود کو سنبھال کر بولی۔
"ابرام پلیز کنٹرول یور سیلف۔"
"میں ماریہ کے کالج جا رہا ہوں اسے دیکھنے پھر پولیس میں کمپلین کروں گا۔" وہ قطعیت بھرے انداز میں بولا تو جیسکا سرعت سے گویا ہوئی۔
"تم گھر سے نکلو میں بھی کالج پہنچتی ہوں پھر ساتھ ہی چلیں گے۔" جب کہ دوسرے ہی پل ابرام عجلت میں لائن کاٹ گیا۔

❁............❁............❁............❁

پورا قصبہ تاریکی اور سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا دور سے بس جھینگروں اور گیدڑوں کی آتی آوازوں نے ماحول کو خاصا پراسرار بنایا ہوا تھا۔ اس لمحے سارا عالم اپنے اپنے گھروں میں محو خواب تھا مہرو جو آج کل لالہ رخ کے گھر پر ہی اپنی اماں کے ہمراہ رہ رہی تھی اس وقت تینوں خواتین ایک ہی کمرے میں سو رہی تھیں جب ہی مہرو کی اماں بے تحاشہ گھبرائے ہوئے انداز میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھیں انہوں نے اپنے ہاتھوں سے آنکھوں کو مسلتے ہوئے اِدھر اُدھر بے پناہ متوحش ہو کر دیکھا زیرو کے بلب کی مدقوق سی روشنی میں انہیں جب دوسرے پلنگ پر مہرو سکون و اطمینان سے سوتی ہوئی نظر آئی تو انہوں نے بھی ایک طمانیت آمیز سانس بھری پھر اپنے کپکپاتے دل پر ہاتھ رکھ کر اس کی منتشر ہوتی دھڑکنوں کو نارمل کرنے لگیں لالہ رخ کی امی جوان کے ساتھ ہی لیٹی ہوئی قدرے چوکنا نیند سو رہی تھیں معمولی سی کھٹ پٹ کی آواز پر یک دم جاگ گئیں اور گڈو کو متفکر سا بیٹھے دیکھ کر پریشان سی ہوگئیں۔
"کیا ہوا گڈو طبیعت تو ٹھیک ہے نا تم ایسے کیوں بیٹھی ہو۔" گڈو کے ہاتھ میں پانی سے بھرا ہوا گلاس تھا مگر وہ اسے پینے کے بجائے کسی گہری سوچ میں مستغرق تھیں بھاوج کی آواز سے یک دم چونک کر اپنے پہلو پر نگاہ ڈالی پھر دوسرے ہی پل گلاس ہونٹوں سے لگا کر ایک ہی سانس میں پانی پی کر اسے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر بے حد تھکے ہوئے انداز میں گویا ہوئیں۔
"میری طبیعت کو کیا ہونا ہے بھابی میں بالکل بھلی چنگی ہوں۔" لالہ رخ کی امی نے بڑے غور سے ان کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں تفکرات بے سکونی اور خوف کی لکیریں واضح طور پر کھنچی ہوئی تھیں اس پل وہ بھی متفکر سی ہوگئیں۔
"کیا بات ہے گڈو تم مجھے کافی پریشان لگ رہی ہو مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟" جواباً گڈو نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا اس وقت وہ بہت ذہنی دباؤ کا شکار دکھائی دے رہی تھی۔
"کیا بتاؤں بھابی...... مہرو کی فکر نہ مجھے دن کو چین لینے دیتی ہے اور نہ سکون سے سونے دیتی ہے۔"

"مہرو کی فکر...... کیوں مہرو کو کیا ہوا؟ تمہیں اس کی طرف سے بھلا کس حوالے سے فکر ہے؟" امی نے قدرے فاصلے پر سوئی ہوئی مہرو پر ایک نگاہ ڈالی پھر متعجب آمیز نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولیں تو گڈو بے اختیار ایک سرد آہ بھر کر رہ گئی۔

"بھابی تم تو جانتی ہو نا کہ مومن جان کس قماش کا انسان ہے خود غرض اور مادہ پرست اپنے مفاد اور دولت کی خاطر وہ اپنوں کو بھی قربان کر سکتا ہے۔" وہ بے حد ناگواری سے مومن جان کا تذکرہ کرتے ہوئے بولیں تو امی نے پُرسوچ نگاہوں سے چند ثانیے اپنی اکلوتی بہن جیسی نند کو دیکھا وہ ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہی تھی مومن جان کی بدفطرتی سے وہ بھی بخوبی واقف تھیں پھر معاً ذہن میں کوئی خیال در آیا تو فوراً بولیں۔

"مگر تم مہرو کے حوالے سے کیا کہہ رہی تھیں؟"

"اسی کے تو رشتے کے پیچھے پڑ گیا ہے وہ، اپنے دوست کے نشئی مگر پیسے والے لڑکے سے مہرو کا بیاہ رچانا چاہتا ہے اور مجھ پر بھی بے حد زور دے رہا ہے کہ میں اس رشتے کے لیے مان جاؤں۔" گڈو کچھ مشتعل اور خائف سی ہو کر بولی تو امی بھونچکا سی انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو گڈو تم، بھلا مومن جان اس حد تک خود غرضی دکھا سکتا ہے اس کا تو مجھے اندازہ ہی نہیں تھا۔"

"ہاں بھابی وہ پہلے ہی کہاں مہرو کے لیے اپنے دل میں کوئی نرم گوشہ رکھتا ہے وہ آدمی نہیں قصائی ہے۔ قصائی جو میری بچی کو اپنے مفاد کے عوض قربان کرنا چاہتا ہے مگر میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔" بے زاری دکھ اور غصے واشتعال کے بیک وقت کئی رنگ اس پل ان کے لہجے سے چھلکے تھے ساتھ ساتھ آنکھیں بھی نم ہوگئی تھیں لالہ رخ کی امی کے لیے یہ بات کسی انکشاف سے کم نہیں تھی کہ مہرو کا باپ ایک نشئی کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دینا چاہتا ہے وہ کافی دیر تک اسی انکشاف کی زد میں ساکت سی بیٹھی رہیں پھر نند کو چپکے چپکے آنسو بہاتا دیکھ کر خود کو سنبھالتے ہوئے اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"تم بالکل فکر مت کرو گڈو۔ میری لالہ ہے نا وہ مہرو کے ساتھ ایسا ظلم ہرگز نہیں ہونے دے گی میں یہ بات لالہ کو بتاؤں گی تم دیکھنا ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"مگر بھابی لالہ رخ آج کل خود بے چاری اتنے چکروں میں الجھی ہوئی ہے۔ اب مہرو کا تذکرہ کر بیٹھوں گی تو وہ پریشان ہو جائے گی۔" گڈو اپنے پلو سے آنسو پوچھتے ہوئے گلوگیر لہجے میں بولیں تو امی بے اختیار مسکرا دیں۔

"یہی تو بات ہے میری بیٹی میں وہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے تو کیا گھبرانا بڑی سے بڑی مہم کو بھی باآسانی سر کر لیتی ہے تب ہی تو تمہارے بھائی کہتے تھے کہ یہ ہمارا بیٹا ہے بیٹا......!" وہ بولتے بولتے جیسے کسی یاد میں گم ہوگئیں پھر یک لخت حال میں لوٹتے ہوئے تیزی سے بولیں۔

"تم بالکل پریشان مت ہو۔ لالہ رخ کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکال لے گی اور اب تم اطمینان سے سو جاؤ مہرو اکیلی نہیں ہے، ہم سب اس کے ساتھ ہیں۔" ان کی تسلی آمیز باتوں کا اثر گڈو کے دل پر ہوا تو انہوں نے بھی اپنے اندر ایک طمانیت محسوس کر کے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور پھر سونے کے لیے لیٹ گئیں البتہ امی کافی دیر تک جاگتی رہیں۔

❁ ❁ ❁ ❁

دھیرے دھیرے رات گہری ہو چلی تھی محفل برخاست ہو چکی تھی ایک ایک کر کے تقریباً تمام مہمان رخصت ہو چکے تھے صرف گھر کے لوگ اور قریبی عزیز رشتے دار موجود تھے سونیا کو کامیش شاہ کے سنگ ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے رخصت کر دیا گیا تھا۔ فراز شاہ بے پناہ تھکن کا شکار تھا نیند کے مارے اس کا اس وقت برا حال ہو رہا تھا۔

وہ پچھلے دس دن سے سونیا کی شادی میں بے حد مصروف رہا تھا اس پل وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد گھر پہنچ کر فوراً اپنے بستر پر گر کر سو جائے پچھلی کئی راتوں سے وہ مسلسل جاگ رہا تھا ڈھولکی مایوں مہندی وغیرہ کی رسموں نے اسے آرام کا موقع ہی نہیں دیا تھا وہ بے حد تھکے قدموں سے پارکنگ لاٹ کی طرف آیا جب ہی عقب سے اسے باسل حیات کی آواز سنائی دی تھی۔

''فراز بھائی۔'' فراز یک دم پلٹا تو سامنے باسل حیات کھڑا دکھائی دیا ایک نرم سی مسکراہٹ اس کی جانب اچھال کر وہ بولا۔

''ینگ برادر تم بھی چل رہے ہونا......'' وہ سمجھا کہ باسل اس کے ہمراہ جانے کے لیے آیا ہے کیونکہ اس کے پیرنٹس بھی جا چکے تھے فراز کے پاس چونکہ آتے وقت کافی سامان موجود تھا جو روم میں رکھوانا تھا لہٰذا اس نے وہاں موجود گاڑی پارک کرنے والوں سے سروس نہیں لی تھی وہ ہوٹل کے اس جانب گاڑی لے آیا تھا جہاں رومز بنے ہوئے تھے لہٰذا یہاں اس وقت کافی سناٹا تھا۔

''میرے پاس اپنی گاڑی موجود ہے فراز بھائی؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولا پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوا۔

''دراصل فراز بھائی مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' اس وقت باسل کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا جس نے فراز کو چونکا دیا تھا وہ بے اختیار اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے استفسار کرتے ہوئے بولا۔

''ہاں بولو......کیا بات ہے؟''

''فراز بھائی بات یہ ہے کہ جب میں......'' وہ فقط اتنا ہی بولا تھا کہ معاً فراز کا موبائل فون زور و شور سے بج اٹھا فراز نے سرعت سے اپنا سیل فون جیب سے نکالا پھر اسکرین پر نگاہ ڈال کر یہ کہتے ہوئے فون پک کیا۔

''مام کی کال ہے۔''

''فراز تم جلد سے جلد گھر پہنچو تمہاری گاڑی میں جو سامان ہے وہ سونیا کے روم میں پہنچانا ہے تم نکل گئے ہونا ہوٹل سے؟'' ساحرہ عجلت میں بولی تو فراز بھی ہڑبڑا سا گیا۔

''بس میں نکل ہی رہا ہوں۔'' اس نے تیزی سے کہہ کر فون بند کیا اور پھر باسل سے معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

''سوری باسل اس وقت مجھے جلدی ہے ہم کل بات کرتے ہیں نا۔'' باسل نے ایک نگاہ فراز شاہ کو دیکھا پھر دوسرے ہی پل مسکرا کر بولا۔

''او کے فراز بھائی آپ جایئے میں بھی نکلتا ہوں۔'' پھر باسل اسے خدا حافظ کہتا پُر سوچ انداز میں وہاں سے پلٹ گیا۔

❀......❀......❀......❀

''بھائی صاحب نے سونیا کی شادی کا فنکشن اتنے کمال درجے کا ارینج کیا تھا کہ ہر کوئی اش اش کر رہا تھا مسز فیروز اور مسز زاہد کے تو چہرے سے جلن وحسد ٹپک رہا تھا او ہنہ وہ تو یہی سمجھ رہی تھیں کہ جس طرح انہوں نے اپنے بچوں کی شادیاں جس شان و شوکت سے کی ہیں ویسا تو کوئی کر ہی نہیں سکتا اب دیکھا کیسے دانتوں تلے انگلی دبائے ہوئے ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھیں۔'' ساحرہ نائٹ کریم سے میک اپ صاف کرتے ہوئے تیز تیز بول رہی تھی جب کہ سمیر شاہ اپنا سلیپنگ گاؤن پہن کر سونے کی غرض سے بستر پر دراز ہو چکے تھے۔ وہ نجانے اور بھی کچھ بول رہی تھی مگر وہ گہری نیند میں جا چکے تھے جب ان کے ہلکے ہلکے خراٹوں کی آوازیں کمرے میں گونجیں تب ساحرہ جو اپنے آپ میں مگن بولے

جارہی تھی چونک کر اپنے شوہر نامدار کو پلٹ کر دیکھا پھر ایک گہری سانس کھینچ کر خود بھی اٹھ گئیں۔
فراز نے ملازم کی ذریعے سامان سونیا کے کمرے میں بھجوا کر اپنے کمرے کی راہ لی اس کا پورا جسم اور اعصاب بے تحاشا تھکاوٹ کا شکار تھے وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد اپنے بستر پر جا کر فوراً سو جائے اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے اپنا سیل فون اور گاڑی کی چابیاں سامنے میز پر رکھیں اور سیدھا باتھ روم میں فریش ہونے کی غرض سے اندر چلا گیا نیم گرم پانی سے شاور لینے کے بعد اس کے اعصاب کو بے پناہ سکون ملا تھا وہ کافی ریلیکس ہو کر اپنے گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتا ہوا باہر نکلا اس پل اسے ایک کپ کافی کی شدید طلب محسوس ہوئی مگر وہ اپنی طلب کو نظر انداز کر کے اپنے بستر کی جانب متوجہ ہوا صبح جلدی اٹھ کر اسے آفس کا بھی چکر لگانا تھا اور پھر رات کو ولیمہ کی بھی تقریب تھی یک دم اسے سلیپنگ گاؤن پہننے کا خیال آیا تو وہ اپنے ڈریسنگ روم جو باتھ روم سے ہی ملحق تھا اس جانب بڑھا ہی تھا کہ معاً کسی نے دروازے پر خفیف سا ناک کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سوچتا سمجھتا اچانک دروازہ کھول کر جو شخصیت اس کے سامنے آئی اسے دیکھ کر اسے چالیس ہزار والٹ کا کرنٹ لگا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے گیا۔ جب ہی وہ ایک ادائے دلبرانہ سے بڑے طمطراق سے چلتی ہوئی اندر آئی اور دروازہ بھیڑ کر بڑی نشیلی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے ہنس کر بولی۔
"فراز تم تو مجھے دیکھ کر اتنی حیرت اور غیر یقینی سے اپنی جگہ فریز ہو گئے ہو جیسے لیڈی ڈیانا کی روح تمہارے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی ہو۔" سونیا کے لب و لہجے میں اس پل فراز شاہ کے لیے گہرا طنز و تمسخر تھا چند ثانیے وہ اسے یونہی دیکھتا رہا پھر معاً اسے اپنے حلیے کا احساس ہوا تو وہ دوسرے ہی لمحے تیزی سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا اور جیسے تیسے کر کے شلوار کرتا پہن کر باہر آ گیا۔
"تم......تم یہاں کیا کر رہی ہو سونیا......اور کامیش کہاں ہے وہ یقیناً تمہیں ڈھونڈ رہا ہو گا تم اس وقت یہاں کیوں آئی ہو؟" فراز بے حد بدحواسی میں بولتا چلا گیا جب کہ جواباً سونیا بڑی ادا سے ہنس کر بولی۔
"اف فراز ایک ہی سانس میں اتنے ڈھیر سارے سوال......ذرا دھیرج رکھو ڈیئر ایسی بھی کیا گھبراہٹ ہے۔" اس پل سونیا کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اور رنگ تھے فراز سمجھتے ہوئے بھی نہ سمجھ رہا تھا جب ہی سونیا اعظم خان مست سی چال چلتے ہوئے اس کے قریب آ کر رکی اور اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں ڈال کر بے حد عجیب انداز میں ہنسی اس پل فراز شاہ کے دماغ میں جیسے جھکڑ چلنے لگے تھے وہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹا اور بے حد الجھی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

(باقی ان شاء اللہ اگلے ماہ)

آزمائش

رفاقت جاوید

"تم کیا کرلو گے بیٹا' ایک بار جو چیز ہاتھ سے نکل جائے' وہ لاکھ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ آج تین دن ہوگئے' کوئی ٹیکسی اور ڈرائیور نہیں چھوڑا' جس سے پوچھا نہ ہو۔ کوئی پاگل ہی ہوگا جو واپسی کا فیصلہ کرے۔ ہمارے تو مقدر ہی کھوٹے نکلے۔ بس اب تو دل وسوسوں اور اندیشوں سے اس قدر پریشان رہنے لگا ہے کہ بیان کرنا مشکل ہے کہ بیٹی کی شادی کی شروعات ہی بدشگونی سے ہوگئی۔ یقین جانو بیٹا' اس مہنگائی اور بے روزگاری کے دور میں' ساڑھے دس لاکھ کا نقصان سہنا اتنا مشکل نہیں' جتنا خوف ناقابل برداشت ہوگیا ہے کہ بیٹی کا سسرال اس حادثے کو کیسے لیتا ہے۔ اف یہ سوچ کر' کیا مجال کہ تین راتیں جو معمولی سی جھپکی بھی لی ہو۔" حلیمہ نے بھرائی آواز میں کہا۔

"اماں' ہر ایک کے سامنے رونا رونے سے ہمارا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔" بیٹی نے آہستگی سے سرگوشی کی۔

"آنٹی مجھے نشانی تو بتایئے۔ ہوسکتا ہے' میں آپ کی مدد کرسکوں۔" ٹیکسی ڈرائیور فیضان نے دھیمے لہجے میں آنکھیں جھکا کر کہا۔

"اگر ضد کرتے ہو تو سنو۔ لال رنگ کی ویلوٹ کی تھیلی تھی' اس میں دو بلوں والے کڑے تھے جو مجھے منہ دکھائی میں ملے تھے۔ سستا زمانہ تھا' چھ عدد چوڑیاں نئی بنوائی تھیں۔ انہوں نے ہمارا خون نچوڑ لیا تھا۔ اس کے پہلے دن کا نورتن ہار جو میری دادی سے چلا آرہا تھا' میری اماں کی چار عدد اصلی اسٹون کی دس دس گرام کی انگوٹھیاں اور اس کے ابا کی منگنی کی ایک تولے کی انگوٹھی جو میرے مرحوم بھائی کی نشانی تھی۔ اللہ اسے جنت نصیب کرے' بڑے چاؤ سے اس کے ابا کی انگلی میں پہنائی تھی۔ ہم داماد کو شادی والے دن پہنانا چاہتے تھے۔ اب تو زمانہ ہی بدل گیا' رواج میں بھی فرق ہے۔ لڑکے کو منگنی کے فنکشن میں ڈائمنڈ کی انگوٹھی اور شادی میں ڈیزائنر گھڑی اور سونے کی بھاری انگوٹھی نہ پہناؤ تو سسرال کا منہ ہی سیدھا نہیں ہوتا۔" حلیمہ کہتے ہوئے تقریباً رونے والی ہوگئی تھیں۔

"آنٹی آپ پریشان مت ہوں' آپ نے جو بتایا ہے' میں نے خوب غور سے سنا ہے' مجھے اپنا سیل نمبر دے دیجیے ہوسکتا ہے میں آپ کی مدد کرسکوں۔" فیضان سوچتے ہوئے تسلی دینے کے انداز میں بولا۔

"ہائے میرے بیٹے' اگر ہمارا سونا مل جائے تو وعدہ کرتی ہوں تمہارا منہ میٹھا کراؤں گی اور اس کے ابا سے انعام بھی دلواؤں گی' وہ دل کے مریض ہیں' ابھی تک تو درد ان سے چھپائے اکیلی ہی سہہ رہی ہوں۔" وہ امید وبیم لہجے میں بولیں اور ٹیکسی کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں۔ ضحیٰ بھی اپنا پرس بغل میں دبا کر ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھ کر بولی۔

"بھائی آپ نے امید دلا دی' آپ کے منہ میں گھی شکر' اللہ نے چاہا تو آپ اس ٹیکسی کو ڈھونڈ لیں گے جس کی سیٹ کے نیچے اماں نے زیور حفاظت سے رکھا تھا۔ پرس چھیننے کے ڈر سے اپنے ہاتھوں سے ہی نقصان کا جان لیوا دکھ برداشت کرنا پڑا۔ اگر سونا نہ ملا تو میری اماں زندہ نہیں بچے گی اور ابا کا نجانے کیا حال ہو؟ مجھے اپنی تو قطعاً فکر نہیں۔"

"بیٹا تو سچ کہہ رہی ہے' تیرا سسرال لالچی نہ ہوتا تو یہ گھاٹا' نقصان ہنس کر برداشت کر لیتی۔" ماں نے اندر جھانک کر کہا۔

"آنٹی آپ حوصلہ کریں اور دعا کریں میں دو گھنٹے تک آپ کو فون کروں گا اگر آپ کی نشانی کے مطابق زیور

میں نے حاصل کرلیا اگر فون نہ کرسکا تو سمجھ جایئے گا کہ میں زیور ڈھونڈنے میں ناکام رہا ہوں۔" فیضان نے ٹیکسی اسٹارٹ کی تو ضحیٰ بھی ٹیکسی سے باہر نکل آئی اور دل ہی دل میں دعا مانگنے لگی۔

❁......❁......❁

"یہ بونگا سالڑکا ہمیں زیور ڈھونڈ کردے گا۔ ناممکن ہے۔" حلیمہ نے سڑک پر چلتے ہوئے بیٹی سے کہا۔

"آپ ہی اس کے سامنے دل تو کیا تھیلی کھول کر بیٹھ گئیں۔ اماں میں خود بہت حیران ہورہی تھی کہ ایک ڈرائیور سے اتنی بڑی امید رکھنا بہت ہی نادانی اور بیوقوفی ہے۔ ویسے اماں آپس کی بات ہے اس کے ہمدردانہ لہجے میں جادو تھا۔ جو میں بھی دکھڑا رونے لگی تھی۔" ضحیٰ نے کچھ نادم سا ہو کر کہا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو بیٹا' ہر روز بھانت بھانت کے لوگوں سے ان کا واسطہ پڑتا ہے وہ سواری کی حیثیت کو اپنے فن' عقل وسمجھ کی گہری نظر سے پہچان جاتے ہیں۔ انہیں اپنی سواریوں کا چہرہ مہرہ دیکھ کر اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ کس قماش کے لوگ ہیں' کہاں سے کس مقصد کے لیے آئے ہیں اور کہاں جارہے ہیں۔ ان کی نظریں سڑک پر جمی ہوتی ہیں' لیکن وہ پیچھے دیکھنے والے آئینے میں اپنی سواریوں کو خوب دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ ان کے کان بھی بہت تیز ہوتے ہیں۔ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی سواریوں کی ہر بات سننے میں خوب ماہر ہوتے ہیں۔ ذرا تم اندازہ لگاؤ کہ ہم اپنا

مسئلہ بے حد دھیمی آواز میں ایک دوسرے سے بیان کررہی تھیں۔ اس نے ہر لفظ سن لیا اور پھر ہماری گفتگو کا حصہ بننے میں دیر نہ کی۔" ماں نے "فیشن کا گھر" کے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"اماں اب تو دل چاہتا ہے کہ اپنا برائیڈل ڈریس جب ٹرائی کروں تو اسی حالت میں ٹیکسی میں جا بیٹھوں' ورنہ وہ بھی زیادہ سنبھالنے کے چکر میں گم ہوسکتا ہے۔" ضحیٰ نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"ہاں بیٹا...... دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک کر پیتا ہے۔ اتنے بھاری نقصان کے بعد ہم زندگی بھر ایسا ہی کرتی رہیں گی۔" ماں آہ بھر کر بولی۔

ماں بیٹی شاپ کے اندر داخل ہوگئیں۔ چار موسموں کے علاوہ پانچواں موسم شادیوں کا ہوتا ہے اس موسم کی ایک شام مہندی' برات اور ولیمے کی رسموں سے خالی نہیں ہوتی۔ دکان میں خاصی بھیڑ تھی۔ ماں بیٹی بھی ایک کونے میں بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگیں۔ اسی اثنا میں ضحیٰ کے منگیتر قاسم کا فون آیا۔ ضحیٰ نے اپنے پرس کے تینوں حصوں میں تیزی سے ہاتھ مار کر موبائل باہر نکالا۔

"تمہارے ابا کا فون ہوگا' جونہی گھر سے باہر قدم نکالو ان کی مخبری شروع ہوجاتی ہے' کہاں پر ہو' کیا کررہی ہو' واپسی کب تک ہے؟ مجھے بھوک لگی ہے۔ جلدی آنے کی کوشش کرو' وغیرہ وغیرہ۔ خدا کی قسم دودھ پیتا بچہ بن جاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ میں بازار میں عیاشی کررہی ہوں۔" وہ

خود کلامی کرتی رہیں جبکہ ضحیٰ دکان سے باہر نکل کر قاسم کا فون سننے لگی۔ کچھ ناگواری سے بولی۔

"ہم ابھی ڈریس تک پہنچ نہیں پائیں۔ بہت رش ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے محرم چالیس دن تک نہیں سال بھر قائم رہے گا۔ جو شادیوں کا بازار گرم ہو چکا ہے' رمضان شریف سے پہلے اور محرم سے پہلے ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ کسی طریقے سے بیٹی اور بیٹے کی شادی ہو جائے۔ دکان دار بھی عورتوں کو خوب بیوقوف بناتے ہیں۔ آرڈر اور پسند کے برعکس جو بھی بن جاتا ہے اسے مجبوراً گاہک کو قبول کرنا پڑتا ہے۔"

"ضحیٰ رانی اس حسین دلنشین وقت کو خوب انجوائے کرو' ایسا وقت بار بار نہیں آتا۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ پچھلے تین چار دنوں سے تم کچھ پریشان اور فکر مند لگتی ہو' مسئلہ کیا ہے؟" وہ حیران کن لہجے میں بولا۔

"مسئلہ' مسئلہ کیا بتاؤں قاسم؟ خاصا گھمبیر ہے۔ اماں نے ابھی تک ڈر کے مارے ابا تک کو نہیں بتایا۔ میں آپ کو بتانے جا رہی ہوں۔ ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر سنیے اور اپنے تک ہی رکھیے گا' آنٹی کے کان میں بھنک بھی پڑ گئی ناں تو پھر یہ شادی نہیں ہوگی۔" وہ رازدارانہ انداز میں بولی۔

"خدا خیر کرے' ایسا کیا مسئلہ درپیش ہے۔ مجھے فوراً بتاؤ۔" وہ بے چینی وفکر مندی میں بولا۔

"خیر ہی تو نہیں قاسم' شادی کا تمام زیور ایک ٹیکسی میں چھوڑ کر ہم ماں بیٹی چل دیں۔ ہم دونوں نے فیض آباد کی کوئی ٹیکسی نہیں چھوڑی' لیکن وہ ٹیکسی نظر آئی نہ ہی ڈرائیور......" وہ روہانسی ہوگئی۔

"تمام ٹیکسیاں ایک ہی جیسی سال خوردہ اور بوسیدہ ہوتی ہیں۔ اس لیے پہچان تو مشکل ہے۔ بہرکیف یہ بہت سیڈ نیوز ہے۔ اب کیا ہوگا؟" وہ اضطراری کیفیت میں بولا۔

"یہی سوچا ہے اماں نے کہ خالہ کی خواہش ہم فوری طور پر تو پوری نہیں کر سکیں گے۔ گاڑی کے بجائے اس وقت اور بہت سی ذمہ داریاں نبھانے کی ضرورت ہے۔ گاڑی تو بعد میں بھی آپ کو دی جاسکتی ہے۔" وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔ "یہ راز خود تک ہی رکھیے آپ میرے ہمسفر بننے جا رہے ہیں سوچا کہ آپ سے پردہ داری کیسی اور کیونکر ہو۔" ضحیٰ کا یہ انکشاف اس کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح جا لگا اور اس کا سر گھوم گیا۔ خود پر قابو پانے میں اسے چند سیکنڈ لگے۔

"قاسم آپ بھی شاکڈ ہوگئے ہیں ناں' یہ خبر ہی ایسی ہے' آپ میرے اور اماں کے رنج والم اور بے بسی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔" وہ بھی جذبات پر قابو پاتے ہوئے احتیاط سے بولی۔

"یہ تو بہت برا ہوا' گاڑی میں تم نے دلہن بن کر ہمارے گھر آنا تھا۔ برادری کے سامنے تو امی کی ناک کٹ جائے گی۔ میں نے انہیں پہلے ہی بہت مشکل سے تمہارے لیے آمادہ کیا تھا۔" وہ انتہائی سرد مہری سے بولا۔

"یہ آپ کی چوائس تھی' ابھی بھی سوچ لیجیے۔" وہ ایک دم سنبھل کر بولی۔ "ایسی باتیں چھوڑیے قاسم' بات تو یہاں پر ہی ختم ہوتی ہے کہ میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی' آپ ہی اس مسئلے کا حل ہیں' اس لیے آپ کے ہی گوش گزار رہی ہوں' تاکہ آپ آنے والے وقت کے لیے خود کو تیار کر سکیں۔"

"تم میری پسند ہو ضحیٰ' اس میں شک نہیں کہ میں تمہارے ذہن وقلب میں کہیں بھی موجود نہ تھا' امی کو تم ان کے سپنوں سے برعکس لگی تو انہوں نے میرا منہ بند کرنے کے لیے شرائط رکھ دیں۔ تم سچ کہتی ہو کہ وہ شادی نہیں ہونے دیں گی' یہ قانون دنیا ہے کہ پیار کرنے والے کو جدائی کے مواقع ہر قدم پر اس سے نظریں چار کر کے اس وقت تک مضطرب رکھتے ہیں جب تک وہ اسے حاصل نہیں کر لیتا۔ امی خاصی ضدی واقع ہوئی ہیں گھر میں ہمیشہ سے ان کی ہی چلتی ہے۔ ان حالات میں ہماری شادی ایک معجزہ ہی ہوگی' جس کی مجھے قطعاً امید نہیں رہی۔" وہ نہایت سنجیدگی سے بولا۔

"آپ ہمارا ساتھ دے سکتے ہیں قاسم' وقت گزرنے

کے ساتھ سب ٹھیک ہوجائے گا۔اس وقت ہماری خوشیاں اور مسکراہٹیں بہت اہم ہیں۔ان مادی چیزوں کا کیا غم لگانا' آج ہیں تو کل نہیں۔ میں تو اماں کو مشورہ دے رہی تھی کہ مجھے آرٹیفشل زیور پہنا کر رخصت کردیجیے' مگر وہ بولیں کہ تمہاری ساس کو تو آرٹیفشل کڑے نہیں پہنا سکتی' تیرے دلہا کو انگوٹھی اور چین پیتل کی پہنانے سے بہتر ہے کہ مرجاؤں' مجھ سے تیرے سسرال کے طعنے تشنے نہیں سنے جائیں گے۔قاسم آپ ہی کچھ کریں کہ دونوں گھرانوں کی عزت رہ جائے۔'' وہ تڑپ کر بولے جارہی تھی۔ جب قاسم کی طرف سے جواب نہ ملا تو ضحیٰ نے خود کو سمجھا بجھا کر اپنی قوت برداشت کا پیمانہ لبریز کرنا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی قاسم بولا۔

''آئی ایم سوری ضحیٰ' اس معاملے میں' میں کچھ نہیں کرسکوں گا۔ پہلے ہی ماما آپ کے خاندان کے ہر فرد کی عادات پر تنقید کرتی رہتی ہیں۔ جب یہ خبر سنیں گی تو اس پر قطعاً یقین نہیں کریں گی' میں کتنی صفائی پیش کرسکتا ہوں۔'' وہ متذبذب لہجے میں بولا۔''میں ماں کے سامنے بہت مجبور ہوں' ضحیٰ' مجھے معاف کردینا۔''

''آپ نے درست فرمایا ہے' قاسم اللہ تعالیٰ نے اس نقصان کے عوض مجھے بہت اعلیٰ دولت سے نواز دیا' تھینک یو ویری مچ قاسم' آپ کی ماں کے انکار سے پہلے میں اس شادی سے انکار کرتی ہوں۔'' وہ برجستہ بولی اور موبائل آف کردیا۔

قاسم وہیں دم بخود ہوکر اپنے موبائل کو گھورنے لگا۔ جس نے اس کے منہ پر ایسا طمانچہ مارا تھا کہ وہ اس کی اذیت وکرب میں تاحیات مبتلا رہے گا اپنا درد اور ندامت مٹانے کے لیے۔اس نے اسی لمحے ضحیٰ کو فون کیا' ایک بار' دوبار' حتیٰ کہ بیسیوں بار لیکن اس کا فون ہر بار نو رپلائے ملا۔ایک تو اس غریب اور مفلس طبقے کی ایگو بہت بڑی ہوتی ہے۔ میں بھی ایسا چالاک کوا نکلا جو شٹ پر ہی جاگرا۔ وہ خود کو کوسنے لگا اور ایک نامعلوم اور پراسرار قوت نے اس کی تمام حسیات پر غلبہ پالیا اور وہ جو محبت کے گن گاتے نہ

تھکتا تھا وہ ایک دم ضحیٰ سے ایسے دور ہوا جیسے بجلی کے ننگے تار کو غلطی سے چھو لینے کے بعد کی کیفیت ہوتی ہے۔

''ضحیٰ تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ چند دن بعد تمہاری شادی ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ میں شادی نہیں کروں گی۔'' حلیمہ نے غصے میں چیختے ہوئے کہا۔ ''میں یہی تو کہتی تھی کہ سونا گم ہونا بھی بھاری اور کہیں سے دوسرے کا ملنا بھی عذاب۔ بدشگونی کا نتیجہ تو سامنے آ گیا ناں۔''

''اماں میں نے مستحکم فیصلہ کرلیا ہے میں اس کی محبت کو سمجھ گئی ہوں۔ ان لالچی اور خودغرض لوگوں کے قابل آپ کی بیٹی نہیں ہے دن رات آپ سجدہ ریز ہو کر شکر ادا کریں کہ ہم ایک بہت بھاری آزمائش سے بچ گئے۔ سونا گم ہونا ہمارے لیے بہترین شگون ثابت ہوا ہے۔ آپ اس خوشی میں محلے بھر میں شرینی تقسیم کریں نہ کہ سوگ منانے میں اپنا وقت ضائع کریں۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔'' ضحیٰ نے ماں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''تو بالکل باؤلی ہوگئی ہے بیٹا اب یہ اتنا آسان کام نہیں رہا۔ بڑی ہی بدنامی ہوگی۔ ان کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ کل ہی اس کی ماں پھر سے بیٹے کی قیمت لگانے چل پڑے گی تم عمر بھر کنواری رہ جاؤ گی۔ میں تمہارے ابا کو بتائے دیتی ہوں جوتے کھالوں گی گالیاں سہہ لوں گی آخر کار وہ اس مسئلے کا حل نکال لیں گے۔ ان کی کھٹارا گاڑی بھی تو ڈیڑھ دو لاکھ سے زیادہ مالیت کی نہیں میرے پاس تو رتی سونا نہیں رہا۔ پھوٹی کوڑی نہیں۔'' حلیمہ کے چہرے پر الجھن بھرا تاثر پھیل گیا اور بدنامی کے خوف سے وہ ہونٹ چبانے لگی۔ یہ اُن کی بہت پرانی عادت تھی کہ جب بھی کسی مسئلے کا حل نہ نکال پاتی تو اس کے ہونٹ کی شامت آجایا کرتی تھی۔ چند دنوں میں ہی ماں کی آنکھوں کے گرد سرمئی حلقے نمودار ہوگئے تھے۔

''اف ہم تو کھیل جیت کر ہار گئے۔'' حلیمہ بار بار یہ جملہ دہرا رہی تھی جو ضحیٰ کو بہت ناگوار گزرتا تھا۔

''ضحیٰ میں نے ان بنگلوں کے اندر رہنے والے مکینوں کو کبھی اتنے قریب سے نہیں دیکھا نہ ہی انہیں پرکھنے کا موقع ملا۔ یہ تو بہت مہین مٹی کے ذرے سے بھی کمتر لوگ ہیں جو ان بنگلوں میں ہی گم ہوجاتے ہیں۔ زرق برق لباس مہنگے اور مرغن کھانے کے باوجود ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ان کا ظاہرانہ پن چاہے کتنا ہی اعلیٰ ارفع نظر آتا ہو لیکن ان کا باطن کھوکھلا ہوتا ہے ایک ڈھول کی طرح جو بجتا تو خوب ہے جب اسے پھٹنے کے بعد دیکھا جائے تو وہ اندر سے بالکل ہی خالی ہوتا ہے نہ اس کا کوئی کردار ہوتا ہے نہ اخلاص نہ پائیداری اور ہیمگی ہوتی ہے اس کے بڑے پن میں۔''

''مجھے تو تمہارا سسرال ایسا ہی لگا ہے۔ ذرے سے کمتر اور ڈھول کی مانند کھوکھلا بے وقعت اور ناکارہ۔'' حلیمہ نے بے حد دکھ بھرے لہجے میں کہا لیکن بیٹا ہم لڑکی والے ہیں ناں مجبور اور بے بس جس لڑکی کا رشتہ شادی سے چند دن پہلے ٹوٹ جائے تو پھر اس کی ڈولی والدین کی دہلیز سے نہیں اٹھتی۔ ہاں جنازہ ضرور اٹھتے ہوئے دیکھا ہے۔''

''اس لیے میری جان اب شادی کے انکار کا ایک لفظ بھی تمہاری زبان سے نہ سنوں میرا دل ڈوبنے لگتا ہے تمہارے ابا پہلے ہی کاروبار میں گھاٹے کی وجہ سے دل کے مریض بن گئے ہیں۔ انہیں کیسے بتاؤں کہ مجھ سے کتنی بڑی غلطی سرزد ہوگئی وہ پہلے ہی مجھے بہت بے وقوف سمجھتے ہیں۔ یہ تم بھی جانتی ہو کہ انہوں نے گھر کا خرچ اپنے ہی ہاتھ میں نہ رکھا ہوتا تو آج اتنی بڑی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ عورت ہمیشہ کچھ نہ کچھ کانٹ چھانٹ کرکے بچا ہی لیتی ہے اور وہی بچت مشکل وقت میں کام آتی ہے۔ بیٹا میری ایک نصیحت اپنے پلے باندھ لو شوہر سے گھر کا خرچہ مہینے کی پہلی تاریخ پر ہی نکلوا لینا۔ اگر تم نے وہاں جاتے ہی ایسا نہ کیا تو تمام عمر بھکاری بن کر زندگی گزارو گی اس معاملے میں لحاظ داری سے کام مت لینا۔'' ہر ماں کی طرح وہ اپنا تجربہ اس کے گوش گزار نے لگی تو ذرا ساطنزیہ مسکرائی۔

''اماں وہاں جاؤں گی تو جمع تفریق کرنے کے بارے میں سوچوں گی ناں ان بڑے لوگوں کے دل تو ابا

کی سوچ کی طرح بہت چھوٹے ہیں۔ ابا مجبوری کے تحت خرچ اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے ان کا مقصد آپ کو اپنا محتاج بنانا ہرگز نہ تھا۔ محلوں میں رہنے والے لوگ اگر یہ چیچ حرکت کرتے ہیں' یہ ان کے اندر کی ان سیکیورٹی ہوتی ہے جو انہیں مجبور کردیتی ہے کہ عورت کو خود مختار اور آزاد مت کرو' کہ وہ آپ کو سوالات سے بے حال کردے۔ آپ ابا سے شکایت کرنے کے بجائے ان کی عظمت کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ کسی بھی برے وقت میں انہوں نے آپ کے زیور پر نظر نہیں رکھی۔ آپ کا گھر بیچنے کا بھی تصور نہ کیا۔ مجھے یونیورسٹی کی تعلیم دلانے سے انکار نہ کیا' تین بیٹوں کو ان حالات میں بیکن ہاؤس کی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کرنا ان کے پیار و توجہ کی طرف اشارہ ہے۔ میں اب برسر روزگار ہوں' اپنے ابا کا بازو بننا چاہتی ہوں۔ آپ نے شادی کے بھیانک کھیل کی شروعات کردی' اس کھیل میں ہماری ہار ہوگئی اماں' مجھے کوئی شوق نہیں ہے بڑے گھر کی بہو بننے کا جس کی اصل حقیقت میں جانتی ہوں۔ ایک بن مول لونڈی اور خزاں رسیدہ درخت کا وہ پتہ جو کبھی یہاں تو کبھی وہاں.....'' وہ ماں سے نظریں ملا کر خود اعتمادی سے بولی۔

''تم تو اپنی دادی سے بھی زیادہ دور اندیش فلسفی اور منطقی نکلی۔ ایسی باتیں تم نے ان سے ہی سیکھی ہیں لیکن پھر بھی شادی کا فیصلہ بدل نہیں سکوگی کیونکہ ایسا رشتہ میں خوابوں میں تو دیکھ سکتی ہوں' تصوراتی دنیا میں اس کا کوئی دخل نہ تھا۔'' وہ مستحکم لہجے میں بولی۔

''ذرا موبائل پر وقت تو دیکھو۔ اس نے دو گھنٹے کا وقت دیا تھا' ہائے بیٹا ہم ہی اس کا نمبر لے لیتے۔ میں تو بھلکو ہوگئی ہوں' تم بھی یاد نہیں رکھتی۔''

''اماں چھ گھنٹے ہوگئے ہیں اس بات کو۔'' ضحیٰ منہ بنا کر بولی۔ ''آپ کی یادداشت کو کیا ہوگیا ہے؟ حوصلہ کریں اماں' ابھی سے یہ حال ہے تو جب آپ کے جگر کا ٹکڑا ان کے گھر رخصت ہوجائے گا تو لگتا ہے آپ کا حافظہ بھی میرے ساتھ ہی رخصت ہوجائے گا۔'' اسی اثناء میں ماں

غزل

اس کے ہاتھوں میں بھی پتھر آ گیا
سامنے یہ کیسا منظر آ گیا
بے وفائی کا نیا الزام بھی
کس لیے جاناں' میرے سر آ گیا
میں رہا پیاسے کا پیاسا اور اُدھر
ان کے حصے میں سمندر آ گیا
راستہ سنسان تھا لیکن وہی
سامنے یادوں کا لشکر آ گیا
وہ میری نظروں سے اوجھل ہوگیا
یہ کہاں لے کر مقدر آ گیا
خون کی پہچان رانا کھوگئی
بھائی کے ہاتھوں میں خنجر آ گیا

قدیر رانا..... راولپنڈی

کے موبائل پر رنگ نے دونوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔

''اللہ کرے ڈرائیور کی طرف سے خوش خبری ہو۔'' حلیمہ نے خود کلامی کی اور فوراً فون اٹھا کر خوشی اور غمی کے ملے جلے جذبات میں نمبر اور نام دیکھ کر بولی۔

''تمہاری ساس کا فون ہے۔ اللہ خیر ہی کرے۔ بھئی ساس کا مزاج درست رہنا بہت ضروری ہے۔''

''اماں میری بات غور سے سنیں۔ اس سے پہلے کہ وہ شادی کرنے سے انکار کریں' آپ فوراً اپنی مجبوری بتائیں اور انکار کردیں' آپ کی عزت بھی رہ جائے گی' اور ابا کی لعن طعن سے بھی چھٹکارا مل جائے گا۔'' ضحیٰ نے اپنے دل کے درد کو دباتے ہوئے ہمت و جرأت سے کہا۔ ''ابا ٹھیک ہی فرماتے تھے کہ آسمان کی بلندیوں سے نیچے اترآ' میری بیٹی کو گھر کی مالکن بنانے کے بجائے لونڈی کیوں بنانے لگی ہو۔''

''چپ رہ۔'' ماں نے آنکھیں نکال کر کہا اور بات کرنے لگی۔

''جی آپ نے صحیح سنا ہے امید پر دنیا قائم ہے' کچھ نہ

کچھ آج نہیں تو کل ہو جائے گا۔ آزمائش بھی تو ہمارے جیسے انسانوں پر آتی ہیں کبھی ہم پر بھلے دن تھے نجانے میرے پالنہار کو ہماری کون سی بات بری لگ گئی کہ دولت ہاتھ سے ایسے نکل گئی جیسے مٹھی سے ریت۔ آخری پونجی بھی گئی۔" وہ رو دی تھیں۔

"تو پھر ایسا کرتے ہیں حلیمہ' آزمائش ٹلنے کا انتظار کر لیتے ہیں۔ اس پر تو ہمارا اختیار ہے ناں۔ اس وقت ہمیں عقل سے کام لینا چاہیے۔ تم تو جانتی ہو کہ میں نے جگ ہنسائی سے جان چھڑانے کی غرض سے تم سے گاڑی کی ڈیمانڈ کی تھی اور سونا بھی اتنا ہی کہا' جتنا دوسری بہوؤں نے ہمیں دیا تھا' تاکہ ضحیٰ کو اپنے سسرال میں سبکی نہ ہو اور وہ ان سب میں ایسے گھل مل جائے جیسے شکر اور کھیر' اسٹیٹس میں پلڑے متوازن نہ ہوں تو سگے بہن بھائیوں میں دوری اور تنازعی فاصلے آجاتے ہیں۔ قاسم میرا سب سے چھوٹا بیٹا ہے سب کی آنکھ کا تارا' میں اسے اپنے خاندان سے الگ تھلگ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اس کی خوشی کی خاطر میں نے بہت بڑی قربانی دی ہے۔ آپ بھی تو میری مجبوری سمجھیں۔ آج تک بھائی صاحب کے کاروبار کو صیغہ راز میں رکھا ہوا ہے۔" وہ سختی اور سرد مہری سے بولیں۔

"بہن آج کل بچے شادی اپنی پسند کی ہی کرنا چاہتے ہیں اور والدین بھی ان کی پسند کو مدنظر رکھ کر رشتوں کا فیصلہ کرتے ہیں۔ آپ تو جانتی ہیں کہ ضحیٰ کا اس میں کوئی رول نہیں' ہمارے گھروں میں یہ انوکھا یا عجیب حادثہ نہیں ہوا۔ بچے ایک ساتھ پڑھیں گے تو بعض اوقات ایک طرف سے بھی پسندیدگی ہو سکتی ہے' دونوں طرف سے بھی ممکن ہے۔" حلیمہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"میرا بیٹا ہی نادان نکلا' بے حد معصوم اور بھولا' میں نہیں جانتی آخر قاسم کے دل میں اترنے کی معمولی ہی سہی کچھ تو کوشش ضحیٰ کی طرف سے ہوئی ہوگی۔ قاسم تو ایسا بچہ ہے کہ اسے جیتنے کے لیے خنجر کی نہیں روئی کا گالا ہی کام کر جاتا ہے۔" وہ نفرت آمیز لہجے میں بولیں۔

"تو بہن ایسے کرتے ہیں جیسا آپ نے فرمایا ہے کہ آزمائش کے ٹلنے کا انتظار کرتے ہیں۔" حلیمہ نے آہ کو دباتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔ "یہ تو بہت ہی اچھا ہو گیا کہ آپ کو اپنے بیٹے کو سمجھانے کا مزید وقت مل گیا۔ آج آپ کی اس گفتگو سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ہمیشہ بیوی کو شوہر کی ججمنٹ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ انہوں نے دنیا کے ہر طرح کے رنگوں میں سے اپنے تجربات ومشاہدات کے رنگ چڑھائے ہوتے ہیں۔ آپ نے آج وہی باتیں کی ہیں جو اس کے ابا آج بھی دہراتے ہیں۔" اس کے لیے ایک متوسط طبقے کی عورت کی یہ گفتگو خاصی تعجب خیز تھی۔ جو حالات کے شکنجے میں مقید ایک جوان لڑکی کی ماں بھی تھی۔

آخر بیٹے کو دس الٹی سیدھی باتوں کے اضافے سے بدظن کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے یہ طریقہ کار کافی حد تک کامیاب ہوتا نظر آیا' تو ماں کے خوابوں میں نئی لڑکی اپنی تمام تر رعنائیوں اور طرازیوں سے جلوہ گر ہو کر اسے شاداں وفرحاں کرنے لگی اور بیٹے کے لاکھ سمجھانے کے باوجود اس نے قاسم کے سسرال سے رابطہ منقطع کر دیا اور نہ مکمل طور پر انکار اور نہ ہی اقرار جیسے کرب میں مبتلا کر دیا۔ جیسے قیدی کی کبھی رہائی اور کبھی پھانسی کی کیفیت میں ہر وقت دھڑکے میں رکھنے کی اذیت ہو۔

❀❀❀

"آنٹی آپ فیض آباد پہنچیں' میں آپ کو وہاں ملوں گا۔" فیضان نے خوش گوار لہجے میں کہا۔

"کوئی خوش خبری سنانے والے ہو ناں۔" حلیمہ تجسس بھرے لہجے میں بولی۔ "کیوں بیٹا ایسا ہی ہے ناں؟"

"میں ملاقات پر آپ کو حقیقت بتانا چاہتا ہوں۔" وہ تسلی بخش لہجے میں بولا اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ حلیمہ بھاگنے کے انداز میں ضحیٰ کے کمرے کی طرف چل دیں۔

"ضحیٰ اللہ تعالیٰ نے ہماری فریادیں سن لیں۔ ہائے دیکھو جس دن سے تمہارے ابا نے سنا ہے' باہر نکلنا چھوڑ دیا' ہم تو ایک وقت میں دو آزمائشوں میں گھر گئے ہیں۔"

"اماں ڈرائیور نے کیا کہا؟ کیا زیور مل گیا ہے؟ مجھے یقین نہیں آرہا یہ ناممکن ہے اماں اُس نے دو گھنٹوں بعد فون کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ آج بیسویں دن کیسے یاد آ گیا۔ وہ بھی مجھے چکر باز ہی دکھتا ہے۔ قاسم ایک کھاتے پیتے گھر کا پڑھا لکھا لڑکا ہونے کے باوجود ان کی شرائط نہ پوری ہونے پر ہم سے روٹھ گیا' وہ تو ڈرائیور ہے جو دن بھر اور آدھی رات تک ٹیکسی چلا کر دال روٹی کا بندوبست کرتا ہے اور اسے سونا مل بھی گیا تو ہمیں واپس کیونکر کرے گا۔ آپ خوش فہمیوں سے نکل آئیں اماں' ورنہ بہت دھچکہ لگے گا۔" ضحیٰ نے ماں کو پیار سے سمجھایا۔

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔ اس نے سونا دینے کی بات نہیں کی' مجھے فیض آباد پہنچنے کا کہا ہے۔ اٹھو بیٹا' دونوں چلتی ہیں' اپنے ابا کو بتانے کی ضرورت نہیں' ورنہ وہ جانے سے روک دیں گے۔ ہمیں ایک بار جانا تو چاہیے ناں۔" وہ پُرامید لہجے میں بولی تو ضحیٰ ماں کے ساتھ چل پڑی۔

❁........❁........❁

فیض آباد پہنچ کر انہیں فیضان کو ڈھونڈنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی' کیونکہ وہ سامنے ہی اپنی ٹیکسی سے ٹیک لگائے کھڑا محوِ انتظار تھا۔ ماں بیٹی نے ٹیکسی اس کے قریب رکوا کر میٹر دیکھا اور ڈرائیور کو بل ادا کرنے کے بعد دونوں فیضان کی طرف بڑھ گئیں۔ فیضان نے احتراماً انہیں سلام کیا اور اگلے ہی لمحے اپنی ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ماں بیٹی نے ایک دوسرے کی طرف سراسیمگی سے دیکھا اور ٹیکسی میں بیٹھ گئیں۔ فیضان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر ان کی طرف ویلوٹ کی سرخ تھیلی بڑھا کر بولا۔

"آنٹی جی...... اسے ہاتھ لگانے کی معافی چاہتا ہوں۔ دراصل آپ اسی ٹیکسی میں سوار ہوئی تھیں اور اپنا زیور سیٹ کے نیچے بھول کر اتر گئیں' آپ کے جانے کے بعد میں گاڑی کو صاف کر کے اگلی سواری کے لیے تیار کرنے لگا تو مجھے یہ تھیلی مل گئی' میں فوراً سنار کی طرف چل دیا۔ میں کنفرم کرنا چاہتا تھا کہ سونا اصلی ہے یا نقلی۔ جب

> **نظم**
>
> میری زیست کا یہ سفر
> کٹ رہا ہے۔ بن سحر
> جیسے
> تیز آندھی کے
> زور آور جھکڑ
> یا پھر
> گھور سیاہ رات کا
> پچھلا پہر
> اے رب العزت
> میری زندگی میں کر سحر
> مجھے کر لے خود سے قریب تر
>
> آمنہ ولید...... لاہور

مجھے علم ہوا کہ سونا تو اصلی بھی ہے اور دس گیارہ لاکھ کی مالیت کا ہے تو میں سیدھا گھر گیا اور دادی اور امی کو بتانے کے بجائے زیور اپنی الماری میں جوتوں میں چھپا دیا اور الماری کو لاک لگا دیا۔ فیض آباد کے اسی اڈے پر میں نے اپنی سواریوں کو ڈھونڈنا شروع کیا' لیکن میں پہچان نہ سکا۔ میں نے ہمت نہ ہاری اور ہر سواری کی گفت و شنید سننے لگا کہ میں جن کی امانت کا ذمہ دار بنا بیٹھا ہوں انہیں ڈھونڈنے میں کامیاب ہو سکوں۔" یک دم وہ کچھ نادم ہوتے ہوئے بولا۔ "آنٹی میں معذرت چاہتا ہوں' وقت کی پابندی نہ کر سکا' پاپا کو ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا۔" اس غیر متوقع خبر کے سنتے ہی ماں بیٹی یک دم زمین بوس ہونے اور آکاش کی بلندیوں کی جانب پرواز کرنے کے سنسنی احساس سے چیخ اٹھیں جیسے زلزلے کے جھٹکے چونکا دیتے ہیں اور پھر سب بے اختیاری میں بھاگ اٹھیں۔ اور پھر دھیرے سے کچھ بے بسی اور تناؤ کم ہوتے ہوتے ہوش و حواس میں آنے لگیں' ان کا حال کچھ ایسا ہی تھا۔

"بیٹا تم انسان نہیں فرشتہ ہو۔ میں تمہاری اس خوش بخت ماں سے ملنا چاہتی ہوں جس کو اس قدر دیانت دار

ایمان کا پکا اور سچا وکھرا اپنا جنم دینے کا شرف حاصل ہے۔
بیٹا سچ کہوں کہ یہ ایک تلخ حقیقت ضرور ہے لیکن ہمارے لیے بہت اعلیٰ درس ہے۔ زیور کیا گیا ہم پر تو قیامت ہی برپا ہوگئی۔ اب تو میں کھل کر اس کے سسرال کو انکار کرسکتی ہوں اور اس کے بعد اپنی تعلیم یافتہ برسر روزگار بیٹی کا سودا کسی شرط پر نہ کروں گی۔'' وہ بے اختیاری میں بولتی چلی گئیں۔ جیسے پہاڑ کے نیچے سے کھولتا ہوا لاوا ابل پڑے اور بے قابو ہوکر گردوپیش کے علاقوں میں پھیلنے لگے۔

''یہ زیور بیٹی کی شادی کے لیے میں نے تیار کروایا تھا' چھ چوڑیوں کے علاوہ دو دو چوڑیاں جٹھانیوں کے لیے ان کے کہنے کے مطابق بنوائی تھیں' بقیہ تمام زیور میری شادی کا تھا جو میں پالش کروانے اور گرے ہوئے نگ نگینے ڈلوانے کے لیے اپنے جیولر کو دے کر آئی تھی۔ اس دن چوڑیوں کی بے منت کرتے ہوئے میں روئی تھی۔ اب تو سونے کو دیکھنا بھی مہنگا پڑتا ہے' بس یوں سمجھو کہ جیب خالی ہوگئی۔ اسی سوچ بچار میں تھی کہ شادی کے باقی اخراجات کیسے پورے ہوں گے' بس دماغ چل گیا۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ میں جب بھی کسی پریشانی وفکر مندی میں گھر جاتی ہوں' حافظے پر کالے بادل چھا جاتے ہیں۔ اس دن ایسا ہی تو ہوا تھا' پھر ہم پر دوسری آزمائش مسلط کردی گئی' شادی کو وقتی طور پر لڑکے والوں نے روک دیا۔ انہیں ہماری بچی سے غرض نہیں تھی' انہیں برادری کے طعنوں تشنوں کی فکر تھی۔ کیونکہ ان حالات کے پیش نظر ہم ان کی شرائط مثلاً مہران گاڑی' کیونکہ پہلی تین بہوئیں بھی گاڑیوں سمیت آئی تھیں۔ دوسری شرط ساس کو دس تولے کے کڑے' نندوں کو دو دو تولے کے جھمکے اور جیٹھانیوں کو تین تین تولے کی چوڑیاں' ہماری کمر تو اس دھات ہی نے توڑ دی۔ میں نے انہیں اپنی مجبوری لڑکے کے ذریعے بتائی تو ماں نے بے حد سنگ دلی اور بے دردی کا مظاہرہ کیا' وہ تو فوراً رشتہ توڑنے کی جرأت کر دکھاتی اپنے بیٹے کی وجہ سے مجبور ہوگئی اور شادی کو وقتی طور پر روک دیا گیا۔ بیٹا بات یہ ہے کہ رشتہ ہی بے جوڑ تھا۔ ایک وقت تھا جب ہم بھی دولت میں کھیلتے تھے' کاروبار میں ایسا گھاٹا ہوا کہ نوبت ایک کپڑے کی دکان تک آ پہنچی۔ میرے تینوں بیٹے ابھی پڑھ رہے ہیں۔ ضحیٰ کو یونیورسٹی کی تعلیم دلائی۔ وہاں قاسم اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا اور نجانے اس نے اپنی ماں کو شادی کے لیے کیسے رضامند کرلیا؟ کہ اس نے ہماری حیثیت سے بڑھ کر شرائط عائد کردیں۔ ہم نے اپنی بیٹی کی بہتری کے لیے ان کی ہر شرط مان لی' کیونکہ یہ رشتہ ہماری حالیہ حیثیت سے ہزار درجے اونچا اور بہترین تھا۔ بس بیٹا لالچ نے ہمیں ذلیل ورسوا کردیا۔ یہ سسرال حیرت انگیز حد تک صاف گو' بے لحاظ اور منہ پھٹ کیوں ہوتا ہے' میں نے اپنی زندگی میں ایسا ہی دیکھا ہے۔'' وہ بے اختیارانہ بول رہی تھیں اور ضحیٰ پہلی بار ڈرائیور کا جائزہ لے رہی تھی جو کسی طرح سے ڈرائیور نہیں لگتا تھا۔ نہ ظاہراً نہ ہی باطن ڈرائیور جیسا تھا۔ بے حد سلجھا ہوا' جینز اور شرٹ میں ملبوس کسی اچھے گھرانے کا معلوم ہوتا تھا۔ بازو میں اومیگا گھڑی بھی اس کی گواہی دے رہی تھی۔ اس کے سامنے شیشے پر ایک پوسٹر چسپاں تھا جس پر لکھا ہوا تھا نشہ آور دوائیوں اور چرس' ہیروئن' افیم کوکین سے نجات حاصل کرنے کا فری ادارہ۔ رابطہ کیجیے' نیچے موبائل نمبر لکھا ہوا تھا۔ ضحیٰ کو شک ہوا جیسے یہ نمبر تو جانا پہچانا ہے۔ اس نے فوراً ماں کے موبائل پر ان نون نمبر کو ٹاپ پر دیکھا۔ یقیناً یہ نمبر تو اسی ڈرائیور فیضان کا تھا۔ وہ یہ معما حل نہ کرسکی۔ حلیمہ ابھی تک اس سے اپنا تلخ تجربہ وضاحت سے بیان کرنے میں محو تھی اور فیضان سر جھکائے انہماک سے اس کی روداد سن رہا تھا۔

''آنٹی جی قصور ہمارے معاشرے کا ہے۔ ہمارا اور آپ کا ہرگز نہیں۔ زمانہ جہالت میں دنیا بھر میں معاشرہ مرد کو یعنی باپ' بھائی' شوہر اور بیٹے کو فوقیت دینے کی فرسودہ روایات پر قائم کیا گیا تھا۔ قرآن کریم نے عورت کے حقوق پر بے حد زور دیا ہے۔ اس کے باوجود آج بھی اسلامی معاشرہ اسے حقوق دینے میں کافی حد تک ناکام رہا ہے جب بھی اسلام پھیلا اور تبلیغ کی بات ہوتی ہے تو سب سے پہلے ہر گناہ کی جڑ عورت کو ٹھہرایا جاتا ہے اور اسے

صرف گھر کی چار دیواری میں قید کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ بہت بھیانک نکلا کہ عورت قید تنہائی کے خلاف سڑکوں پر بینر اٹھائے تو نہ نکلی لیکن تعلیم کے میدان میں مردوں سے آگے بڑھ گئی لیکن ہمارے معاشرے یعنی مرد کی سوچ میں فرق آنے کے بجائے غصہ واضطراب بڑھا اور عورت کو مزید دبانے کی ناکام کوشش ہونے لگی۔ جس کی بھونڈی صورت ایک ماں میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ظلم ہوا ہے۔ اگر لڑکا فطرتاً درست ہوتا تو وہ ماں کو راہ راست پر لاسکتا تھا۔ اس دنیا میں تمام وہ خامیاں برائیاں اور علتیں شامل ہیں جن کی بے شمار صورتیں ہیں ایک صورت آپ بھی دیکھ رہی ہیں۔'' وہ نہایت خود اعتمادی سے بول رہا تھا اور ماں بیٹی سکتے کے عالم میں ہک دک اسے دیکھ رہی تھیں کہ یہ لڑکا کون ہے کہاں سے آیا ہے اور ٹیکسی ڈرائیور کیوں ہے؟ کئی سوالات ان کے ذہن میں گڈمڈ ہونے لگے تھے۔ قدرے توقف کے بعد وہ پھر گویا ہوا۔

''آنٹی آپ اپنا زیور چیک کرلیجیے اور مجھے وصول کرنے کی رسید دے دیجیے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات میں سے ایک یہ بھی حکم الٰہی ہے کہ جب لین دین کرنے لگو تو لکھ لو کسی گواہ کی موجودگی میں۔ آپ میری امی سے ملنا چاہتی ہیں میں آپ کو اپنے گھر لے چلتا ہوں۔ ان سے ملاقات بھی ہوجائے گی اور ان کی گواہی میں لکھت پڑھت بھی ہوجائے گی۔'' حلیمہ نے سر کو جھٹکا دے کر اپنے شعور کو بیدار کیا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ ضحیٰ ابھی تک اسے سمجھ نہ سکی تھی۔ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ اسے یہ تو یقین ہوگیا تھا کہ فیضان ایک غیر معمولی شخصیت کا حامل ہونے کے ساتھ شریعت کی پاسبانی کرنے والا نیک انسان ہے جس کی مثال انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھی۔

ٹیکسی ایک پوش سیکٹر میں داخل ہوئی تو ضحیٰ دل کی گہرائیوں تک خوف وڈر اندیشے اور وسوسے کو محسوس کرنے لگی تھی۔ ماں نے بھی اضطراری سرگوشی کی ہم کسی دھوکے کا

شکار بننے تو نہیں جارہیں۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھیں کہ ٹیکسی ایک وسیع وعریض بنگلے کے گیٹ کے سامنے رکی اور فوراً ایک باوردی گارڈ نے پھرتی سے گیٹ کھولا۔ پورچ میں لینڈ کروزر اور مرسڈیز کے پہلو میں اس نے ٹیکسی کو پارک کیا اور نیچے اتر کر حلیمہ کی سائیڈ کا دروازہ کھولا تو حلیمہ نے ضحیٰ کی طرف کچھ نروس ہوتے ہوئے دیکھا۔

''اماں میں یہاں ہی آپ کا انتظار کرتی ہوں۔'' ضحیٰ منمنائی' گھبراہٹ اور پشیمانی کے حملے سے حلیمہ کے آدھے سر میں شدید درد کی لہریں اٹھنے لگیں اور زبان میں لکنت کی وجہ سے وہ بولنے سے قاصر رہی۔

''آنٹی یہ میرا گھر ہے۔ یہاں آپ اور یہ سونا بالکل محفوظ ہے۔'' وہ ان کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے بولا۔ مگر ماں بیٹی حیرت وخوف سے ٹس سے مس نہ ہوسکیں۔ فیضان مین ڈور سے گھر کے اندر داخل ہوگیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنی عمر رسیدہ ماں کے ساتھ باہر نکلا۔ ماں کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور چہرہ نور کی ضوفشانی میں بے حد حسین لگ رہا تھا۔ وہ ان کے قریب آکر ہاتھ بڑھا کر بولی۔

''السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ اندر تشریف لائیے' میں فیضان کی ماں ہوں۔'' اس کے چہرے پر مسکراہٹ اور لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی۔ ماں بیٹی ہمت بحال کرتے ہوئے باہر نکلیں اور اس کی راہنمائی میں پیچھے چل دیں۔ بنگلے کی ڈیکوریشن نواب کے پیلس کی نشاندہی کررہی تھی۔

''تو پھر فیضان ٹیکسی ڈرائیور کیوں؟'' یہ سوال ایسا گھمبیر تھا کہ انہیں جواب نہیں مل رہا تھا۔

سب سے پہلا کام جس کے لیے دونوں اس کے گھر آئی تھیں' وہ پایہ تکمیل تک پہنچا۔ ایک گواہ فیضان کی طرف سے ماں تھی' دوسرا گواہ ضحیٰ کی طرف سے فیضان کی دادی تھی۔ انہوں نے کاغذ کو رول کرکے ویلوٹ کی تھیلی کے اندر رکھ دیا۔ ماں اور بیٹا ڈرائنگ روم سے تھوڑی دیر کے لیے غائب ہوگئے۔ دادی فخر ومسرت کے ملے جلے امتزاج میں بول رہی تھیں۔

''اللہ تعالیٰ نے پوتا شادی کے بیس سال بعد ہمیں انعام کی صورت میں بخشا تو میری بہو نے اسے واپس اللہ کے حوالے کردیا۔ اس نے دنیاوی تعلیم کی ہر ڈگری حاصل کی لیکن جو ڈگری اسے اللہ تعالیٰ نے انعام کی صورت میں بخشی' وہ بہت اعلیٰ اور قابل ستائش نکلی۔ وہ تھی خدمت خلق کی ڈگری۔ اس کے بعد اس گھر پر اس کی ایسی عنایتیں دنوازشیں ہوئیں کہ I/10 سے ہم F/7 میں معجزاتی طور پر پھینک دیئے گئے اور پھر پوتے نے ٹیکسی چلانا شروع کردی۔ کیونکہ اس کی مرسڈیز تک کسی حاجت مند کی رسائی نہ ہو پاتی تھی۔ اب اس کی ٹیکسی میں اس رب کی وہ مخلوق سفر کرتی ہے جو ہمدردی ومحبت کے سچے حق دار ہیں اور میرا پوتا بسوں' ویگنوں اور ٹیکسی کے اڈوں سے مجبور اور ذہنی طور پر کمزور و مایوس واداس نوجوانوں کو اٹھاتا ہے اور اپنے ادارے میں انہیں ٹھہرا کر علاج کرواتا ہے اور انہیں ایک نئی زندگی میں واپس لاکر چیرٹی کے اداروں میں نوکری دلوادیتا ہے یہ صلہ ہمیں کیوں ملا؟ سوچنے کا مقام ہے ناں۔'' وہ ذرا سا مسکرا کر عینک سے جھانکتے ہوئی بولیں۔

''جب اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اسی کو واپس سونپ دیا جائے تو پھر وہ اسے قرض سمجھ کر قبول کرتا ہے اور ہمیں تاحیات اس قرض کی واپسی بھاری منافع کے ساتھ کرنے لگتا ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے۔......

کیونکہ اس نے ہر انسان کو یکتا پیدا کیا ہے' ہر انسان کی شکل وصورت' جسم وسوچ ایک دوسرے سے مختلف بنائے ہیں۔ کچھ بے حد ظالم حریص اور قصہ وپندار میں مقید کچھ انا' خود داری' غیرت اور خود پسندی کے احساسات میں جکڑے ہوئے' کچھ مرنجاں مرنج راضی برضا اور صابر وشاکر' بیٹا یہ نامراد دولت' راحت اور مسرت ایسی نعمتیں ہیں جو سراسر امتحان ہیں' جو اس امتحان میں کامیاب ہوگیا وہ بن گیا فیضان اور جو ناکام ہوگیا وہ شیطان کے روپ میں شیطانیت جبلت رکھنے والوں پر ہی مسلط کردیا گیا' جو اپنی جیبوں کو آباد کرنے کے لیے حق داروں کا بھی استحصال کرتے ہیں جسے وہ اپنی عقل مندی' دور اندیشی گردانتے ہیں' جبکہ یہی لوگ خسارے میں ہیں۔''

"سبحان اللہ ہمیں ان وسیع و عریض بنگلوں کے اندر رہنے والوں سے ملنے اور ان کے کردار کو جانچنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔ کیونکہ اپر مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے۔ اب لوئر مڈل کلاس کی مہر ہماری پیشانی پر ثبت ہے ہم سمجھتے رہے کہ ان بنگلوں، محلوں اور کوٹھیوں کے تمام رہائشی زانی، رشوت خور اور دھوکے باز ہیں۔ جو ہم جیسے نچلے یا درمیانے طبقے کے لوگوں کو اپنی بلیوں اور کتوں سے بھی کمتر سمجھتے ہیں۔ جنہیں جینے کا حق نہیں، ذلالت و توہین ان کا مقدر ہے۔ وہ روتے ہوئے پیدا ہوتے ہیں، تڑپتے بلکتے ہوئے زندگی کے دن پورے کرتے ہیں اور پشیمانی، پچھتاوے اور خلش کی حالت میں اس دنیا سے سدھار جاتے ہیں کہ ہمیں پیدا ہی کیوں کر کیا گیا۔ ماں جی آج یہ شکوہ ختم ہو گیا، بعض اوقات انسان کے اعمال، نیک نیتی اور راست بازی اسے دنیاوی دولت سے آراستہ نہیں کر سکتی لیکن وہ سکون آرام و خوشی جو جنت کی خاصیت ہے، اس دنیا میں ہی حاصل ہو سکتی ہے اگر وہ ہر حال میں صابر و شاکر رہے اس سے بڑھ کر اور کوئی دولت نہیں، آج میرے گھر کا ہر فرد بے سکون کیوں ہے؟ کیونکہ ہم نے اللہ پر بھروسہ کرنے کے بجائے انسانوں پر اعتماد و یقین کیا اور ایسے منہ کی کھائی کہ چاروں طبق روشن ہو گئے۔ ہوش میں آنے کا تمام کریڈٹ فیضان کو جاتا ہے۔" حلیمہ نہایت عاجزی و انکساری سے بولی یہ اس کے دل کی آواز تھی۔ اور ذہن کی مثبت پیداوار تھی۔ اسی اثنا میں فیضان اپنی امی کے ہمراہ اندر داخل ہوا اور ضحیٰ کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ کر اس کا سرسری طور پر جائزہ لیا۔ اس کے حسین چہرے پر خلیق تاثر پھیلا ہوا تھا۔ اس کی ذہین آنکھوں میں خود اعتمادی کی جھلک نمایاں تھی اور لبوں پر پُرسکون مسکان ہویدا تھی۔ اس وقت کی ضحیٰ اور کچھ دیر پہلے والی ضحیٰ میں اس قدر فرق تھا کہ وہ حیران ہو کر سوچنے لگا۔ اندرونی طمانیت و تسکین انسان کے خدوخال کو سنوار دیتی ہے اور ایک عام سا چہرہ کس قدر حسین و دلنشین ہو جاتا ہے کہ اس سے نظر ہٹانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کی امی نے حلیمہ کا ہاتھ نہایت اپنائیت و لگاوٹ سے پکڑ کر مسرت آگین لہجے میں کہا۔

"خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ میرا فیضان اپنی زندگی بھر کا ساتھی ڈھونڈنے میں آج کامیاب ہو گیا، ماں جی آپ کو مبارک ہو۔ آپ کو آج کے دن کا انتظار بہت شدت سے تھا۔" وہ ساس کی طرف دیکھ کر بولی، تو ماں بیٹی نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"بچوں کو ایک دوسرے سے ملنے کی اجازت ہے، کیونکہ ہمارے مذہب نے عورت کو بھی پسندیدگی کا مکمل طور پر حق سونپا ہے۔ یہ ماڈرن زمانے کی باتیں نہیں، بہت دیرینہ اور پرانے احکامات ہیں۔ جب اسلام نے عورت کے حقوق اس کو سونپ کر دین کی عظمت و بڑائی کا ثبوت دیا تھا۔" فیضان کی امی نے مسکراتے ہوئے کہا تو ضحیٰ نے حیرت و مسرت کے امتزاج میں فیضان کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر مکمل طور پر سچائی اور پذیرائی کی مہر ثبت تھی۔

اس نے دلنشین اور دلفریب ہلکی سی مسکان کے ساتھ شرم و حیا سے بوجھل پلکیں جھکالیں اور دل نے گواہی دی کہ یہ سراب نہیں، ایک حقیقت ہے، اسی روئے زمین پر انسانوں کی ہمراہی میں فرشتے بھی بستے ہیں۔

❀

تیرے رنگ وچ

ریحانہ آفتاب

"رنم فاطمہ......" دادی کی کوئی چوتھی پانچویں مسلسل پکار تھی جس سے بچنے کے لیے وہ کب سے کوشش کررہی تھی۔ ہر بار دادی کی پکار پر اس کے خوابیدہ وجود میں ہلچل ہوتی۔ اب کے اس نے تکیہ کان پر رکھ کر اسے ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ غالباً دادی کو بھی رنم فاطمہ کی ڈھٹائی کا احساس ہوگیا تھا تب ہی سلام پھیر کر انہوں نے خوابیدہ پوتی کے انداز ملاحظہ فرمائے۔

"رنم فاطمہ......" اب کے دادی نے تکیہ اس کے کان سے ہٹایا۔

"سونے دیں دادی پلیز۔" کسمسا کر اس نے تکیہ دوبارہ کان پر رکھنا چاہا مگر دادی اس کا ارادہ بھانپ گئی تھیں۔ تب ہی تکیہ اٹھا کر انہوں نے قدرے دور پھینک دیا تو وہ مندی مندی آنکھوں سے اور بے چارگی سے دور پڑے تکیہ کو حسرت سے دیکھ رہی تھی۔

"کیوں آدھی رات کو اٹھا رہی ہیں دادی؟" اس نے جیسے دہائی دی۔

"آدھی رات......لڑکی فجر کی نماز کا وقت نکلا جارہا ہے۔" دادی نے حیرت کا اظہار کیا اور تسبیح لے کر پلنگ پر بیٹھ گئیں۔

"میں تو ابھی سوئی تھی دادی۔ سونے دیں پلیز۔" اس نے رحم کی اپیل کی۔

"ہاں تو تم کون سا تہجد کے لیے جاگ رہی تھیں۔ لگی تھیں موا فیس بک واٹس اپ پر اپنی سہیلیوں کے ساتھ۔" دادی کو تو شوشل ایپ سے ویسے بھی خدا واسطے کا بیر تھا۔

"پلیز دادی میں ظہر کی نماز کے ساتھ فجر کی قضاء نماز بھی پڑھ لوں گی ابھی سونے دیں۔ آنکھیں نہیں کھل رہیں میری۔" اس نے پلکیں جھپک جھپک کر جیسے التجا کی۔

"چار رکعت پڑھنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ اٹھو شاباش۔" دادی کو اپنے موقف سے پیچھے ہٹانا ناممکن تھا۔ بحث سے بھی نیند متاثر ہورہی تھی اس سے تو یہ ہی بہتر تھا کہ دادی کی بات مان لی جاتی۔ وہ جھٹکے سے اٹھی۔

"شاباش جاؤ وضو کرکے آؤ جلدی سے۔" انہوں نے چھوٹی بچی کی طرح پچکارا تو وہ منہ بسورتی وضو کرنے چلی گئی۔ جیسے تیسے جھومتی جھامتی چار رکعت مارے باندھے پڑھ کر اس نے جلدی سے جائے نماز سمیٹی اور بیڈ کی طرف دوڑ لگادی دادی ابھی تک بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔

"صبح کی نماز سے چہرے پر نور برستا ہے دیکھو تو کیسا کھلا کھلا لگ رہا ہے چہرہ۔" دادی نے محبت سے رنم فاطمہ کا چہرہ دیکھا۔

"کیا ہی اچھا ہو جو قرآن پاک کی تلاوت بھی کرلو۔ کوئی تسبیح ہی پڑھ لو۔" دادی کہہ رہی تھیں لیکن جب دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو انہوں نے بغور رنم فاطمہ کو دیکھا جو دوبارہ سوچکی تھی اس کی بے فکری عمر کی مست نیند کو محبت سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر دوبارہ سے تسبیح پڑھ کر اس پر پھونکیں مارتی جارہی تھیں۔

❁ ❁ ❁ ❁

"بڑی بے حیا ہے یہ ہر بار منہ اٹھا کر مہینوں کراچی کا رخ کرلیتی ہے۔"

"کون رنم کس کی بات کررہی ہو؟" سنبل نے اس کے جھلائے انداز پر حیرانی سے دریافت کیا۔

"گرمی اور کون......سارا سال گرمی کراچی پر راج کرتی ہے اور سردی اسے تو آتے ہی جیسے جانے کی لگ جاتی ہے۔" لان کا سوٹ پہنے چہرے پر آئے پسینے کو ٹشو سے صاف کرتی وہ سخت برہم نظر آرہی تھی۔

"اور کیا سردی ہوتی ہے تو عاشقوں کے دل سے دعا نکلتی ہے بے چارے رضائی میں دبکے سیل فون کان سے لگائے نائیٹ پیکجز میں لگ کر نیٹ ورک والوں کا بھلا کرتے ہیں مگر خدا کی مار ہو گرمی پر جو عاشقوں کے راز فاش کردیتی ہے۔" گھاس پر بیٹھی وانیہ اسائنمنٹ بنا رہی تھی پوائنٹر بند کرتے اس نے بھی جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

"تمہارا درد تو ہم محسوس کرسکتے ہیں۔" سنبل نے شرارت سے آنکھ ماری۔

"چپ کرو ایسا نا ہو گرمی کا سارا غصہ تم پر اتر جائے۔" وانیہ نے دھمکایا۔ وانیہ اپنے کزن میں انٹرسٹڈ تھی ان کی بات طے ہوگئی تھی مگر وہ کھلم کھلا تو سب کے سامنے بات نہیں کرسکتے تھے۔

"گرمی ہے تو کیا ہوا تم رضائی اوڑھ لیا کرو اور اماں کو بتاؤ کہ عاشقی میں سردی لگتی ہے۔" سنبل نے چڑایا۔

"یہ بھی کرکے دیکھا ہے۔ جب مارے گھٹن اور پسینے سے بی پی لو ہونے لگا تو اماں نے ہی دو دھموکے لگا کر رضائی اسٹور میں رکھوادی تھی۔" وانیہ منہ بسور کر بولی۔

"حد کردی تم نے۔" سنبل کے ساتھ رنم فاطمہ کی ہنسی بھی بے ساختہ تھی۔

"ہمیں کچھ نا کہو کہ محبت کے مارے ہیں ہم...... کیا کچھ کرتی پھرتی ہو محبت میں۔" رنم فاطمہ نے جیسے مذاق اڑایا۔

"جب کوئی چاہنے والا تمہاری زندگی میں آیا تب پوچھوں گی بیٹا......" وانیہ نے جیسے دانائی کا سبق پڑھایا۔

"میں ایسی بے وقوفی ہرگز نہیں کرسکتی۔" رنم فاطمہ نے مسکرا کر جیسے اسے جھٹلانا چاہا۔

"محبت اچھے اچھوں کو بدل دیتی ہے کبھی تو چھری تلے آؤ گی۔" وانیہ اپنے موقف پر قائم تھی اور اس موضوع پر اسے کوئی ہرا بھی نہیں سکتا تھا۔

"چلو اسلامیات کی کلاس کا ٹائم ہوگیا۔" سنبل نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے انہیں احساس دلایا۔

"اتنی گرمی میں میرا دل نہیں چاہ رہا سر سے پاؤں تک حجاب میں لپٹی کنیز کو دیکھوں اف اسے تو دیکھتے ہی گرمی لگنے لگتی ہے۔ ہمارا لان کے سوٹ میں دوپٹے کو نوچ پھینکنے کو دل کرتا ہے اور ایک یہ کنیز صاحبہ ہیں گلوز سوکس اف گرمی کا احساس دوچند۔" رنم فاطمہ نے جیسے ہی ذکر نکالا شومئی قسمت کنیز بلیک عبایا' گلوز اور سوکس میں لپٹی کلاس کی طرف جاتی نظر آنے لگی۔ اسے دیکھتے ہی اس نے جیسے جھرجھری لی۔

"اسے دیکھ کر جھرجھری لینے کے بجائے اس سے ہدایت لینی چاہیے۔ شرعی پردہ عورت کی بقا بھی ہے اور احکام بھی۔" وانیہ نے حقیقت گوش گزار کی۔

"پردے سے ہم گندی نظروں سے بچ جاتے ہیں وہ ٹھیک ہے لیکن یہ بھی تو دیکھو کس بلا کی گرمی ہے اور عبایا' گلوز اور سوکس۔" رنم فاطمہ کے ذہن سے گرمی کا احساس ختم نہیں ہو رہا تھا وانیہ کی بات اس نے بیچ میں ہی اچک لی۔

"جہنم کی گرمی کو یاد رکھوگی تو یہ گرمی کچھ نہیں لگے گی ڈیئر اور جب عشق رسول ﷺ ہو تو کوئی کام مشکل نہیں لگتا۔ ایک انسان کی محبت میں جب ہم کھانا پینا' اوڑھنا بول چال کا انداز تک بدل لیتے ہیں تو عشق رسول ﷺ میں کیوں نہیں۔"

"انہیں خبر ہی نہیں ہوئی کلاس کی طرف جاتے کنیز جانے کہاں سے ان کے پیچھے چلتی آرہی تھی۔ ہم قدم ہوتے اس نے ان کی گفتگو میں حصہ لیا تو اس کی دلیل پر سنبل اور رنم فاطمہ تو کچھ نہ بول سکیں وانیہ اتفاقی انداز میں سر ہلانے لگی۔

کلاس روم میں پنکھا چل رہا تھا کنیز نے ان کے ساتھ ہی کلاس میں داخل ہوتے ہوئے السلام علیکم زوردار آواز میں کہا جس سے کلاس میں ہلچل مچ گئی تھی۔ کچھ نے جواب دیا اور کچھ نے مسکرانے پر اکتفا کیا۔ چیئر پر بیٹھ کر کنیز نے اپنے چہرے سے حجاب ہٹا دیا تھا کہ کلاس میں صرف لڑکیاں ہی ہوتی تھیں رنم فاطمہ نے اس کے پسینے سے تر چہرے کو بغور دیکھا جس پر بے پناہ سکون تھا۔

❀❀❀❀

"کیا ہو رہا ہے ڈیئر؟" وہ کچن میں مصروف عمل تھی جب عالیان کچن میں آیا۔ اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

"پائن ایپل اسکوائش بنا رہی ہوں بھائی۔ آپ پئیں گے۔" جوسر میں پائن ایپل کے کیوبز ڈالتے اس نے آفر کی۔

"نا کہا تو بھی تم نے پلا کے ہی دم لینا ہے۔ ویسے گرمی آتے ہی تمہیں ہو کیا جاتا ہے۔ کبھی فالسے کا شربت کبھی کیری، چیری اسٹرابری کی شامت آئی رہتی ہے۔" عالیان نے مسکراتے ہوئے چھیڑا۔ وہ اس کی ہائے گرمی وائے گرمی سے آگاہ تھا۔

"اصولاً تو تمہیں کچن کو رونق ہی نہیں بخشنا چاہیے اے سی سے نکل کر اسکوائش بنانا اف......" عالیان نے چھیڑا۔

"اے سی میں بیٹھ کر اسکوائش پینے کا مزا ہی کچھ اور ہے بھائی اور مشروبات سے جسم کو توانائی ملتی ہے جسم سے نمکیات پسینے کی صورت خارج ہو جاتی ہے تو جسم کو تقویت پہنچانے کے لیے گرمیوں میں مشروبات اہم کردار ادا کرتے ہیں۔"

"اب گرمی کے فروٹس اور اسکوائش کے فوائد گنوانے نا لگ جانا۔" عالیان نے ہاتھ جوڑے تو وہ مسکرا دی۔

"گھر میں کچھ ہے جو مہمانوں کے آگے رکھا جاسکے۔" کیبنٹ چیک کرتے عالیان نے پوچھا۔

"جی بسکٹس ہیں۔ کباب بھی ہیں فرائی کردوں گی۔ شام کے لیے ماما نے اسنیکس بھی بنا رکھے ہیں۔" رنم فاطمہ نے تفصیل سے بتایا۔

"گڈ اور تمہارا اسکوائش بھی تو۔" عالیان نے جیسے مزا لیا۔ وہ بھی مسکرا دی۔

"میں شاور لے لوں، کچھ دوستوں نے آنا ہے۔" عالیان نے کچن سے نکلتے ہوئے کہا۔ وہ سر ہلا کر جوسر میں آئس کیوبز ڈالنے لگی۔ اسکوائش تیار ہوگیا تھا۔ ڈور بیل بجی۔ ماما گھر پر نہیں تھیں عالیان واش روم میں تھا۔ ہاتھ خشک کرتی وہ دروازے تک آئی۔

"السلام علیکم۔" دروازہ کھلتے ہی اسکائی بلو جینز اور اسکائی بلو شرٹ میں گلاسز آنکھوں پر چڑھائے احسن قدرے فاصلے پر کھڑا تھا۔

"وعلیکم السلام؟" اس کے دل کی دنیا اتھل پتھل ہونے لگی۔ وہ اتنا ہینڈسم اور فریش لگ رہا تھا کہ اس پر نظر پڑتے ہی اس کا دل سرپٹ دوڑنے لگا۔ اس کے پیچھے دو اور حضرات تھے جنہیں وہ وقتاً فوقتاً دیکھتی آئی تھی۔ یہ تینوں عالیان کے بیسٹ فرینڈ تھے۔ ان چاروں کی کالج سے دوستی چلی آرہی تھی۔ اکثر و بیشتر وہ ایک دوسرے کے گھر رونق بخشتے تھے۔ احسن چند قدم چل کر اس تک آیا۔ اس کی چوڑی پشت کے پیچھے وہ دونوں جو اسے دیکھ رہے تھے ان کی نظریں کچھ چھپ سی گئی تھیں قریب آکر احسن نے گلاسز کو آنکھوں سے پر منتقل کیا اور اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالی۔

"عالیان کو انفارم کردیں ہم آئے ہیں۔" اندر کی طرف اشارہ کرتے اس نے جیسے اسے اندر جاکر اطلاع دینے کا اشارہ کیا۔

"بھائی شاور لے رہے ہیں۔" رنم فاطمہ اس کی مضبوط کلائی میں بجی گھڑی کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"اوکے آپ گیسٹ روم کا ڈور کھول دیں ہم ویٹ کرلیں گے۔" باقی دونوں بھی قدرے قریب آگئے تھے احسن نے جیسے اسے مسلسل کھڑے رہنے پر ہدایت کی۔

"جی ضرور۔" وہ اس کی نظروں کا انداز دیکھ کر چند قدموں کے فاصلے پر موجود گیسٹ روم کی طرف بڑھ گئی۔ جس کا ایک دروازہ باہر کی طرف کھلتا تھا دروازہ کھول کر وہ تیزی سے نکل گئی مبادا پھر اس کی آنکھیں بول پڑیں کہ اندر جاؤ۔

"میرا دل نہیں چاہتا اس پر سے نظریں ہٹانے کو اس کی ساحر آنکھیں گھڑی گھڑی اندر جانے کو بولتی ہیں۔ کتنا مغرور ہے کم بخت پہ سوٹ بھی کرتا ہے۔ رج کے ہینڈسم ہے۔" وہ بڑبڑاتی فریج سے کباب کا پیکٹ نکالنے لگی۔ جب تک کباب فرائی ہوئے وہ دیگر لوازمات پلیٹوں میں

سجا کر اسکوائش گلاس میں انڈیل چکی تھی۔

"آ گیا شیطانی ٹولہ۔" عالیان فریش سا کچن میں داخل ہوا۔

"جی بھائی...... گیسٹ روم میں بیٹھے ہیں۔" اس نے نظریں چرا کر کہا۔

"سو سوئیٹ بہنا' تم نے ٹرے بھی تیار کردی۔" عالیان سراہتی نظروں سے ٹرے کو دیکھتے اسے محبت سے کہہ رہا تھا۔ اس نے بھی اسپیکٹی بنالی تھی مسکرا کر ٹرے اسے تھمادی۔ عالیان کے جانے کے بعد اسپیکٹی اور اپنا گلاس لیے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

احسن سے اسے کب سے محبت ہوئی وہ نہیں جانتی تھی۔ تب وہ اسکولنگ میں تھی جب پہلی بار احسن نے دروازے پر دستک دی تھی اور ساتھ ہی اس کے در دل پر بھی۔ وہ ایک لمحے کو فریز ہوگئی تھی تب اس نے اس کے چہرے کے آگے چٹکی بجا کر کہا تھا۔

"گڑیا...... عالیان سے کہو احسن آئے ہیں۔" وہ ان دنوں میٹرک میں تھی اور اس وقت اسکول یونیفارم میں ہی ملبوس تھی۔ اتنی چھوٹی بھی نہیں لگ رہی تھی کہ وہ اسے بچوں کی طرح ٹریٹ کرتا مگر اس کا انداز بزرگوں والا ہی تھا۔

"گڑیا......!" کئی دنوں تک اسے یہ فقرہ مسکرانے پر مجبور کرتا رہا۔ وقتاً فوقتاً ان کا سامنا ہوتا رہا وہ میٹرک سے ماسٹرز لیول تک آ گئی تھی عالیان اور اس کے دوست بھی تعلیمی مدارج طے کرکے پریکٹیکل لائف میں آ چکے تھے مگر آج بھی رنم فاطمہ کی احسن پر نظر پڑتے ہی فریز ہوجاتی تھی۔ عالیان سے اتنی گہری دوستی ہونے کے باوجود رنم فاطمہ کی کبھی اس سے تفصیلی بات نہیں ہوئی تھی۔ اسے تو خبر بھی نہیں تھی کہ احسن کے دل میں کیا ہے؟ وہ اسیر محبت ہے تو کیا محبت نے احسن سے اپنا تعارف کرایا ہے؟ ان سب سے بےخبر وہ چپکے چپکے اسے چاہے چلی جارہی تھی۔

❀ ❀ ❀
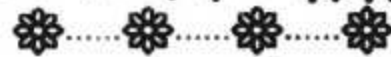
"رنم فاطمہ...... عشاء کی نماز پڑھ لی چندا؟" ماما فروٹ کاٹ رہی تھیں۔ دادی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ رنم فاطمہ سیب کی قاش اٹھا کر بائٹ لیتے دادی سے جڑ کر بیٹھ گئی جب دادی نے سوال کیا۔

"پڑھ لوں گی پیاری دادی جان۔ عشاء کی نماز میں ابھی بہت وقت ہے۔" اس نے سستی سے کہا۔ ماما مسکرادیں۔

"شیطان کو بھی تمہیں بہکانے کے لیے بہت وقت مل جائے گا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ سستی نا کرو اور تم نماز پڑھ لو شیطان کو بہکانے کا موقع ہی نہ دو۔" دادی کی ناصحانہ باتوں پر اس نے ہونٹ سکیڑتے بےچارگی سے ماما کو دیکھا۔ فروٹ کاٹتے ہوئے ماما ایک نظر دادی اور پوتی کے چہرے پر ڈالتی مسکرادیں۔

"آپ کے آنے سے یہ بہت اچھا ہوتا ہے اماں کہ رنم پانچ نہیں تو دو تین وقتوں کی نماز تو پڑھ ہی لیتی ہے۔"

"کیا ماما آپ بھی۔" وہ منہ بسورنے لگی۔

"میں تو ہر نماز میں دعا کرتی ہوں کہ ہماری رنم فاطمہ اللہ سے اتنا دل لگالے کہ اسے نماز کی ادائیگی کے لیے کسی کو ٹوکنا نہ پڑے اذان سنتے ہی اس کا دل خود نماز کی ادائیگی کے لیے بےقرار ہوجائے۔" دادی نے دلی خواہش بتائی۔

"آمین ان شاء اللہ وہ دن بھی آئے گا۔" ماما پُرامید تھیں۔

"پڑھ تو لیتی ہوں ماما نماز۔" اس نے جیسے احتجاج کیا۔

"ہفتے میں دو تین بار پڑھنے کو تم نماز کہتی ہو؟" ماما خشمگیں نگاہوں سے گھورنے لگیں۔

"وہ تو اماں آجاتی ہیں اور تمہیں ٹوکتی رہتی ہیں تو تم مارے باندھے پڑھ لیتی ہو ان کے جانے کے بعد پھر سے پرانی ڈگر پر لوٹ جاتی ہو۔" ماما نے بھی شکایت کی پٹاری کھول دی بات تو سچ تھی وہ چپکی بیٹھی رہی۔

"زور زبردستی یا مارے باندھے نماز پڑھنے سے نا اللہ خوش ہوگا اور نا ہی تمہیں عبادت میں لذت محسوس ہوگی۔ جب پتا ہوتا ہے کہ سال کے آخر میں تمہارا رزلٹ آنا ہے تم نے نئی کلاس میں جانا ہے تب تم پورا سال محنت کرتی ہو راتوں کو جاگ کر اسائنمنٹ بناتی ہو۔ جب طے ہے کہ ایک دن مرنا ہے دنیا میں گزارے ایک ایک پل کا رزلٹ اللہ

ہمارے ہاتھ میں تھمائے گا تو اس امتحان سے بے پروائی کیوں؟" دادی مشفق انداز میں اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھیں وہ سب کچھ جانتی تھی سمجھتی تھی پر جانے کیوں اکثر کوتاہی کر جاتی تھی کوئی نا کوئی مصروفیت آڑ بن جاتی تھی۔

"رہنے دیں اماں' سسرال جا کر یہ خود سدھر جائے گی۔ پہلی بار آپ کی موجودگی میں ایک فیملی آئی تھی نا رشتہ لے کر۔ انہیں ہماری رنم بہت پسند آ گئی ہے لڑکا رنم کے بابا نے دیکھ رکھا ہے انہیں بھی پسند ہے ماشاءاللہ لڑکا حاجی اور صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے یہ اس کے ماحول میں ڈھل جائے گی۔" ماما کہہ رہی تھیں دادی سر ہلا رہی تھیں رنم فاطمہ جھٹکے سے سیدھی ہوگئی۔

"وہ خواتین جو شرعی پردے میں آئی تھیں گلوز اور سوکس میں ملبوس۔" رنم فاطمہ کے سامنے خطرے کی گھنٹی بجی۔

"ہاں انہیں پسند آ گئی ہو تم۔" ماما نے اطلاع دی۔

"فار گاڈ سیک ماما' میں کسی مولوی گھرانے میں شادی نہیں کروں گی۔ ٹینٹ نما برقعہ پہن کر رہنے کا تصور بھی میرے لیے محال ہے۔"

"اچھے بھلے لوگ ہیں صرف شرعی پردے کی سختی پر انکار کہلوادوں۔" ماما کو غصہ آ گیا۔

"سختی سے کام نا لو...... شریعت میں نکاح' شادی کے لیے سختی کا حکم نہیں ہے۔ پسندیدگی کو اولیت دی گئی ہے۔"

"بجا کہا آپ نے لیکن اماں فیملی بہت نیک ہے۔ پرہیزگار لوگ ہیں۔ ایک اس کی فضول ضد پر اتنا اچھا رشتہ رد کیسے کروں۔" رنم فاطمہ دوپٹا گھسیٹتی جھٹکے سے پلنگ سے اتر گئی۔

"کریں آپ اپنی من مانی...... میں بھی ایسی جگہ شادی نہیں کروں گی جہاں میری مرضی نہ ہو۔ میں بابا اور بھائی سے بات کروں گی۔" وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھتی اپنے خیالات سے آگاہ کرنا نا بھولی۔

"ہاں ان دونوں نے ہی تو سر چڑھا رکھا ہے تمہیں۔"

"ہاں آپ تو سوتیلی ماں بن جاتی ہیں فوراً بھائی اور بابا سے ہی کہوں گی میں۔ وہیں شادی کروں گی جہاں میری مرضی شامل ہوگی۔" سیڑھیاں چڑھتی وہ مسلسل اونچی آواز میں کہہ رہی تھی۔ دفعتاً کسی سے بری طرح ٹکرائی اسے نے جھٹکے سے رخ موڑا۔ احسن جو کئی ثانیے سے سائیڈ پر کھڑا تھا کہ محترمہ سہولت سے اپنی جنگ سے فارغ ہو کر سیڑھیوں سے ہٹیں تو وہ نیچے جائے مگر جس ٹکراؤ کی وجہ سے وہ چپ چاپ کھڑا تھا وہ ہونی ہو کر رہی۔ اپنے نادر خیالات کا اظہار کرتے وہ مڑی اور شومئی قسمت کے احسن سے ٹکرا گئی احسن نے ہاتھ سینے سے اوپر کھڑے کر کے جیسے سرینڈر کر دیا کہ غلطی اس کی نہیں ہے۔ رنم فاطمہ کا سر زور سے اس کے سینے سے ٹکرایا تھا قریب تھا کہ وہ لڑھک جاتی مگر سرعت سے اس کا بازو تھام کر اسے بچا لیا گیا تھا۔

اس کے سنبھلتے ہی اس نے بازو چھوڑ دیا تھا۔

"لگی تو نہیں آپ کو؟" وہ اس کے کھلے بالوں میں چھپے چہرے کو ڈھونڈتے ہوئے بولا۔

"جی لگی ہے...... بہت زور سے لیکن آپ کو اس سے کیا؟ جائیں پروجیکٹ پر کام کریں اپنا۔" احسن اسے حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ غصے سے لال چہرہ الزام دیتی آنکھیں اور آخر میں لہجہ گلوگیر ہونے کے ساتھ آنکھوں میں پانی بھی بھر آیا تھا۔ وہ بت بنا اس کو دیکھتا رہا۔

"ہٹیں سامنے سے' میں آپ کے سامنے رونا بھی نہیں چاہتی۔" ہاتھ سے ہٹنے کا اشارہ کرتی وہ اسے تجسس میں مبتلا کر گئی تھی۔ آنسو پلکوں کی باڑھ پھلانگ کر رخسار تک آ گئے تھے۔ احسن کئی ثانیے اس کے پیچھے قدموں کے نشان دیکھتا رہا۔ پھر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

"کتنی اسٹوپڈ ہوں میں...... کیا ضرورت تھی مجھے اس کے سامنے بکواس کرنے کی...... دیکھ کیسے رہا تھا بت بن کر...... اس پتھر کو کیا خبر ہوگی کہ میں کب سے اس کی محبت میں مر رہی ہوں اور وہ انجان بن کر کبھی ریفریشمنٹ انجوائے کرنے کبھی بھائی کے ساتھ مل کر پروجیکٹ بنانے کے بہانے میرے سامنے آ کر میرے ضبط کا امتحان لیتا رہتا ہے۔ کتنے رشتوں کو ٹھکراؤں میں کتنے حیلے بہانے کر کے منع کروں گھر میں اور کس کس میں...... اس اسٹوپڈ

کو پتا بھی کہاں ہے میرے دل کا۔" تکیہ منہ میں دیئے وہ بڑبڑاتی اور روتی جارہی تھی۔

❀......❀......❀......❀

"رنم...... جلدی سے حلیہ درست کر کے ڈرائنگ روم میں آجاؤ احسن کی ماں اور بہنیں تمہارا رشتہ لے کر آئی ہیں۔" یونیورسٹی سے آکر وہ سوگئی تھی۔ پیپرز ہونے والے تھے ان کی ٹینشن الگ تھی۔ سو کر اٹھی تو بھوک کا احساس ہوا۔ اسی خیال سے وہ کچن کی طرف آئی تھی۔ ڈرائنگ روم میں ہوتی ہلچل سے اندازہ ہوگیا تھا کہ مہمان آئے بیٹھے ہیں۔

"میری پیاری بہنا بنے گی دلھنیا۔" عالیان قریب سے گنگناتا گزرا تو اس کا حلق تک کڑوا ہوگیا سمجھ گئی مہمان اسی کے لیے آئے بیٹھے ہیں بھوک اڑ گئی تھی۔

وہ بے دلی سے چائے تیار کرنے میں مصروف تھی جب ماما کچن میں داخل ہوئیں اور اسے خوش خبری سنائی اسے یقین نہیں آیا۔

"رئیلی ماما......؟" اس کے لہجے کی بے یقینی اور چہرے پر آئے رنگوں نے ماما پر آشکار کردیا کہ ان کی بیٹی آج تک کیونکر ہر رشتے سے انکاری تھی۔

"ہاں میری چندا...... چھوڑو کچن کو حلیہ درست کرو۔ میں نے عالیان کو سامان لینے بازار بھیج دیا ہے۔" ماما نے جار اس کے ہاتھ سے لے کر محبت سے کہتے اسے کچن سے باہر کی راہ دکھائی۔ وہ گومگو کی کیفیت میں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ یہ آنافاناً کیا ہوگیا تھا کہ احسن کے گھر والے اس کے طلب گار بن کر آگئے تھے وہ جتنا سوچ رہی تھی اتنا حیران ہورہی تھی۔

ایک خواب کی کیفیت میں وہ تیار ہوکر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔ اس کی ماں بہنوں نے اس سے کیا سوالات کیے کیا پوچھا وہ جیسے ایک خواب کی کیفیت میں انہیں جواب دیتی چلی گئی تھی۔

"کیا ہوا بیٹا...... اتنی کھوئی کھوئی سی کیوں ہو؟" احسن کی فیملی سے مل کر وہ لاؤنج میں آگئی تھی اسے کھوئے کھوئے دیکھ کر عالیان بھی وہیں بیٹھ گیا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی پھر مسکرا کر نفی میں سر ہلانے لگی۔

"اداس ہو یہ سوچ کر کے شادی کے بعد ہمیں چھوڑ جاؤ گی؟" عالیان اس کی گومگو کیفیت کو کچھ اور ہی سمجھا تھا عالیان نے اس کا سر اپنے کندھے پر رکھ لیا۔

"پتا ہے ایک بھائی کے لیے سب سے مشکل گھڑی بھی ہوتی ہے کہ اس کی جان سے عزیز بہن کے لیے اچھے لائف پارٹنر کا انتخاب۔ احسن بحیثیت دوست جگر ہے میرا۔ تمہارے لائف پارٹنر کے لیے جب بھی سوچتا تھا میرے ذہن میں اسی کا سراپا لہراتا تھا لیکن وہی معاشرتی ڈراوے دباؤ کہ اپنے منہ سے بھی اسے کہہ نہیں سکا کہ میں اسے تمہارے لیے پسند کرتا ہوں۔ وہ تو جب کل اس نے مجھے جھجکتے ہوئے بتایا کہ وہ اپنی فیملی کو بھیج رہا ہے تمہیں مانگنے تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس نے ساتھ ہی خدشہ بھی ظاہر کیا کہ میں روایتی بھائی کی طرح غیرت کا مسئلہ بنا کر دوستی ہی ختم نا کردوں لیکن اس گھامڑ کو کیا خبر تھی کہ یہ میری برسوں کی آرزو تھی۔" عالیان مسکراتے ہوئے سارا احوال سنا رہا تھا۔ وہ بھی کھل کر مسکرادی ورنہ تو ابھی تک شاک کی کیفیت طاری تھی۔

"چلو اچھا ہوا تم دونوں یہیں مل گئے۔" ماما اور دادی ایک ساتھ لاؤنج میں داخل ہوئیں۔

"احسن کی فیملی چلی گئی ماما؟" رنم فاطمہ بھی سیدھی ہوئی تھی۔

"ہاں چلی گئی۔ کیا ہتھیلی پر سرسوں جمانے آئے ہیں یہ لوگ بضد ہیں رنم کے پیپرز کے دو دن بعد ہی شادی کی رسومات شروع کردی جائیں۔" ماما جیسے تھک کر بیٹھ گئیں۔

"نیک کام میں دیری کیسی ثمر...... آج ہی سعادت کو کال کر کے بتادو۔ رشتے کے متعلق۔ احسن تو جیسے گھر کا بچہ ہے برسوں سے آنا جانا ہے اس کا...... کیسا سلجھا تمیزدار بچہ ہے جب ملتا ہے سلام کر کے سر جھکا کر سر پر ہاتھ پھرواتا ہے۔" دادی جیسے اس کی اس ادا پر فریفتہ تھیں۔

"واہ دادی آپ کو احسن کی ایک ادا اتنی پسند آئی کہ آپ کو وہ مجھ سے زیادہ اچھا لگنے لگا۔" عالیان نے جھوٹی خفگی دکھائی۔

"ارے نہیں بچے تو میرا خون ہے اپنے خون سے زیادہ کسی کی کشش نہیں ہوتی' احسن بھلے پرایا بچہ ہے مگر ہوتے ہیں نا کچھ بچے جو دل کو بھا جاتے ہیں اور اگر وہ اچھا نہ ہوتا تو اسے اتنی اہمیت دیتی کہ وہ تیرے بیڈ روم تک آپاتا۔ گھنٹوں تم لوگ کام کرتے ہو۔ تیرے اور بھی تو دوست ہیں جو صرف گیسٹ روم تک آتے ہیں حالانکہ تم چاروں ہی کالج سے دوست ہو۔ مگر احسن کو ان دونوں سے زیادہ اہمیت حاصل ہے تو یہ اس بچے کی کوالٹی ہے نا۔ جو اس کے پوچھنے پر تو نے اس کی فیملی کو گھر آنے کی دعوت دے دی۔ ورنہ تو بس تقریبات وغیرہ میں ہی ہم ملے تھے اب تک باقاعدہ گھر وہ پہلی بار آئی ہیں۔" دادی نے عالیان کی جھوٹی خفگی کو کچھ زیادہ سنجیدگی سے لے لیا تھا تب ہی تفصیل بتا کر اس کا دل ہلکا کرنے لگیں۔

"اور دیکھو نا پہلا رشتہ ہے۔ جس کے آنے پر ہماری رنم فاطمہ کی زبان تالو سے لگ گئی ہے' ورنہ تو ابھی تک زبان سے شرارے نکال نکال کر اس نے گھر میں گرمی کی حدت میں اضافہ کرنے کے ساتھ چیزوں کی اٹھا پٹخ بھی کرنی تھی۔" دادی کے شرارت سے بولنے پر سب کی نظریں ایک دم سے اس پر اٹھ گئیں۔ وہ جو مزے سے احسن کی تعریفیں سن رہی تھی سب کی نظریں خود پر محسوس کر کے گود میں رکھا کشن چہرے پر تان گئی سب کی مسکراہٹ نے اسے جھینپنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"تو یہ وجہ تھی تمام رشتوں پر واویلا کرنے کی۔" رات دادی کی گود میں سر رکھے لیٹی ہوئی تھی جب اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے انہوں نے ہولے سے اس کا چہرہ اپنی نظروں کے سامنے کر کے پوچھا۔ وہ ایک دم سے شرما گئی۔

"دادی......!" دوبارہ ان کی گود میں منہ چھپا گئی۔

"خوش رہو میری بچی...... شکر اللہ کا کہ اس نے بنا کسی تماشے کے میری بچی کی دلی خوشی اس کی جھولی میں ڈال دی اب اٹھو اور خشوع وخضوع سے شکرانے کے دو نفل پڑھ لو۔" دادی کی ہدایت پر پہلی بار اسے بھی اللہ کے حضور شکر ادا کرنے کا خیال آیا واقعی کس طرح بن مانگے ہی اللہ نے اسے اتنی بڑی خوشی دان کر دی تھی وہ اگلے پل باوضو ہو کر شکرانے کے نفل پڑھنے لگی تھی۔

❀......❀......❀......❀

"واؤ اتنی جلدی شادی کر رہی ہو۔ ایک ہم ہیں ماسٹرز کر چکے اور مسٹر رائٹ کا دور دور تک پتا نہیں۔ آخری پیپر سے فارغ ہو کر رنم فاطمہ نے سب کو کارڈ تھمایا تو سنبل بے ساختہ محرومی کا اظہار کر کے ان سب کے لبوں پر ہنسی بکھیر گئی۔

"سن لو ظالموں تمہارا ابھی تو نمبر لگا ہوا ہے فارغ فالتو تو میں ہی ہوں۔" سنبل، وانیہ کی ہنسی پر جل کر بولی۔

"میں بھلے چار سالوں سے بڑی ہوں لیکن رنم کی تو سمجھو لاٹری نکل آئی اچانک...... جن صاحب کو یہ من ہی من میں چاہتی آ رہی تھیں یہاں تک کے دوستوں کے سامنے بھی بھاپ نا نکالی منہ سے۔ وہ تو جب اس نے بات طے ہونے کی خبر دی تو اس کی خوشی سے میں نے پکڑا۔ تب محترمہ نے اعتراف کیا چھپی رستم تو یہ ہے جو چٹ منگنی پٹ بیاہ کر رہی ہے۔" وانیہ نے بھی رنم فاطمہ کو آڑے ہاتھوں لیا اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"رنگیلی رنم......!" سنبل بے یقین تھیں۔ اس نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"کب سے چل رہا تھا یہ سب......اور محترمہ نے کب محبت کا اظہار کیا؟" سنبل اس کے سر ہو گئی۔

"پہلی بار اس وقت دیکھا تھا جب میٹرک میں تھی اور اظہار محترم نے ابھی تک نہیں کیا بس رشتہ آ گیا اور بس۔" رنم فاطمہ نے سچائی بیان کر دی۔

"ایں...... یہ کون سی محبت ہے تم بچپن سے اس کے عشق میں غرق ہو اور اس نے رشتہ بھیجنے کے بعد بھی تم سے رابطہ نہیں کیا؟"

"اب ہر کوئی تمہارے فیانسی کی طرح بے شرم تو نہیں ہے ہو سکتا ہے اسے یہ بھی احساس ہو کہ عزیز دوست کی بہن ہے سو وائنڈ سو۔" سنبل نے طرف داری کی۔

"اسے محبت ہے بھی یا نہیں تم اس کی فیملی کی پسند تو نہیں انہوں نے تمہیں تقریبات میں بھی دیکھ رکھا ہے نا۔"

وانیہ ساری کڑیاں جوڑنے میں لگی ہوئی تھی۔
"تم کیوں دور کی کوڑی لارہی ہو یہ زیادہ اہم بات ہے کہ رشتہ طے ہوگیا اور اب شادی ہورہی ہے۔" سنبل نے ان کی سوچوں کو بریک لگایا۔
"کنیز ایک منٹ۔" ان کی باتوں کو توجہ سے سنتی زم فاطمہ کی نظریں چیزیں سمیٹتی کنیز پر پڑیں تو وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔
"میری شادی کا کارڈ۔ پوری کلاس آرہی ہے تم بھی آؤ گی تو مجھے خوشی ہوگی۔" زم فاطمہ کی کنیز سے کبھی بھی بہت اچھی دوستی نہیں رہی تھی لیکن کنیز کی شخصیت میں ضرور کچھ تھا جو جانے انجانے میں وہ اس کی گفتگو کا مرکز بن جاتی تھی۔
"بہت مبارک ہو زم فاطمہ۔" کنیز نے کارڈ تھامتے نہایت خوش دلی سے مبارک باد دی۔
"میں نے تم لوگوں کی گفتگو سن لی ہے۔ دل سے خوش ہوں کہ بن مانگے اللہ نے تمہارا دامن خوشیوں سے بھردیا۔ تم اس رب کا جتنا شکر ادا کرو کم ہے۔ ہمیشہ خوش رہو آمین۔" کنیز کی نرم میٹھی آواز ہی تھی جس کا ہر کوئی گرویدہ تھا۔
"بہت شکریہ شادی میں ضرور آنا۔" زم نے مسکراتے ہوئے اصرار کیا۔
"کب ہے تمہاری شادی؟" کنیز نے کارڈ کھولتے ہوئے پوچھا۔
"دو دن بعد مایوں کی رسم ہے۔"
"اوہ معذرت میں شادی کی تقریب کم اٹینڈ کرتی ہوں لیکن تمہاری کرتی تو بے حد خوشی ہوتی لیکن قسمت دیکھو کہ مجھے کل ہی گجرات کے لیے نکلنا ہے اور حسن اتفاق دیکھو میری شادی بھی چوبیس تاریخ کو ہی ہے گجرات میں۔" کنیز نے نرم مسکراہٹ سے کہا۔
"اوہ ریئلی......" زم فاطمہ کو بھی حیرانی ہوئی۔ کنیز نے سر اثبات میں ہلایا۔
"کسی کلاس فیلو کو کارڈ اس لیے نہیں دیا کہ کون گجرات آتا پھرے گا۔"
"ہاں یہ تو ہے۔" سنبل اور وانیہ بھی قریب آ گئی تھیں۔
"بہت مبارک ہو تمہیں بھی۔" زم فاطمہ نے پُرخلوص مبارک باد دی۔
"کنیز تمہاری ایک تصویر لے لوں؟ آج آخری دن ہے یونیورسٹی کا جانے پھر ہم کبھی ملیں نا ملیں۔ کم از کم تصویر دیکھ کر یاد تو کرسکتے ہیں ایک دوسرے کو۔" سنبل نے اپنا سیل فون آن کرتے ہوئے کہا۔
"نہیں دراصل میں تصویریں نہیں بنواتی یہ یقین ہے کہ تم اپنے تک ہی رکھو گی مگر شریعت کے خلاف نہیں جاتی۔ دل پر مت لینا معاف کردینا۔" کنیز کے سہولت سے انکار کرنے پر سنبل نے مسکرا کر فون واپس نیچے کرلیا۔
الوداعی ملاقات کرکے سب اپنی اپنی راہوں کو چل دیئے۔ جہاں سب کی زندگی نئے ادوار میں داخل ہونے والی تھی اور کل کس کے لیے کیا لانے والا تھا یہ آنے والے کل کو پتا تھا یا رب العزت کو۔

❁.........❁.........❁.........❁

"محترمہ اب تو آپ جان گئیں کہ آپ سے اہم پروجیکٹ میری زندگی میں اور کوئی نہیں ہے۔" حجلۂ عروسی میں داخل ہوکر احسن اس کے پہلو میں بیٹھا تھا۔
"آپ کے بالوں کو چھونے کی اجازت چاہتا ہوں۔" احسن کے سوال پر حیران ہوتی زم فاطمہ نے ناسمجھ انداز میں سر ہلا کر اجازت دی تھی۔ احسن نے اس کی پیشانی کے تھوڑے سے بال ہاتھ میں لے کر کوئی دعا پڑھی پھر اس کا ترجمہ بھی پڑھا۔
"ترجمہ:۔ اے اللہ میں تجھ سے اپنی بیوی کی بھلائی اور خیر و برکت مانگتا ہوں اور اس کی فطرت عادتوں کی بھلائی اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس کی برائی اور فطری عادتوں کی برائی سے۔"
زم فاطمہ کسی قدر حیران ہوئی تھی اس کے اس عمل سے۔ اس کا حنائی ہاتھ نرمی سے تھام کر اس میں کنگن پہنائے۔
زم فاطمہ جو عروسی ریڈ اور نان کنٹراسٹ کے جوڑے میں

ہوش ربا سراپا لیے سجی دھجی مقابل کو چاروں خانے چت کرنے کے ہتھیاروں سے لیس تھی اس نے ذرا نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہائٹ شیروانی میں وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا رنم فاطمہ نے سرعت سے نظریں چرالیں کہ کہیں اس کی ہی نظر نا لگ جائے اسے۔

"حسین تو آپ پہلے ہی بہت تھیں مزید ہوشربائی ان لوازمات نے پوری کردی۔" اس کے کان میں جھولتے آویزے کو انگلیوں سے چھوتے اس نے اتنے گھمبیر اور محبت بھرے لہجے میں کہا کہ رنم فاطمہ کو جیسے غشی طاری ہونے لگی۔ یہ وہ شخص تھا جو اسے بے حس لگتا تھا۔ یہ تو وہ شخص لگ رہا تھا جس نے برسوں کسی کی طلب میں گزاری ہو اور طلب کے مطلوب ومیسر ہونے پر اپنی بے تابیوں کو لفظوں کا پیراہن پہنا رہا ہو۔

"اس سے پہلے کہ میں ہوش گنوا بیٹھوں تم بھی اٹھو اور یہ سب اتار کر آرام دہ حالت میں آجاؤ۔ سب سے پہلے نفل پڑھ لو میں بھی نفل پڑھنے کی تیاری کرتا ہوں۔" وہ اس کا ہاتھ نرمی سے دبا کر چھوڑ گیا تھا۔

"اس وقت نفل......!" وہ ہونٹ سکیڑ کر رہ گئی۔ دادی کی ہدایت یاد آگئی تھی۔ انہوں نے بھی نفل ادا کرنے کی ہدایت کی تھی مگر اس نے سن کر کون سا عمل کرنا تھا لیکن اب احسن کی ہدایت پر وہ اپنے سجے ہوئے روپ کو بے چارگی سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ تم ابھی تک یونہی بیٹھی ہو۔" احسن آرام دہ وہائٹ کرتا پاجامہ میں وضو کر کے باہر نکلا تو اسے مراقبے کی حالت میں دیکھ کر پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"وہ یہ نیل پینٹ لگا ہوا ہے تو وضو......" اس نے جیسے جان بچانا چاہی۔

"کوئی بات نہیں ریمور تو ہوگا نا۔ میں ابھی ریموو کردیتا ہوں کہاں ہے تمہارا میک اپ باکس۔" رنم فاطمہ اس کی سوالیہ نظروں پر ایک سمت اشارہ کر بیٹھی جہاں میک اپ بکس تھا۔ اگلے ہی پل ریمور اور کاٹن لے کر احسن اس کے مقابل بیٹھا اس کی لمبی مخروطی انگلیوں سے نیل پینٹ ریموو کررہا تھا۔

"یہ اوریجنل نیلز ہیں؟" اسے دو انچ لمبی نیلز دیکھ کر حیرانی ہورہی تھی۔

"جی۔" وہ بمشکل بول سکی۔

"پیروں کی رہنے دیں پلیز میں خود کرلیتی ہوں صاف۔" اس نے دونوں گھٹنے سکیڑ کر سینے سے لگا کر پیر جیسے اس سے دور کرنا چاہے۔

"کیوں؟"

"مجھے اچھا نہیں لگے گا کہ آپ میرے پیروں کو ہاتھ لگائیں۔" اس نے سچ کہہ دیا۔

"یہ کیا بات ہوئی جب تم میرے لیے اہم ہو تو تم سے جڑی کوئی بھی چیز میرے لیے کم تر کیسے ہوسکتی ہے۔" وہ اس کے نظریات کو پڑھ گیا تھا جیسے...... اس نے پیر تھام کر نیل پینٹ صاف کرنا شروع کردیا۔

"نیل پینٹ لگاتے ہوئے یہ بات یاد رکھا کرو زندگی اور موت کا کوئی بھروسہ نہیں اگر کسی وقت بھی موت آجاتی ہے تو یاد رکھو یہ مٹے گی نہیں کیونکہ مرنے کے بعد ہمارا جسم ٹھنڈا ہوجاتا ہے تو کوئی لوشن نیل پینٹ ریموو نہیں کرسکتا اور نیل پینٹ نہ اترنے پر غسل نہیں ہوگا اس صورت میں نجس ہی دفن ہونا پڑے گا۔" اور رنم فاطمہ چپ بیٹھی سن رہی تھی کہ اسے نیل آرٹ سے عشق تھا سجے ہوئے ہاتھ اس کی کمزوری تھے۔

"اگر تمہیں نیل پینٹ لگانے کا شوق ہے تو اگلی بار سے پِیل آف نیل پینٹ یوز کرنا تاکہ بوقت ضرورت انہیں آسانی سے اتار سکو۔" وہ ساتھ ہی ساتھ اس کی آسانی کے لیے مشورہ بھی دیتا جارہا تھا۔

"ویلیں محترمہ ہوگیا ریمو...... جیولری بھی اتار دوں یا یہ زحمت آپ خود کرلیں گی۔" کلائی تھامے وہ کنگن اور چوڑیاں اتار رہا تھا۔ رنم فاطمہ کو یہ گھڑی یہ پل خواب محسوس ہورہے تھے اس نے برسوں جس شخص کی آرزو کی تھی وہ اس کے بہت قریب اس کا محرم بنا بیٹھا تھا۔ رب العزت کے حضور شکرانے کے نفل پڑھنے کھڑی ہوئی تو دلی آمادگی سے

روم روم اس کی بارگاہ میں تشکر کے کلمات ادا کررہا تھا۔
"محبت شاید اسی لمحے ہوگئی تھی جس لمحے تم نے پہلی بار میرے لیے در وا کیا تھا۔ تب سے آج تک محبت دھیرے دھیرے ہر مدارج طے کرتی آگے بڑھتی گئی۔"
"ہاں ہماری محبت ایسی تھی کہ اس میں اظہار نہ تھا۔ اقرار کے حسین پل نہ تھے مگر ایک ان دیکھا انجانا قوی احساس ضرور تھا کہ تم میری بنوگی۔ اسٹڈی سے فارغ ہوکر میں دن رات خود کو اسٹیبلش کرنے میں لگا رہا تاکہ جلد سے جلد تمہیں اپنا بنا سکوں لیکن شاید اس انتظار میں تمہارا ضبط جواب دے گیا تھا تب ہی تو تم مجھ پر برس پڑی تھی۔" اس کا ہاتھ تھامے نیم دراز وہ حکایت دل سنا رہا تھا۔ آخر میں اس کی طرف کروٹ بدل کر شرارت سے اسے دیکھا تو اس کے لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"جی لگی ہے...... بہت زور سے لگی ہے لیکن آپ کو اس سے کیا...... جائیں پروجیکٹ پر کام کریں اپنا۔" اس نے شرارتی لہجے میں اس کا کہا جملہ دہرایا تو وہ بے ساختہ حنائی ہاتھوں سے چہرہ چھپا گئی۔
"اللہ کتنے برے ہیں آپ۔"
"جی بہت برا ہوں۔ تب ہی چھوٹی سی گڑیا مجھے برسوں سے چاہتی چلی آرہی ہے۔" وہ چھیڑ رہا تھا سارے حساب بے باق کررہا تھا۔
"توبہ ہے۔" رنم فاطمہ کو سوائے چھپنے کے کوئی راہ نظر نہیں آرہی تھی۔

❁......❁......❁......❁

جب بن مانگے بنا تگ و دو کیے دلی خوشی جھولی میں آگرے تو انسان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا۔ رنم فاطمہ بھی ان دنوں ہواؤں کے دوش پر تھی احسن کی ظاہری شخصیت جتنی پُرسحر تھی باطن اس سے کہیں زیادہ سحر انگیز تھا۔ احسن نے بھولے سے بھی محبت کا اظہار نہیں کیا تھا مگر نکاح کے بعد سے رنم فاطمہ اس کے انداز محبت کی اسیر ہوتی چلی جارہی تھی۔ وہ پل پل اس کا خیال رکھتا تھا ہر پہر اپنی محبت کا اظہار کرتا تھا وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھنے لگی تھی۔

احسن دو بھائی اور ایک بہن تھی۔ بڑا بھائی وجدان عرصہ سے لندن میں مقیم تھا۔ شادی کے بعد اس نے عریشہ کو بھی وہیں بلا لیا تھا۔ پھر احسن اور اس سے چھوٹی ثمرن تھی۔ والد ریٹائرڈ تھے اور گھر پر ہی ہوتے تھے احسن کی شادی کے سلسلے میں وجدان عریشہ اور ان کے دو بچوں کو پاکستان آنے کا موقع ملا تھا اور وہ لوگ آج کل چھٹیوں پر ہی تھے۔
رنم کی شادی کو مہینہ ہونے میں آگیا تھا احسن کی والدہ عریشہ کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔ ثمرن بھی اپنا اسائنمنٹ پھیلائے وہی مصروف تھی۔ رنم فاطمہ نک سک سے تیار ہوکر لاؤنج میں آئی تھی۔
"ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔" عریشہ نے مسکرا کر روایتی دیورانی جٹھانی کے بغض سے پاک لہجہ میں کہا۔ وہ نسبتاً ملنسار فطرت رکھتی تھی۔
"شکریہ بھابی۔" وہ شرما سی گئی۔
"کہاں کی تیاری ہے؟" ہما بیگم نے اس کے سجے سنورے روپ کو بغور دیکھا۔
"امی وہ...... احسن کی کال آئی تھی انہوں نے کہا تھا آؤٹنگ پر جائیں گے تیار ہوجاؤں۔" وہ جھجکتے ہوئے بتانے لگی۔
"اچھی بات ہے گھومو پھرو یہی دن ہیں۔" عریشہ نے اس کی جھجک دور کرنے کو حوصلہ بڑھایا۔
"روز ہی تم دونوں کہیں نہ کہیں آؤٹنگ کے نام پر نکل جاتے ہو اور گھنٹوں باہر گزار کر رات گئے تک لوٹتے ہو۔ احسن مرد ہے۔ مردوں کو ایسے چونچلے کرنے کی عادت ہوتی ہے شروع کے دنوں میں۔ تم پیچھے ہٹوگی تو وہ چپ کرکے بیٹھے گا نا لیکن نا جی آج کل کی لڑکیوں کو تو پھرنے کا چسکا لگا ہوا ہے۔ میاں کو اکساتی رہتی ہیں میں کچھ کہوں گی تو بری بنوں گی۔ مہینہ ہو چلا ہے تم دونوں کی شادی کو اب تم گرہستی کی طرف بھی دھیان دو۔ کچھ پکانا دکانا بھی آتا ہے تمہیں...... بھئی بیٹے کی پسند تھی ہم نے تو کچھ نہیں پوچھا

بس گئے اور رشتہ طے کر آئے۔" ہما بیگم روایتی ساس کا رنگ لیے پہلے رنم فاطمہ کو باتیں سناتیں رہیں پھر آخران کا رخ عریشہ کی طرف ہوگیا۔ رنم کسی قدر پھیکی پڑ چکی تھی۔

"جی...... کوکنگ کر لیتی ہوں۔" وہ دھیمے سے بول پائی۔

"اچھی کرتی ہو یا بری، یہ تو جب کرو گی تب خبر ہوگی۔ باقی گھر کے کام کاج میں دل چسپی ہے بھی یا نہیں؟" ہما بیگم ویر تک اپنے اندر کی کدورت کو چھپا نا سکی تھیں۔

"امی...... احسن کی پسند ہے ایسی ویسی تھوڑی ہوگی۔" عریشہ کو جیسے اس پر ترس آنے لگا۔

"جی سارا کام کر لیتی ہوں۔" وہ منمنائی سسرال نام کی گرہ کھلنے لگی تھی۔

"ہاں بھئی آج کل کی اولاد جس کسی کو سامنے لاکر کھڑا کردے اسے گلے کا ہار بنانا پڑتا ہے۔ ہمارا دور تھوڑی ہے کہ جس سے اماں ابا نے ہاتھ پکڑا دیا اس کے ساتھ ساری زندگی نبھادی۔ آج کی جنریشن تو پہلے عشق محبت کا کھیل کھیلتی ہے۔ اس کے ساتھ باپ کو جیسے تیسے بلیک میل کرکے اپنی پسند قبول کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ احسن کو ہی دیکھ لو اتنا فرماں بردار بچہ تھا میرا۔ کبھی میری کسی بات کو نہیں ٹالا اس نے۔ خاندان کے کتنے لوگوں کی خواہش تھی کہ وہ ان کا داماد بنے۔ لیکن اس نے کبھی دل چسپی نہیں لی۔ مجھے لگا کہ پڑھائی پر توجہ دے رہا ہے۔ وہ تو تب کھلا کہ یہ ساری تگ ودو کس لیے تھی۔ اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ رنم فاطمہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اگر میرا انکار ہے تو یہ حکم کے خلاف نہیں جائے گا۔ ہاں لیکن کبھی شادی نہیں کرے گا اور سب کو پتا ہے وہ کتنا ضدی ہے۔ میں اسے بدظن نہیں کرسکتی تھی نا اسے ناخوش دیکھ سکتی تھی۔ اس لیے اسے مانگنے چلی گئی۔" ہما بیگم کی تفصیلات رنم فاطمہ کو بھیگا ہوا جوتا محسوس ہورہی تھیں۔

احسن نے اسے نہیں بتایا تھا کہ اس نے کیسے اپنی فیملی کو راضی کیا اور اب ہما بیگم کی زبانی ساری کہانی سن کر وہ کچھ بول نہیں پائی۔

"احسن کا انتخاب غلط بھی نہیں۔ ماشاء اللہ رنم فاطمہ بہت اچھی بہو ثابت ہوگی۔" عریشہ مسلسل اس کی حوصلہ افزائی کررہی تھی۔ ہما بیگم نے اختلاف نہیں کیا تو ان کے تاثرات بھی نہیں بدلے۔ ایسے میں اسائنمنٹ سے سر اٹھا کر ثمرن نے سوال کیا۔

"بھابی...... احسن بھائی اور آپ کی لو اسٹوری کب سے چل رہی تھی؟" اس سوال نے اسے مزید پانی پانی کردیا۔

"ہماری کوئی لو اسٹوری نہیں چلی۔" اس نے سچ کہہ دیا۔

"کیا بات کررہی ہیں؟ بھائی نے یونہی امی کو دھمکی دے ڈالی۔" ثمرن کے لہجے میں استہزاء آگیا۔ ہما بیگم الگ تلخ مسکراہٹ چہرے پر لے آئیں۔

"رئیلی رنم......!" عریشہ کو بھی حیرت ہوئی۔

"جی بھابی...... نا میں نے ان سے کبھی بات کی نا کبھی احسن نے کوئی کوشش کی۔ پھر اچانک رشتہ آگیا۔" رنم فاطمہ نے پوری سچائی ان سب کے گوش گزار کی۔ ہما بیگم کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات آگئے۔

"حیرت ہے جب کہ احسن کئی بار مجھ سے تمہارا ذکر کرچکا تھا۔ شادی کے ذکر پر جب بھی اسے چھیڑتی تھی وہ تمہارا ہی نام لیتا تھا۔ ابھی پڑھ رہی ہے۔ ابھی چھوٹی ہے۔" عریشہ نے بھی اپنی حیرت کو زبان دی۔

"مجھے اس سلسلے میں کچھ نہیں پتا بھابی۔ میں لاعلم ہوں۔ ہماری کبھی کوئی بات نہیں ہوئی کسی بھی حوالے سے۔" ثمرن اور ہما بیگم کے تاثرات اسے تکلیف دے رہے تھے۔ دونوں کے تاثرات ایسے ہی تھے جیسے لو میرج کے بعد آئی گھر میں بھابی اور بہو کو سننے پڑتے ہیں۔

"رہنے دو عریشہ...... گڑھے مردے اکھاڑ کر کیا ملتا ہے۔ جوان دونوں کی خواہش تھی وہ تو پوری ہوئی۔ یعنی شادی۔" ہما بیگم کے طنزیہ انداز پر رنم فاطمہ بے ساختہ اپنے نیلو دیکھنے لگی۔

❀ ❀ ❀

"احسن آپ نے اپنے گھر والوں کو کیسے راضی کیا تھا۔

رات وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔" وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

"آج یہ سوال کیوں آ گیا اس ننھے سے دماغ میں؟"
اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے اس کے ہاتھ دو پل کو پیشانی پر رکے۔

"بتائیں نا؟" اس کے شانے سے سر اٹھا کر اصرار کرنے لگی۔ احسن اس کے ضدی انداز پر ایک بار پھر مسکرایا۔ سمجھ گیا تھا جواب لیے بنا اس کی جان نہیں چھوڑے گی۔

"جس دن تم سے ٹکر ہوئی میں نے تمہاری ساری گفتگو سن لی تھی۔ دل میں یہ ڈر بھی آ گیا کہ تمہاری فیملی نے کہیں اور تمہاری بات طے کر دی تو میں کیا کروں گا۔ اس لیے گھر آ کر میں نے امی کو اپنی خواہش بتا کر تمہارے متعلق بتایا۔ امی کچھ کنفیوز تھیں انہوں نے مجھے خاندان میں لڑکی دیکھنے کا بھی کہا مگر میں نے کہہ دیا کہ اگر تم سے شادی نہیں ہوئی تو میں کسی سے بھی نہیں کروں گا۔ بس پھر وہ مان گئیں۔"
احسن نے پوری ایمان داری سے اس کے گوش گزار کیا۔ رنم فاطمہ اس کی سچ بولنے والی فطرت کی اسیر ہو گئی۔

"آپ بہت سچے ہیں احسن۔ میں بہت خوش قسمت ہوں کہ آپ جیسا ہم سفر ملا۔" رنم کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔ احسن نے بے ساختہ اسے اپنے قریب کر لیا۔

"جب بھی تشکر کا احساس ہو تب اللہ کے حضور سجدہ شکر ادا کیا کرو۔ میں نے تمہیں بھی نہیں بتایا تھا۔ اپنی محبت سب سے چھپا کر رکھی تھی۔ یہ ڈر تھا کہ اگر بڑے دعوے کیے اور انہیں پورا نہ کر سکا۔ فیملی کو راضی نہ کر سکا تو جھوٹا کہلاؤں گا لیکن اگر کسی کے سامنے میری دلی کیفیت عیاں تھی، میرا کوئی راز دار تھا تو صرف اللہ...... میں نے اللہ کے سامنے اعتراف کیا تھا۔ اللہ مجھے تیری زمین پر تیری بنائی ہوئی ایک بندی سے شدید محبت ہو گئی ہے۔ اسے دیکھتا ہوں تو مجھے میری ادھوری ذات کا پورا حصہ لگتی ہے۔ اسے میرا کر دے اور ہم دونوں کا ساتھ اتنا خوش گوار اور محبت سے بھرا ہو کہ ہم ایک دوسرے کی ہم سفری میں آسودہ رہیں کبھی کوئی پل بوجھ نہ لگے۔" احسن کی دل میں اتر جانے والی باتوں نے رنم فاطمہ کی پلکیں نم کر دیں۔

وہ شخص اتنی دیانت داری سے اسے مانگتا رہا تھا یہ احساس ہی اتنا خوش کن تھا کہ رنم فاطمہ کچھ بول نا سکی۔ اسے دل میں احسن کے لیے محبت کا سمندر مزید گہرا ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

"رنم......" وہ اس کے پاس ہی تھی مگر وہ اسے پکار کر ہی مخاطب کرتا تھا اور پکار میں جو مٹھاس، محبت اور دلکشی ہوتی تھی وہ رنم کے اندر اتر جاتی تھی۔

"جی......"

"تم نماز نہیں پڑھتیں؟" انگلیاں بالوں میں پھنسی ہوئی تھیں۔ اس کا سر تھام کر اس کا چہرہ اپنے چہرے کے قریب کیا۔ وہ بغور اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ رنم فاطمہ کی پلکیں لرزیں پھر نگاہیں کچھ شرمندہ ہو کر جھک گئیں۔

"جی...... کبھی کبھی۔" اس کی آواز دھیمی تھی۔

"اوکے...... لیکن اب سے تم کوشش کرنا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھو۔ مجھے خوشی ہو گی۔ پانچ وقت کی نہیں پڑھ سکتیں تو تین چار وقت کی ضرور پڑھنا۔ جب آہستہ آہستہ عادت بن جائے گی تو تمہیں خود اگلی نماز کی ادائیگی کے لیے بے چینی ہو گی۔" وہ بہت ہولے ہولے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔ رنم فاطمہ کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگی تھیں۔ وہ پلکیں جھپک کر نیند کو بھگا رہی تھی۔

"نماز سے متعلق جھوٹ نا بولنا۔ نا بھی پڑھو تو مجھے سچ بتا دینا۔"

"احسن آپ اتنے اپ ٹو ڈیٹ نظر آتے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر کوئی بھی یقین نہیں کر سکتا کہ آپ مذہب کے معاملے میں اتنے حساس ہیں۔ روزے نماز کو اپنی زندگی میں اولیت دیتے ہیں۔" کئی دنوں سے ذہن میں گونجتے سوال پر رنم فاطمہ بول اٹھی۔ احسن ہولے سے مسکرایا۔

"مذہب سے محبت کا تعلق دل سے ہے۔ بھلے میں ظاہری دنیا کے رنگ میں ماڈرن لگتا ہوں مگر مجھے احکام شریعت پر چلنا ہے۔ یہ شاید میری دنیا سے محبت ہی ہے جو میں اپنے روپ کو اسلام کے رنگ میں پیش نہ کر سکا۔ شرعی

داڑھی شرعی حلیہ کو فالو نہ کرسکا۔ اللہ مجھے اس کی توفیق دے۔ لیکن میں اس حال میں بھی خوش ہوں کہ میرے دل میں اسلام اور پیغمبر کی محبت بہت زیادہ ہے۔ شاید شرعی حلیہ دکھا کر میں لوگوں پر تو ثابت کردوں کہ میں پیغمبر اسلام کے بتائے راستے پر چل رہا ہوں۔ شاید مجھ میں دکھاوا' خود نمائی آجائے اور میں دل میں اسلام کو جاننے اور اس کی محبت میں مزید رنگنے کی خواہش کو گہن لگ جائے۔ اللہ ہمیں روز محشر داڑھی یا ٹخنوں سے اونچی شلوار دیکھ کر جنت نہیں دے گا۔ ہم میں سے سب سے زیادہ متقی پرہیز گار کو ہمارے اعمال پر ہمیں جنت کی خوش خبری دے گا۔ اس لیے میں ظاہر سے زیادہ باطن پر توجہ دیتا ہوں۔ اور میری خواہش ہے میری شریک سفر بھی اس میں میرے ہم قدم ہو۔" احسن اسلام پر سحر انداز اپنے افکار بیان کررہا تھا۔

❀ ❀ ❀ ❀

"بہو کیا تمہارے گھر والوں نے تمہیں نماز و قرآن پڑھنے کی تعلیم نہیں دی؟" نماز مغرب کا وقت تھا۔ ہما بیگم وضو کرکے چادر لپیٹتی لاؤنج سے گزریں تو رنم فاطمہ ایل ای ڈی آن کیے بیٹھی تھیں۔ اس کا کوئی پسندیدہ پروگرام آرہا تھا اور پھر نماز پڑھنے کا خیال بھی کم ہی آتا تھا۔ ایسے میں مغرب کی اذان ہوئی تو عریشہ اور ثمرن وضو کرنے کے ارادے سے اٹھ گئیں جو ساتھ ہی پروگرام دیکھ رہی تھیں۔ ہما بیگم ادھر آنکلیں اور اس کی نظریں اسکرین پر مرکوز دیکھ کر ناگواری کا اظہار کرنا نہ بھولیں۔

ہما بیگم خود کو صوم و صلوٰۃ کی پابند ظاہر کرتی تھیں۔ ہمہ وقت ہاتھ میں تسبیح ہوتی تھی۔ جس کے دانے آگے پیچھے کرتے وہ زمانے بھر کی باتیں بھی کرلیتی تھی۔ دوستوں' رشتے داروں سے فون کال پر بات بھی ہوتی رہتی تھی۔ مگر ان کے دانے گرنے میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

"جی وہ......" رنم فاطمہ ریموٹ رکھ کر جلدی سے کھڑی ہوئی۔

"خیر سے بڑی ہوگئی ہو شادی ہوگئی ہے۔ نماز تو تم پر فرض ہی ہوگی۔" ہما بیگم کا لہجہ کیلا ہوگیا۔ "جب تم خود اسلام سے اتنی دور ہو تو اپنی نسلوں کو کیا سکھاؤ گی۔ دنیاوی ڈگری لے کر فیشن کے کپڑے پہن کر مغرب کی تقلید کرو۔ اذان کے وقت ایل ای ڈی کے آگے بیٹھی رہو۔" ہما بیگم کو اچھا موقع ملا تھا۔ اپنا غصہ نکالنے کا۔ رنم فاطمہ چپکی کھڑی رہی۔

"السلام علیکم!" احسن بیگ اٹھائے داخل ہوا تھا۔ اس نے ہما بیگم کے کلمات سن لیے تھے۔ اس کی آمد پر رنم فاطمہ مزید شرمندہ ہوکر سر جھکا گئی۔

"کیا ہوا مما؟" ہما بیگم کے ناگوار تاثرات کو دیکھتے بیگ صوفے پر رکھتے اس نے استفسار کیا۔ ایک نظر رنم فاطمہ کے جھکے سر پر ڈالی۔

"یہ تم اپنی لاڈلی چہیتی بیوی سے پوچھو۔ جسے نہ اذان کا احترام ہے نہ نماز کی فکر۔" ہما بیگم چمک کر بولیں۔ رنم فاطمہ کے قدم زمین میں جیسے دھنسنے لگے۔

"ہزاروں لڑکیاں تھیں۔ خاندان میں مگر تمہیں بھی سر پھوڑنا تھا تو یہاں جسے دنیا کی پڑی ہے۔ دین کے متعلق کچھ خبر نہیں۔ جانے ماں باپ نے کیسی تربیت کی ہے۔" ہما بیگم جلے دل کے پھپھولے پھوڑے جارہی تھیں۔ رنم فاطمہ کو ہما بیگم کی بات گالی کی طرح لگی۔ اس کے عمل پر انگلی والدین کی تربیت پر اٹھنے لگی تھی۔

"مانا رنم کی کوتاہی ہے امی۔ مگر یہ درست طریقہ نہیں کسی کو سمجھانے کا۔ دین ہمیں یہ نہیں سکھاتا کہ اگر ہم نماز' روزے کے پابند ہیں تو بے نمازی کو حقیر نظروں سے دیکھیں۔ رہی بات تربیت کی تو یہ رنم کے والدین کی تربیت ہی ہے جو اتنا کچھ سننے کے باوجود اس نے آپ کے سامنے آج تک ایک لفظ نہیں کہا۔ ورنہ ثمرن آپ سے دوبدو زبان لڑاتی ہے۔" احسن نے حقیقت کا آئینہ ہما بیگم کو دکھایا تو وہ اور بھڑ پھڑا گئیں۔

"لو بیوی کی سائیڈ۔ زن مرید بنو۔ ماں کی پسند سے کی ہوتی شادی تو صوم و صلوٰۃ کی پابند لڑکی لاتی۔ مجھے ہمیشہ یہ گلہ رہے گا کہ تم نے اپنی پسند کو اولیت دی۔" ہما بیگم کا لہجہ اب کے نرم ہوگیا۔ احسن نے آگے بڑھ کر ہما بیگم کو دونوں شانوں سے تھام کر چند قدم چل کر انہیں صوفے پر بٹھایا

اور خود بھی ساتھ بیٹھ گیا۔

"تم بھی بیٹھ جاؤ' تمہیں کسی نے سزا دی ہے۔" احسن نے نرم لہجے میں انگلیاں مروڑتی رنم فاطمہ کو مخاطب کیا۔

"میری اچھی مما...... میں بھی آپ کی پسند کو اپنانے سے انکار نہیں کرتا اگر جو مجھے رنم فاطمہ سے محبت نہ ہوتی۔" ہما بیگم کے دونوں گھٹنے تھامے وہ نرم لہجے میں انہیں بہلا رہا تھا۔ رنم فاطمہ کو اپنے گال تپتے محسوس ہوئے۔

"کیا ہوتا جو تم میری پسند سے شادی کر لیتے؟" ہما بیگم کو یہ قلق ہی نہیں بھول رہا تھا۔ "دنیا کے ہزاروں لڑکے لڑکیاں محبت کرتے ہیں مگر شادی ماں باپ کی پسند سے کرتے ہیں۔ ایک تم کر لیتے تو کیا برا ہو جاتا۔" ہما بیگم ضدی بنی ہوئی تھی۔

"بے شک ایسا ہے اور ہو رہا ہے ہماری سوسائٹی میں لیکن میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ آپ کی بلیک میلنگ سے شادی کر لیتا۔ اسے گھر لے آتا۔ پھر مام شادی دو فریق کے بیچ ایک معاہدہ ہے۔ جس میں صرف سچ چلتا ہے۔ میں ایک ایسی لڑکی کو اپنے ساتھ کیسے نبھا سکتا ہوں جس کے لیے میرے دل میں کوئی جذبات نہ ہوں۔ نا میں اسے پیار دے سکوں نہ وقت۔ اس کے ساتھ وقت گزارتے ناگواری محسوس کروں۔ کیا یہ نکاح جیسے مقدس رشتے کی توہین نہیں اور کیا یہ آنے والی کے ساتھ زیادتی نہیں؟ میں نے ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں رنم فاطمہ کو اپنی زوجیت میں لیا ہے۔ اس کی خوشی کا خیال رکھنا۔ اس کے ہر پل کا احساس بھی مجھے ہوتا ہے' کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ جب کہ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتی تو شاید میں کبھی سر شام گھر لوٹنے کی کوشش نہ کرتا۔ اسے بھی خوش نا رکھتا تو گناہ میرے سر پڑتا۔ اللہ مجھ سے حساب لے گا کہ میں نے جسے اپنی زوجیت میں لیا اسے خوش رکھا؟ اس کی ذمہ داری خوش اسلوبی سے نبھائی؟ اللہ میری بیوی کے متعلق میرے ماں باپ سے حساب نہیں لے گا۔" احسن نرم لہجے میں اپنا نکتہ نظر واضح کر رہا تھا۔ جو سو فیصد درست تھا۔ زور زبردستی سے کی شادی کامیاب نہیں ہوتی۔ زور زبردستی سے رشتہ جڑتا ہے دل نہیں اور جب شادی جیسے مقدس بندھن میں محبت' فکر احساس نا ہو تو فقط ایک کاغذ کا رشتہ رہ جاتا ہے۔ جس میں صرف جسم کا وجود رہ جاتا ہے۔ تب ہی تو لوگ دل میں کسی کو رکھتے ہیں رشتے میں کسی سے جڑے رہتے ہیں۔ نتیجتاً گناہ گار ٹھہرتے ہیں۔"

"تمہاری باتوں میں میری نماز نکل جائے گی۔" ہما بیگم متفق ہوئی تھیں مگر قبول کرنا سرشت میں نہیں تھا۔ وہ اٹھ کر نماز کو چل دیں۔ ان کے جانے کے بعد احسن نے بغور اسے دیکھا۔ وہ ڈسٹرب سی تھی۔ احسن اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کے سامنے اپنا مضبوط ہاتھ پھیلایا۔ رنم فاطمہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"شرف بخشنا پسند فرمائیں گی ڈیئر وائف......" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ نرم گرم تاثر اس کے چہرے پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کے تاثرات سے لگ ہی نہیں رہا تھا کہ ابھی کچھ دیر قبل رنم فاطمہ کی وجہ سے اسے کتنی باتیں سننا پڑی تھیں۔

"انتظار کر رہا ہوں......" اصرار پر رنم نے اپنا نازک سا ہاتھ اس کی پھیلی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ احسن نے اس کے ہاتھ کو نرمی سے کھینچ کر اسے مقابل کھڑا کیا۔

"میری بھی جماعت مس ہو گئی ہے آؤ نماز پڑھتے ہیں۔" اسے بازو کے گھیرے میں لیے صوفے سے بیگ اٹھاتے احسن اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀
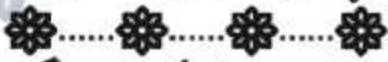
رنم فاطمہ کی میکے آمد پر ہر کوئی خوش تھا۔ گھر میں لوگ ہی کتنے تھے۔ پپا سعودیہ میں تھے۔ عالیان اور مما ہی تھیں ایسے میں دادی آ جاتی تھیں چھوٹے چاچو کے پاس سے تو گھر میں رونق ہو جاتی تھی۔ ابھی بھی دادی کو دیکھ کر رنم فاطمہ کی چیخ نکل گئی۔

"ارے دادی......!" وہ بھاگ کر ان تک آئی اور ان کے وجود کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئی۔

"کیسے ہو بہنوئی صاحب۔" عالیان نے خوش دلی سے احسن کو بھینچ لیا۔ اسے اپنا دوست مزید عزیز تر ہو گیا تھا۔ رنم

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

فاطمہ کتنی خوش تھی چند مہینوں میں یہ سب پر کھل گیا تھا۔

"تمہارے سامنے ہوں۔" احسن نے بھی خوش دلی سے جواب دیا۔ دادی کے سامنے سر جھکا کر پیار لیتے صوفے کو رونق بخشی۔

"ماشاء اللہ...... دونوں کتنے خوش ہیں، یہ ان کے چہروں سے ظاہر ہے۔ نظر بد سے بچائے اللہ میرے بچوں کو آمین۔" دادی جان نثار نظروں سے رنم کے کھلے کھلے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔ سب کی نظریں رنم فاطمہ کے چہرے پر اٹھ گئیں۔

"توبہ ہے آپ سب مجھے کیوں دیکھ رہے ہیں۔" اس نے شرما کر دادی کے شانے پہ منہ چھپالیا۔ سب کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ نے کیوں زحمت کی ماما میں بنالیتی نا۔" ماما کے ہاتھ میں شربت کی ٹرے دیکھ کر اس نے خفت سے کہا۔ رنم فاطمہ نے سب سے پہلے دادی کو شربت کا گلاس پیش کیا وہ بڑی تھیں اور ماما نے بچپن سے یہی تربیت کی تھی کہ پہلے بڑوں کا خیال رکھنا ہے۔ سب کو گلاس سرو کر کے رنم اپنا گلاس لے کر دادی کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"بچی رنم تمہارے قسم قسم کے مشروبات کو بہت مس کرتا ہوں۔ جب یہ ریڈی میڈ مشروب پیتا ہوں۔" عالیان نے گلاس لہراتے ہوئے دونوں کو یاد کیا۔

"بھئی ہماری رنم تو ہر فن مولا ہے۔ بس ایک ہی شکایت رہی اس سے۔" دادی نے سراہتے ہوئے آخر میں ٹھنڈی آہ بھری۔

"کون سی شکایت دادی؟" احسن نے دلی چسپی دکھائی۔ رنم فاطمہ کے چہرے پر سے مسکراہٹ غائب ہونے لگی۔

"یوں تو ہماری رنم لاکھوں میں ایک ہے۔ ہر کسی کو خوش رکھتی ہے۔ لیکن جانے کیوں اللہ کو خوش رکھنے کے معاملے میں کوتاہی کر جاتی ہے۔" دادی کو افسوس ہوا۔

"بچپن سے یہ وقت آ گیا ہے مگر آج تک اسے دل سے نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ جانے کب یہ خوشی دیکھنا نصیب ہوگی۔" دادی کا لہجہ پست ہوگیا۔ رنم فاطمہ کو شرمندگی ہونے لگی۔

"فکر نہ کریں دادی آجائے گی عقل اسے۔" احسن نے تسلی دی۔ رنم فاطمہ نے ایک شکایتی نظر احسن پر ڈالی۔

"جانے کب عقل آئے گی۔ بچی تھوڑی ہے اب۔ خیر سے شادی ہوگئی ہے۔" دادی اپنا دکھڑا سنا رہی تھیں۔

"کچھ بچے شادی کے بعد بھی بڑے نہیں ہوتے دادی۔" احسن مسکرا کر بولے تو عالیان زور سے ہنسا۔

"جانے کب بڑی ہوگی۔ کل کو خود کی گود میں بچہ آجائے گا تب بڑی ہوگی۔" دادی کو فکر لاحق ہوئی۔ عالیان ماما کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ جو انہیں کچھ ضروری چیزیں بازار سے لانے کا کہہ رہی تھیں۔

"تیاری کرلو اب تو دادی نے بھی پیشن گوئی کردی!" احسن کا شوخ جواب اسے جھینپنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"تم ہی اسے سمجھایا کرو۔ تم تو شوہر ہو۔" دادی کی زندگی کا شاید ایک ہی مقصد رہ گیا تھا جسے وہ پورا ہوتے دیکھنا چاہتی تھی۔

"آپ بے فکر رہیں دادی۔ ان شاء اللہ جلدی ہی رنم کو اسی رنگ میں دیکھیں گی جس میں آپ دیکھنا چاہتی ہیں۔" احسن پُرعزم تھا۔ رنم فاطمہ ماما اور عالیان کے پیچھے باہر گئی تھی۔ غالباً انہیں اہتمام کرنے سے روکنے کے لیے تب ہی احسن کو دادی کو سمجھانے کا موقع ملا۔

"ان شاء اللہ...... اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔" دادی کو احسن بہت پسند تھا اور پوتی سے جڑ کر اور عزیز ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا ڈیئر وائف...... مسنگ یو۔" احسن نے ٹیکسٹ کیا اور اسے خبر تھی ریپلائے جلد ہی آجائے گا۔

❀......❀......❀......❀

"کیا اب اس گھر میں شرم وحیا بھی ختم ہوگئی ہے۔" رنم فاطمہ کچن میں چائے بنا رہی تھی۔ احسن کچھ دیر قبل آفس سے لوٹا تھا۔ وہ شاور لینے گیا تو رنم فاطمہ کچن میں چلی آئی۔ گھر میں اس وقت صرف خواتین ہی ہوتی تھیں۔ ایسے میں وہ بے دھیانی میں بنا دوپٹے کے کچن میں آ گئی تھی کہ

اس کا روم کچن کے ساتھ ہی تھا۔ اسے خبر ہی نا ہوسکی کہ کسی ضرورت کے تحت وجدان کچن میں آیا اور اسے بنا دوپٹے کے دیکھ کر الٹے قدموں کچن سے نکل کر تیز آواز میں چلانے لگا۔ کچھ نا سمجھتی رنم فاطمہ کچن کے خارجی راستے تک آئی۔

"حد ہوگئی اب بندہ گھر کے کسی بھی گوشے میں جانے سے پہلے اعلان کرے۔" کچن سے ملحق لاؤنج میں کھڑا سخت برہم نظر آرہا تھا۔ آنا فانا ہما بیگم اور ثمرن بھی اس شور پر بھاگی چلی آئیں۔

اپنے روم میں آئینے کے آگے کھڑا احسن وہائٹ شرٹ اٹھا کر پہننے لگا تھا۔ شور کی آواز پر شرٹ کی آستین ڈالتے وہ بھی روم کے دروازے تک آیا۔ رنم فاطمہ وہائٹ شلوار سوٹ میں ٹخنوں سے اوپر شلوار کیے شرعی ڈاڑھی اور سر پر ٹوپی لیے اپنے جیٹھ وجدان کو حیرانگی سے دیکھ رہی تھی۔ وجدان سے باقاعدہ آج تک بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ الگ تھلگ رہتا تھا۔ لندن جیسے ملک میں رہ کر اپنا حلیہ نہیں بدلا تھا۔

"حالانکہ مجھے وہاں شرعی حلیے پر لاکھ مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے اور یہاں گھر کی عورت کا حال برا ہے۔ تف ہے......" وجدان ملامت سے کہہ رہا تھا۔

"او بے حیا...... شرم سے ڈوب مر اب بھی تن کے کھڑی ہے۔" ہما بیگم نے سخت نفرت سے رنم فاطمہ کو حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو رنم فاطمہ جیسے ہوش کی دنیا میں لوٹی۔

"کیا ہوا بگ بی؟" احسن کی نظر ابھی تک رنم فاطمہ پر نہیں پڑی تھی۔ شرٹ کے بٹن بند کرتے اس کے ہاتھ رک گئے تھے۔ ہما بیگم کا تحقیر آمیز جملہ کانوں میں گونجا۔ اس نے اردگرد کا جائزہ لیا اور رنم فاطمہ کو بنا دوپٹے کے دیکھ کر وہ اس تک آیا۔

"یہ تم اپنی بیوی سے پوچھو۔ جسے اسلامی طور طریقے کی اشد ضرورت ہے۔ اسے سکھاؤ کہ مسلم عورتیں اتنی بے حیائی سے گھر میں نہیں دندناتی پھرتیں۔" وجدان اپنے نظریے کا سخت تھا۔ وہی سختی اس کے لہجے میں تھی۔

"ہر کسی کے گھر کا ماحول الگ ہوتا ہے بگ بی۔ رنم کا دھیان نہیں رہا ہوگا کہ آپ گھر میں موجود ہیں۔" احسن رنم فاطمہ کے وجود کے آگے ڈھال بنا کھڑا تھا۔ رنم فاطمہ نے نمناک نظروں سے اس کی چوڑی پشت کو دیکھا جس کے پیچھے وہ سب کی حقارت بھری نظروں سے چھپ سی گئی تھی۔

"تو صوم وصلوٰۃ کی پابند اور حجاب وحیا کو دھیان میں رکھنے والی لڑکی پسند کرنی تھی نا۔ تم نے اپنی ضد تو کرلی اور ہم سب کو امتحان میں ڈال دیا۔ ہمیں گناہ گار بناؤ۔" وجدان احسن کو گھور رہا تھا۔

"ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم ذرا خود کو متقی پرہیز گار سمجھنے لگیں تو دنیا کا ہر بندہ کافر نظر آتا ہے۔ پیغمبر اسلام نبی ﷺ نے ہمیں یہ درس نہیں دیا۔" احسن نے ناگوار لیکن نرم لہجے میں کہا۔ ثمرن خاموش تماشائی بنی کھڑی تھی۔ ہما بیگم کے چہرے پر ناگواری صاف ظاہر تھی۔

"ایک دفعہ پیغمبر اسلام نبی ﷺ نے ایک ہندو لڑکی کو بنا دوپٹے کے دیکھا تو اس کے سر پر آنچل ڈال دیا۔ لوگوں نے کہا یہ ہندو ہے۔ تب انہوں نے بہت نرمی سے اپنا مطمع نظر واضح کیا تھا۔ کیا ہم وہی نرمی اپنے اندر نہیں لاسکتے۔ سختی کرے اور خود کو اعلا وارفع سمجھنے کا درس ہمیں ہمارا مذہب نہیں دیتا۔" احسن کے نرم لہجے پر ماحول میں سناٹا چھا گیا۔

"رہنے دو وجدان ان تلوں میں تیل نہیں۔" ہما بیگم نے ناگواری سے کہا۔ رنم فاطمہ نے سہم کر پیچھے سے احسن کو تھاما۔ احسن کو اس کی دلی کیفیت کا اندازہ ہوگیا تھا۔ وجدان بنا کچھ کہے تلملاتا ہوا چلا گیا تھا۔ شاید سچ برداشت نہیں ہوا تھا۔ ہما بیگم بھی ہونہہ کر کے چلی گئی تو ثمرن بھی ان کے پیچھے چل دی۔

"تم لوگ جاؤ چائے میں بنالیتی ہوں۔" عریشہ نے کہتے ہی کچن کی طرف پیش قدمی کردی تھی۔ احسن نے دایاں ہاتھ پیچھے لے جا کر اس کی مٹھی پر اپنا ہاتھ رکھا اور نرمی سے قمیص چھڑا کر اس کی سمت پلٹا۔ اس کا ہاتھ ہنوز ہاتھ میں تھا۔ اس کی شرٹ دبوچے وہ ہراساں ہرنی کی طرح نم

آنکھوں سے اس کے بے حد پاس تھی۔ احسن نے اپنا دایاں بازو اس کی کمر کے گرد حصار کیا اور اسے ساتھ لیے کمرے کی سمت بڑھ گیا۔ اس کے قدم من من بھر کے ہورہے تھے۔

کمرے میں آ کر احسن نے دروازہ بند کیا اور رنم فاطمہ کا ضبط جواب دے گیا۔ احسن کے وجود کو سختی سے دبوچ وہ شدت سے رو دی تھی۔ اس نے بہت مست ملنگ زندگی گزاری تھی۔ گھومنا پھرنا' کھانا پینا' دوستیاں کرنا' بےفکری تھی۔ ہاں اتنا شعور تھا کہ ہر سوٹ کی ساتھ دوپٹہ ہوتا تھا۔ بنا دوپٹوں کے گھومتی عورتوں کو دیکھنے کے باوجود اس نے کبھی دوپٹا نہیں چھوڑا تھا۔ بھلے گلے میں ہی کیوں نا ہو۔ ماما اور دادی کے بقول دوپٹے کے بنا سوٹ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ گھر میں سارا دن کوئی نہیں ہوتا تھا۔ یونیورسٹی میں دوپٹا شانوں پر ہوتا تھا۔ گھر آتے ہی جانے کس کونے میں چھپ جاتا تھا۔ ایسے میں کوئی اچانک آجاتا تو دوپٹے کی ڈھنڈیا مچتی تھی۔ ماما دادی سے کئی بار ڈانٹ پڑ چکی تھی لیکن اثر نہیں ہوا تھا۔

لیکن آج اس عادت کی وجہ سے احسن کو اس کی وجہ سے جتنی سبکی اٹھانی پڑی تھی یہ احساس اسے بدحواس کر گیا تھا۔ تو ذلت کا احساس رلا رہا تھا آنسوؤں سے بھیگا گلابی چہرہ اور گلابی آنکھیں اس کے سامنے تھیں۔ ہچکیاں لیتی وہ سیدھی دل میں اتری جارہی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں پر جھکا تھا۔ رنم فاطمہ کی تیز سسکی نکلی تھی۔

"اب نہ رو..... بس کردو۔"

"سوری احسن..... مجھے بالکل دھیان نہیں تھا کہ وجدان بھائی گھر میں ہیں ورنہ....." سر اٹھائے متورم گلابی آنکھوں سے اسے دیکھتے وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر لب کاٹنے لگی۔ احسن ہولے سے مسکرا دیا۔

"مجھے معلوم ہے میری جان تم جان بوجھ کر ایسی حرکت نہیں کرسکتی تھیں۔ لیکن حجاب عورت کا حسن ہے۔ گرمیوں کا رونا رو کر حجاب سر سے اتار دیتی ہیں اور شیطان سر پر سوار ہوجاتا ہے۔ گرمی امہات المومنین کے وقت میں بھی پڑتی تھیں مگر انہیں جہنم کی گرمی کا خوف ان کے سروں سے حجاب کو اترنے نہیں دیتا تھا۔" احسن بے حد نرم لہجے میں اسے بتا رہا تھا۔ اگر اس کی جگہ ابھی کوئی اور ہوتا تو کمرے میں آتے ہی اپنا غصہ اس پرانڈیل کر لفظوں کی برچھی چلا کر حکم صادر کردیتا کہ آئندہ بنا دوپٹے کے نا دیکھوں یا آئندہ سے حجاب لوگی۔ وہ سمجھا رہا تھا تو ان عظیم ہستیوں کی مثال دے کر جن کی تقلید سے آخرت روشن تھی۔

"سوری احسن میں پوری کوشش کروں گی کہ آئندہ میری وجہ سے آپ کو کوئی شرمندگی نا ہو۔" وہ صدق دل سے کہہ رہی تھی۔ اس پر بہت جلد کھل گیا تھا کہ وہ اس گھر میں ناپسندیدہ ہستی ہے اور اگر اس کے رنگ ڈھنگ سے احسن کے دل میں بھی میل آجاتا تو وہ کیا کرتی۔

"مجھے خوشی ہوگی میری جان۔" احسن نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے وجود کا مان بخشا تھا وہ اس کے لیے ہر نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے کو کھڑا تھا۔

❁....❁....❁....❁

"بہت خوش قسمت ہو تم کہ تمہیں احسن جیسا ہم سفر ملا ہے۔ جو ہر جگہ تمہاری ڈھال بن جاتا ہے۔ کبھی کچھ ایسا نہ کرنا کہ اس کا دل دکھے یا وہ اپنی پسند پر پچھتائے۔" اگلے روز اس کے ساتھ ہنڈیا پکاتی عریشہ کہہ رہی تھی۔ رنم فاطمہ مسکرا دی۔ اسے احسن کی تعریفیں سننا اچھا لگ رہا تھا۔

"شادی کے ایک ماہ بعد وجدان لندن چلے گئے تھے۔ مجھے وہاں بلانے میں انہیں تقریباً ایک سال لگا اور یہ ایک سال میں یہاں رہی تھی سب کے ساتھ۔ سب میرے ساتھ ٹھیک تھے۔ شاید اسی لیے کہ میں اس خاندان کی ہوں۔ پھوپو نے کبھی ساس والا رویہ نہیں رکھا تھا نا ثمرن نے نندوالا۔ احسن کا رویہ ویسا ہی تھا جیسے بحیثیت کزن پہلے تھا۔ بھابی بننے کے بعد ہاں ضرورت کے تحت تھوڑی باتیں کرلیتا تھا۔ ورنہ جب تک کزن تھی تو سلام دعا سے زیادہ کبھی اس نے کوئی بات نہیں کی۔ ہم سب کزنز کی بہت اچھی دوستی رہی ہے۔ سب ساتھ ہی دل کی باتیں کرتی تھیں۔ کتنی ہی کزن احسن کو پسند کرتی تھیں مگر اس نے کبھی

کسی کو گھاس نہیں ڈالی۔ چچا کی بیٹی فروا اس پر مرتی ہے۔ پچھلے سال خاندان میں شادی تھی میں بھی آئی ہوئی تھی۔ فروا نے بےدھڑک اظہار محبت بھی کر دیا اور احسن نے اسی وقت چھوٹتے ہی کہہ دیا تھا۔ وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے اور اسی سے شادی کرے گا۔ بھری محفل میں انکار پر فروا نے اسے اپنی بےعزتی گردانا تھا۔ اس نے چچا اور چچی جان کو فورس کیا کہ وہ پھوپو سے اس کے لیے احسن کا رشتہ مانگیں وہ ہر حال میں احسن سے شادی کرے گی۔ چچا اور چچی رشتہ لے کر آئے۔ انہوں نے جہیز کے نام پر لاکھوں کی پراپرٹی بھی احسن کے نام کرنے کی آفر کردی۔ پھوپو کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ انہوں نے پھوپا جان سے بات کی اور اپنے تئیں رشتہ پکا کر دیا۔ احسن کو خبر ہوئی تو اس نے پورے خاندان کے سامنے کہہ دیا کہ وہ فروا سے شادی نہیں کرے گا اور نا ہی اس رشتے کو مانتا ہے جو اس کی مرضی کے بنا طے ہوا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی امید رکھی جائے...... پھوپو نے اموشنل بلیک میلنگ کی تو اس نے گھر چھوڑ دیا۔ ایک ہفتہ گھر سے لاپتا رہا۔ کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے کیسا ہے؟ خاندان کے سارے لوگ پھوپو اور چچا چچی کو لعن طعن کرنے لگے کہ زبردستی کا رشتہ جوڑ کر کیوں دو گھرانوں میں نفرت کی دیوار اٹھا رہے ہو۔ چچا اور چچی کو یہ بات سمجھ آ گئی اور یوں رشتہ ختم ہوا۔ فروا کچھ کرتی اس سے پہلے چچا نے اس کا رشتہ امریکہ میں اپنے بھانجے سے طے کر دیا۔ چٹ منگنی پٹ بیاہ کر کے معاملہ رفع دفع ہوا تھا۔"

"یہ کب کی بات ہے بھابی؟" رنم فاطمہ غور سے سن رہی تھی۔

"ڈیڑھ سال ہو گیا تقریباً۔" عریشہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

"تب میں نے اس سے پوچھا تھا کہ کون ہے وہ لڑکی جس کے لیے تم نے پورے خاندان سے بیر باندھ لیا۔ وہ شرما گیا تھا۔ تب اس نے تمہارا نام لیا تھا۔"

"رئیلی بھابی......!" عریشہ مسکرائی۔

"یہ بہت حیرت انگیز اسٹوری ہے میرے لیے۔ شادی سے پہلے ناں احسن نے کبھی مجھ سے کوئی بات کی نہ کبھی اظہار کیا۔ ہاں شادی کے بعد ضرور بتایا کہ وہ بھی مجھ سے پہلی نظر میں محبت کر بیٹھے۔" اس کا استعجاب سے برا حال تھا۔

"اگر یہ سچ ہے جو تم کہہ رہی ہو تو تم سے زیادہ تم دونوں کی لو اسٹوری پر مجھے حیرت ہے۔" عریشہ نے مسکراتے ہوئے ہنڈیا چولہے سے اتاری۔ رنم فاطمہ آٹا گوندھ کر پیڑا بنا کر فارغ ہوئی تھی تب اس کے سیل فون کی ٹون بجی۔

"کیا ہو رہا ہے جانو۔ مسنگ یو میچ۔" پڑھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ کو دیکھتے عریشہ نے اس کے گال پر چٹکی بھری تھی وہ شرما گئی۔

"تعریفیں سن رہی ہوں ایک ہیرو کی۔" اس نے لب دبا کر مسکراتے ہوئے ریپلائی کیا۔

"کون ہے وہ خوش قسمت جس کی آپ تعریفیں سن رہی ہیں۔"

"ہے نا کوئی...... آئی لو ہیم ٹو مچ۔" رنم فاطمہ نے مزا لیا۔

"اوہو......! میں بہت جل رہا ہوں۔" احسن نے مصنوعی آہ بھری۔ رنم فاطمہ کی مسکراہٹ میں مان کا احساس اور گہرا ہو گیا۔

❀......❀......❀......❀

عریشہ اپنے میکے گئی تو۔ ہما بیگم بھی ساتھ ہولی تھیں۔ ثمرن کالج میں تھی۔ رنم فاطمہ کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ احسن آفس جانا نہیں چاہ رہا تھا۔ اس کی طبیعت کی خرابی اور اکیلے پن کی وجہ سے لیکن رنم فاطمہ نے یقین دہانی کروائی تھی کہ وہ آرام کرے گی۔ تب کہیں سختی سے آرام کرنے کی تنبیہ کر کے وہ مانا تھا۔ مگر چند گھنٹوں میں کئی بار کال کر کے اس کی طبیعت کے متعلق پوچھ چکا تھا۔ بھوک کا احساس ہوا تو وہ اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔ اپنے لیے چیز سینڈوچ اور جوس بنانے لگی۔

"واؤ رنم فاطمہ ڈلیش۔ شاباش ہے تمہیں۔" جوس کا گھونٹ بھر کر ٹیسٹ کرتے اس نے جیسے خود کو داد دی۔ اور

ٹرے میں سینڈوچ کی پلیٹ اور جوس کا گلاس رکھ کر پلٹی تو بری طرح ٹکرا گئی۔اس کی چیخ نکل گئی۔

''ارے ڈرومت میں ہوں۔'' مقابل نے اس کے لڑکھڑاتے قدم پر اس کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر اسے سنبھالا۔ رنم فاطمہ کو جیسے جلتے کوئلے نے چھولیا تھا۔ وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹی۔

''ڈر کیوں رہی ہو؟'' مقابل دو قدم آگے بڑھا۔ رنم فاطمہ کے حواس جیسے سلب ہو رہے تھے۔ شانوں پر موجود دوپٹے کو قدرے آگے گھسیٹا۔ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے وہ پتھرائی آنکھوں سے وجدان کو دیکھ رہی تھی جس کے شرعی روپ سے شیطان آشکار ہو رہا تھا۔

وجدان نے ہاتھ بڑھا کر رنم فاطمہ کے ہاتھ میں موجود ٹرے سے جوس کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔ رنم فاطمہ ڈگمگائی۔ ٹرے اس کے ہاتھ میں کانپنے لگی۔

''رنم فاطمہ واقعی شاباش ہے تمہیں۔'' اس کا جوس گھونٹ گھونٹ پیتے وجدان اس کا جملہ دہرا رہا تھا۔

''آ...... آ...... آپ کیسے؟ گیٹ تو لاک تھا۔'' رنم فاطمہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس صورت حال کو کیسے ہینڈل کرے۔ صبح ناشتے کی میز پر ہی وجدان حیدر آباد کے لیے نکلنے کی بات کر رہا تھا۔ اور وہ وقت پر چلا بھی گیا تھا۔ پھر کیسے؟ اسے اپنی جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ وجدان کا بدلتا انداز اور نگاہیں اسے جو پیغام دے رہی تھیں وہ انتہائی خراب تھا۔ وجدان جیسے اس کے معصومانہ سوال پر مسکرایا۔

''لاک کی چابی میں نے رکھ لی تھی۔ جب خبر ہوئی تم گھر پر اکیلی رہو گی اور حیدر آباد جانے کا ڈرامہ بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ آؤ کچن میں کب تک کھڑی رہو گی...... گرمی ہے یہاں...... چلو اے سی میں انجوائے کرتے ہیں۔'' اس کا ہاتھ تھامنے کے خیال سے وجدان آگے بڑھا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی خباثت اور جملوں کے بعد اب شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ اس کے ارادے کتنے مکروہ تھے۔ خود کو متقی و پرہیز گار ظاہر کرنے والا اندر سے کتنا گھناؤنا تھا یہ آشکار ہو گیا تھا۔

وہ خوف زدہ ہرنی کی طرح راہ فرار ڈھونڈ رہی تھی۔ وجدان دروازے کی طرف ہی کھڑا تھا۔ سوائے نکلنے کے لیے اس کا سامنا کرنا پڑتا۔ دفعتاً ڈور بیل مسلسل بجنے لگی۔ وجدان ڈور بیل پر بری طرح بوکھلا گیا۔

رنم فاطمہ دل ہی دل میں مدد مانگتی اللہ کے حضور شکر ادا کرنے لگی۔ وجدان فوراً کچن سے باہر چلا گیا۔ ڈور بیل مسلسل بج رہی تھی۔ رنم فاطمہ کپکپاتی ٹانگوں سے دروازے کی طرف بڑھی تھی۔

''کیا باجی سو گئی تھیں؟ کب سے گھنٹی بجا رہی ہوں۔'' فاخرہ دروازہ کھلتے ہی شروع ہو گئی تھی۔

رنم فاطمہ کو اس کی بے وقت آمد پر اس کی کلاس لینے کے بجائے اس کا شکر ادا کرنے کو جی چاہا۔

''دیر سے آنے پر ناراض ہو باجی جو بول نہیں رہیں۔ چھاں ایک اور گھر میں کام کرتی ہوں آج وہاں مشین لگائی تھی۔ کپڑے دھونے میں ٹائم نکل گیا۔ اس لیے دیر ہو گئی۔'' فاخرہ ملازمہ تھی۔ اسے باتیں کرنے کی عادت تھی۔ رنم فاطمہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیسے اسے بتائے کہ اس کی بے وقت آمد نے آج اس کی آبرو بچالی ہے۔

''کوئی بات نہیں...... تم اپنے کام کرو۔'' وہ بمشکل کچھ بولنے کے قابل ہوئی تھی۔ فاخرہ اس کے پیچھے بولتی چلی آ رہی تھی۔ رنم فاطمہ نے وجدان کو خاموشی سے گھر سے نکلتے دیکھا تو اس کی رکی سانس خارج ہوئی۔ وہ جس خاموشی سے آیا تھا اسی خاموشی سے چلا گیا تھا۔ تاکہ رنم اس کی شکایت بھی کرے تو سب اسے ہی مورد الزام ٹھہرائیں کوئی اس کی بات کا یقین نہ کرتا۔ جاتے جاتے بھی اس کی آنکھیں بہت کچھ بتا گئی تھیں کہ کب تک بچے گی۔

''گھر میں اکیلی ہو باجی؟'' فاخرہ کو بھی گھر کے سناٹے کا احساس ہوا۔ ورنہ تو ہما بیگم موجود ہوتی تھیں۔

''اکیلی پہلے تھی اب تم جو آ گئی ہو۔'' رنم فاطمہ نے اپنی محسنہ کو ذرا سا مسکرا کر دیکھا اور اس مسکراہٹ کے پیچھے دل پر جو گزری یہ وہی جانتی تھی۔

''یہ ٹھیک کہا تم نے باجی۔'' فاخرہ نے حسب عادت زوردار قہقہہ لگایا۔

''فاخرہ پہلے عریشہ بھابی کمرہ صاف کردو۔ انہوں نے خاص ہدایت دی ہے روم اور واش روم کی صفائی کرنے کی۔'' رنم فاطمہ کے قدم جیسے شل ہوگئے تھے۔ وہ صوفے پر ڈھے سی گئی۔

''میں ابھی کردیتی ہوں۔ وجدان بھائی تو کمرے میں نہیں ہیں نا؟'' فراٹے سے بولتی فاخرہ ایک دم ہراساں ہوکر پوچھنے لگی۔ رنم فاطمہ کے دل کی دھڑکن تھمی۔

''کیوں...... وجدان بھائی کا کیوں پوچھا تم نے؟'' رنم فاطمہ کے لبوں پر بھائی کا لفظ اٹکنے لگا۔ وجدان اس مقدس لفظ کے قابل کہاں رہا تھا۔

''رہنے دو باجی اب کیا بولوں۔'' فاخرہ جیسے کشمکش میں تھی۔

''بولو جو بات تمہیں تنگ کررہی ہے۔'' رنم فاطمہ نے حوصلہ بڑھایا۔ فاخرہ نے پہلے اردگرد نظر دوڑائی جیسے تسلی کرنا چاہتی ہو کہ کوئی سن تو نہیں رہا۔

''بس باجی...... جب وجدان بھائی گھر آتے ہیں۔ مانو میری تختی آجاتی ہے۔ میں سالوں سے یہاں کام کررہی ہوں۔ کوئی شکایت نہیں ہوئی لیکن وجدان بھائی......'' فاخرہ جیسے ڈر کر رک گئی کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار اس گھر کے فرد سے کررہی ہے۔

''ڈرومت، میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔'' رنم فاطمہ کو احساس ہوگیا کہ فاخرہ ڈر رہی ہے۔ تب ہی اس کا حوصلہ بڑھایا۔

''وجدان بھائی نظر و نیت کے ٹھیک انسان نہیں۔ اکیلے دیکھ کر کئی بار دست درازی کی کوشش کرچکے ہیں۔ وہ تو قسمت اچھی تھی جو ہر بار بچ گئی۔ جب یہ گھر آتے ہیں تو میں زیادہ چھپا کرلیتی ہوں یا کوشش کرتی ہوں بے وقت آؤں تاکہ انہیں موقع نہ ملے۔ غریب ہیں تو کیا ہوا باجی عزت تو ہماری بھی ہے۔'' فاخرہ جیسے غمگین ہوگئی تھی۔ رنم فاطمہ کو سانس لینا جیسے دشوار لگنے لگا تھا۔

''اب آپ بھی اسی گھر میں رہتی ہو۔ احتیاط کرنا۔ کبھی اکیلی نہ رہنا کہ وجدان جیسے شیطان صفت کو موقع ملے۔ ایسے انسان کسی کے سگے نہیں ہوتے۔ انہیں کسی رشتے کا پاس نہیں ہوتا۔'' فاخرہ اپنے تئیں فلسفہ بول رہی تھی اور رنم فاطمہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ لب ہلا کر اس کا شکریہ ادا کرسکتی کہ اگر وہ وقت پر نہ آتی تو جانے ابھی وہ زندہ بھی ہوتی یا نہیں۔

''احسن بھائی بھی ہیں۔ اگر میں ان کے روم میں صفائی کرنے جاتی ہوں تو وہ خود کمرے سے نکل جاتے ہیں کہ میں سکون سے اپنا کام کرلوں۔ دعا نکلتی ہے احسن بھائی کے لیے جو احترام سے کام بتا کر چلے جاتے ہیں۔ مجھے بھی مالی مدد کی ضرورت پڑی میں نے خالہ (ہما بیگم) سے کہنے کے بجائے احسن بھائی سے کہا اور انہوں نے خاموشی سے مدد بھی کی۔ سچ ہے انسان پیٹھ پیچھے بھی اس کی تعریف کرتا ہے جو اس لائق ہوتا ہے۔'' فاخرہ کہہ رہی تھی رنم فاطمہ خاموشی سے سب سن رہی تھی ساتھ ہی دل میں خدا کا شکر بھی ادا کررہی تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

رنم فاطمہ کو اس واقعے کے بعد سے چپ سی لگ گئی تھی وہ زیادہ تر وقت کمرے میں ہی گزارنے لگی تھی جہاں کہیں بھی وجدان کی موجودگی کا یقین ہوتا وہ کنی کترا جاتی۔ رشتہ اتنا نازک اور وجہ اتنی بڑی تھی کہ وہ کیسے اس شخص کو ہینڈل کرتی اسے سمجھ نہیں آرہی تھی اس نے احسن سے بھی تذکرہ نہیں کیا تھا حالانکہ وہ بارہا اس کے بجھے بجھے انداز کی وجہ پوچھ چکا تھا وہ بتاتی بھی تو کیا اور کن لفظوں میں؟ اب تو وہ بس دعا گو تھی کہ وجدان جلد سے جلد لندن واپس چلا جائے۔ ایک گھر میں رہ کر وہ کب تک اس کی حریص نظروں سے بچ سکتی تھی خصوصاً ڈائننگ ٹیبل پر سامنا لازمی ہوتا تھا۔

ابھی بھی سب ڈنر کررہے تھے اور نا چاہتے ہوئے بھی رنم فاطمہ کو اس کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اسے ڈائننگ میز کے نیچے سے کسی چیز کی سراہٹ محسوس ہوئی تو خوف زدہ ہوکر

اس نے اپنی ٹانگیں مزید سمیٹ لیں اور احسن کے مزید قریب ہوگئی۔ اس کے عین سامنے وجدان بیٹھا تھا۔ رنم کے چہرے پر ناقابل فہم تاثرات تھے۔ جی چاہ رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

"یہ کیا بات ہوئی احسن؟ کمپنی نے اس سے پہلے بھی تمہیں آفر کی تھی تب تم نے ریجیکٹ کردی تھی اور اب آفر قبول کرنے کی وجہ تو یہی نظر آتی ہے کہ تم خود شفٹ ہونا چاہتے ہو۔" ہما بیگم کی ناگوار تیز آواز پر سراسیمگی کی کیفیت میں رنم فاطمہ نے ماحول کو نا سمجھنے کی کوشش کی جانے کب سے کیا باتیں ہورہی تھیں اس کا دھیان ہی نہیں تھا۔

"ترقی کے لیے آفر قبول کرنا ضروری ہے مما اور اسلام آباد کون سا دور ہے آتے جاتے رہیں گے ہم...... رنم تم کمرے میں جاکر پیکنگ شروع کرو میں آتا ہوں۔" رنم کے پلے خاک نہیں پڑا تھا۔ راہ فرار ملتے ہی وہ تیزی سے اٹھی تھی۔ اپنے پیچھے اسے ہما بیگم کی برہم اور احسن کی نرم آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

"اسلام آباد...... پیکنگ۔" ابھی وہ ادھیڑ بن میں ہی تھی کہ احسن ٹرے میں کھانا لیے کمرے میں داخل ہوا۔

"آؤ پہلے کھانا کھالو۔ کئی دنوں سے نوٹس کررہا ہوں تم نے ڈھنگ سے کھانا نہیں کھایا۔" ٹرے میں موجود بریانی پلیٹ میں نکالتے احسن نے اسے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"ایسی بات نہیں ہے احسن......" اس نے بات بنانا چاہی۔

"اچھے بچے جھوٹ نہیں بولتے۔" اسپون میں چاول بھر کر احسن نے اس کی طرف بڑھایا۔ اتنا کیئرنگ اور لونگ شوہر پاکر اس کی آنکھیں بھرنے لگی تھی۔

"نمکین پانی کے ساتھ بریانی بالکل مزا نہیں دے گی جانو سو پلیز ایسی کوشش نہ کرو۔" اسپون پلیٹ میں رکھ کر اس کی آنکھوں میں آئے پانی کو رخسار پر بہنے سے پہلے ہتھیلی میں جذب کرلیا۔ چند دنوں سے دل اتنا گداز ہوگیا تھا کہ بات بے بات آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ اس کے احساسات وجذبات پر وجدان کے عمل نے کاری وار کیا تھا وہ کبھی تصور میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی اسے دوپٹا نہ لینے پر درس دینے والا اندر سے اتنا گندا ہے کہ اس کے نزدیک رشتوں کا تقدس بھی نہیں تھا۔

"پیکنگ کرلینا کل صبح ہم اسلام آباد کے لیے نکل رہے ہیں۔" اسے چمچہ بھر بھر کر کھلاتے احسن گویا ہوا۔

"کتنے دن کے لیے؟" اسے یہاں سے فرار کی ہنوز بھی فرحت ہوئی۔

"ہمیشہ کے لیے۔" احسن نے مسکرا کر کہا۔

"مطلب......!" وہ حیران ہوئی۔

"کمپنی کافی ٹائم سے آفر کررہی تھی کہ میں ان کی اسلام آباد برانچ کے ساتھ کام کروں سو میں نے یہ آفر قبول کرلی۔ مما چاہتی ہیں میں تمہیں یہاں چھوڑ کر جاؤں۔" احسن کہہ رہا تھا اور رنم فاطمہ جس کے چہرے پر خوشی کے پھول کھلنے لگے تھے احسن کے آخری جملے پر وہ سہم کر اسے دیکھنے لگی۔

"پھر آپ مجھے یہاں چھوڑ کر چلے جائیں گے؟" اس کے خوب صورت چہرے پر پھیلے خوف پر احسن کو بے حد پیار آیا۔

"میں اپنی جان کو کیسے یہاں چھوڑ سکتا ہوں۔" اس نے رنم فاطمہ کے رخسار کو چھوا۔ "میں نے مما کو صاف کہہ دیا کہ تم میرے ساتھ جاؤں گی، جب ہم ایک ساتھ مکمل ہیں تو کیوں ادھورے پن کے ساتھ جئیں۔" احسن بہت ہولے سے کہہ رہا تھا اور سکون رنم فاطمہ کے اندر تک اترتا چلا گیا۔

❁......❁......❁......❁

گھر میں کوئی بھی ان کے جانے سے خوش نہیں تھا۔ ہما بیگم اور ثمرن منہ بنائے بیٹھی تھیں۔ عریشہ نے مسکرا کر دعا دے کر رخصت کیا تھا۔ احسن نے ہما بیگم کے پیروں کو ہاتھ لگا کر معافی تک مانگی تھی کہ اگر اس کے عمل سے ان کا دل دکھا تو اسے معاف کردیں۔ وجدان نے وقت رخصت رنم کے سر پر ہاتھ رکھ کر بڑا پن دکھانا چاہا تھا لیکن رنم فاطمہ اس انسان کو اتنا بھی حق نہیں دینا چاہتی تھی اس لیے آگے

سے نکل گئی۔ رنم نے رات ہی گھر فون کر دیا تھا۔ مما نے اصرار کیا تھا کہ وہ دونوں ناشتہ ان کے ساتھ کریں پھر یہاں سے ہی ڈائریکٹ ایئرپورٹ چلے جائیں گے۔

وہ دونوں پہنچے تو گھر میں سب ان کے منتظر تھے۔ خوش دلی سے استقبال کیا گیا تھا۔ دادی بھی موجود تھیں جس کی وجہ سے ناشتے کا لطف دوبالا ہو گیا تھا۔ فلائٹ کا وقت ہو رہا تھا۔ مما نے ڈھیروں تحائف دونوں کے ہمراہ کیے تھے۔

''احسن خیال رکھنا رنم کا۔'' وقت رخصت عالیان دوست اور بہنوئی سے بحیثیت بھائی کے استدعا کرنا نہیں بھولا تھا۔ ایک شہر میں رہتے ہوئے ملنے جلنے کے لیے تامل نہیں کرنا پڑتا تھا۔ مگر اب وہ دور جا رہی تھی۔

''فکر نہ کرو یار تمہیں کبھی شکایت نہیں ملے گی۔'' احسن نے ہاتھ گرم جوشی سے دباتے ہوئے اسے گلے سے لگالیا۔

''تم بھی چکر لگانا۔ ہم بھی آتے جاتے رہیں گے۔'' سب نے محبتوں کے ساتھ انہیں رخصت کیا تھا۔ نیا گھر نئے شہر میں آ کر رنم فاطمہ کو فرحت کا احساس ہوا تھا۔ یہاں نا ہما بیگم کی جگر کو چیر دینے والے جملے تھے نہ ان کی برچھی کی طرح چبھتی نظریں۔ نا وجدان جیسا شیطان صفت انسان تھا۔ یہاں آ کے وہ کھل سی گئی' یہ احسن سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔

نیا آفس نئے ماحول میں احسن کچھ زیادہ مصروف ہو گیا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ رنم کو ٹائم ضرور دیتا تھا۔ دن میں کئی بار اسے کال کرتا تھا۔ ایک ملازمہ بھی اس کی سہولت کے لیے رکھ دی تھی جو ضروری امور انجام دے کر چلی جاتی تھی۔ گھر کے ضروری کاموں سے فارغ ہو کر رنم کو سر شام احسن کا انتظار کرنا اچھا لگتا تھا۔ بنیادی طور پر دونوں ایک دوسرے کے سنگ بے حد خوش تھے۔

''رنم نماز پڑھ لی؟'' احسن کا ایک ہی سوال تھا جس پر رنم فاطمہ کی فراٹے سے چلتی زبان تھم جاتی تھی۔ اکثر احسن اسے نرمی سے سمجھاتا رہتا اور رنم فاطمہ اس کی موجودگی میں مارے باندھے نماز کے لیے کھڑی ہو جاتی تھی جیسے دادی کے کہنے پر کھڑی ہو جاتی تھی۔

رنم پہلی بار احسن کے ساتھ کسی آفیشل پارٹی میں جا رہی تھی۔ اسے بہت اچھا لگا تھا۔ اس کے لیے اس نے اچھے سے پارلر سے سروسز اور اسٹائلنگ کے لیے اپائمنٹ لے لی تھی۔ بے حد حسین ڈریس بھی خرید چکی تھی وہ پارلر جانے کے لیے ٹائم دیکھ رہی تھی تب ہی احسن کی کال آ گئی۔

''نماز جمعہ کا ٹائم ہونے والا ہے نماز پڑھ لینا۔'' ضروری باتوں کے بعد احسن نے یاد دلایا۔

''احسن وہ مجھے پارلر جانا تھا تو......'' وہ اس سے جھوٹ نہیں کہہ سکتی تھی اس لیے زبان رک گئی۔ اب وہ بے شرموں کی طرح تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ نماز کے لیے وقت نہیں ہے پہلے ایسا ہی تھا۔ لیکن زبان میں شاید ابھی تھوڑی حیا باقی تھی۔

''اچھا سارے کام چھوڑو شاور لو اور جمعہ کی تیاری کرو۔ آج صلوٰۃ التسبیح کی نماز پڑھنی ہے' سورہ الکھف اور سورہ یسٓین کی تلاوت بھی کرنی ہے تم نے او کے۔'' احسن نے بے حد نرمی سے کہا۔

''احسن پارلر سے اپائمنٹ لی ہوئی ہے میں نے ڈیئر۔''

''میں نے کہا نہ سارے کام چھوڑ دو تو بس......'' احسن نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔ ایک پل کو تو رنم فاطمہ بھی چپ رہ گئی آج تک اتنی سخت اور تیز آواز میں احسن اس سے ہم کلام نہیں ہوا تھا احسن کو اس کی خاموشی محسوس ہوئی۔

''پارلر تھوڑا لیٹ چلی جاؤ گی تو کوئی ہرج نہیں ہوگا۔ میں کال کر دیتا ہوں تم نماز کی تیاری کرو۔ صلوٰۃ التسبیح کی نماز لازم پڑھنی ہے' سورہ الکھف اور سورہ یسٓین بھی......'' یاد دہانی کروائی۔

''میں ٹرائی کروں گی۔'' رنم کی باریک سی آواز نکلی۔

''ٹرائی نہیں کرنا ہے۔ میں تین بجے واپس آؤں گا تب تک سب کچھ ہو جائے۔'' احسن نے سابقہ نرمی سے کہا۔

''جی بہتر۔'' رنم فاطمہ کو جانے کیوں اس کی تیز آواز بری نہیں لگی۔ شاور لے کر نماز کے لیے کھڑی ہوئی تو جانے کیوں سورہ فاتحہ پر زبان لڑکھڑانے لگی۔

”اللہ...... تیرا یہ بندہ مجھے تیری طرف لانے کے لاکھ جتن کررہا ہے اس کی اس ادا پر مجھے اتنا پیار آ رہا ہے تو تجھے کتنا آ رہا ہوگا۔ احسن بہت اچھا ہے۔ اللہ اسے میرے لیے ہمیشہ اچھا رکھنا۔ تیرا لاکھ شکر کہ تو نے اتنا اچھا ہم سفر مجھے عطا کیا۔ تیرے اس بندے سے بہت محبت ہے اللہ بے حد محبت ہے۔“ وقت دعا جانے کیا ہوا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اللہ کے حضور اس بات کا اعتراف کرکے آنسو نکل آئے تھے ایک سرور حاصل ہوا تھا پھر اس نے صلوۃ التسبیح کی نماز بھی پڑھی۔ پھر تو اس نے سورہ جمعہ سورہ مزمل اور سورہ کہف بھی پڑھ ڈالیا۔

ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ مارے باندھے کی بجائے اس کا دل خود اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ قرآن شریف کو پلکوں سے لگا کر چوم کر جزدان میں رکھا تو دل میں عہد کرلیا کہ ان شاء اللہ اب یہ سلسلہ رکے گا نہیں۔

❋......❋......❋

وجدان اور عریشہ لندن واپس جارہے تھے وہ جانے سے پہلے ان سے ملنے اسلام آباد آنا چاہ رہے تھے رنم فاطمہ نے سنا تو وجدان کی آمد پر کچھ پریشان سی ہوگئی۔

”آجائیں آپ لوگ ڈنر باہر ساتھ کرلیتے ہیں لیکن سوری آپ لوگوں کو ہم ٹائم نہیں دے سکیں گے میں رنم کو ہنی مون ٹرپ پر لے جارہا ہوں۔ آزاد کشمیر اور ناردن ایریاز کا پلان ہے۔“ احسن کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ وجدان چپ رہ گیا۔

”ارے نہیں...... ہم نہیں آرہے۔ تم لوگ انجوائے کرو۔ ابھی تو تمہیں گئے زیادہ دن بھی نہیں ہوئے۔ وجدان کا ہی موڈ تھا۔ لیکن تم لوگ ایک ساتھ زیادہ ٹائم اسپینڈ کرو۔“ عریشہ نے خوش دلی سے کہا۔ احسن نے بھی چند ایک بات کے بعد فون بند کردیا تھا۔

”پہلے تو ایسا کوئی پلان نہیں تھا آپ کا......!“ رنم فاطمہ نے چائے کا مگ اسے تھمایا۔ رنم کی جان میں جان آئی وجدان کے نہ آنے کا سن کر۔

”سرپرائز بھی کوئی چیز ہوتی ہے میری جان۔“ احسن نے مسکراتے ہوئے مگ کاؤچ پر رکھا اور دوسرا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے بڑھے ہاتھ کو دیکھتے رنم فاطمہ نے مسکرا کر اپنا ہاتھ اس کے بڑھے ہاتھ پر رکھ دیا۔ احسن نے نرمی سے اسے اپنے پہلو میں بیٹھا لیا۔

”آؤٹنگ کا پلان اس لیے بنایا کہ رمضان بھی آنے والا ہے۔ رمضان کی مصروفیت ہوجائے گی۔ روزہ، نماز، تراویح اور نفلی عبادتوں کے بعد فرصت نہیں ملے گی۔ تم روزہ تو رکھتی ہونا؟“ احسن کے اچانک سوال پر رنم کی زبان لڑکھڑا گئی۔

”جی...... وہ کچھ ہیلتھ ایشو ہوجاتا ہے۔ بی پی لو ہوجاتا ہے چکر آنے لگتے ہیں تو اکثر میں پہلا اور آخری روزہ ہی رکھتی ہوں۔“ اس کے اٹک اٹک کر بولنے پر احسن کو ہنسی آگئی۔

”پہلا اور آخری روزہ ایسا تو اکثر بچے کرتے ہیں۔“ رنم کچھ شرمندہ سی ہوگئی۔

”کوئی بات نہیں اس بار تم پورے روزے رکھو گی ان شاء اللہ اچھی سحری افطاری کرو گی تو کوئی ہیلتھ ایشو نہیں ہوگا۔ میں خود تمہارا خیال رکھوں گا۔“ رنم فاطمہ نے انحراف نہیں کیا تھا ایک ہفتہ ہنی مون ٹرپ پر کیسے گزرا انہیں ایک دوسرے کی سنگت میں اس کا احساس بھی نہ ہوا تھا۔

رمضان المبارک کا چاند نظر آیا تو اس کے ساتھ رمضان کی مصروفیات بھی شروع ہوگئیں۔ احسن نماز وتر اور تراویح نوافل میں بزی تھا۔ رنم فاطمہ پہلے روزے پر ہی کچھ نڈھال سی ہوگئی بھوک کی کچی تھی جس کی وجہ سے اس نے آج تک دس روزے بھی نہیں رکھے تھے۔ اب کے روزوں کے ساتھ نماز اور تراویح کی تلقین بھی احسن نے کی تھی سارا دن سو کر روزہ تو گزار لیتی تھی لیکن اس صورت میں نمازیں مس ہوجاتی تھیں۔

گھر سے مما کی کال آئی تھی وہ ان سے باتیں کررہی تھیں۔ جب احسن کمرے میں داخل ہوا۔ ضروری امور انجام دے کر وہ بستر پر آیا تو وہ ابھی تک فون پر لگی ہوئی تھی۔ احسن نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے

تراشیدہ شفاف نیلوں کی گولائی پر انگلی کی پور پھیرنے لگا۔ رنم فاطمہ نے مسکرا کر اس کے اس عمل کو دیکھا تھا پھر اس کا ہاتھ سینے پر رکھ کر احسن اپنی جگہ لیٹ کر آنکھیں موند گیا تھا۔

''احسن۔'' فون سے فارغ ہو کر اس نے پکارا۔

''بولو جان احسن!'' بند آنکھوں سے اس نے جواب دیا۔

''ہم کراچی کب جائیں گے۔ عید کا لطف تو اپنوں کے ساتھ ہوتا ہے۔'' پوچھنے کے ساتھ اس نے خواہش بھی ظاہر کی۔ احسن نے آنکھیں کھول کر اس کے چہرے کو دیکھا جس میں کسی قدر اداسی تھی۔

''اداس کیوں ہوتی ہو میری جان۔ میں نے بکنگ کروالی ہے۔ عید کی شام ہم ان شاء اللہ کراچی میں گزاریں گے۔'' احسن نے اس کے لبوں کے کناروں پر اپنی انگلیوں کی مدد سے مسکراہٹ پھیلائی۔

''رئیلی......!'' وہ بے حد خوش ہوگئی۔

''ہاں زندگی۔ سوچا تھا سرپرائز دوں گا لیکن تمہارے چہرے کی اداسی دیکھی نہیں گئی تو کہہ دیا۔'' احسن نے اپنے ہاتھ میں موجود اس کی انگلیوں پر دباؤ بڑھایا۔

''آپ بہت اچھے ہیں۔'' رنم فاطمہ اس کی محبت اور کیئر پر مرمٹنے لگی تھی۔

''تم سے زیادہ اچھا نہیں ہوں جان۔'' احسن نے مسکرا کر قریب کیا۔ ''ابھی آخری عشرہ باقی ہے پہلے ہم سب کے لیے شاپنگ کریں گے ہماری پہلی عید اور چاند رات ہوگی میں کچھ اسپیشل پلان کرنے کا سوچ رہا ہوں۔''

''جیسے؟'' اس کے بازو پر سر رکھ کر لیٹتی وہ استفسار کرنے لگی۔

''چاند نظر آتے ہی ٹرو لورز کی طرح ہم سارا وقت ساتھ گزاریں گے۔'' احسن سرخوشی سے بولے جارہا تھا۔

''ایسا کیوں؟ آپ اتنی محبت کیوں کرتے ہیں مجھ سے۔ لوگوں کی محبت تو شادی کے بعد کم ہوجاتی ہے لیکن آپ کی بڑھتی جارہی ہے۔'' رنم فاطمہ نے صدق دل سے اپنی فیلنگز شیئر کیں۔

''شادی کے بعد اکثر کپل اسی لیے ایک دوسرے سے بے زار نظر آتے ہیں کہ وہ شادی سے پہلے تمام لمحوں کو جی چکے ہوتے ہیں اور شادی کے بعد اپنے ریلیشن کو گئی بندھی روٹین کے حوالے کردیتے ہیں لیکن میں نے تمام لمحوں کو شادی کے بعد کے لیے پلان کر رکھا تھا میں تمہارے ساتھ اپنی عمر کا ایک ایک پل جینا چاہتا ہوں۔ میں ہماری محبت کو کبھی گدلے جھیل کے روپ میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں، ہماری محبت بپھرے سمندر کی طرح ہر پل ہمیں بھگوتی رہے اور ہم زندگی کی خوشیوں سے شرابور رہیں۔'' احسن کہنی کے بل نیم دراز اس سے ہم کلام تھا اور رنم محویت سے اسے دیکھ رہی تھی جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ اسے احساس ہوا کہ اگر احسن جیسی سوچ ہر مرد کی ہوجائے تو شاید کوئی عورت میاں کی لاتعلقی پر گھلتی نہ رہے۔ عورت کے لیے تو واقعی سچ ہے کہ مرد جیسا چاہے گا وہ ویسی بنتی چلی جاتی ہے اب چاہے تو مرد اسے اپنی محبوبہ کے روپ میں ڈھال لے چاہے تو اجنبی کے۔

''نماز عشاء اور تراویح پڑھ لی تھی؟'' اس کے ماتھے پر آئے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے پوچھا۔

''وہ مما سے بات ہوتی رہی تو ٹائم کا اندازہ نہیں ہوا۔ اب تو بہت دیر ہوگئی ہے ہمت بھی نہیں نماز پڑھنے کی میں کل سے دھیان رکھوں گی۔'' وہ پوری دیانت داری سے کہہ گئی۔

''او کے سو جاؤ...... صبح بات ہوگی۔'' احسن نے اس کے بالوں سے سرعت سے ہاتھ کھینچا۔ اس کی انگلیوں سے اپنی انگلیاں آزاد کرکے رخ پھیر کر لیٹ گیا۔ رنم فاطمہ نے گہرائی سے اس کے سرعت سے بدلتے انداز کو دیکھا تھا۔ اس کی پشت پر نظریں جمائے وہ ایک پل بھی سکون سے آنکھیں نہ موند سکی تھی۔

سحری کے وقت وہ اٹھی تو احسن تہجد کے لیے کمرے کے گوشے میں جائے نماز بچھا کر کھڑا ہوگیا تھا۔ وہائٹ کرتے پاجامے میں وہ اتنا وجیہہ لگ رہا تھا کہ رنم فاطمہ کی نظریں اس پر سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ کئی ثانیے اسے

دیکھتے رہنے کے بعد وہ کچن کی طرف بڑھی تھی۔ سحری کا وقت ہوچکا تھا۔

❀............❀............❀............❀

"رنم اٹھ کر دروازہ لاک کرلو میں جارہا ہوں۔" احسن کی مسلسل آواز پر رنم فاطمہ جھومتی جھامتی دروازے تک آئی تھی۔ احسن خاموشی سے نکل گیا۔ آج ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ رنم بھی شاید کچھ زیادہ نیند میں تھی جو احسن کی خاموشی اور اس کے بدلے انداز پر دھیان نہ دے سکی۔ احساس اس وقت ہوا جب پورا دن گزر گیا اور احسن کی کال اور کوئی میسج نہ آیا کچھ پریشانی سے اس نے خود احسن کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ کال ریسیو نہیں ہورہی تھی اس نے دوبارہ نمبر ملایا تھا اب کی بار کال ریسیو ہوگئی۔

"احسن آپ ٹھیک ہیں...... کوئی کال میسج نہیں۔؟" رنم فاطمہ کی بے قراری لفظوں سے عیاں تھی۔

"میں ٹھیک ہوں...... بزی ہوں گھر آ کر بات کروں گا۔" حسب عادت نرم لہجے میں احسن نے جواب دیا۔ اس سے پہلے کہ رنم اگلا جملہ کہتی کال کٹ چکی تھی۔ رنم نے حیرانگی سے فون کان سے ہٹا کر دیکھا۔ اتنے روکھے پھیکے انداز میں تو احسن نے کبھی اس سے بات نہیں کی تھی۔ شاید واقعی بزی ہوں۔ رنم نے جیسے خود کو بہلایا اور اٹھ کر افطاری کی تیاری کرنے لگی۔

لیکن جب احسن گھر آیا تو اس کی ساری غلط فہمی دور ہوگئی اس نے خاموشی سے افطاری کی تھی اور نماز کی ادائیگی کے لیے چلا گیا تھا۔ رنم حیران تھی نماز عشاء اور تراویح کے بعد جب احسن اپنا تکیہ اٹھا کر صوفے پر لیٹا تو رنم کو معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا۔

"احسن آپ ناراض ہیں مجھ سے؟" وہ اٹھ کر صوفے تک آئی۔

"میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا' مجھے نیند آرہی ہے۔" احسن کشن منہ پر رکھ سوتا بن گیا تھا کچھ ثانیے رنم فاطمہ کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی بیڈ سے بھی وہ اسے ہی دیکھتی رہی تھی جس کے وجود میں کوئی ہلچل نہیں ہورہی تھی۔

اگلا دن بھی سابقہ رنگ لیے آیا تھا نا کوئی کال نا میسج نہ ہی احسن اس سے بلاضرورت کوئی بات کررہا تھا رنم فاطمہ جو اس کی محبت کی عادی ہوگئی تھی اس کے لفظوں پر مر مٹنے لگی تھی اس سے یہ سب برداشت نہیں ہورہا تھا۔ اس نے باریکی سے احسن کی ناراضگی کی وجہ ڈھونڈی اور اسے اپنی کوتاہی اور احسن کی ناراضگی کی وجہ اچھی طرح نظر آگئی تھی۔ وہ سراسر خود کو مجرم گردان رہی تھی اس کی وجہ سے وہ روٹھ گیا تھا۔ ہر دم مسکرانے والا خوب صورت باتیں کرنے والا شخص خاموش ہوگیا تھا۔ تین دن سے رنم نے اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں دیکھی تھی اسے نیک بنانے کے لیے وہ اسی سے ناراض ہوگیا تھا۔

"معاف کردیں نا احسن مجھے میری غلطیوں کا احساس ہوگیا ہے میں اب باقاعدگی سے نماز پڑھوں گی آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" رات حسب معمول احسن خاموشی سے اپنا تکیہ اٹھا کر صوفے پر جانے کی نیت کرنے لگا تو رنم فاطمہ نے سرعت سے اس کا تکیہ اٹھا کر دونوں بازوؤں میں بھینچ کر سینے سے لگالیا۔ احسن خاموشی سے اس کی حرکت اور ندامت کے لفظ سن رہا تھا۔

"مجھ سے آپ کی لاتعلقی بیگانگی برداشت نہیں ہورہی۔ اب بس کردیں نا پلیز۔" تکیہ گود میں رکھے وہ دونوں ہاتھ جوڑ گئی۔ چہرے پر اتنی معصومیت سادگی تھی کہ احسن نے بیڈ پر بیٹھتے اس کے جڑے ہاتھ کھول دیئے۔

"تم سے ناراض رہ کر میں کب سکون سے ہوں۔ میری زندگی کی اب ہر خوشی تمہارے عمل سے ہے۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم مجھے کب ناراض ہونے کا موقع دیتی ہو۔" احسن نے محبت سے اپنی فیلنگز شیئر کی تھیں۔

"میں پوری کوشش کروں گی کہ آپ کو ناراض نہ کروں۔ میں نہیں جی سکتی آپ کو ناراض کرکے۔ ایک پل سکون سے نہیں گزرا۔ میں آپ کی محبت کی عادی ہوگئی ہوں آپ کی لاتعلقی میری جان لے لی گی۔" رنم فاطمہ کو واقعی اس سے اتنی محبت ہوگئی تھی کہ وہ اس کی ناراضگی

برداشت نہیں کرسکتی تھی اور پھر واقعی رنم فاطمہ نے اپنا کہا سچ کر دکھایا۔ باقی کے تمام روزے اس نے پورے دل سے رکھے تھے نماز و تراویح کی ادائیگی کے لیے وقت کا دھیان رکھنے لگی تھی اور اب اس کی عبادت میں محبت کا رنگ بھی شامل ہونے لگا تھا۔ بے دلی اور سستی کہیں دور جانے لگی تھی تب اس پر راز کھلا تھا۔

ایک احسن کی محبت میں وہ خود کو بدل رہی تھی تو کیا اسے اللہ سے اتنی محبت نہیں تھی کہ وہ خود کو اللہ کے لیے بدلتی۔ اس کے احکامات پر چلتی۔ ہم انسان محبوب کی پسند ناپسند کا تو فوراً دھیان رکھتے ہیں اس کے رنگ ڈھنگ میں ڈھلنے کی کوشش کرتے ہیں کن باتوں سے محبوب ناراض ہوتا ہے اس کا خیال رکھتے ہیں لیکن اللہ کے دکھائے راستوں پر چلنے کی خواہش نہیں کرتے اس کی ناراضگی کی پروا نہیں کرتے جو سچ میں ہمارا خیر خواہ ہے۔

رنم فاطمہ احسن کی محبت کی ڈور کو تھامے جب اللہ کی طرف بڑھتی تو اس پر رب کائنات کی محبت کھلنے لگی۔ اس کی نوازشات پر شکر ادا کیا تو اپنی کوتاہیاں رلانے لگیں۔ یہ اللہ ہی تو ہے، جس نے بن مانگے، بنا تگ و دو کے اس کی محبت جھولی میں ڈال دی تھی۔ اس کے نصیب میں اتنا اچھا ہمسفر لکھ دیا تھا جو نہ صرف اس سے محبت کرتا تھا بلکہ اسے رب کی محبت میں بھی مبتلا کر گیا تھا۔ وہ اپنی مہندی لگے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

"رمضان المبارک میں جب ہم شب قدر کو تلاش کرتے ہیں تو وہیں چاند رات بھی اہم ہے۔ چاند رات کو لیلۃ الجائزہ یعنی مزدوری ملنے کی رات کہتے ہیں۔ لیکن افسوس ہم اللہ سے اپنی مزدوری طلب کرنے کی بجائے رات کو بازاروں کی رونق بڑھاتے ہیں۔ اس کی مثال تو یہ ہوئی کہ ایک مزدور نے پورے ماہ محنت کی لیکن جب مالک سے اجرت طلب کرنے کا وقت آیا تو ہم شیطان کی آزادی کا جشن منانے نکل کھڑے ہوئے۔ کیا بہتر نہیں ہے کہ ہم تھوڑا وقت رمضان کی روحانیت کا خیال کر کے رب العزت سے اپنی عبادات کا اجر طلب کریں۔ خود سے جڑے لوگوں کی خوشیوں کا سامان کر کے تھوڑا وقت اس کی طرف بھی رجوع کر سکتے ہیں۔ عید کا دن مسلمانوں کے لیے انعام ہے آج کی رات بھی اللہ اپنے بندوں کو پکارتا ہے۔ ہے کوئی مانگنے والا۔ اور دینے والا جب وہ خود پکارے تو ہم کیوں کوتاہی کریں۔" احسن جملہ مکمل کر کے جائے نماز بچھانے لگا تھا۔

"واقعی جب نوازنے والا خود پکار رہا ہو تو وہ کیوں غفلت میں رہ کر محروم رہتے۔" رنم کے دل کو یہ جملہ لگا تھا۔

عید گزر گئی تھی اپنوں کے ساتھ تین چار دن کیسے بیتے وقت کا احساس ہی نہ ہوا۔ ہما بیگم ثمرن بھی قدرے ٹھیک سے ملی تھیں میکے میں پورا دن گزار کر بھی اس کا دل نہیں بھرا تھا اور وہ واپس اسلام آباد آگئے تھے۔

"عیدالضحیٰ پر لمبی چھٹی لے لوں گا تب رہ لینا میکے میں۔" اس کی اداسی پر احسن نے دلجوئی کی تھی۔

"لڑکیاں کتنے ہی دن رہ لیں میکے سے ان کا دل نہیں بھرتا۔ ماں باپ بھائی رشتے ہی ایسے ہیں۔ لیکن اب میں آپ کے بنا بھی نہیں رہ سکتی۔ دن کو آپ کی باتیں مس کرتی ہوں تو رات کو آپ کے بازو کا تکیہ نہ ہو تو نیند نہیں آتی۔"

"اچھا جی۔!" احسن نے چھیڑا۔

"ہاں جی۔" وہ مسکراتے ہوئے اعتراف کر گئی تھی۔

❀ ❀ ❀ ❀

"کنیز......!" وہ گروسری لینے مال آئی تھی۔ ایسے میں سامنے سے ٹرالی دھکیلتی شخصیت پر اس کی نظر ٹھہری تو ایک چیخ کی صورت اس کے منہ سے اس کا نام نکلا۔ سامنے سے آتی ہستی بھی اپنا نام سن کر ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔

"رنم...... تم رنم فاطمہ ہو نا۔" وہ بھی اسے پہچان گئی تھی رنم فاطمہ بمشکل سر ہلا سکی۔ کنیز فوراً اس کے گال سے گال ملا کر ملنے لگی۔ رنم فاطمہ کو اس کے ملنے کے انداز سے جھٹکا لگا۔

"اتنے عرصے بعد ملے ہیں آؤ اوپر فوڈ سینٹر میں بیٹھتے ہیں۔" کنیز کی آواز پر سر ہلاتی رنم فاطمہ ابھی تک ششدر تھی۔

یونیورسٹی میں شرعی پردہ کرنے والی گلوز سوکس میں ملبوس رہنے والی کنیز اس وقت جینز اور ٹی شرٹ میں چھوٹا

سا اسکارف گلے میں ڈالے ہائی ہیل پہنے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ سر کے بال جو کبھی نظر نہیں آئے تھے اب خوب صورت ہیئر کٹنگ کے ساتھ گولڈن براؤن رنگ میں رنگے شولڈر پر پڑے تھے۔

''کنیز یہ جینز اور شرعی پردہ......!'' فوڈ سینٹر میں اس کے مقابل بیٹھتے وہ زیادہ دیر خود کو روک نا پائی اپنی الجھن دکھانے میں کنیز کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''جس طرح تمہیں میرے حلیے پر حیرت ہو رہی ہے اسی طرح مجھے بھی تمہارے انداز پر حیرانگی ہے کتنے سلیقے سے تم نے بڑے سے دوپٹے کو وجود کے گرد لے رکھا ہے کہ بال بھی نظر نہیں آ رہے حالانکہ گرمی ہے۔ بہت گو کہ اے سی آن ہے لیکن تمہارا انداز دیکھ کر لگ رہا ہے تمہیں سر پر دوپٹہ لینے کی عادت ہوگئی ہے۔ ورنہ تم ہی تھیں جس کا دوپٹہ اذان کی آواز پر بھی زمین پر جھولتا رہتا تھا۔'' کنیز کی آنکھوں کے آگے جیسے ماضی کی اسکرین چلنے لگی وہ بیتے وقت کو یاد کرتے مسکرائی۔ ایک عجیب سی بات تھی اس مسکراہٹ میں۔

''تم نے ہی کہا تھا کہ اگر جہنم کی گرمی کو محسوس کرو گی تو دنیاوی گرمی کا احساس نہیں ہوگا۔'' رنم فاطمہ نے اس کا کہا جملہ دہرایا۔

''چلو تمہیں میرے لفظ تو یاد ہیں۔ جنہیں میں خود بھول گئی۔'' کنیز نے پزا پر کیچپ انڈیلتے ہوئے کہا۔

''ہاں تمہارے لفظ بھی یاد ہیں اور اپنے شریک سفر کی خواہش بھی کہ اللہ جب تک شرعی پردے کی توفیق نہیں دیتا تو کم از کم سر کو باہر ڈھانپ کر نکلو کہ تمہارے بال کوئی نامحرم نہ دیکھے اور مرنے کے بعد کوئی عذاب تمہارے سر پر نہ ہو۔'' رنم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بہت لکی ہو تم...... ہم دونوں کی شادی ایک ہی دن ہوئی تھی لیکن تم بہت لکی نکلیں کہ رب نے تمہیں ایسا ہمسفر دیا جس نے تمہاری دنیا کے ساتھ دین کی بھی فکر ہے۔'' کنیز کے درست قیاس پر رنم فاطمہ ایک لمحے کو چپ رہ گئی۔

''تمہیں کیسے پتا کہ احسن بہت اچھے ہیں۔'' اس نے حیرت کو زبان دی۔

''تمہیں دیکھ کر...... کسی کے ہم سفر کے متعلق جاننا ہو تو اس سے جڑی عورت کو دیکھ لو۔ تمہارے چہرے اور وجود سے جو پاکیزگی نظر آ رہی ہے وہ گواہ ہے کہ تمہارا شریک سفر ایک نفیس انسان ہے۔ جس نے تمہاری الہڑ بے پروائی کو اپنی محبت سے ٹھہراؤ دیا ہے۔ دنیاوی رنگ اتار کر تمہیں حقیقی رنگ میں رنگ رہا ہے اسی رنگ میں جس میں بنت حوا کی بقا اور آسودگی ہے۔'' کنیز کی باتوں میں آج بھی اتنی ہی فصاحت اور بلاغت تھی جتنی پہلے ہوا کرتی تھی۔

''اور تم......؟'' رنم فاطمہ کو ابھی تک اپنے سوال کا جواب نہیں ملا تھا۔

''سیم وہی کہ مجھے دیکھ کر میرے میاں کے متعلق رائے قائم کرلو۔'' کنیز نے شانے اچکاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔ مگر اس کے چہرے پر ایک پل کو جو درد آیا وہ رنم فاطمہ سے چھپا نہ رہ سکا۔ مزیدار پیزا شاید کنیز کو کڑوا لگنے لگا تھا۔ تب ہی اس نے پلیٹ بے دلی سے پرے کھسکا دی۔ کولڈ ڈرنک کے سپ لیتی وہ اردگرد نظر دوڑا کر آنکھوں میں آئے پانی کو اندر اتارنے کے جتن کر رہی تھی اس کے چہرے پر پھیلا کرب رنم فاطمہ کو بے چین کر گیا۔

''میں نے ایک اوسط درجے کے گھرانے میں آنکھ کھولی۔ جہاں روزہ نماز کو ایک فرض سمجھ کر ادا کرتے تھے۔ میں چھوٹی تھی تو میلاد شریف میں نعتیں پڑھتی تھی۔ پھر پیغمبر اسلام نبی کریم ﷺ سے محبت بڑھتی چلی گئی تو میں نے قرآن شریف حفظ کرنا شروع کردیا اور چند سالوں میں ہی میں حافظہ بن گئی۔ محبت بڑھتی رہی درس و تدریس کے شعبے سے منسلک ہوئی تو ظاہری رنگ روپ بھی بدل گیا۔ شرعی پردہ کرنا شروع کیا تو گھر میں امی ابو نے کسی حد تک مخالفت کی گھر پر کزنز اور رشتے داروں کا آنا جانا لگا ہوتا تھا۔ چچا ماموں کو بھی اپنے بیٹوں سے پردہ گراں گزرنے لگا۔ بھنویوں نے بھی باتیں سنانا شروع کردیں لیکن میں نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری گو کہ کزنز اور رشتے داروں کی طرف سے بہت سی باتیں سننے کو ملیں مگر میں نے پروا نہیں کی۔

وقت گزرتا رہا پھر کالج یونیورسٹی تک پہنچ کر شادی بھی ہوگئی اور یہیں میں نے غلطی کردی۔" کنیز بولتے بولتے جیسے تھک گئی تھی۔ اس کا گلا خشک ہونے لگا تھا۔ شاید آنسو گلے میں پھنس گئے تھے۔ اس نے کولڈ ڈرنک کے گھونٹ بھرنا شروع کردیئے۔

"مشرقی لڑکی کی طرح شریک سفر کا فیصلہ میں نے بھی اپنے والدین پر چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے سب دیکھا۔ لڑکا پڑھا لکھا تھا۔ پیسے والا اچھی کاسٹ سے تعلق رکھتا تھا۔ ہینڈسم۔ سب کچھ اے ون تھا۔ نہیں دیکھا تھا تو یہ کہ لڑکا صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے کہ نہیں؟ مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود اس کے اعمال مسلمانوں والے ہیں یا نہیں؟ میرے میاں کو پردے گلفز میں ملبوس بیوی سے کوفت ہوتی ہے۔ وہ جتنا خود ماڈ ہے اتنا ہی شریک سفر کو دیکھنا چاہتا ہے۔ سال میں صرف عید کی نماز بھی پڑھ لے تو غنیمت ہے۔ بس مسلمان ہونے پر شکر الحمدللہ کہہ کر جیسے بری الذمہ ہوجاتا ہے۔" وہ تلخ ہورہی تھی۔ رنم فاطمہ چپ چاپ اسے سنتی رہی۔

"میں نے شروع میں احتجاج کیا۔ شرعی پردہ نا چھوڑنا چاہا تو مجھے طلاق کی دھمکی مل گئی۔ والدین سے شکایت کی تو انہوں نے میاں کے رنگ میں رنگنے کا مشورہ دے کر مجھے ہی مورد الزام ٹھہرایا۔ میری نمازوں' عبادتوں سے میرے میاں کو الجھن ہوتی ہے۔ میں چھپ چھپ کر عبادت کرتی ہوں۔ میاں کے کہنے پر ظاہری حلیہ بدلا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ میری یہ آزمائش ایک دن ختم کردے گا۔ میں طلاق جیسے قبیح فعل کو رب کی طرح ناپسند کرتی ہوں۔ مجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے کہ بھلے میرے طلاق لینے کے بعد میرے والدین میرا ساتھ نا دیں مگر میرے رب کی سرزمین بہت وسیع ہے۔ وہ مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا۔ لیکن میں اپنے شریک سفر کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ میری کوشش اور دعا ہے کہ رب اس کا دل بدل دے اور وہ بھی عاشق رسول ﷺ بن جائے۔ اس کے دل میں بھی اسلام گھر کرلے۔ کیا معلوم اللہ نے اس کی ہدایت کے لیے اس کی پسل سے مجھے پیدا کیا۔ کیا معلوم یہی میری آزمائش اور امتحان ہو؟ کیا معلوم ایک دن ہم دونوں کا ظاہری و باطنی حلیہ اسلام کے عین مطابق ہوجائے۔" کنیز کے چہرے سے جھلکتی امید پر رنم فاطمہ نے صدق دل سے آمین' کہا تھا۔ کنیز نے پلکوں پر آئے آنسو چن کر مسکراتے ہوئے رنم فاطمہ کے صبیح چہرے کو چوما۔

"وقت ہر انسان پر ایک سا گزرتا ہے۔ مگر الگ الگ انداز میں ہم دونوں کی شادی ایک دن ہوئی۔ تم بہتر کی طرف سفر کرنے لگیں اور میں بدتر کی طرف۔ تمہارے چہرے پر جو سکون ہے اس کا تمہیں اندازہ نہیں ہے شاید......" اور رنم فاطمہ کو یاد آیا کہ کبھی یہ سکون اسے کنیز کے چہرے پر نظر آتا تھا اور سرشاری کا رنگ لیے جس پر اب اضطراب کا قبضہ ہوگیا تھا۔

"شریک سفر نیک ہو تو دنیا و آخرت سنور جاتی ہے رنم فاطمہ۔ یہ مرد پر منحصر ہے کہ وہ عورت کو حجرے میں بٹھاتا ہے یا بازار میں۔" رنم فاطمہ کو اس کے درد کا بہت اچھی طرح احساس ہوگیا تھا۔ وہ دل سے دعا گو تھی کہ اللہ کنیز کی نیت کو دیکھ کر اس کی آزمائش ختم کردے۔ وہ جب مال سے نکلی تو احسن اس کی نظروں میں مزید بلند ہوگیا تھا۔ جس نے چند ماہ کی رفاقت میں اس کی ذات میں گم وہ روشن راہ دکھادی تھی جو اس کی بقا تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

کنیز سے مل کر رنم فاطمہ کی محبت اور عبادت کو مزید جلا ملی تھی۔ وہ بہت دل سے نماز پڑھنے لگی تھی۔ جمعہ کے دن عبادت کا بہت اہتمام کرتی اور یہ سب دیکھ کر احسن بے حد خوش تھا۔ اس کی آنکھ کھلی تو رنم بستر پر نہیں تھی۔ اس نے مخصوص گوشے پر نظر ڈالی تو وہ نماز پڑھتی نظر آئی۔ آج اسے اٹھنے میں تھوڑی دیر ہوگئی تھی۔ رنم نے شاید اس کی طبیعت کے پیش نظر نہ جگایا ہو کہ رات اسے بخار ہورہا تھا۔ بستر چھوڑ کر وہ وضو کر کے اس سے ذرا فاصلے پر نماز کے لیے کھڑا ہوچکا تھا۔ سلام پھیر کر احسن نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا وہ انگلیوں پر تسبیح پڑھ رہی تھی۔ رنم فاطمہ نے اس کی

محویت پر اسے دیکھا۔
"جب یہ تک پتا نہیں تھا کہ تم میرے نصیب میں ہو بھی یا نہیں تب ایک دن فجر کی نماز میں دعا مانگی تھی کہ تم تمام نمازیں میری نظر کے سامنے ادا کرو۔" رنم فاطمہ مسکرادی۔ اس کی مسکراہٹ میں عقیدت ومحبت کا رنگ گہرا تھا۔
"آپ کی ان ہی دعاؤں اور محبت نے تو مجھ ناچیز کو اپنے ان بندوں میں سے چن لیا جنہیں وہ ہدایت دینا چاہتا ہے اور میں آپ کے اس عمل پر آپ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔ اگر آپ میرے ہم سفر نہ ہوتے تو شاید میں بھی ایک غفلت بھری زندگی گزار کر اپنی زندگی کے دن پورے کرکے اس دنیا سے چلی جاتی اور قبر میں اپنی کوتاہیوں، غفلتوں بھرے شب و روز پر آنسو بہا رہی ہوتی۔ تب سوائے حسرتوں اور کف افسوس ملنے کے میرے پاس کچھ نہ ہوتا۔ توبہ کا در بھی وا نہ ہوتا۔" ذکر الٰہی کے خوف سے رنم فاطمہ کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔ احسن کے ہاتھوں کو محبت سے تھامتے اس نے اپنی پیشانی اس کے ہاتھوں کی پشت پر رکھ دیا تھا۔ آنسو احسن کے ہاتھ کو بھگو رہے تھے اور احسن کے اندر ایک سکون اترتا جارہا تھا کہ اس کے دل کو اللہ کی لو لگ گئی تھی۔

❁ ❁ ❁ ❁

چاند رات پر ایک بار پھر وہ اپنوں کے درمیان تھی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر ہما بیگم سے استدعا کی تھی کہ وہ اسے دل سے قبول کرلیں۔ ہما بیگم کو بھی اس کا تقاضہ اتنا بھایا کہ انہوں نے اسے گلے لگالیا تھا۔
"میں کوشش کروں گی۔" ہما بیگم کا جملہ اسے پرسکون کرنے لگا تھا کہ جب رب راضی ہونے لگے تو سب راضی ہوجاتے ہیں۔
اسکائپ پر وجدان اور عریشہ آن لائن تھے۔ رنم فاطمہ ثمرن کی اوٹ میں ہوگئی۔ وجدان کو آن لائن دیکھ کر اسے گزشتہ واقعہ شدت سے یاد آگیا تھا۔ وہ سراسیمگی کی کیفیت میں گھر گئی تھی۔
"رنم میرے کپڑے نکال دو۔" احسن نے اٹھتے ہوئے اسے بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔
"احسن ایسی بھی کیا بے رخی...... دو گھڑی ہم سے بھی بات کرلو۔" اسے اٹھتے دیکھ کر عریشہ نے جیسے گلہ کیا۔ رنم جو احسن کے اشارے پر اٹھنے لگی تھی ایک بار پھر ثمرن کی اوٹ میں ہوگئی۔
"وجدان گلہ کررہے تھے کہ تم نے ان کی کال تک ریسیو کرنا چھوڑ دی ہے واٹس ایپ اور دیگر سوشل ایپس پر انہیں بلاک کردیا ہے۔" عریشہ کہہ رہی تھی اور باقی سب کی حیران نظریں احسن پر اٹھ گئیں۔ خود رنم فاطمہ استعجاب سے احسن کا چہرہ دیکھنے لگی۔
"بے رخی نہیں بھابی اسے قطع تعلق کرنا کہتے ہیں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کبھی اس بات کو طشت ازبام کروں لیکن آپ نے ذکر نکالا ہے تو میں کلیئر کردوں کہ میرے لیے میرا بھائی مرچکا ہے۔ میں نے بھائی کو باپ کا درجہ دیا تھا مگر انہوں نے میری بیوی میری عزت پر بری نیت ڈال کر اپنا جو اصل روپ دکھایا ہے اس پر یہ واجب القتل ہیں۔" رنم فاطمہ کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ باقی سب بھی شاکڈ بیٹھے تھے وجدان کے چہرے کا رنگ فق ہوچکا تھا۔
"مجھ پر بہتان مت لگاؤ بیوی کی باتوں میں آکر۔ بنا دوپٹے کے رہنے والی نے خود......" وجدان سنبھل کر طیش دکھا کر اپنا برہم قائم رکھنا چاہتا تھا۔
"منہ بند رکھیں اپنا...... اگر پھر کبھی میری بیوی کا نام بھی آپ کی زبان پر آیا تو میں نے جو خود کو بمشکل روک کے رکھا ہے شاید مزید نا روک سکوں۔" احسن اتنی زور سے دھاڑا کہ ثمرن نے دہل کر دل پر ہاتھ رکھ لیا۔ رنم فاطمہ بھی سہم گئی۔
"احسن آرام سے۔" ہما بیگم کی دھیمی آواز نکلی۔ اس نے جیسے سنا نہیں۔
"میری بیوی نے مجھ سے ذکر بھی کیا ہوتا اس واقعے کا تو میں اسی وقت آپ کو جہنم واصل کردیتا۔ لیکن اس اللہ کی بندی نے مجھے کچھ نہیں بتایا کیونکہ یہ آپ کو میری نظروں میں گرانا نہیں چاہتی تھی حالانکہ گر تو آپ اسی وقت گئے تھے جب آپ نے اس پر بری نیت ڈالی تھی۔ اس کی

طبیعت خرابی اور اکیلے پن کا خیال کر کے جب میں گھر آیا تو میں نے آپ کو خود چوروں کی طرح گھر سے باہر نکلتے دیکھا۔ پھر کچن میں بکھرا سامان رنم کی متوحش کیفیت پر میں نے حیدرآباد کنفرم کیا تب پتا چلا کہ آپ نے حیدرآباد کا ڈرامہ صرف ہمیں سنانے کے لیے کیا تھا...... اگر پھر بھی آپ کو اپنا کریکٹر سرٹیفکیٹ چاہیے تو فاخرہ موجود ہے۔ جس نے کئی بار مما سے آپ کی دست درازی کی شکایت کی اور انہوں نے کبھی آپ سے پوچھ گچھ نہیں کی۔ لیکن میں ایسی چیزیں برداشت نہیں کرتا۔ آستین میں سانپ پالنے کا شوق نہیں رکھتا۔ تب ہی میں نے اسلام آباد شفٹ ہونے کا فیصلہ کیا کہ میں اپنی بیوی کو آپ جیسے وحشی اور رشتوں کا احترام نہ کرنے والے شخص کی نظروں سے ہمیشہ دور رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ جیسے مکروہ لوگوں نے ہی اسلام کو بدنام کیا ہوا ہے۔ بظاہر ظاہری حلیہ دکھا کر آپ نے کتنے گناہ کیے یہ آپ جانتے ہیں یا آپ کا اللہ...... میرے لیے آپ مر گئے...... اسلام میں قطع تعلق کی ممانعت ہے لیکن ابھی میرا علم محدود ہے۔ میرے اندر اتنی وسعت نہیں کہ آپ کو معاف کرسکوں کوشش کیجیے گا کبھی مجھ سے آپ کا سامنا نہ ہو۔" رنم فاطمہ اور باقی سب پہلی بار احسن کو اتنا غصے میں اونچا بولتے دیکھ اور سن رہے تھے۔ ہما بیگم کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے تو ثمرن نظریں چرانے لگی۔ عریشہ ساکت بیٹھی رہ گئی تھی۔ وجدان کو اب ساری زندگی ذلیل و خوار ہی ہونا تھا۔

"احسن...... بھائی ہے معاف......" ہما بیگم منمنائیں۔ انہیں پتا تھا وہ اپنی بات کا کتنا پکا ہے۔

"کچھ غلطیوں کی کبھی معافی نہیں ہوتی مما۔ اگر اس دن فاخرہ بے وقت کام پر نہ آتی تو رنم فاطمہ جیتے جی مر جاتی۔ میرے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہوتا کہ میری بیوی میرے ہی گھر میں بے آبرو ہوجاتی۔" احسن کا لہجہ گلوگیر ہوگیا تھا۔

"اگر کل کو فاخرہ بھی ان کے ہتھے چڑھ جاتی تو آپ نظر ملاسکتی تھیں ایک ملازمہ سے......" احسن کا کڑا سوال ہما بیگم کو چپ کرا گیا تھا۔

"رنم کپڑے نکال دو۔" احسن کہتا چلا گیا۔ رنم چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے پیچھے چلی آئی تھی۔ اسکائپ کی آگے بیٹھے سارے لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو احسن وارڈ روب میں سر دیئے کچھ ڈھونڈنے کی کوشش کررہا تھا۔ رنم فاطمہ نے بے ساختہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"میں کپڑے نکال رہا ہوں پلیز استری کردو۔" احسن کا بھیگا لہجہ رنم فاطمہ کا دل مجروح کر گیا۔ خود کو مصروف ظاہر کر کے وہ اپنے تاثرات چھپا رہا تھا۔ پٹ بند کر کے رنم فاطمہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"مجھے ذرا دوستوں سے ملنے جانا ہے۔ تمہارا موڈ ہے تو چلو میکے چھوڑ دوں تمہیں واپسی میں مہندی بھی لگوا لینا۔" نظریں دیوار پر گاڑے وہ جیسے خود کو کمپوز کررہا تھا۔ رنم فاطمہ نے بے ساختہ اس کے دونوں گالوں پر ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اپنی نظروں کے سامنے کیا۔ احسن کی آنکھیں ضبط کی کوشش میں سرخ ہونے لگی تھیں۔ اتنے دنوں سے اس نے یہ درد اپنے اندر چھپا رکھا تھا اور آج جب بات دور تلک پھیلی تو وہ جیسے وجدان کا بھائی ہونے پر اس کے سامنے شرمسار تھا۔ اس کا سامنا کرنے کی اس میں ہمت نہیں ہورہی تھی۔ رنم فاطمہ بغور اس کی آنکھوں کے سرخ ڈوروں کو دیکھ رہی تھی۔

"میں مزید تمہارے بنا نہیں رہ سکتی۔" رنم فاطمہ نے ہولے سے اعتراف کیا۔ احسن کا ضبط جیسے جواب دے گیا تھا۔ اس کی آنکھ سے ٹوٹا ایک قطرہ سرخ آنکھ سے بہہ نکلا تھا جسے رنم فاطمہ نے فوراً اپنی پور پر چن لیا تھا۔

"مجھے فخر ہے کہ آپ میرے شریک سفر ہیں مجھے اور کسی سے کوئی سروکار نہیں۔" احسن کے شانوں کو مضبوطی سے تھامے وہ اسے باور کرا رہی تھی۔

اسے احسن کا جملہ بے ساختہ یاد آیا تھا کہ اللہ میرا ظاہر و باطن بھلے ایک نہ رکھے مگر میرے اندر اسلام کی روشنی ہو۔ اس کا حلیہ بظاہر ماڈ تھا، فیشن کے کپڑے پہنتا تھا۔ لیکن

اس کے دل میں جتنا خوف الٰہی رشتوں کا تقدس نرمی اور حلاوت سمجھداری تھی یہ اوصاف وجدان میں نہیں تھے۔ ہوتا تو شاید وہ کبھی اتنی گری ہوئی حرکت نہیں کرتا۔

"نماز عشاء پڑھ لی تھی رنم۔" وہ میکے آئی ہوئی تھی ایک بار پھر سابقہ محفل جمی ہوئی تھی۔ پپا بھی آئے ہوئے تھے جس کی وجہ سے گھر کی رونق مزید بڑھ گئی تھی۔

احسن پپا اور عالیان سے باتوں میں مصروف تھا۔ مگر اس کا دھیان دادی کے سوال پر بھی تھا۔

"جی دادی الحمدللہ...... گھر سے پڑھ کے نکلی تھی۔"

"باقاعدگی سے پڑھ رہی ہو نا نماز۔" دادی کو خوشی تو ہوئی ساتھ ہی تصدیق بھی کی۔

"ایسی ویسی باقاعدگی دادی...... اب تو مجھے بھی محترمہ ہی یاد دلاتی ہیں کہ اذان ہوگئی ہے فوراً نماز پڑھیں۔" احسن کے جواب پر دادی نہال ہوگئیں۔

"ہیں واقعی...... ماشاءاللہ...... ماشاءاللہ...... اللہ مزید ہدایت دے آمین۔" دادی کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ رنم کا سیل فون بجا۔

"جان میری...... کہو تو اور تھوڑی تعریف کردوں۔" احسن کا ٹیکسٹ پڑھ کر رنم کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"نہیں برائی کریں۔" رنم نے چڑایا۔

"ایسا کیسے کرسکتا ہوں۔ تم ہو ہی تعریف کے قابل۔" احسن کے جواب نے رنم کے چہرے پر گلال بکھیر دیا۔

"میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔" رنم فاطمہ کا بے ساختہ اظہار پڑھ کر احسن نے لب دانتوں تلے دبا کر مسکراہٹ روک کر عالیان کی بات کا جواب دیا۔

"کتنی۔" احسن کا اصرار ہوا۔

"کوئی حساب نہیں" باتیں بھی ہو رہی تھیں سب سے اور ان کے محبت بھرے پیغامات بھی چل رہے تھے۔

"تم بھلے ارکان اسلام سے دور تھیں مگر تمہارا باطن بہت صاف تھا۔ تمہارے نفس میں پاکیزگی تھی' تب ہی تم نے جلد ہی اللہ سے لو لگالی۔ لوگ محبوب سے ملنے کی دعا کرتے ہیں۔ محبوب سے شادی کی دعا کرتے ہیں جب کہ میں چاہتا ہوں تم جنت میں بھی میرے ساتھ رہو۔ اسی لیے تم پر سختی کررہا تھا کہ میں وہاں بھی صرف تمہیں اپنی شریک سفر کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔" احسن کا خوب صورت اقرار چاندرات کی خوب صورتی کو مزید بڑھا گیا تھا۔

❀......❀......❀......❀

عیدالضحیٰ کا دن تھا۔ احسن نے خود قربانی کی تھی۔ مرد حضرات بوٹیاں بنانے میں مصروف تھے تو رنم کلیجی بھون رہی تھی۔ ثمرن پراٹھوں کے لیے آٹا گوندھ رہی تھی۔ ہما بیگم عزیزوں رشتے داروں میں گوشت تقسیم کرنے کے لیے الگ الگ پیکٹس بنوا رہی تھیں۔ کلیجی دم پر تھی۔ ثمرن سلاد کا سامان اٹھائے ٹی وی کی آگے جاکے بیٹھ گئی۔ رنم نے پراٹھے بیلنے شروع کردیئے تھے۔ جب احسن خون آلود کپڑوں میں کچن میں داخل ہوا۔

"جانو......"

"جی جانو کی جان۔" اس کی محبت بھری پکار پر اس نے بھی محبت سے جواب دیا۔

"نیڈ یو......" احسن نے وہائٹ سوٹ میں ملبوس سجی سنوری رنم فاطمہ کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ ایک دم سے کہہ گئی۔

"دھیرج رکھیں سب موجود ہیں۔"

"ہاں تو ہگ (HUG) تو مل ہی سکتا ہے۔ بے وفا بیوی تم تو عید بھی نہیں ملیں۔" احسن کے گلے پر رنم فاطمہ کے لبوں پر شرمیلی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

✡

میں قربان جاؤں

نازیہ جمال

پورب سے اٹھتے گولے کی روپہلی، شفاف، ٹھنڈی اور چمکیلی کرنوں نے دھرتی کے چہرے پر پیار سے اور بڑی نرمی سے بوسہ دیا تو زندگی انگڑائی لے کر بیدار ہوگئی تھی۔

ڈھائی کنال پر بنے تین پورشنز میں بھی صبح اپنے ازلی روایتی انداز میں اتری تھی مگر ناشتے کی تیاری کی کھٹر پٹر صرف مسرت پھوپو کے کچن سے ہی کانوں میں پڑ رہی تھی باقی دو پورشنز میں ناشتے کی تیاری کے آثار فی الحال نظر نہیں آرہے تھے۔

''رانیہ...... بیٹا اٹھ...... ناشتا تیار کر دیر ہو رہی ہے تیرے ابا مسجد سے آنے ہی والے ہوں گے اور آتے ہی نہار منہ چائے کا پیالہ مانگیں گے۔'' چار پائیوں کی قطار سے کھیس تہہ کرتے ہوئے جمیلہ نے بڑے پیار سے اسے جگایا۔

''سونے دے اماں...... بڑے زوروں کی نیند آرہی ہے۔'' کھیس میں منہ چھپاتے ہوئے وہ غنودگی میں بڑبڑائی مگر جمیلہ نے اس کا کھیس بھی کھینچ کر تہہ کرنا شروع کردیا۔

''سونے تو دوں مگر گھر کے کام کون کرے گا' بچوں نے اسکول جانا ہے۔ تیرے ابا کو بھی جلدی دکان پر نکلنا ہوتا ہے اور بچے معاذ عبدالکریم کو بھی تو کام کے لیے نکلنا ہے۔''

''ہونہہ معاذ عبدالکریم......'' اماں کی آخری بات نے تو اس کا حلق تک کڑوا کردیا تھا۔ انتہائی بے دلی سے تکیے کے نیچے سے گول مول پڑا دوپٹہ نکال کر کندھوں پر ڈالا اور منہ ہاتھ دھو کے ناشتے کی تیاریوں میں لگ گئی۔

اپنے پانچ عدد شریر لاڈلے بہن بھائیوں کا فرمائشی ناشتا تیار کرنا ہی اس کے لیے کافی محال تھا کجا کہ اب تو چاچا عبدالکریم کے بھی چار عدد بچے بھی شامل ہو چکے تھے، سب کی فرمائشیں الگ الگ۔

''آپا...... مجھے فرائی ایگ چاہیے۔'' ایک آواز لگاتا۔

''اور مجھے دہی کے ساتھ پراٹھا۔'' ہر ایک کی الگ فرمائش اس کا تو دماغ ہی گھوم جاتا۔ دل چاہتا ایک زور کا جھانپڑ سب بچوں کے منہ پر لگائے مگر نو مولود بچوں کے منہ پر جھانپڑ لگانے کے لیے بھی تو کافی وقت درکار ہوتا۔ جو اس کے پاس صبح کے وقت بالکل بھی نہیں ہوتا تھا سو دل پر جبر کیے تیز تیز ہاتھ چلاتے ہوئے بچوں کو ڈانٹنے کا ارادہ موقوف کیے کام نمٹاتی جاتی۔ جھانپڑ کا کیا ہے وہ تو سارے دن میں کسی وقت انہیں بے دریغ لگا سکتی تھی۔

''جی مجھ ناچیز کو بھی کچھ کھانے کو مل سکتا ہے۔'' اسی دم معاذ عبدالکریم کی آمد ہوئی۔ چوکی کھینچ کر چولہے کے قریب' اس کے پاس بیٹھتے ہوئے شگفتگی سے پوچھا۔ صبح صبح تازہ شیو بنائے' نہا دھو کر وہ بالکل فریش اور تازہ دم دکھائی دے رہا تھا۔

''میرے خیال میں آپ کو روز کچھ نہ کچھ کھانے کو مل ہی جاتا ہے تو پھر یہ سوال کیوں؟'' انڈہ تیزی سے پھینٹتے ہوئے وہ رکھائی سے بولی۔

''ہاں یہ تو ہے' جو بھی ملتا ہے لاجواب اور لذیز ہوتا ہے۔'' وہ تائیدی انداز میں سر ہلا کر بولا' انداز میں توصیف تھی جو وانیہ کو بالکل متاثر نہ کرسکی۔

''آج کیا چاہیے ناشتے میں؟''

''جو کھلا دو میں ٹھہرا سیدھا سادا بندہ' کھانے میں عیب نکالنا گناہ سمجھتا ہوں۔ جو بھی ملے کلمہ شکر پڑھ کر کھالیتا ہوں اور......'' معاذ عبدالکریم کی زبان کو ایک دم بریک لگا تھا۔ وانیہ نے رات کا بچا ہوا شلجم کا سالن گرم کرکے سادہ

روٹی کے ساتھ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"یار بندہ بھلے دن بھر میں جو کھاتا رہے مگر ناشتا تو کم از کم تگڑا اور من پسند ہونا چاہیے۔ یہ شلجم تو مجھے بالکل پسند نہیں اماں تو کبھی نہیں پکاتیں' اس کے ساتھ روٹی کھانے سے میں کچے پیاز کے ساتھ کھانا زیادہ پسند کرتا ہوں۔" معاذ عبدالکریم اب بے چارگی سے پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔ وانیہ کے لبوں پر بے ساختہ استہزائیہ ہنسی چمکی' معاذ عبدالکریم کو شلجم کیا سبزیاں پسند ہی نہ تھیں وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی۔

"تو پہلے بتانا تھا ناں خوامخواہ اپنی نادیدہ عاجزی پر روشنی لازمی ڈالنا تھی۔" آملیٹ کے آمیزے کو توے پر انڈیلتے ہوئے وہ آف موڈ سے بولی۔

"ویسے چاچی صرف ایک ہفتے کا کہہ کر گئی تھیں' دوسرا ہفتہ آنے کو آ گیا ہے ان کی واپسی کے آثار نظر نہیں آ رہے۔" استعمال شدہ برتن سنک میں جمع کرتے ہوئے بولی۔

"ہاں اماں کا ارادہ ہفتے کا ہی تھا مگر رات کال پر بتا رہی تھیں کہ کچھ اور رشتہ داروں سے ملنے ملانے میں ایک دو دن لگ سکتے ہیں۔" معاذ عبدالکریم نے بھاپ اڑاتی چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔

"ویسے گھر کی طرف سے وہ بالکل بے فکر تھیں' میں نے انہیں کہہ دیا ناشتا' کھانا' کپڑے' سب۔ کچھ ایک دم فرسٹ کلاس ہل رہا ہے ہمیں۔ ٹینشن لینے کی قطعاً ضرورت نہیں' آرام سے گھومیں پھریں' دوستوں رشتہ داروں کے ہاں جائیں' تو پرابلم۔"

"ہاں انہیں پرابلم نہیں' پرابلم تو مجھے ہے۔ ایک تو اپنے گھر کے کام ختم نہیں ہوتے دوسرا تم لوگوں کے کام۔ کھانا' صفائی' کپڑے' ایک اکیلی میری جان کہاں کہاں کھپوں میں؟" وانیہ بے لحاظی سے بول رہی تھی' معاذ عبدالکریم اس کی دلی کیفیت جانتا تھا تبھی متاثر ہوئے بغیر بولا۔

"ہاں مجھے بھی یہ ظلم لگتا ہے۔ کہاں تمہاری نازک جان اور اتنے ڈھیر سارے نہ ختم ہونے والے کام۔ مگر کیا کیا جائے میرے بس میں کچھ نہیں' اماں اور چاچی مل کر تم پر ظلم کرنے پر متفق ہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں نہ جھاڑو پونچھا کر سکتا ہوں' نہ واش روم صاف کر سکتا ہوں۔ کاش کسی طرح تمہارا کام ہلکا کر سکتا۔" وہ ایک مصنوعی آہ بھرتے ہوئے بولا' وانیہ کی تو جان جل کر راکھ ہو گئی۔

"جھاڑو پونچھا رہنے دو وہ میں کر لوں گی بس ہوٹل سے کھانا منگوا کر کھا لیا کرو۔ یہی ہیلپ بھی کافی ہے مجھے۔" وہ خاصے طنز سے بولی۔

"ہاں کہتی تو ٹھیک ہو مگر ہوٹل اتنے خوب صورت جو نہیں ہوتے۔" وہ اس کی چمک دار براؤن آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا تو لحہ بھر کو وانیہ کنفیوژ ہو گئی تھی۔

"چلو خوب صورتی پر صرف نظر کر ہی لوں کیا وہ اتنے پیار دل اور توجہ سے کھانا تیار کرتے ہیں جیسے تم کرتی ہو۔"

وہ چوکی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہونہہ پیار توجہ...... اگر اماں کا ڈر نہ ہوتا تو کچھ الٹا سیدھا پکا کر رکھ دیتی۔ پتا نہیں کب چاچی گھر آئیں گی اور اس اضافی مشقت سے جان چھوٹے گی۔" معاذ عبدالکریم کی سیاہ گھورآنکھوں میں لحہ بہ لحہ اترتی شوخی سے گھبرا کروہ بلاوجہ کیبنٹ کھولنے بند کرنے لگی۔

"یار...... کیوں اتنا نیگیٹو ہوکر سوچ رہی ہو تمہارا اپنا فائدہ ہے۔ یہ دو ہفتوں کی پریکٹس تمہارے لیے مستقبل میں فائدہ مند ثابت ہوگی' پانچ چھ بہنوں کے کام کاج ذرا بھی تمہیں مشکل نہیں لگیں گے۔" کھٹاک...... ک...... ک...... وانیہ نے زور سے کیبنٹ کا دروازہ بند کیا بلکہ دے مارا تھا۔ اس سے زیادہ سننا اس کے بس سے باہر تھا' خون کی روانی ایک دم سے تیز ہوگئی تھی۔

"مطلب کیا ہے تمہارا؟ مستقبل...... پریکٹس...... کہنا کیا چاہتے ہوتم؟" وہ دونوں ہاتھ نازک کمر پر ٹکا کر معاذ عبدالکریم کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے غصے سے بولی۔

"کچھ نہیں' میں صرف اتنا کہہ رہا تھا کہ اگر فیوچر میں تمہارے گھر کے افراد پانچ یا اس سے زیادہ تعداد میں ہوں تو تم بالکل بھی پریشان نہیں ہوگی۔" اس کے خونخوار تیوروں سے گھبرا کر معاذ عبدالکریم نے جلدی سے بات بنائی اور باہر کی راہ لی۔

❁ ❁ ❁

"اور یہ میری پیاری بیٹی وانیہ کے لیے۔" چاچی فاطمہ نے بہت محبت سے ایک خوب صورت اور اسٹائلش سا سوٹ اس کی طرف بڑھایا تھا وہ کل ہی ملتان سے لوٹی تھیں۔ سب گھر والوں کے لیے کچھ نہ کچھ ان کے ہاتھ میں موجود تھا۔ اس وقت جمیلہ اور پھوپو مسرت ان کے پاس بیٹھیں ان سے ملتان کا احوال پوچھ رہی تھیں۔ کہاں کہاں گئیں' کس سے ملیں' اس دفعہ چاچا عبدالکریم بھی ان کے ہمراہ تھے سو خوب خاطر تواضع ہوئی۔

"آنی...... میرے نیلز کاٹ دیں' کل ٹیچر نے اسمبلی میں فائن کیا تھا مجھے۔" ایمن باجی کا ارسل نیل کٹر لیے اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"اور آپا...... میری بھی یونیفارم کی سامنے والی پاکٹ سی دیں' رفیع نے بریک میں اتنے زور سے کھینچی تھی کہ پھٹ گئی۔" یاسر نے بھی یاددہانی کروائی۔

"ہاں بس تم لوگوں کے کام کرتی رہوں' تمہاری مائیں باتیں بگھارنے کے لیے ہیں۔ کب سے چہرے پر ماسک لگانے کا سوچ رہی ہوں مجال ہے جو ٹائم مل جائے۔" وہ تپ کر بولی۔

وانیہ سے چار سال بڑی ایمن مسرت پھوپو کی بڑی بہو تھی' جن کا ساتھ ہی پورشن تھا۔ مرحوم پھوپا عصمت دادی کے یتیم بھتیجے تھے' سو اکلوتی بیٹی کی شادی کہیں دور پرے کرنے کی بجائے گھر سے بیٹی کا شریعت کے مطابق حصہ نکال کر خوب صورت سا پورشن بنوادیا۔ اکلوتی بیٹی سدا آنکھوں کے سامنے خوشی سے بستی رہی باقی دو پورشنز میں عبدالکریم احمد اور عبدالرحیم احمد کی فیملیز آباد تھیں۔ تینوں بہن بھائی ہی ماشاءاللہ سے کثیر العیال تھے' تینوں پورشنز بھرے پرے اور آباد تھے۔

مسرت پھوپو کے بڑے بیٹے امجد بھائی کے ساتھ ایمن باجی کی شادی ان کے میٹرک کرنے کے فوراً بعد ہی کردی گئی سو ایمن باجی محض دو قدم رخصت ہوکر پھوپو مسرت کے گھر کا حصہ بن گئیں مگر ان کے تینوں بچے ہمہ وقت ان کی طرف ہی پائے جاتے۔ چار سال میں تین بچوں کی پیدائش نے ایمن کو مصروف اور کسی حد تک کمزور کر ڈالا تھا سو اپنی سہولت کے لیے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے بچوں کو وانیہ کی طرف بھیج دیتی۔

"آنی...... بال بنادیں۔" بچے یونیفارم پہن کر صبح صبح ادھر آجاتے۔ "آنی فیڈر بنادیں...... آنی یہ...... آنی وہ......" وانیہ دونوں بھانجیوں اور بھانجی سے محبت تو کرتی تھی مگر کام کی زیادتی نے اسے چڑچڑا کر ڈالا تھا' کبھی کام کرتی تو کبھی ڈانٹ کر بھگا دیتی۔

"اپنے بہن بھائیوں کے بکھیڑے ہی نہیں سمٹتے اوپر

سے ان کی خواری بھی کرو۔" ساتھ میں عبدالکریم چاچا کے چار عدد بچے بھی سارا دن آتے جاتے اُدھم مچائے رکھتے۔ گند اور بے ترتیبی پھیلانے پر وہ خوب سیخ پا ہوتی۔ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ ساتھ کزنز کی خوب پٹائی کرتی۔

"مجھے کوئی لوہے فولاد کا انسان سمجھ رکھا ہے جو سارا دن تم لوگوں کے بگڑے کام سنوارتی رہوں۔" وہ حلق پھاڑ کر چلاتی۔

"ہاں تو لڑکیوں کے اور کیا کام ہوتے ہیں، ہنستے بستے گھروں میں سو بکھیڑے ہوتے ہیں پھر خوش دلی سے انہیں سمیٹ بھی لیا جاتا ہے۔" اماں پر اس کے واویلے کا چنداں اثر نہ ہوتا۔

"یا اللہ...... مجھے اس جنجال پورے سے نکالنے کا کوئی سبب بنا، جہاں نہ دن کو سکون ہے نہ رات کو چین۔ کسی ایسی جگہ بھیج، جہاں سکون، خاموشی اور طمانیت کی فضا ہو۔" وہ باآواز بلند یہ دعا کرتی رہتی تھی۔

❁ ❁ ❁

"واہ چاچی...... آپ کی چوائس کی داد دینا پڑے گی۔" چاچی فاطمہ کا دیا ہوا سوٹ زیب تن کر کے اس نے آئینے میں خود کو سراہتی نظروں سے دیکھتے ہوئے بے ساختہ کہا۔ سوٹ اس کے اسمارٹ سراپے پر بے حد جچ رہا تھا۔ ماموں نفیس کے دل کا بائی پاس ہوا تو اماں کے ساتھ وہ بھی جانے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں جانے کی، ایمن کے ساتھ رہو اس کے ایک بیٹے کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے تو دوسرے کو خسرہ نکلا ہوا ہے۔" جمیلہ نے اس کے ترو تازہ پُر بہار سراپے کو تنقیدی نظر سے دیکھتے ہوئے منع کردیا۔

"ہرگز نہیں، میں لازمی جاؤں گی، مجھ سے نہیں ہوتے ان کے گھر کے کام۔ کب سے پڑی گھر میں بور ہو رہی ہوں، ذرا ماموں کے گھر جا کر ذہن فریش ہو جائے گا۔ پہلے چاچی جان ملتان یاترا کو گئیں تو ان کے بچوں کے کام بھگتائے اور اب ایمن باجی...... ہرگز نہیں مجھے ریلیکس ہونا ہے۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"شرم کرو، بہن کی مدد کرنا تمہیں مشکل لگتا ہے، بہنیں ہوتی کس لیے ہیں۔" اماں نے اسے لتاڑا مگر وہ ڈھٹائی سے اماں کے ساتھ ہولی۔

وہ ماموں نفیس کے گھر بہت کم گئی مگر جب بھی گئی دل و دماغ پر ایک خوش گوار تاثر لے کر ہی لوٹی۔ ماموں کا وسیع و عریض عالی شان گھر اور گھر کا پُرسکون و تمیزدار ماحول اسے بہت اپیل کرتا تھا۔ بڑے بڑے ہرے بھرے لان، جن میں انواع و اقسام کے غیر ملکی پودے عجب بہار دکھا رہے ہوتے۔ سامنے تعیشات سے آراستہ بڑے بڑے کمرے، دبئی میں کمائی ہوئی دولت ماموں نے گھر کی آرائش و زیبائش پر دل کھول کر لٹائی تھی۔ ماموں کے گھر عیادت کی خاطر کافی لوگ آئے ہوئے تھے ان کے جاننے والے دوست احباب اور ممانی صدف کے رشتہ دار، ممانی بہت پیار اور محبت سے ان سے ملیں۔ اماں بیڈ پر دراز ماموں کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئیں، اکلوتے ماں جائے کی کمزور جسمانی حالت نے ان کی آنکھیں نم کردی تھیں۔

وانیہ کچھ دیر تو یونہی بیٹھی قیمتی پینٹنگز سے آراستہ دیواریں سر اٹھا کر دیکھتی رہی پھر مہمانوں کی خاطر تواضع میں مصروف ممانی صدف کی مدد کے خیال سے کچن میں آ گئی۔ جدید امریکن اسٹائل کچن میں ملازمائیں اشیائے خورونوش کو ٹرالی میں سجا سجا کر ڈرائنگ روم میں لا اور لے جا رہی تھیں مگر ان کے انداز میں بے پروائی اور غیر ذمہ داری واضح جھلک رہی تھی اس نے آرام سے سرونگ کا کام اپنے ذمہ لے لیا پھر لنچ کی تیاری تک کچن میں مصروف رہی۔

اماں نے چھوٹی عمر میں ہی اسے گھر کے کاموں میں کھپا دیا تھا سو ہاتھ میں ذائقہ اور انداز میں پھرتی تھی۔ ٹائم پر فنافٹ ٹیبل لگائی، ممانی اتنے سلیقے سے لنچ پیش کرنے پر اس کی دل سے مشکور تھیں، ان کے میکے سے کافی مہمان آئے ہوئے تھے جنہیں انہوں نے بعد اصرار لنچ پر روک لیا تھا۔ وہ بس سادگی سے مسکرا دی تھی، درحقیقت اتنے

صاف ستھرے اور لگژری کچن میں کوکنگ کرنا خود اس کے لیے کافی پُر لطف تجربہ تھا۔ عصر کے قریب اماں نے جانے کی اجازت چاہی تو ماموں نے ڈنر کے لیے روک لیا۔

"جمیلہ...... رات کا کھانا کھا کر جانا' روز کون سا آتی ہو اور باقی بچوں کو بھی لے آتیں۔"

"ارے نفیس' ان آفت کے پرکالوں کا نام نہ لو تمہارے اس بنے سنورے گھر کا وہ حشر کرتے کہ تم ہمیشہ کے لیے اس گھر کے دروازے ہم پر بند کردیتے۔" اماں ہنس کر بولیں تو ماموں بھی مسکرادیئے جانے کے وقت ممانی نے اسے روک لیا۔

"جمیلہ باجی...... وانیہ کو چند دن میرے ہاں چھوڑ جائیں' مہمانوں کا آنا جانا لگا ہے گھر کے کام کاج کے لیے میڈز موجود ہیں مگر جب تک سر پر موجود نہ ہوں تو کام سر سے بھگتاتی ہیں۔" ممانی کی بات سن کر اس کا دل کھل اٹھا تھا مگر اماں نے سلیقے سے معذرت کرلی۔

"بھابی...... وانیہ کا اپنا گھر ہے مگر کیا کروں گھر کے اتنے کام ہیں اور میں جوڑوں کی مریض اوپر سے ایمن کے بچے بیمار ہیں ادھر بھی دیکھنا پڑتا ہے۔"

"اماں...... ایمن باجی کے ساتھ مسرت پھوپو ہیں ناں' وہ آرام سے گھر کے کام نمٹا لیتی ہیں۔" وہ جھٹ سے بولی تو اماں دانت پیستے ہوئے اسے گھور کر رہ گئی۔

"لو بھئی جمیلہ...... ہماری بھانجی کا خود ہی رکنے کو دل کررہا ہے۔" ماموں اس کا ارادہ پاکر ہنس دیئے تھے مجبوراً بادل نخواستہ اماں کو اجازت دینی پڑی۔

❋ ❋ ❋

"امی اکثر کہتی ہیں کہ ہمارا کچن بہت خوب صورت ہے' مگر میں ادھر بہت کم آتا ہوں مگر اب واقعی امی کے خیالات سے متفق ہونا پڑا ہے۔" وہ جو مکھنی چکن کی تیاری میں لگی ہوئی تھی' پشت پر ایک جاندار آواز سن کر مڑی۔ حاشر فریج سے بوتل نکال کر منہ سے لگا رہا تھا۔

"جی ٹھیک کہہ رہے ہیں' کچن آپ لوگوں کا واقعی زبردست ہے۔" وہ حاشر کی بات میں چھپی معنی خیزیت کو نہ سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر بولی۔

"صرف کچن خوب صورت ہے؟" حاشر قدم قدم چلتا ہوا آگے بڑھا۔

"نہیں پورا گھر ہی خوب صورت ہے' آرٹسٹک' جدید۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"تو کیا صرف گھر ہی خوب صورت ہے؟" حاشر اس کے صبیح چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے گہرے لہجے میں بولا۔

"ہاں' ہے تو۔" وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔ حاشر کے دیکھنے کا انداز عجیب لگا تھا اسے۔

"گھر والے خوب صورت نہیں؟" لہجہ دھیما ہوکر آنچ دینے لگا تھا۔

"ہاں...... ہیں تو۔" اسے سمجھ نہیں آیا کیا جواب دے۔

"تھینکس میری تعریف کرنے کا؟" حاشر کے لہجے میں سرشاری در آئی تھی۔

"ان فیکٹ یہ گھر' یہ کچن سب کچھ آل ریڈی خوب صورت ہیں مگر تمہارے آنے سے ان کی خوب صورتی دو چند ہوگئی ہے۔ ہر چیز روشن روشن اور اٹریکٹو ہوگئی ہے۔ امی کہتی ہیں حاشر...... پہلے تم گھر ٹکتے نہیں تھے اب ہر وقت گھر میں پائے جاتے ہو' اب انہیں کیا معلوم گھر میں دل لگنے کا سامان تو اب موجود ہوا ہے۔" وہ بے باکی سے بول رہا تھا اور وانیہ کی ہتھیلیاں بھیگ گئی تھیں' دل الگ دھڑ دھڑ کررہا تھا۔

ماموں کا اکلوتا سپوت اس کے لیے امتحان سے کم ثابت نہیں ہورہا تھا۔ جہاں جاتی اس کے سر پر پہنچ جاتا۔ برملا اس کے کھانوں کی تعریف کرتا' اس کے بالوں اس کی خوب صورتی کی تعریف اپنے مخصوص بے باک انداز میں کرتا۔

"اف وانیہ...... تم تو بنی بنائی پرنسس ہو' بغیر کسی کراؤن کے ایک پرنسس ہی ڈیزرو کرتی ہو مگر کیا' کیا جائے آج کل پرنس کا ملنا مشکل ہے' بس میرے جیسا چارمنگ' ہینڈسم بندہ مل سکتا ہے۔ کیوں منظور ہے؟" تیز تیز بولتے ہوئے

حاشر آخر میں آنکھیں نچا کر اس سے پوچھتا تو وانیہ کانوں تک سرخ ہوجاتی۔

"اللہ...... کتنا بے دھڑک اور نڈر بندہ ہے' کتنا بے خوفی سے بول لیتا ہے۔" وہ دھڑ دھڑ کرتے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچتی۔

"چلو تمہیں شاپنگ کروالاؤں' کب سے ایک ہی سوٹ میں گھوم رہی ہو۔" ایک دن اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"نہیں حاشر بھائی' اس کی ضرورت نہیں' ممانی کیا کہیں گی۔" اس نے لاکھ تاویلیں دیں مگر وہ ساری ان سنی کیے کھینچ کر اسے شاپنگ مال میں لے آیا۔ اتنے شاندار' جگر جگر کرتے کئی منزلہ مالز اس کی تو آنکھیں دنگ رہ گئیں' وانیہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اپنی تئیس سالہ زندگی میں اس نے یہ سب کچھ پہلے کہاں دیکھا تھا۔

حاشر نے دل کھول کر اسے شاپنگ کروائی ڈریسز' شوز' بیگ' جیولری سب کچھ اعلیٰ' قیمتی اور برانڈڈ وہ تو بس مسمرائز سی اس کے ساتھ کھینچتی چلی جارہی تھی۔ شاپنگ کے بعد حاشر اسے ایک ہوٹل میں لے آیا۔

"میں امی ابو سے اب تمہاری اور اپنی شادی کی بات کرتا ہوں زیادہ ویٹ مجھ سے نہیں ہوتا۔ میں چاہتا ہوں جب دبئی جاؤں تو لائف پارٹنر کی حیثیت سے تم بھی میرے ساتھ چلو۔" وہ اسے اگلی پلاننگ بتارہا تھا' بڑا ہی اسٹریٹ فارورڈ بندہ تھا محض ایک ہفتے کے اندر ہی بے تکلفی کی ساری حدیں پھلانگتا اس کی زندگی میں گھس آیا تھا اور اب زندگی کا مالک بنا اس کی زندگی کے تمام تر فیصلوں کا اختیار اپنے ہاتھ میں لیے بے دھڑک اپنے ارادے بتارہا تھا۔ بنا اس سے مشورہ لیے' بغیر ارادہ پوچھے کیونکہ وانیہ کے گلگوں ہوتے مخملیں عارض اور جھکتی لرزتی پلکیں ہی اس کے ارادوں کا پتہ خوب دے رہی تھیں۔

❀......❀......❀

معاذ عبدالکریم کو پرائیوٹ کمپنی میں ایک اچھی سی جاب مل گئی تھی' اسی خوشی میں وہ اپنے کسی دوست سے گاڑی مانگ کر لے آیا تھا۔ اس کا ارادہ سب گھر والوں کو

دریائے سندھ پر لے جانے کا تھا‘ ساری بچہ پارٹی نے خوشی اور جوش کے مارے وہ ہاہا کار مچا رکھی تھی کہ الامان۔ بچے تو بچے گھر کی خواتین بھی خوشی سے نہال تھیں۔

”خوش ہو جاؤ وانیہ..... باہر آؤٹنگ کا موقع بن گیا ہے‘ تمہیں بہت شوق ہے ناں باہر گھومنے پھرنے کا۔“ ایمن خوش دلی سے اس سے مخاطب ہوئی۔

”ہونہہ..... شوق ہے مگر ایسی کھٹارہ میں جانے کا نہیں ہے‘ وہ بھی اتنی بدتمیز پلٹن کے ساتھ۔“ وہ ناگواری سے بولی۔

اس کے حواسوں پر تو حاشر کی سیاہ اکارڈ ہی چھائی ہوئی تھی جس میں بیٹھ کر اسے خود پر بھی رشک آیا تھا۔ ماموں نفیس کے گھر ایک ہفتہ رہ کر اسے اپنا آپ سنڈریلا کی طرح لگنے لگا تھا جو خواب ناک‘ جادوئی دنیا سے واپس اپنی بے رنگی‘ پُر مشقت اور بدصورت دنیا میں واپس آ گئی ہو جہاں ہر وقت چخ چخ کے ساتھ نہ ختم ہونے والے کام ہوں۔ خیر دل اس اطمینان سے لبریز تھا کہ یہ پُر مشقت اور بے رنگ زندگی بڑی مختصر ہے۔ سنڈریلا کی طرح اس کا مقدر بھی وہی عالی شان گھر ہے جہاں شہزادوں جیسی وجاہت رکھنے والا حاشر نفیس اس کے لیے تمام خوشیوں کا امین بن کر رہتا ہے۔

”وانیہ..... تم کیوں نہیں چل رہیں؟“ معاذ عبدالکریم اسے ڈھونڈتے ہوا ادھر آ نکلا۔

”نہیں میرے سر میں درد ہے میں کہیں نہیں جا سکتی۔“ اس نے سلیقے سے انکار کر دیا۔

”کیا ہوا‘ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔“ وہ تشویش سے بولتا ہوا ایک قدم آگے بڑھا۔

”بولا ناں سر میں درد ہے‘ طبیعت خراب نہیں۔ اب سر کا درد نظر آنے سے تو رہا۔“ وہ خاصے غصے سے بولی ابھی ابھی جمیلہ ساتھ نہ چلنے پر اس کی خوب کھنچائی کر گئی تھی۔

”تمہارا دماغ خراب ہوتا جا رہا ہے‘ میں تمہارا دماغ آ گے درست کرتی ہوں۔ خوب سمجھ رہی ہوں تمہارے تیور‘ مگر تم جو چاہتی ہو ایسا بھی نہیں ہو سکتا۔“

”اور جو آپ چاہتی ہیں وہ بھی میں نہیں ہونے دوں گی‘ مر کر بھی نہیں۔“ اس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔

”اوکے تم ریسٹ کرو مگر میری جاب کی خوشی میں جو ٹریٹ مانگو گی وہ گھر پر ارینج کر لیں گے۔“ معاذ عبدالکریم کا دل اس کے بگڑے تاثرات کو دیکھ کر مسوس کر رہ گیا تھا مگر بظاہر خوش دلی سے بولا۔

”ہونہہ..... گھر پر ارینج کریں گے‘ کیا ارینج ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ فاسٹ فوڈ کے ساتھ ڈرنکس‘ پرزا بس..... آؤٹنگ تو وہ تھی جو میں نے حاشر کے ساتھ کی‘ پُرسکون‘ رومانٹک ماحول میں زبردست کھانا۔“ وہ اس کے جانے کے بعد چارپائی پر دراز ہو کے حاشر کے سنگ..... بیتے دنوں کو یاد کرنے لگی پھر تکیے کے نیچے سے موبائل نکالا‘ یہ موبائل حاشر نے چلتے وقت اسے تھمایا تھا۔

”رکھ لو تمہاری آواز سنوں گا تو دن بھر کسی کام میں جی لگے گا اور روز اپنی تازہ تصویر مجھے واٹس ایپ کرنی ہے۔“

”توبہ ہے حاشر..... اب روز کون تصویر بنائے‘ ابھی تو تم سے مل کر آئی ہوں صبر بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔“ وہ ناز سے اٹھلا کر کہتی۔

”ارے سویٹ ہارٹ‘ تم صبر کی بات کرتی ہو میرے صبر کی انتہاؤں کو تم نہیں جانتیں۔ دن گن رہا ہوں کہ کب تم میرے بیڈروم میں آ کر میری بانہوں میں.....“

”پلیز حاشر.....!“ وہ سٹپٹا کر اسے ٹوک گئی تھی‘ حاشر کا بولڈ اور کھلا انداز اسے کبھی کبھار پریشان کر کے رکھ دیتا تھا۔ فطرتاً وہ ایک شرمیلی اور حیادار لڑکی تھی۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے معاذ عبدالکریم سے ہر وقت سامنا رہتا تھا۔ وہ معاذ عبدالکریم کے دل میں اپنے بارے میں پلتے جذبات سے بھی بخوبی واقف تھی‘ معاذ عبدالکریم کی جذبے لٹاتی آنکھیں‘ کبھی کبھار کانوں میں پڑنے والا شوخ و دل پذیر جملہ اس کے کاموں کے واویلے پر اس کا متفکر و ہمدردرویہ یہ سب کچھ معاذ عبدالکریم کے جذبوں کو عیاں کرنے کے لیے کافی تھے مگر اس نے بھول کر بھی معاذ عبدالکریم کے

جذبوں کو پذیرائی نہ بخشی تھی کیونکہ اس کی منزل اور تھی۔ اس کے خواب اور مستقبل بس ایک ہی شخص تھا حاشر نفیس جو اس وقت اپنے ٹوکے جانے پر خفا ہو گیا تھا۔

"شٹ یار وانیہ...... سارے رومانٹک کا بیڑہ غرق کر دیتی ہو۔" انتہائی بدمزگی سے کہتے ہوئے موبائل آف کر دیا تھا۔

❁......❁......❁

"تمہارے ابا کا ارادہ اس بقرہ عید کے تیسرے دن تمہیں معاذ عبدالکریم کے سنگ رخصت کرنے کا ہے۔" اگست کی حبس بھری دوپہر میں جمیلہ نے نرمی سے بات کا آغاز کیا۔

"مگر میرا ارادہ ابا کے ارادے سے یکسر مختلف ہے۔" وہ بے خوفی سے ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"اور تمہارا ارادہ کیا ہے...... ہمارے دل توڑنے کا' ہمارے ارمانوں پر مٹی ڈالنے کا؟" جمیلہ تلخ ہوئیں۔

"آپ کے ارمان' آپ کے دل...... میری کوئی خوشی کوئی آرزو نہیں؟" وہ چلا کر بولی۔ "میں جوان ہوں' خوب صورت ہوں۔ ایک جوان لڑکی کا دل خشک کنواں نہیں ہوتا مگر آپ کے اور ابا کی نظروں میں میرے دل اور اس میں پلتی خواہشوں کی کوئی اہمیت نہیں۔" وہ بے حد شاکی انداز میں بولی۔

"وانیہ...... ہم تمہارے ماں باپ ہیں' تمہارا بھلا چاہیں گے۔ معاذ عبدالکریم گھر کا پلا بڑھا بچہ ہے۔ جس کی شرافت و کردار کے ہم خود ضامن ہیں۔" جمیلہ کا انداز دھیما تھا۔

"اور حاشر آپ کا سگا بھتیجا ہے' اس کے کردار و شرافت کے بارے میں آپ کس قسم کے شکوک و شبہات کا شکار ہیں۔" وہ کھٹ سے بولی۔

"حاشر دیار غیر میں پلا بڑھا ہے' اس کے عادات و اطوار سے بھی مکمل آگاہی نہیں کجا کہ شرافت و کردار کے بارے میں یقین حاصل ہو۔ ویسے بھی نفیس بھائی مالی لحاظ سے بہت برتر ہیں ہم سے اور صدف بھابی بھی ہم جیسے سفید پوشوں کے ہاں اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی نہیں کرنا چاہیں گی۔ ان کا ارادہ اپنی بھانجی لینے کا ہے' وہ مجھ سے تذکرہ کر چکی ہیں۔"

"مگر حاشر مجھے منتخب کر چکا ہے' اپنے اکلوتے بیٹے پر جبر وہ بھی نہیں کریں گی۔" وہ تفاخر بھرے انداز میں بولی۔ جمیلہ نے دکھ بھری نظر اس کے چہرے پر ڈالی تھی جہاں کچھ انوکھے رنگ اسے بہت خاص بنا رہے تھے۔ پتا نہیں اس کی تربیت میں کہاں خطا ہوئی تھی۔ جمیلہ سمجھ دار اور جہاں دیدہ خاتون تھیں' بیٹی کے بدلے بدلے تیور بخوبی سمجھا رہے تھے کہ وہ کن راہوں پر چل نکلی ہے۔ سختی کا نتیجہ بدلحاظی کی صورت میں سامنے آتا سو نرمی اور پیار سے سمجھانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ساتھ میں ایمن سے بھی تعاون کی درخواست کر ڈالی۔

"دیکھو میری پیاری مگر نادان بہن' ہمارے اور ماموں کے معیار زندگی میں بہت فرق ہے۔ تم کبھی وہاں سیٹ نہیں ہو پاؤ گی' معاذ عبدالکریم تم سے محبت کرتا ہے' تمہارے انکار سے ابا اور چاچا کے تعلقات پر اثر پڑے گا۔ گھر کی فضا متاثر ہو گی' برسوں کی محبت اور چاہت کے رنگ ماند پڑ جائیں گے۔" ایمن دھیرے دھیرے بولتے ہوئے اسے حالات کا دوسرا ممکنہ رخ دکھا رہی تھی۔

"باجی' ان ڈھیر ساری محبتوں کا اچار نہیں ڈالنا میں نے' مجھے بس ایک شخص کی محبت کافی ہے۔ ماموں کا گھر میرا آئیڈیل ہے' وہاں پر محبتیں نہیں ہوں گی' ٹھیک ہے میں سمجھوتہ کر لوں گی مگر یہ ہر وقت کی چخ چخ' اٹھا پٹخ' شور شرابا مجھے سخت ہائپر کرتا ہے۔ آدھی زندگی اس جنجال پورے میں جیسے تیسے گزار دی ہے مگر آگے کی زندگی تو کم از کم پُرسکون اور آرام دہ ہو۔ مجھے قدرت موقع فراہم کر رہی ہے حاشر کی صورت میں تو فائدہ کیوں نہ اٹھاؤں؟" وانیہ کا انداز ازلی دوٹوک اور حتمی تھا۔

❁......❁......❁

"حاشر...... میں نے اماں سے فائنل بات کر لی ہے' وہ ابا تک میرا سوقف پہنچا دیں گی مگر تم بتاؤ ماموں ممانی کب

باقاعدہ پروپوزل لے کر آرہے ہیں۔" برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی وہ موبائل پر حاشر سے بات کررہی تھی انداز میں سنجیدگی اور گمبھیرتا تھی۔ کل شام چاچی فاطمہ ہمیشہ کی طرح اس کا عید کا جوڑا لائی تھیں۔

"یہ تو میری پیاری بیٹی کا عید کا جوڑا ہے' شگن کے کپڑے تو اور خریدوں گی۔ معاذ عبدالکریم کہہ رہا تھا اماں جب عید کے بعد شادی ہی کرنا ہے تو یہ جوڑا دینے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کہا پگلے بچپن سے وانیہ کو دیتی آرہی ہوں ہر عید' بقرہ عید' شب برأت پر تو کیا اب بھی نہ دوں۔" چاچی مسرور لہجے میں کہہ رہی تھیں تو اس نے بے ساختہ اماں کی طرف دیکھا تھا۔ اماں نظریں چرا گئی تھیں' اس کا مطلب تھا کہ انہوں نے چاچی تک اس کا انکار نہیں پہنچایا تھا۔

"اماں...... چاچی کو کس جھوٹی آس پر لگا رکھا ہے آپ نے؟ انکار کیوں نہیں کیا؟"

"کس برتے پر انکار کروں' اس بھتیجے کے لیے جو کبھی غریب پھوپو کا در پھلانگ کر نہیں آیا۔ وہ بھائی' بھابی جو سالوں میں ایک آدھ بار شکل دکھا دیتے ہیں بس' جیسے تو ماں کے منہ کو آجاتی ہے تو حاشر نے کیوں مجبور نہیں کیا تیرے لیے اپنے ماں باپ کو؟" اماں گہرے طنز سے بول رہی تھیں۔ واقعی ماموں ممانی کو کم از کم بات کرنے تو آنا چاہیے تھا اس لیے تو اماں اس کے انکار کو خاطر میں نہ لا رہی تھیں سو وقت ملتے ہی حاشر کو کال ملائی۔

"مگر وانیہ...... ایسی جلدی بھی کیا ہے تمہیں مجھ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔" حاشر اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے میٹھے انداز میں بات کررہا تھا۔

"نہیں حاشر...... اتنی دیر بھی ٹھیک نہیں ہے یہ تم نے کہا تھا میرے بعد میری دو بہنیں اور بھی ہیں۔ اماں نے ان کا بھی سوچنا ہے' ان کا ارادہ اس عید پر ہر حال میں مجھے رخصت کرنے کا ہے۔ اب جو کرنا ہے' جلدی کرنا ہے۔" بولتے بولتے اس کا لہجہ بھیگا تھا۔

"اُف وہی مڈل کلاس کے ٹپیکل پرابلمز۔" حاشر نے کوفت سے فون آف کردیا۔

❀ ❀ ❀

اچھے بھلے مناسب رفتار سے موٹر سائیکل چلاتے ابا کو مخالف سمت سے آتے ٹرالر نے ایسی زور سے ٹکر ماری کہ لمحوں میں کمزور بدن لہولہان ہوگیا تھا۔

"ہائے میرا ابا...... میں نے صبح ناشتا کروا کر اس حال میں تو نہیں بھیجا تھا۔" ہسپتال میں باپ کو سرتاپا پٹیوں میں جکڑا دیکھ کر وہ بلک بلک کر رو پڑی۔

"پلیز وانیہ...... سنبھالو خود کو۔" معاذ عبدالکریم اس کے لیے پانی کا گلاس لایا۔ خون زیادہ بہہ جانے کی صورت میں خون کی اشد ضرورت تھی' معاذ عبدالکریم نے اپنا خون ڈونیٹ کیا باقی کچھ دوستوں سے ارینج کروایا۔

"شکر ہے میرا سہاگ سلامت ہے۔" اماں الگ غم سے نڈھال تھیں' چاچی فاطمہ نے انہیں دلاسہ دے رکھا تھا۔ ایک ہفتہ بعد ابا کو ڈسچارج کردیا گیا مگر اس دوران حاشر ایک بار بھی ان کی خیریت دریافت کرنے نہیں آیا۔

"حاشر...... تم ابا کی طبیعت پوچھنے نہیں آئے' آخر کو تمہارے پھوپا بھی لگتے ہیں۔" فون پر وانیہ خود کو گلہ کرنے سے روک نہ پائی' حقیقتاً حاشر کے رویے نے اسے ہرٹ کیا تھا۔

"یار...... پھوپا گورنمنٹ ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں' وہاں کا ماحول کتنا غلیظ اور بدبودار ہوتا ہے۔ میں تو وہاں جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا ہاں اگر کسی اچھے سے پرائیوٹ ہسپتال میں ایڈمٹ ہوتے تو ضرور چکر لگاتا۔" حاشر کی بات پر وہ چپ رہ گئی' اگر اتنے ہی مالی حالات اچھے ہوتے تو اس کا باپ سرکاری ہسپتال میں داخل ہوتا۔

ہاں البتہ ابا کے گھر شفٹ ہونے کے بعد حاشر ان کے گھر آیا تھا' لمبی سی چمکتی سیاہ اکارڈ میں' سیاہ چشمہ لگائے بے حد آف موڈ کے ساتھ۔

"وانیہ...... تمہارا محلہ ہے یا کوئی کوڑا نگر' جدھر دیکھو کچرے کے ڈھیر' گندگی' غلاظت نہ ڈرینج سسٹم ٹھیک ہے نا روڈ۔ مجھے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے میں کسی سرکس میں

گاڑی چلا رہا ہوں۔" حاشر ناگواری سے کہہ رہا تھا اور وانیہ بُری طرح شرمندہ ہوئے جارہی تھی مگر معاذ عبدالکریم کو سنجیدگی سے مداخلت کرنا پڑی۔

"حاشر صاحب...... آپ بلاوجہ مبالغہ کررہے ہیں' ورنہ تو اس روڈ سے روزانہ سیکڑوں کی تعداد میں بلا رکاوٹ گاڑیاں گزرتی ہیں شاید آپ کو ڈرائیونگ پر مکمل عبور نہیں' ایک ماہر ڈرائیور ہر طرح کے دشوار راستوں پر گاڑی دوڑانا جانتا ہے۔" حاشر کو ایک دم سے توہین کا احساس ہوا تھا' البتہ اماں اور ابا کے چہرے پر طمانیت کا احساس بکھرا تھا۔

وانیہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ حاشر کی خاطر تواضع کس چیز سے کرے۔ معاذ عبدالکریم سے بیکری کے کچھ آئٹمز منگوائے اور بوکھلاہٹ میں جیسے تیسے چائے تیار کی۔ حاشر چائے پیتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ جب وہ ان کی گلی میں داخل ہوا تو کیسے چھتوں پر چڑھی خواتین حیران ہو کر اس کی گاڑی کو دیکھ رہی تھیں۔

"سوچ رہی ہوں گی کہ اتنی شاندار گاڑی میں آخر کون آپ لوگوں کے دروازے پر آیا ہے۔" مسکراتے ہوئے انداز میں سراسر شیخی تھی۔ ایمن کو وانیہ کی پسند پر بے حد افسوس ہوا تھا۔

اسی دم صحن میں پکڑن پکڑائی کھیلتے ریحان اور طیب تیزی سے بھاگتے ہوئے اندر آئے اور اپنی ہی جھونک میں ریحان' حاشر پر جا گرا تھا۔ چائے حاشر کے کپڑوں پر الٹ گئی' ایک تو ہلکی سی جلن کا احساس اوپر سے داغ دار بہترین ٹو پیس سوٹ' حاشر نے بے اختیار ہاتھ گھما کر ریحان کے منہ پر دے مارا تھا۔

"نان سینس...... جاہل...... دیکھ کر نہیں آسکتے تھے۔" ریحان منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموشی سے باہر چلا گیا' اماں عاجزی سے معذرت کرنے لگیں۔

"بس بیٹا' تمہارا اپنا پھوپی زاد ہے ذرا لاڈلہ ہے۔"

"حاشر صاحب...... زحمت نہ ہو تو پلیز اپنی گاڑی ذرا آگے میدان میں پارک کردیجیے' گلی میں ٹریفک کے آنے جانے کا مسئلہ ہورہا ہے۔" اسی دم معاذ عبدالکریم نے اندر آ کر حاشر سے درخواست کی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوہ میں تو بھول ہی گیا تھا کہ اتنی تنگ گلی میں مجھے اتنی لمبی گاڑی پارک نہیں کرنی چاہیے تھی۔" حاشر کا انداز استہزائیہ تھا۔

وانیہ بھی اس کے ساتھ چلتے چلتے دروازے تک آئی تھی۔ گاڑی نے واقعی گدھا گاڑی اور دوسری چھوٹی موٹی پک اپس کا راستہ روک رکھا تھا مگر گاڑی کے بونٹ پر لگی کھرنچوں اور شیشے پر میلے دھبوں نے حاشر کا تو دماغ ہی الٹ دیا تھا۔

"یہ کس ان مینرڈ نے میری گاڑی کا حشر نشر کیا ہے؟" حاشر مڑ کر دروازے کے پٹ سے لگی وانیہ سے مخاطب ہوا تھا' انداز بے حد سخت تھا۔

"حاشر' کچھ کہہ نہیں سکتی' محلے کے بچوں کا کام ہوگا۔" وانیہ پھنسی پھنسی آواز میں شرمندگی سے بولی۔

"او بھئی گاڑی ہٹا...... راستہ دے' کام کا وقت نکلا جارہا ہے۔" آگے والی پک اپ کا ڈرائیور چلایا تو باقی سارے ہارن بجانے لگے' ہر ایک چہرے سے کوفت و بے زاری ظاہر ہورہی تھی۔

"وانیہ' تمہارے گھر آنا میرے لیے اتنی ٹینشن کا باعث بنے گا اگر مجھے علم ہوتا تو بائی گاڈ میں کبھی یہاں قدم نہ رکھتا۔" حاشر نے انتہائی کھردرے انداز میں وانیہ کو مخاطب کیا' سیاہ چشمہ آنکھوں پر لگا کر گاڑی بھگا کر لے گیا' وانیہ کی آنکھوں میں مارے شرمندگی کے آنسو آگئے تھے۔

"کوئی ایسا خاص نقصان نہیں ہوا' تم دل پر نہ لو چلو اندر چلو۔" معاذ عبدالکریم نے اس کی آنکھوں میں چمکتے پانی کو دیکھتے ہوئے نرمی سے اسے اندر دھکیل کر دروازہ بند کردیا۔ وانیہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی کہ کاش یہ ساری بدمزگی نہ ہوتی اگر ہوتی بھی تو کم از کم معاذ عبدالکریم کے سامنے نہ ہوتی۔ اُف مارے شرمندگی اور خجالت کے اس کا دل اندر ہی اندر ڈوبا جارہا تھا۔

"معاف کیجیے گا بھائی صاحب...... کچھ کاروبار کے بکھیڑے اور کچھ ناسازی طبع فوراً آپ کی طبیعت پوچھنے وقت پر نہ آسکا۔" ماموں نفیس دیر سے آنے پر ابا سے معذرت کررہے تھے۔ ممانی صدف بھی ان کے ہمراہ آئی ہوئی تھی۔

"بس نفیس بھیا' قسمت میں یہ چوٹیں لکھی تھیں رب کالاکھ لاکھ شکر کہ اس نے زندگی بخشی۔ میرا جوان بھتیجا معاذ عبدالکریم میرا بازو اس کے تازہ دم توانا خون نے میری رگوں میں نئی زندگی بھردی ہے۔" ابا بھرائی آواز میں بولتے ہوئے ممنون نگاہوں سے ساتھ بیٹھے معاذ عبدالکریم کو دیکھنے لگے جو سوپ کا باؤل ہاتھ میں لیے خاموشی سے ان سب کی باتیں سن رہا تھا۔

"چلیں چاچا' آپ کے سوپ پینے کا ٹائم ہورہا ہے پھر دوا بھی کھانی ہے۔" معاذ عبدالکریم نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے ابا کی کمر سرہانے سے ٹیک لگائی تھی۔ نفیس احمد نے متاثر زدہ نظروں سے اس کی چوڑی پشت کو دیکھا تھا جوان کی طرف ہوگئی تھی پھر میز پر رکھے جگ سے پانی انڈیلنے ہی لگے تھے کہ ممانی صدف نے ہاتھ سے انہیں روک دیا۔

"کیا کرتے ہیں نفیس' یہ نلکے کا پانی ہے' آپ نے منرل واٹر پینا ہوتا ہے۔ پتا بھی ہے ڈاکٹرز نے آپ کو کتنی احتیاط بتائی ہے۔" ماموں نے ہاتھ روک لیا۔ چائے کے ساتھ بسکٹ اس لیے نہیں لیے کہ یہ بیکری کے کھلے بسکٹ ہیں' حفظان صحت کے اصولوں کے عین خلاف۔

جاتے ہوئے ماموں نے خاکی رنگ کا ایک لفافہ میز پر رکھ دیا جو کافی پھولا پھولا تھا۔ ممانی نے ایک عاجزانہ درخواست بھی ساتھ کرڈالی تھی۔

"جمیلہ آپا...... اپنے بیٹے ارسلان کو کچھ دنوں کے لیے ہماری طرف بھیج دیں' نفیس کا میل اٹینڈنٹ کسی وجہ سے چھٹی پر گیا ہوا ہے' ان کے اٹھنے بیٹھنے واک کرانے کا پرابلم ہے۔ جیسے آپ لوگوں کا بھتیجا معاذ عبدالکریم بھائی کا خیال رکھ رہا ہے ایسے میں اگر نفیس کا بھانجا ان کی بیماری میں ان کے کام آجائے تو خوش قسمتی ہے آپ لوگوں کی۔" آخر میں ممانی کا لہجہ کچھ تفاخرانہ سا ہوچلا تھا۔ اپنی بات کے جواب میں انہوں نے سب کے خاموش چہرے دیکھے تھے۔

"ایسا ہے' بہن کہ ایکسیڈنٹ کے بعد مجھے اپنی زندگی سنواری ہوئی لگتی ہے۔ ایک لمحہ کو بھی اپنے بچوں کو نظر سے دور کرنے کو دل نہیں چاہتا۔" ابا نحیف مگر دوٹوک انداز میں بولے۔

"خیر بھائی صاحب' آپ کی بات بلکہ خواہش سراسر غیر حقیقت پسندانہ ہے آخر کو بیٹیاں بھی بیاہنی ہیں۔ ہوسکتا ہے ان کے نصیب میں کوئی دور دیس لکھا ہو۔" ممانی صدف برانڈڈ پرس کی ڈوری بازو پر لپیٹتے ہوئے کچھ جتا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"نہیں بہن...... اللہ نے چاہا تو میری ساری بچیاں میری آنکھوں کے سامنے ہی ہنستی بستی رہیں گی۔ آخر کو بھائی' بہن کے جوان بچے میری امید کو جواں رکھتے ہیں۔" ابا کی چمکتی آنکھوں میں خوابوں کے رنگ وانیہ سمیت سبھی کے لیے جانے پہچانے تھے۔

"جی ٹھیک کہا آپ نے' جب گھر میں جوڑ کے سنجوگ موجود ہوں تو دور کے ڈھول سننے کی کیا ضرورت۔" ممانی تائیدی انداز میں کہتے ہوئے ماموں سمیت رخصت ہوگئیں۔

"چھناک...... ک...... ک......" وانیہ کے دل میں کچھ بہت زور سے ٹوٹا تھا اور اس ٹوٹے ہوئے کانچ کی آواز اتنی زوردار تھی کہ وہ کتنی ہی دیر کھڑی اس آواز کی بازگشت سنتی رہی تھی۔

"یہ مامی کیا کہہ گئی؟ انہیں تو کچھ اور کہنا چاہیے تھا' یہی کہنا چاہیے تھا کہ لازمی نہیں آپ اپنے سارے بچوں کو اسی گھر میں کھپادیں۔ وانیہ کا نصیب ذرا مختلف اور روشن ہونا چاہیے۔" کافی دیر بعد اس نے خود کلامی کی۔

"کچھ بھی نہ کہا' نہ میرے اور حاشر کے رشتے کی بات کی' نہ جاتے ہوئے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر خصوصی پیار کیا۔ کیا اتنا ہی ہلکا لے رکھا ہے انہوں نے اپنے بیٹے کی

خواہش کو" اندر ٹوٹے ہوئے احساس کی چبھن اتنی پُر درد تھی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس انوکھے درد کی اذیت اس نے پہلی بار جھیلی تھی' کیا بے توجہی' ناقدری کے احساسات اتنے اذیت ناک اور پُر درد ہوتے ہیں کہ بندہ خود سے بھی نظریں چرانے پر مجبور ہو جائے۔

اماں ارسلان کو ماموں کے گھر بھیجنے کے جتن کر رہی تھیں' آخر کو لفافے میں رکھے کافی سارے نیلے نوٹ انہیں مجبور کر رہے تھے کہ بھائی بھابی کی خواہش کو پس پشت نہ ڈالیں۔

"جا میرا بچہ! اگلے ہفتے ویسے بھی عید ہے' عید کا کہہ کر گھر واپس آ جانا۔" اماں ارسلان کو پچکار رہی تھیں۔ ارسلان بے دلی سے جانے کی تیاری کر رہا تھا مگر معاذ عبدالکریم کو اماں کا فیصلہ اچھا نہیں لگ رہا تھا' دبے دبے انداز میں کہا۔

"چاچی...... ارسلان نویں کا طالب علم ہے' وہاں جا کر یہ پڑھ نہیں پائے گا' اس کی اکیڈمی کا حرج ہوگا۔"

"ارے نہیں' میرے بھائی کا گھر آسائشوں سے بھرا پُرا ہے' وہ اسے پڑھنے سے کیوں روکیں گے۔" اماں نے معاذ عبدالکریم کی بات کو اہمیت نہ دی۔

ذی الحج کا چاند نظر آتے ہی تینوں گھروں نے قربانی کے بکرے خرید لیے تھے۔ بچوں کا ٹولہ بکروں کے چاؤ اٹھانے میں زیادہ تر مصروف رہتا تھا۔ ہر جگہ ان کے چارے کا پھیلاوا بکھرا ہوتا۔

"دنیا جہاں کی قربانیاں عید سے صرف ایک یا دو دن پہلے آتی ہیں مگر ناں جی انہیں دیکھو ہفتہ پہلے گند پھیلانے کے لیے ریوڑ کو گھر لے آئے۔" وہ جلتی کلستی جانوروں کا گند صاف کرتے ہوئے بلند آواز میں کہتی۔ ابا جو اب زیادہ تر گھر میں آرام کر رہے تھے اس کی بڑبڑاہٹ سنتے رہتے۔

"دانیہ بیٹا...... اللہ کی راہ میں قربانی ہمیشہ اس جانور کی کرنی چاہیے جو ہمیں بہت عزیز اور بہت پیارا ہو' اس جانور سے کیسا لگاؤ اور انسیت پیدا ہوگی جو عید سے ایک دن پہلے

سدرہ ریاض

جلنے لگی شمع آنے لگے پروانے
آغاز تو بسمہ اللہ انجام خدا جانے

سب سے پہلے آنچل وحجاب اسٹاف کو میرا محبت اور خلوص بھرا اسلام۔ میرا نام سدرہ ریاض ہے' میں لیاقت پور میں رہتی ہوں' 11 نومبر 1999ء کو اس دنیا کو رونق بخشی۔ ہم چار بہن بھائی ہیں میرے تین بھائی ہیں' میں سب سے بڑی ہوں اور ایف ایس سی کر رہی ہوں۔ میرے بڑے بھائی کا نام طیب ہے اس سے چھوٹا آصف اور سب سے چھوٹا گھر والوں کی جان محمد آذان ہے۔ اب آتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف' جب میں نے اپنی دوستوں سے خوبیوں کے بارے میں پوچھا تو بقول عروہ کہ میں صاف دل اور (مخلص) ہوں بقول نیلم کے میں رحم دل اور نماز کی پابند ہوں جب میں نے خامیوں کے بارے میں کزن رقیہ سے پوچھا تو کہنے لگی' غصہ بہت کرتی ہوں اور بقول مافیہ کے میں ہر کسی پر جلد اعتبار کر لیتی ہوں۔ میری پسندیدہ ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور میری ماں ہیں۔ پسندیدہ کلر بلیک' سرخ اور سفید ہے۔ میرا پسندیدہ لباس شلوار قمیص اور بڑا سا دوپٹہ ہے۔ پسندیدہ ڈش بریانی' قیمہ بھرے کریلے اور ساگ ہیں۔ سویٹ ڈش کھیر' کسٹرڈ اور آئس کریم ہے۔ جیولری میں ائر رنگز اور چوڑیاں پسند ہیں' میری پسندیدہ کتاب جنت کے پتے اور یہ چاہتیں یہ شدتیں ہے۔ پسندیدہ رائٹر میرا شریف طور' نازیہ کنول نازی اور سباس گل۔ اف آپ تو بور ہو گئے اچھا اچھا دھکے نہ دو جا رہی ہوں' ایک اچھے پیغام کے ساتھ کہ ہمیشہ بارش کی طرح بنو جو پھولوں کے ساتھ ساتھ کانٹوں پر بھی برستی ہے' میرا پیغام کیسا لگا ضرور بتایئے گا اگر کوئی دوستی کرنا چاہے تو موسٹ ویلکم اللہ حافظ۔

گھر لایا جائے۔ قربانی کے جانور کی عزت اور خدمت کرنی پڑتی ہے اس کے لاڈ اٹھانے پڑتے ہیں۔ یہی خدمت اور عزت ہی بارگاہِ الٰہی میں قبولیت کا درجہ پاتی ہے۔ جب تک اپنی قربانی میں اپنی محبت اور انتہا درجے کی چاہت شامل نہیں کریں گے تو ذوقِ ابراہیمی کہاں سے پیدا ہوگا۔ قربانی نام ہی اپنی محبتوں، خواہشوں اور تمناؤں کو اپنے محبوب حقیقی کے آگے پیش کرنے کا ہے اپنی چاہت پس پشت کر کے رفیق حقیقی کی چاہت کو ترجیح دینا ہی انسانیت اور جذبہ محبت کی اعلیٰ ترین معراج ہے۔" ابا دھیرے دھیرے فلسفہ قربانی بیان کر رہے تھے وہ فرش پر پونچھا چھوڑ کر لمحہ بھر کو دم بخود ہوئی تھی۔

"قربانی، محبوب...... ذوقِ ابراہیمی......" ذہن میں ابا کے الفاظ کی تکرار ہو رہی تھی۔

❀ ❀ ❀

ارسلان تیسرے دن ہی ماموں کے گھر سے لوٹ آیا تھا۔

"مجھ سے نوکروں والے کام کرواتی تھیں ماں، برتن دھلواتی، مالی کے ساتھ مل کر باغ کی صفائی کرواتی، پورچ دھلوایا، گاڑی چمکواتیں۔" ارسلان آنکھوں میں آنسو لیے بتا رہا تھا۔

"ہائے میرا لال...... میں نے اس لیے تجھے شہزادوں کی طرح پالا تھا کہ تجھے بھابی اپنے گھر کا نوکر بنا لے۔" اماں نے کھینچ کر ارسلان کو گلے سے لگایا۔

"اور تو اور وہ جو حاشر بھائی ہیں ان کی ایک دوست ملنے آئیں برستی بارش میں، خوب لمبی اور ماڈرن سی ان کی گاڑی پر کیچڑ لگی تھی۔ ارسلان بھائی نے مجھے گاڑی دھونے کو کہا، میں نے خوب دل لگا کر دھوئی مگر ان کی دوست شہرین کیا کہہ رہی تھی۔ اسے صفائی پسند نہ آئی تو حاشر بھائی نے مجھے کھینچ کے تھپڑ مارا اس لڑکی کے سامنے گالیاں بھی دیں۔" ارسلان بولتے بولتے رو پڑا تھا۔

"میں قربان جاؤں اپنے ویر پر وہ ہاتھ ٹوٹیں جس نے میرے بھائی کے نازک رخساروں کو پیٹا۔" وانیہ نے بے ساختہ آگے بڑھ کر ارسلان کے ماتھے پر بوسہ دیا اس کے دل میں عجیب پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔

"ہاں بھئی میرے شیرا واپس لوٹ آئے ہو۔" معاذ عبدالکریم خوش دلی سے ارسلان سے پوچھ رہا تھا۔

"ارسلان میرا کزن ہے میرا جگری یار اور بھائی، جانتا ہے کہ سنگ مرمر پر چلنے سے بہتر ہے کہ اپنی مٹی پر ہی چلنے کا سلیقہ سیکھا جائے۔" وہ مخاطب تو ارسلان سے تھا مگر دیکھ اس کی طرف رہا تھا۔ وانیہ نے دانستہ رخ موڑ لیا تھا عام سے لہجے میں ہزاروں معنی چھپے ہوئے تھے۔

"چلو ارسلان...... اندر شیلف میں عید کی شاپنگ کی لسٹ رکھی ہے، دیکھ کر بتاؤ کہ کوئی چیز کم تو نہیں۔" اس نے ارسلان کو وہاں سے روانہ کیا کہ مبادا کہیں وہ معاذ عبدالکریم کے سامنے ہی ماموں کے گھر کی روداد نہ بیان کرے۔

"وانیہ، تم بزرگوں کا پروگرام جانتی ہو ناں، عید کے چوتھے دن سے میری اور تمہاری زندگی کے نئے موڑ کی تیاریوں کی شروعات، ایک نیا بندھن، داستان حیات کے الگ باب کا آغاز......" وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا ہوا اس کے قریب آیا۔ وانیہ کی نظریں سرخ پختہ فرش پر جمی ہوئیں تھیں۔

"اماں اپنے حساب اور پسند سے تیاریوں میں لگی ہیں، میں نے ان سے کہہ دیا ہے آپ وانیہ کی پسند کو اولیت دیں۔ آخر کو اس نے یہ ساری چیزیں پہننی اوڑھنی ہیں۔" بے حد دوستانہ انداز میں بولتے ہوئے وہ اس کا مان بڑھا رہا تھا۔ عزت افزائی بخش رہا تھا یہ سادہ لوگوں کا سادہ اظہار محبت۔

"نہیں معاذ عبدالکریم...... چاچی کے بھی اپنے ارمان ہیں ان کی پسند پر مجھے پورا بھروسہ ہے۔ لازمی نہیں کہ ہم ہمیشہ اپنے چاہنے والوں کو آزمائیں، کبھی ان کی چاہ میں اپنی چاہ ملا کر دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ زندگی پر کتنا خوب صورت رنگِ الفت چڑھتا ہے۔" وہ نرمی سے کہہ کر اندر کی طرف چل دی۔ معاذ عبدالکریم اس کی نازک کمر پر جھولتی چٹیا کو دیکھتے ہوئے قدر دانی سے مسکرا دیا۔ اس کے موبائل

پر رنگ ہو رہی تھی، نمبر حاشر کا تھا۔

"ہیلو جان من...... کیسی ہو؟ ریڈی ہو جاؤ میں تمہیں پک کرنے آ رہا ہوں، تمہیں عید کی شاپنگ کروانی ہے۔ خوب گھمانا پھرانا ہے، تمہاری من پسند چیزیں تمہیں دلوانی ہیں۔" حاشر اپنی مخصوص ترنگ میں بولا۔

"حاشر...... تم نے میرے بھائی کو تھپڑ کیوں مارا تھا؟" اس نے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"تمہارے بھائی کو کب مارا تھا...... اچھا وہ ینگ بوائے تمہارا بھائی تھا۔" حاشر کو ایک دم یاد آیا۔

"ہاں وہ میرا بھائی تھا جسے تم نے اپنی گرل فرینڈ کے سامنے مارا تھا۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔

"بائے گاڈ وانیہ...... مجھے تو امی نے کہا تھا کہ یہ ہمارا نیا ملازم ہے، مجھے علم ہوتا تو میں کبھی مس بی ہیو نہ کرتا۔" حاشر کا لہجہ متاسفانہ تھا۔ "اور ویسے بھی مجھے تمہارے بہن بھائیوں کا زیادہ علم نہیں، نہ چہرے یاد ہیں۔ نام تو بالکل نہیں آتے اب ایک دو ملاقاتوں میں کہاں اتنا کچھ یاد رہتا ہے۔ ہاں البتہ جیجا جی بنیں گے تو سبھی کچھ یاد کرلیں گے۔ آشنائی کے سارے مرحلے طے کریں گے، ابھی تو تمہاری ذات کو حفظ کرنے میں لگا ہوں۔" بولتے بولتے حاشر کا لہجہ شوخ ہوا تھا، مگر آج وانیہ کے جذبات اور احساسات میں ٹھہراؤ تھا، خیالات میں مضبوطی تھی۔ حاشر کا اس کی زندگی میں آنا ایک پُر بہار جھونکے سے زیادہ نہیں تھا۔ ہاں ایک جھونکا جو وقتی، عارضی اور لحاتی ہوتا ہے اس پُر بہار جھونکے نے اسے خوشبوؤں اور رنگوں کی ایسی دنیا دکھائی کہ اس نے خود کو خوشیوں کے حصار میں مقید کرلیا تھا۔ جہاں اس کی زندگی بھر کی ناآسودہ اور تشنہ خواہش اس کی مٹھی میں آ گئی تھیں مگر ان سب کے باوجود اس کے جذبات پر ماں باپ کی تربیت کا ایسا عمدہ پہرہ تھا جس نے اس کی خواہشوں کو بے لگام ہونے سے روکا ہوا تھا۔

اسے گھر کا پُر شور اور ہنگاموں سے بھرپور ماحول اکتاتا تھا مگر گھر والوں سے محبت بھی تو گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ حاشر کا تھپڑ صرف ارسلان کے منہ پر نہیں بلکہ اس کے دل پر بھی زور سے لگا تھا۔ کئی مہینوں کی کشمکش لمحوں میں ختم ہوگئی تھی، فیصلہ آسان ہونا ہی تھا۔ معاذ عبدالکریم کو اس کے بہن بھائیوں کی ایک ایک خواہش کا ادراک تھا، ان کی اسکولنگ، ان کے ٹیچرز اور حاشر کو اس کے بھائی کا نام تک نہ آتا تھا۔

"ایم سوری وانیہ...... میں ارسلان سے خود معذرت کرلوں گا، مجھے علم نہیں تھا کہ وہ تمہارا بھائی تھا۔" حاشر صفائی دے رہا تھا۔

"تو کیا میرے بھائی کی جگہ کوئی اور لڑکا بھی ہوتا تو تم اسے ایسے تھپڑ رسید کردیتے؟" وانیہ نے الٹا اس سے پوچھا۔

"یار...... ایک بات کو لے کر کیوں ناراض ہو رہی ہو اور نوکروں سے کیسے ڈیل کیا جاتا ہے، بولو...... کبھی نوکر گھر میں رکھے ہوں تو......" حاشر لمحوں میں اپنی اصلیت پر آیا تھا۔ وانیہ نے ایک لمبی سانس کھینچ کر کال ڈس کنکٹ کردی۔

ابا سچ کہتے ہیں عید قرباں کا مطلب اپنی محبت، خواہش اور آرزو پہ اپنے محبوب کی چاہ کو ترجیح دینا اور اس کے سب گھر والے ہی اس کے محبوب ہی تو تھے جن کے لیے وہ اپنی سراسر جذباتی خواہش کو قربان کیوں نہ کرسکتی تھی۔ ایک پُرسکون، آسودہ اور خوش حال زندگی کی خواہش جس میں عزت، محبت اور قدر بھی شامل تھی بلاشبہ اس کی یہ ساری خواہشیں اس گھر میں پوری ہونے والی تھیں۔

صدف آصف

گزشتہ قسط کا خلاصہ

فائز اپنے اور سفینہ کے رشتے میں آنے والی دوریوں کو مٹانے کا ارادہ کرتا ہے اور ایسے میں اپنی ماں سائرہ بیگم کو مختلف انداز میں سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ تمام جائیداد پر بہزاد چچا کا قبضہ ہے اور ہم اپنا گھر چھوڑ کر یہاں آگئے ہیں اس کی بات پر سائرہ بیگم بھی تشویش میں مبتلا ہوجاتی ہیں فائز اس مشکل کا حل یہ پیش کرتا ہے کہ اس کی شادی سفینہ سے کردی جائے تاکہ بہزاد چچا کی تمام جائیداد کے وارث بھی وہ بن سکیں سائرہ یہ تجویز سن کر اس پر غور کرنے کی حامی بھر لیتی ہیں۔ نبیل اپنے باپ کے بلاوے پر گاؤں پہنچتا ہے تو وہاں علی مراد اس سے سخت برہم ہوتے ہیں اپنے مخصوص آدمی کے ذریعے انہیں پہلے ہی نبیل اور شرمیلا کی ملاقاتوں کا علم ہوجاتا ہے جب ہی وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں ایسے میں سکینہ مراد اپنے بیٹے نبیل کا دفاع کرتے اس کی محبت کو محض تفریح اور وقت گزاری کا نام دیتی ہیں لیکن نبیل شرمیلا کے ذکر پر انہیں تمام حقائق سے آگاہ کردیتا ہے کہ وہ علی بخش کی بیٹی موبل کی بجائے شرمیلا سے شادی کرنا چاہتا ہے شرمیلا کے نام پر علی مراد نہایت طیش کے عالم میں اس کے کردار پر انگلی اٹھاتے صاف انکاری ہوتے ہیں۔ جبکہ شرمیلا کی یہ توہین نبیل کے لیے انتہائی تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے مگر باپ کے سامنے وہ خاموش رہ جاتا ہے۔ شرمیلا نبیل سے دوستی کے بعد ہواؤں میں اڑنے لگتی ہے جب ہی فائز اس کے بدلے رویوں پر حیران ہوتا ہے دوسری طرف دلشاد بیگم کو بھی شرمیلا کی یہ اجنبیت پسند نہیں آتی ایسے میں وہ بتول سے شرمیلا اور فائز کی شادی کی بات کرتے شرمیلا کو محتاط رہنے کا کہتی ہیں مگر شرمیلا اب ان کی باتوں میں آنے والی نہیں ہوتی۔ بہزاد خان اور ریحانہ بیگم کے آپس کے تعلقات کشیدہ ہوجاتے ہیں انہیں سفینہ کا رشتہ کہیں اور طے کرنے پر انتہائی غصہ ہوتا ہے جس کا اظہار وہ ریحانہ بیگم کے سامنے کرتے رہتے ہیں روشی اپنے دوست سنی کو پسند کرنے لگتی ہے اور اسے شادی کا کہتی ہے سنی شادی کی بات پر اس کا بے حد مذاق اڑاتا ہے اور صاف کہہ دیتا ہے کہ وہ اس کے آئیڈیل پر پورا نہیں اترتی اور کوئی بھی لڑکا ایسی لڑکی سے شادی کرنا پسند نہیں کرتا اپنی اس تحقیر پر روشی کا معصوم دل ٹوٹ جاتا ہے جب ہی وہ خود کو بدلنے پر آمادہ کرتی ہے مگر جلد ہی سنی اپنی منگنی کا بتا کر اس کے خوابوں کا محل چکنا چور کردیتا ہے آفاق شاہ کو ان تمام باتوں کا علم ہوتا ہے تو وہ صدمے میں گھر جاتا ہے اور جلد از جلد سفینہ سے شادی کرنا چاہتا ہے تاکہ سفینہ کے ذریعے روشی کو سنبھالا جاسکے جب ہی وہ اسری خالہ سے جلد از جلد اپنی شادی طے کرنے کا ذکر کرتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁ ❁ ❁

پورے چاند کی چاندنی میں بھیگا پُرفسوں ماحول، اس پر مدھر سنگیت، کانوں میں رس گھول رہا تھا۔ برآمدے کے ستونوں سے لپٹی قمقموں کی لڑیوں کی زرد چمکتی روشنی ماحول کو سحر انگیز بنا رہی تھیں۔ وسط میں موجود لکڑی کے بڑے سے جھولے پر خوب صورت تخت پوش بچھا کر ان دونوں کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ دھیمے سروں میں بجنے والی موسیقی نے

کچھ دیر بعد منظر بدلا اور ایک جانی پہچانی خیر مقدمی دھن چھیڑ دی گئی، وہ چونکا، رات جیسے جھومنے لگی، آفاق کے لبوں کو ہلکی سی مسکراہٹ چھو کر چھپ گئی، اسے ادراک ہوا کہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے کو ہیں، مگر ابھی تک اس کا چاند بدلی میں چھپا تھا، بے چین نگاہیں بار بار داخلی دروازے سے ٹکرا کر مایوس لوٹ رہی تھیں، بالآخر من کی مراد بر آئی، سفینہ اپنی سہیلیوں کے جلو میں دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ہوئی باہر آئی۔ آفاق مکمل طور پر ادھر ہی متوجہ تھا، اس کی ساحرانہ نگاہوں کے حصار میں آتے ہی سفینہ کے قدم لمحے بھر کو ڈگمگائے۔

وہ، آسمانی، سرخ زرتار لہنگے میں ملبوس ہلکے سے میک اپ کے ساتھ بہت پیاری لگ رہی تھی، اس کے دبیز ہونٹ سرخ رنگ سے سجنے کے بعد کچھ زیادہ ہی نمایاں ہو رہے تھے۔ ایک سائیڈ پر پڑی گھنی لمبی چوٹی کو بڑی مشاقی سے سفید موتیے کے پھولوں سے سجایا گیا تھا، سنہری آنکھوں کی خوب صورتی کو بڑھاوا دینے کے لیے لگایا گیا کاجل، دور سے لو دیتا محسوس ہوا۔ آفاق کے وجود میں سرور سا پھیلتا گیا، دشمن جاں کی نرم سنہری سی کلائی تھامنے کو من مچلا، مگر خود پر قابو پانا پڑا، وہ قریب پہنچی تو احتراماً کھڑے ہو کر سر کو خم دیا، وہ تھوڑا پیچھے ہوئی تو، شرارتی انداز میں جھانکنے کی کوشش کی، نیلگوں مائل سنہرے دوپٹے کے ہالے میں جیسے اس کا حسن پھوٹا پڑ رہا تھا۔

ان کو ایک دوسرے کے برابر میں بٹھا دیا گیا، وہ جیسے ہی اس کے پہلو میں بیٹھی، رات مزید رنگین ہوتی چلی گئی، اسری نے ان پر سے نوٹ وار کر ملازموں کو تھمائے۔ آفاق کو کچھ ہوش نہ تھا، سفینہ کی سنہری آنکھوں میں جانے کیسا سحر تھا، جس سے بچ نکلنا اس کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔ اس کے پاس سے اٹھنے والی مہک، مشام جاں کو مہکائے دے رہی تھی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کائنات ان لمحوں میں تھم سی گئی ہو۔ آفاق نے کچھ بے اختیار ہوتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر سفینہ کو چھونا چاہا اور پھر چراغوں میں جیسے روشنی نہ رہی۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ اِدھر اُدھر نگاہ گھما کر سفینہ کو ڈھونڈا، مگر وہ تو ایک خواب تھا، جو نیند کھلتے ہی غائب ہو گیا، آفاق سر پکڑ کر بیٹھ گیا، انوکھی سی مسکراہٹ لبوں پر کھیلنے لگی۔ وہ بہت دیر تک بستر پر دراز سر کے نیچے ہاتھ ٹکائے مسلسل اسی خواب کے بارے میں سوچتا رہا، پتا نہیں کیوں اس کے دل کو یقین ہونے لگا کہ یہ قدرت کی جانب سے ایک مثبت اشارہ ہے۔

❁.......❁.......❁

"ویسے اماں۔ میں نے بہت سوچا تو مجھے ایسا لگا کہ فائز کی بات حقیقت پر مبنی ہے۔" سائرہ نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے سر ہلا کر اعتراف کیا۔

"آئے کیا تیرا دماغ چل گیا ہے؟" دلشاد جو پاندان صاف کرنے میں مگن تھیں، اپنا کام چھوڑ کر بیٹی کو گھورنے کے بعد گوہر افشانی کی۔

"اماں...... چھوڑیں اس بحث کو۔ ویسے بھی۔ آپ اس بات کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتی۔" سائرہ کا کوفت بھرا انداز ان کے دل پر جا لگا۔

"ہاں بیٹی اب تو مجھے سمجھائے گی۔" انہوں نے جان کر منہ لٹکایا اور چاندی کے پاندان کا ڈھکن زور سے بند کیا۔

"ایسی بات نہیں ہے مگر فائز نے جو بات سمجھائی ہے وہ سولہ آنے ٹھیک ہے۔" سائرہ نے محبت بھرے انداز میں ان کا کاندھا دباتے ہوئے کہا۔

"اے میں تو یہ جانوں کہ اتنی مشکلوں کے بعد تیری زندگی سے دیور دیورانی کا نام نکال پھینکا اور تو جانے کیوں انہیں پھر سے اپنے اوپر مسلط کرنے کو تیار بیٹھی ہے۔" دلشاد بانو نے دانت کچکچائے اور سبز پانوں کو گیلے رومال میں لپیٹا۔

"افوہ...... آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ اس شادی سے ہمیں کتنا زیادہ فائدہ ہونے والا ہے۔" سائرہ نے معنی خیز انداز میں

دیکھتے ہوئے انہیں کٹی ہوئی چھالیہ کے دانے اٹھا کر منہ میں رکھ لیے۔

گھر کے قریب واقع پارک میں قدم رکھتے ہی اس نے آسمان کو دیکھا جہاں سرمئی بادلوں کی چادر سی تنی ہوئی تھی آسمان پر اڑتے ہوئے اکادکا پرندے، کیاریوں میں جھومتے ہوئے خوش رنگ پھولوں کی قطاریں۔ وہ یہاں آنے کا مقصد بھول بھال کر کچھ دیر کے لیے یوکلپٹس کے چوڑے تنے پر ہاتھ ٹکائے، ٹھنڈی ہوا سے لطف اٹھانے لگی، تازہ ہوا میں سینہ تان کر کھڑے اونچے اونچے درختوں کی شاخوں کے سبز پتے، آنکھوں کو تراوٹ بخش رہے تھے، اسے سب کچھ بے حد نیا لگ رہا تھا، ماحول میں پھیلی تازگی نے آنکھوں کے سنہری پن میں سبزی مائل رنگ گھول کر رکھ دیا۔ تازہ فضاء میں کھل کر سانس لینا اسے بہت دیر تک اچھا لگتا رہا، ہوا کے خوشگوار نم جھونکوں میں رچی مٹی کی سوندھی خوشبو بتا رہی تھی کہ یہ بادل کسی بھی وقت پیاسی زمین کی سیرابی کے لیے برسنے کو تیار کھڑے ہیں۔ اچانک اسے خیال آیا کہ وہ تو یہاں فائز کے بلاوے پر آئی تھی اور موسم کی رعنائی میں محو ہوگئی۔

سفینہ نے فوراً ہی نگاہ اٹھا کر اسے پارک میں تلاش کرنا شروع کر دیا۔ وہ کچھ دور ایک سنگی بنچ پر، ہاتھ میں اخبار تھامے، بظاہر مطالعہ میں مصروف نظر آیا، مگر سفینہ کو اس حقیقت کی خبر تھی کہ وہ اپنی سفی کے انتظار میں مبتلا ہے۔ اس نے سر جھٹکا اور تیز قدموں سے چلتی ہوئی اندر کی جانب بڑھی۔ فائز نے اس کی آہٹ پر نگاہ اٹھا کر جیسے ہی سفینہ کو دیکھا، ہاتھ ہلا کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ وہ فیروزی اور سرخ امتزاج کے لان کے جدید انداز کے سلے ہوئے سوٹ میں جیسے خوش گوار موسم کا حصہ بنی ہوئی تھی۔ فائز کو اس وقت، سفی دنیا کی خوب صورت ترین لڑکی دکھائی دی، پتا نہیں اس کی محبت کا کمال تھا یا وہ شروع سے ہی اتنی حسین تھی، یہ فیصلہ تھوڑا مشکل ہونے لگا۔ فائز کی نگاہوں کے حصار میں محصور سفینہ کے دل کو کچھ ہوا۔ میک اپ کے نام پر اس کے کلیوں جیسے ہونٹوں پر سرخ لپ اسٹک چمک رہی تھی، دھلا دھلایا شفاف چہرہ سنہری جھیل سی گہری آنکھیں، نرم کلائیوں میں کانچ کی ڈھیر ساری سرخ اور فیروزی چوڑیاں، جن کی کھنک دور سے سنائی دے رہی تھی۔ سنہرے پیروں میں تلے والی چپل ایک سائیڈ پر ڈالی گئی کالی چوٹی اور چہرے پر بار بار آتی ایک لٹ، جس کی شرارت سے وہ پریشان دکھائی دی، فائز کا دل مچلا کہ وہ اس لٹ کو مٹھی میں جکڑ کر سفی کے کانوں کے پیچھے اڑس دے، مگر ایک آہ بھر کر رہ گیا۔

سفینہ ریحانہ کی نگاہوں سے بچ کر بڑی مشکل سے گھر کے نزدیک واقع پارک میں اس سے ملنے آئی تھی، اس کے من میں تجسس کی لہریں اٹھ رہی تھیں کہ ایسا کیا کام تھا جو فائز نے اسے کال کر کے یہاں بلایا، وہ پوچھنا چاہ رہی تھی مگر فائز تو کسی اور موڈ میں تھا، اسے پیار سے تکتا چلا گیا۔

آفاق کے سامنے لیپ ٹاپ کھلا تھا مگر وہ خیالوں میں گم اسکرین کو مسلسل تک رہا تھا، دروازے پر ہلکی سی آہٹ کے ساتھ، معید مرزا اس کے روم میں داخل ہوا اور کنکھارا مگر آفاق اسی پوزیشن میں بیٹھا رہا۔ وہ دونوں پرانے دوست ہونے کے ساتھ کاروبار میں بھی ساجھے دار بن چکے تھے، اسی لیے اکثر ایک دوسرے کے دفاتر میں آنا جانا لگا رہتا تھا۔

"کس سوچ میں گم ہو پیارے؟" معید نے بیٹھتے ہوئے بے تکلفی سے سوال کیا۔

"آں... ہاں... کچھ نہیں۔" وہ چونکا، بات کو ٹالنے کے لیے نفی میں گردن ہلائی۔

"چل پھر جلدی سے اُٹھ۔" اس نے مسکراتے ہوئے آنکھ سے اشارہ کیا۔

"کیوں کوئی کام ہے؟" آفاق نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور پھر بے دلی سے لیپ ٹاپ بند کیا۔

"کیا مطلب کوئی کام؟" معید نے اسے غصے سے گھورا جو اتنی اہم بات بھولے بیٹھا تھا۔

"مجھے سچ میں کچھ یاد نہیں۔" آفاق نے ذہن پر زور دیا پھر بیزاری سے جواب دیا۔
"اوگاڈ ڈفر تم اتنی اہم بات کیسے بھول سکتے ہو کہ ٹھیک پانچ بجے ہمیں شہباز خان سے ملنے کے لیے جانا ہے۔" وہ بری طرح سے تپ کر چیخا۔
"اوہ...... یار سوری میرے ذہن سے یہ بات واقعی میں نکل گئی تھی۔" آفاق نے ہونٹ بھینچ کر اعتراف کیا۔
"یار تم تو جانتے ہو نا کتنی مشکل سے یہ میٹنگ فکس ہوئی تھی۔" معید نے اسے یاد دلایا۔
"چلو...... ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا جلدی سے اٹھ جاؤ ہم وقت پر پہنچ ہی جائیں گے۔" معید ایک دم کھڑا ہوا اور اسے چلنے کا اشارہ کرنے لگا۔
"نہیں میرا ذہن بہت منتشر ہے، آج کی میٹنگ کینسل کردو۔" آفاق نے بڑے ڈھیلے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔
"یہ کیا کہہ رہے ہو؟" اس کی آنکھیں ابل پڑیں۔
"پلیز کوئی بحث نہیں۔" آفاق نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرانا چاہا۔
"تم جانتے ہو اس بات سے ہماری بزنس کی ساکھ متاثر ہوگی۔" وہ ایک دم بلبلایا۔
"ہاں مگر جانے کیوں تمہاری ایسی باتوں سے میرا دل متاثر ہو رہا ہے۔" آفاق نے برا سا منہ بنا کر جھاڑا۔
"آفاق تم ٹھیک تو ہو؟" معید نے فکر مندی سے دوست کی شکل دیکھی۔
"یس آئی ایم اوکے۔" وہ چہرے کے تاثر بیلنس کرتے ہوئے بولا۔
"نہیں کچھ تو ہے پلیز بتاؤ مجھے۔" معید اب اس کے پیچھے ہی پڑ گیا۔
"بس یار۔ کچھ خاص نہیں پرسنل پرابلمز ہیں۔" آفاق بے ساختہ کہا۔
"شیئر کرنا چاہو تو تیرا دوست موجود ہے، آنسو بہانے ہو تو دوست کا کاندھا حاضر ہے۔" وہ شرارت سے مسکرایا تو آفاق نے کچھ سوچ کر اسے ہر بات بتادی۔
"اس میں ایسی کون سی قباحت ہے۔ اب شادی نہیں کرے گا تو کیا بڑھاپے میں سہرا باندھے گا۔ مزے سے نئی زندگی کو انجوائے کر۔" سب کچھ سننے کے بعد وہ کاندھا تھپتھپا کر بولا۔
"یار میں سوچ رہا ہوں کہیں جلد بازی میں یہ قدم اٹھا کر میں کوئی غلطی تو نہیں کر رہا۔" آفاق نے اپنے خدشات بیان کرتے ہوئے پوچھا۔
"مائی ڈیئر کچھ چیزیں بظاہر بہت مشکل لگ رہی ہوتی ہیں مگر اس وقت آسان ہو جاتی ہیں، جب انسان عملی قدم اٹھاتا ہے۔" معید نے پیر ہلاتے ہوئے مشورہ دیا۔
"یہ تو ہے بس دل ڈرتا ہے کہ کہیں یہ فیصلہ میری بہن کے حق میں غلط ثابت نہ ہو۔"
"کبھی کبھی منزل تک پہنچنے کے لیے آپ کو ان اجنبی راہوں پر چلنا پڑتا ہے جن سے آپ کے قدم ہی مانوس نہیں ہوتے۔" معید نے ایسی دلیل پیش کی جو آفاق کو بھا گئی، اس کے اندر تک اطمینان پھیلتا چلا گیا۔
"یہ بات تو ہے۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔
"میرے دوست تم بلاوجہ کی باتوں میں الجھنے کی جگہ...... " وہ بولتے بولتے ایک لمحے کو رکا۔
"کیا...... آگے بھی بول نا؟" آفاق کی سوالیہ نگاہیں اس پر جم گئیں، بے چینی سے کس کر دھمو کا مارا۔
"اس خوشگوار اور سہانی گھڑی کو کھلے دل سے خوش آمدید کہو اور مجھے بھی چاچو کہلانے کا شرف بخشو۔" معید نے ایک

آنکھ بند کرتے ہوئے شرارت سے بات پوری کی۔
"تایا کیوں نہیں۔" آفاق نے زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے چھیڑا۔
"ہاں پورے ایک مہینے چھوٹا ہوں میں تجھ سے۔" اس نے ٹھنک کر جتایا۔
"چل نکل یہاں سے شرم تو نہیں آتی یوں ننھا منا بنتے ہوئے۔" آفاق نے اس کو انگوٹھا دکھا کر باہر کا راستہ دکھایا تو وہ ہنستے ہوئے اس سے لپٹ گیا۔

❁......❁......❁

"کیا بات ہے سفی آج تو تم بہت ہی پیاری لگ رہی ہو؟" فائز نے اس کے قریب پہنچنے پر چھیڑا۔
"مطلب کیا ہے میں ویسے اچھی نہیں لگتی کیا؟" وہ ایک دم اس کے مقابل تن کر کھڑی ہوئی اور سوالیہ نگاہوں سے اسے گھورا۔
"یہ ہی تو مسئلہ ہے تم تو ہمیشہ بھتنی جیسی لگتی ہو۔" فائز نے شرارتی انداز میں اس کے حسن سے نظریں چراتے ہوئے چھیڑا۔
"بھتنے ہوگے تم آئی سمجھ۔" سفینہ بھول گئی کہ یہاں کیوں آئی تھی الٹا کمر پر ہاتھ رکھ کر لڑائی شروع کردی۔
"واؤ" پاس سے گزرتے لڑکے نے اس پر شوخ سی نگاہ ڈالی، فائز کو ایک دم برا لگا بڑے کڑے قہر آلود نظروں سے گھورا۔
"اچھا بھئی یہ جھگڑا بعد کے لیے اٹھا کر رکھو اور یہاں تمیز سے بیٹھ کر میری ایک بات سنو۔" فائز نے جلدی سے کھسک کر اس کے لیے جگہ بنائی تاکہ وہ بیٹھ جائے محبت کے ساتھ وہ سفینہ کا احترام بھی کرتا تھا، اسی لیے پبلک پلیس کا خیال کیا۔
"ہاں ٹھیک ہے۔" سفینہ نے بنچ پر بیٹھنے کی جگہ سبز گھاس پر پھسکڑا مارا اور اسے غور سے دیکھ کر سر ہلایا۔
"کیا بات ہے۔" فائز ڈارک بلیو جینز اور لائٹ پیچ رنگ کی شرٹ پہنے، ہمیشہ سے زیادہ اسمارٹ اور پُروقار لگ رہا تھا۔ اس نے دل میں سراہا، آنکھوں سے روشنی سی پھوٹنے لگی۔
"اصل میں تمہیں یہاں بلانے کی وجہ یہ تھی کہ میں نے ممی کے کان میں بات ڈال دی ہے۔" وہ نرم انداز میں اپنے سامنے زمین پر بیٹھی سفینہ کو دیکھتے بولتا چلا گیا مگر اس کا دھیان اتنی اہم بات کی طرف تھا ہی نہیں۔
"اگر آپ آسمان پر نہ چڑھ جائیں تو ایک بات کہوں۔" سفینہ نے کچھ شرارتی انداز میں پلکیں جھپکتے ہوئے اجازت طلب کی۔
"ہاں......ایسی کیا بات ہے؟" فائز نے مسکراہٹ کو لبوں تلے دبا کر پوچھا۔
"آپ پر یہ رنگ بہت سوٹ کرتا ہے پہنا کریں۔" آخر تعریف اس کے لبوں تک آ ہی گئی، فائز نے زوردار انداز میں قہقہہ لگایا۔
"شکر ہے تمہیں کچھ پسند تو آیا۔" فائز کو اس کے یوں اظہار کرنے پر بہت خوشی ہوئی فوراً بولا۔
"میں کیا آپ میں ہر وقت عیب نکالتی رہتی ہوں؟" وہ ایک دم جھینپ کر بولی۔
"نکالتی تو ہو۔" اس نے بھی پورا پورا بدلہ لیا۔
"بڑے آئے کہیں سے۔" سفینہ نے ہونٹ لٹکا کر جواب دیا۔
"اچھا سفی......ایک کام تو کرنا۔" اس پر شرارت سوار ہوئی۔
"وہ کیا؟" سفینہ نے منہ بگاڑا۔
"میری برتھ ڈے آنے والی ہے تم اسی رنگ کی ایک درجن شرٹ اور ٹی شرٹ مجھے گفٹ کر دینا تاکہ میں ہر وقت تمہیں

اسی رنگ میں نظر آؤں۔" فائز نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا تو سفینہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"فائز آپ نے مجھے اتنی ارجنٹ کال کر کے یہاں پہنچنے کا کیوں کہا تھا؟" سفینہ کو ٹائم گزرنے کا خیال آیا تو ایک دم بات کا رخ بدلا۔

"ہاں تو سنو۔" وہ بھی سنجیدگی سے اسے اپنی منصوبہ بندی کے بارے میں بتانے لگا، سفینہ اس کی بات غور سے سننے لگی۔

"افوہ آپ نے تائی اماں کے ساتھ یہ ڈرامے بازی کی۔" بات مکمل ہونے کے بعد سفینہ نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"کیا مطلب؟" اس کے انداز پر وہ تھوڑا گھبرایا۔

"فائز میں آپ کو بالکل بھی ایسا نہیں سمجھتی تھی خان ہاؤس پر قبضہ جمانے کے لیے ایسی منصوبہ سازی۔" سفینہ نے رونے والا منہ بنایا، فائز کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

❀......❀......❀

"اچھا بیٹی ایسا کون سا خزانہ تیرے ہاتھ لگنے والا ہے ذرا مجھے بھی بتا؟" دلشاد نے ناک پر انگلی جما کر طنز فرمایا۔

"پورے کا پورا خان ہاؤس میرے بیٹے فائز کو مل جائے گا۔" سائرہ نے خوش ہو کر بتایا۔

"ارے بی بی چھوڑو میں ایسی چال چلتی کہ تجھے ویسے ہی سب مل جاتا۔" دلشاد نے ناک پر سے مکھی اڑائی۔

"اور آپ کے داماد کی خوشی وہ تو آپ نہیں دلوا سکتی تھی نا۔" سائرہ نے جذباتی ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ہونہہ تو جان اور تیرا کام جو میں بولی تو جو سزا کا لے چور کی وہ میری۔" دلشاد نے پیٹھ موڑ کر ناراضی دکھائی۔

"اماں ہاتھ جوڑتی ہوں آپ کے آگے...... مگر کبھی کبھی آپ بھی بچوں کی طرح ضد پکڑ لیتی ہیں۔" سائرہ بھی چڑ گئی۔

"اچھا تو اب تو اُن کے لیے اپنی ماں سے بحث کرے گی۔ جنہوں نے کبھی تیری خوشیوں کی رتی بھر بھی پروا نہیں کی۔" دلشاد ایک دم جذباتی ہو گئیں، شکوہ کناں نگاہوں سے مڑ کر بیٹی کو دیکھا۔

"اماں! یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں آپ بلاوجہ اداس ہو رہی ہیں۔" سائرہ کے خیالات میں بدلاؤ کیا آیا نظریہ بھی بدل گیا، پھر سمجھانے میں جت گئیں۔

"آئے سائرہ یہ بات اتنی چھوٹی بھی نہیں، جتنا تو بنا کر پیش کر رہی ہے۔" دلشاد سے کسی بھی طرح سفینہ اور فائز کی شادی کی بات ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"اچھا چلیں میں چائے بنا کر لاتی ہوں دونوں مل کر پیتے ہیں۔" سائرہ نے دلشاد کا پارہ ہائی ہوتے دیکھا تو بات ختم کر دی۔

"سائرہ سوچ سفینہ کے پیر اس آنگن میں پڑتے ہی تیری حیثیت کتنی کمزور ہو جائے گی۔" وہ بیٹی کی بے نیازی پر ایک دم چیخ کر اپنے اندیشوں کا اظہار کرتی چلی گئیں۔

"اللہ اللہ میں کوئی "موم کی ناک" نہیں کہ جس کا جیسے دل چاہے موڑ لے۔" انہوں نے ایک دم سینے پر ہاتھ مار کر جواب دیا۔

"ایک نمبر کی بے وقوف ہے میری یہ لڑکی بس بیٹے کے بہکاوے میں آ گئی۔" دلشاد بانو کے افسوس کا انداز بھی ان کے جیسا تھا۔

"آپ ایسے کیوں بول رہی ہیں؟" سائرہ نے الجھی نگاہوں سے ماں کا ہلتا سر دیکھا۔

"اے...... جیسے ہی تو رشتہ لے کر وہاں جائے گی، تیری دیوارانی فٹ سے تیرا ہاتھ پکڑ کر خان ہاؤس کے دروازے

سے باہر چھوڑ آئے گی۔“ ان کے چہرے کے تاثرات میں معنی خیزی کے رنگ تھے۔

❁......❁......❁

”روشنی، تم تو بہت پیاری بچی ہو۔ پھر ایک بات پر کیوں اڑ گئی ہو؟“ اسری نے بھانجی کے چہرے کو ایک انگلی سے اٹھا کر پیار سے سمجھانا چاہا، جو سفینہ کے گھر جانے سے انکار کر رہی تھی۔

”ہاں بس مجھے ابھی بھائی کی شادی نہیں کرنی۔“ وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

”کیا کہہ رہی ہو؟“ اسری نے اس کی بات پر جھرجھری سی لی اور پوچھا تو اس نے مدد طلب نگاہوں سے عشو اماں کو دیکھا۔

”روشنی بیٹا...... چلو کھانا لگا دیا ہے۔“ عائشہ نے جلدی سے اسے منظر سے ہٹانا چاہا کہ کہیں ان کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔

”جی اچھا عشو......“ وہ اطمینان بھرا سانس لے کر کھڑی ہونے لگی۔

”بیٹھی رہو۔“ اسری نے بھانجی کی کلائی تھام کر اسے واپس صوفے پر بٹھایا۔

”بچی نے دوپہر میں بھی بہت کم کھایا تھا۔“ عشو نے زبردستی ان کی بات کاٹتے ہوئے بلاوجہ کی فکر دکھائی۔

”ایک منٹ عائشہ باجی آپ کو نظر نہیں آ رہا کہ میں کتنی ضروری بات کر رہی ہوں۔“ اسری کا دماغ گھوم گیا، انہیں لتاڑا۔

”وہ میں تو بس......“ ان کی زبان لکنت زدہ ہوگئی۔

”مجھے تو لگتا ہے کہ روشنی کو دس من کی بوری بنانے میں آپ کا مکمل تعاون رہا ہے۔“ اسری نے منہ بگاڑ کر کہا۔

”بھیا...... یہ ٹھیک ہے ”نیکی برباد گناہ لازم“ میں نے بچی کی تندرستی کی خاطر اچھا سے اچھا کھلایا اور......“ وہ بولتے بولتے دوپٹہ میں منہ چھپا کر بلک اٹھیں۔

”بس کریں میں اچھی طرح سے جانتی ہوں سب۔“ اسری تڑخ کر بولیں، مجال ہے جو ان کے رونے سے ذرا بھی متاثر ہوئی ہوں۔

”ایسی بات نہیں۔“ روشنی سے اپنی عشو اماں کا رونا دیکھا نہیں گیا۔

”یہ الزام بھی لگنا تھا۔“ عائشہ نے سرخ آنکھوں سے روشنی کی جانب دیکھتے ہوئے ہمدردی حاصل کرنا چاہی۔

”کوئی الزام نہیں لگایا۔“ اسری نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کرایا۔

”برائے مہربانی ایک کپ چائے کا لے آئیں۔ فضول کی باتوں سے سر میں درد ہونے لگا ہے۔“ اسری کی غصیلی نگاہوں کا سامنا مشکل ہونے لگا۔ عائشہ نے مزید کچھ کہنے سے پرہیز کیا اور چپ کر کے باہر نکل گئی۔

”میں بھی ابھی آتا ہوں۔“ روشنی دھیرے سے بولتی ہوئی کھسکنے لگی مگر اسری کے بگڑتے تیور دیکھ کر جہاں کی تہاں رہ گئی۔

❁......❁......❁

”مجھے اپنے بیٹے فائز پر یقین ہے وہ ماں کا سر جھکنے نہیں دے گا۔“ ماں کی بات پر پہلے تو وہ گم سم سی سوچ میں پڑ گئی اس کے بعد اعتماد سے سر اٹھا کر جواب دیا۔

اسی وقت بتول وہاں پہنچی، اس نے چنے کی دال کا حلوہ بنایا تھا، دلشاد بانو کو میٹھا پسند تھا تو دینے کے لیے نیچے آئی تھی، ویسے بھی جب سے دلشاد نے نواسے کی شرمیلا سے رشتے والی بات اس کے کان میں ڈالی تھی، وہ کچھ نہ کچھ اچھا پکا کر ان کی

آؤ بھگت کے لیے لے کر پہنچ جاتی، ابھی کمرے میں داخل ہو رہی تھی کہ ان کی باتیں کانوں میں پڑیں ایک دم چونک کر اندر ہونے والی گفتگو سننے لگ گئی۔ دلشاد کو بیٹی کا بڑبولا پن پسند نہ آیا، ماتھے پر ہاتھ مار کر منہ بنایا اور پاندان کھول کر بیٹھ گئیں، سائرہ کو ماں کا یوں نظر انداز کرنا برا لگا۔

"ایک بار شادی ہونے دیں پھر دیکھیے گا۔" سائرہ نے جوش میں ماں سے اپنی بات منوانے کے لیے زور سے کہا۔

"اوں پتا نہیں کیا دیکھوں گی؟" دلشاد نے بھی طنزیہ انداز میں ہاتھ نچایا۔

"یہ ہی کہ میں کیسے اس لڑکی کو اپنے پیروں کی جوتی بنا کر رکھوں گی۔" وہ اپنے سخت انداز میں بولی، دلشاد نے بیٹی کی طرف دیکھا، جس کے چہرے کا رنگ لحہ بھر کو نیلا ہوا، مگر سائرہ نے جلد ہی اپنے اوپر قابو پالیا۔

"یہ کس کے بارے میں بات ہو رہی ہے کہیں شرمیلا کے بارے میں تو نہیں۔" بتول ان دونوں کی باتوں سے الجھ سی گئی۔

❁.....❁.....❁

"اے لڑکی زبان سنبھال کر۔" فائز اندر سے تھر تھرایا، ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روکا۔

"ہاں تو میں اور کیا کہوں...... توبہ توبہ یہ چھن......" اس نے بڑے مزے سے گال پیٹ کر دلشاد والے انداز میں کہا، وہ پھر بھی نہ سمجھا۔

"سفی...... میں نے یہ سب کچھ صرف اپنی محبت کو پانے کے لیے کیا ہے۔" جلدی سے وضاحت پیش کی۔

"ہاہ...... محبت۔" سفینہ نے زبان چڑائی۔

"ایک بات غور سے سنو۔" فائز طیش میں آیا۔

"جی...... جی۔" اس نے کانوں میں انگلی پھیری۔

"مجھے گھر کے حصے سے نہیں صرف تم سے دلچسپی ہے مگر تم مجھے ایسا گھٹیا سمجھتی ہو تو میں ممی کو منع کردوں گا۔" فائز نے اپنی پوزیشن کلیئر کی اور اٹھ کر منہ موڑ کر جانے لگا، اسے سفینہ کی سوچ نے بہت دکھ پہنچایا تھا، وہ اسے اتنا گرا ہوا سمجھتی ہے۔

"منع کر کے تو دیکھیں اپنی اور آپ کی جان ایک کردوں گی۔" فائز نے الجھتے ہوئے دو قدم بڑھائے، اچانک اس کی مضبوط کلائی، نرم انگلیوں کے گھیرے میں آ گئیں، شیریں لہجہ کانوں میں پڑا۔

"کیا...... تو یہ مذاق تھا۔" فائز نے مڑ کر دیکھا تو سفینہ کی پیار بھری نگاہوں سے نگاہیں مل گئیں۔ لب مسکرا رہے تھے۔ فائز سمجھ گیا کہ وہ مذاق میں اسے تنگ کرنے کے لیے باتیں سنا رہی تھی دل مطمئن ہو گیا، ایک سکون بھرا سانس لینے کے بعد اس نے سفینہ کے ہاتھوں کو کس کر تھام لیا۔

"اچھا تو پہلے اپنی اور میری جان ایک کردو۔" وہ اتنا قریب ہوا کہ سفینہ ایک دم بدک کر پیچھے ہوئی، پلکوں کی لرزش کو فائز نے انجوائے کیا۔

"سفی کیا ہوا اب کیوں بولتی بند ہوگئی۔" فائز کھسک کر مزید قریب کھڑا ہوا اور سینے پر ہاتھ باندھ کر اسے ایک ٹک گھورتے ہوئے بولا۔

"فائز ہم لوگ شاید پبلک پلیس پر موجود ہیں۔" وہ ایک دم گڑبڑا کر احساس دلانے لگی، شکر ہے کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

"چلو تو پھر کہیں تنہائی میں چلتے ہیں۔" وہ اسے تنگ کرنے لگا۔ سفینہ نے کچھ کہنا چاہا، مگر لب تھرا کر رہ گئے، الفاظ نے ساتھ نہ دیا۔

اس کی گلابی پڑتی رنگت نے فائز کو مزید تنگ کرنے سے باز رکھا تاہم وہ دونوں ایک دوسرے کی کیفیت کو اچھی طرح سے سمجھتے تھے کیونکہ باوجود اس کے کہ ان کے وجود الگ الگ تھے مگر دل ایک ہی لے پر دھڑکتے تھے۔ کچھ محبت کا فسوں تھا۔ کچھ جذبوں کی شدت۔ وہ بے اختیار ہو کر ایک دوسرے کو دیکھتے چلے گئے۔

❁......❁......❁

''روشنی...... آج تو تم نے یہ بات کرلی ہے مگر آئندہ میں تمہارے منہ سے ایسا کچھ نہیں سنوں۔'' اسری نے روشنی کو آڑے ہاتھوں لیا۔

''آپ سمجھتی کیوں نہیں مجھے بھابی کے نام سے بھی ڈر لگتا ہے۔'' روشنی نے تنک کر جواب دیا۔

''اگر یہ بات آفاق کے کانوں تک پہنچی تو قیامت آجائے گی۔'' اسری نے اس کا ہاتھ تھام کر ڈرانا چاہا۔

''یہ کوئی ایسی بڑی بات بھی نہیں میں خود بھائی کو منع کردوں گا۔'' وہ مسکرا کر بھولے پن سے بولی۔

''اتنی مشکلوں سے تو آفاق کو سفینہ پسند آئی اب تم نے نیا ہنگامہ کھڑا کردیا۔'' اسری کا منہ بن گیا سر تھام کر بیٹھ گئیں۔

''پتا نہیں ایسا کیا ہے، اس لڑکی میں جو آپ اور بھائی پیچھے ہی پڑ گئے ہیں۔'' اس کے منہ سے عائشہ کے الفاظ نکلے۔

''بس بات کو یہیں ختم کردو اور خیال رکھنا کہ آفاق کے سامنے یہ سارا جھگڑا نہ آئے۔'' اسری نے سخت لہجے میں روشنی کو تنبیہہ کی۔

''کیوں اس میں ایسا کیا ہے؟'' روشنی ایک دم ہنس دی۔

''تمہیں کیسے سمجھاؤں لڑکی مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہارے منہ سے نکلی ہوئی ایک ضد کی وجہ سے وہ ایک بار پھر زندگی کی خوشیوں سے دور نہ چلا جائے۔'' اسری کی نگاہ دور تک کچھ کھوجنے لگی۔

''ہاں تو کیا ہوا یہ نہیں تو کوئی اور سہی بھائی کو کوئی اور لڑکی پسند آجائے گی۔'' روشنی نے پیر ہلاتے ہوئے اطمینان کا اظہار کیا۔

''نہیں...... سفینہ جیسی سمجھدار اور سلیقہ شعار لڑکی ہی اس خاندان کو سنبھال سکتی ہے۔'' وہ ایک دم نفی میں سر ہلاتی گئیں۔

''سفینہ بھابی وہ آئی بھی نہیں اور میرا جینا مشکل ہوگیا ہے عشوا ماں نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔'' روشنی نے دانت کچکچا کر سوچا۔

''روشنی...... ذرا عقل استعمال کرو، تم نے تو سفینہ سے بلاوجہ کا بیر باندھ لیا ہے۔'' اسری نے اس کے چہرے کے تاثرات جانچنے کے بعد طنز فرمایا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ بھی منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

''کان کھول کر سن لو میں اس رشتے کو تمہاری نادانی کے بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گی۔'' اسری ایک فیصلے تک پہنچ گئی۔ اس لیے سختی سے جتایا۔

''اوکے جیسی آپ کی مرضی۔'' روشنی کو خالہ کا انداز برا لگا کاندھے اچکا کر کھڑی ہوئی۔

''اس بات کا کیا مطلب تم چل رہی ہو یا نہیں؟'' اسری کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ کریں تو کیا کریں۔

''سوری میں نہیں جاؤں گا۔'' اس کے اندر کی ضد عود آئی، رک کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

❁......❁......❁

"اور وہ شرمیلا... میں نے تو اس کی ماں سے رشتے کی بات بھی کرلی ہے۔" دلشاد نے دبے لہجے میں کہا، کمرے کی دہلیز پر کھڑی بتول ٹھٹک کر پیچھے ہوئی۔

"ارے اماں اس لڑکی کے پاس اچھی شکل کے سوا اور ہے ہی کیا؟" سائرہ کے لہجے کی حقارت، بتول کے لیے تکلیف دہ ہوئی۔

"سائرہ تم تو اس لڑکی کے گن گاتی پھرتی تھی پھر یہ کایہ کیسے پلٹ گئی؟" دلشاد نے منہ کھول کر بیٹی کو دیکھا۔

"سیدھی سی بات ہے کہ شرمیلا جیسی لڑکی کو بہو بنانے سے مجھے بھلا کیا فائدہ ہوگا۔" بتول کو اس کی ہنسی میں طنز کی آمیزش محسوس ہوئی۔

"ہاں ہاں بڑی جلدی تجھے فائدے اور نقصان کی فکر پڑ گئی۔" دلشاد نے ہنس کر پوچھا۔

"اماں زمانہ ہی ایسا ہے ویسے بھی سفینہ کی پوزیشن شرمیلا کے مقابلے میں بہت مضبوط ہے۔" سائرہ نے بڑے اطمینان سے اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔

"ہائے اللہ...... یہ سائرہ باجی کس قدر منافق نکلیں۔" بتول نے لڑکھڑاتے قدموں کو زمین پر جمانا چاہا، پوری دنیا گھومنے لگی تھی۔

"ایک بار ریحانہ کو سمدھن بننے دے، تجھے لگ پتا جائے گا۔" دلشاد نے پان کی گلوری منہ میں رکھتے ہوئے ڈرانا چاہا۔

"میں کیا کسی سے کم ہوں ہوش اڑا کر رکھ دوں گی۔" سائرہ کے انداز پر بتول نے کانوں کو چھوا۔

"ایک بار اور سوچ لے شرمیلا جیسی مکھن ملائی سی لڑکی تجھے دوسری نہیں ملے گی۔" دلشاد کو بیٹی کے سسرال والوں سے جنموں کا بیر تھا، پھر سمجھانا چاہا۔

"ہاں تو خالی خولی خوب صورتی کو لے کر بھلا چاٹنا ہے کیا؟" سائرہ کے حوصلہ شکن جواب پر وہ منہ موڑ کر پلنگ پر لیٹ گئیں۔

"ان دونوں عورتوں نے میری شرمیلا سے کیسی محبتوں کا دعویٰ کیا تھا لیکن......" بتول کا حلق خشک ہونے لگا، مزید سننے کی سکت نہ رہی، حلوے کی پلیٹ میز پر ٹکائی اور مرے مرے قدموں سے زینے کی جانب چل دیں۔

❁......❁......❁

شرمیلا اپنی سہیلی کی شادی سے لوٹی تو بہت اداس تھی، نبیل کی کچھ باتیں اس کے اندر اترتی محبتوں کو دھندلانے کے لیے کافی تھیں، اتفاق سے نبیل بھی لڑکے والوں کی جانب سے اس تقریب میں موجود تھا، اتنے دنوں بعد اسے دیکھ کر خوشی کے احساس سے زیادہ تکلیف محسوس ہوئی۔ ابھی تو ان کی محبت کا پودا پروان چڑھنا شروع ہوا تھا مگر اس کا یوں مہینے بھر کے لیے بغیر کسی رابطہ کے غائب ہوجانا، شرمیلا کی کال ریسیو نہیں کرنا اور اگر بات ہوجائے تو کوئی تسلی بخش جواب نہ دینا، اس کے بڑھتے قدموں کو روکنے کے لیے کافی تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ ابھی گاؤں سے نبیل کی واپسی نہیں ہوئی مگر وہ تو بڑے کر وفر سے تقریب میں موجود تھا مگر اسے دیکھ کر یوں بن گیا جیسے پہچانتا نہ ہو۔

شرمیلا کے لیے نبیل کے ایسے اجنبی انداز ناقابلِ برداشت ہوجاتے تھے۔ وہ بھی اپنے خول میں سمٹ گئی، اس سے قبل بھی کئی بار ایسا ہوچکا تھا، مگر جب شرمیلا اس سے ملنا کم کردیتی، بات کرنے میں نخرے دکھاتی، نظر انداز کرتی تو اس کی برداشت جواب دے جاتی، وہ جتنا اس سے بھاگتی نبیل اتنا ہی بے قرار ہوجاتا۔ اس کا بس نہیں چلتا کہ زمین و آسمان ایک کرکے شرمیلا کو منالے۔ اس بار بھی ایسا ہی ہوا، سبز لباس میں سجی سنوری شرمیلا، پوری محفل میں یکتا دکھائی دے رہی تھی، وہ بہت دیر تک مزاحمت نہ کرسکا اور اکبر خان کی نگاہوں سے بچتا بچاتا، اس طرف چلا آیا جہاں ڈنر سرو کیا جا رہا تھا، شرمیلا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

نے بے دلی سے پلیٹ میں چاکلیٹ کیک کا پیس رکھا اس کے اردگرد مخصوص مدہوش کردینے والی خوشبو پھیلی، جو اسے نبیل کی موجودگی کا پتا دے رہی تھی۔

"ہیلو..... شرمیلا کیسی ہو؟" وہ بے رخی سے مڑی مگر نبیل نے اس کا راستہ روک لیا اور ایک بار پھر لفظوں کا جال اس پر پھینکنا شروع کردیا۔ وہ بہت زیادہ احساس کمتری کا شکار ہورہی تھی، اسے قہر آلود نگاہوں سے دیکھا اور بغیر کچھ کھائے پیئے، ٹیبل پر پلیٹ رکھ کر ٹشو سے ہاتھ پونچھتی، گھر جانے کے لیے محفل چھوڑ کر باہر کی جانب چل دی۔ نبیل اس کے پیچھے تیز قدموں سے جانے لگا مگر اکبر خان جو اس کی چوکسی پر معمور تھا غیر محسوس انداز میں اس کی راہ میں آ کھڑا ہوا۔

* * *

"بھائی صاحب آپ آفاق کے بارے میں جس طرح سے بھی چاہیں معلومات کروالیں۔" اسری نے بہزاد کی آنا کانی محسوس کرتے ہوئے بھانجے کی وکالت شروع کردی۔

"وہ تو ٹھیک ہے، بہن مگر....." بہزاد کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنے سامنے بیٹھی معزز خاتون کو کیسے انکار کریں۔

"دیکھیں میرا بھانجا بہت ہی خوش اخلاق اور ملنسار ہونے کے ساتھ خوش شکل ہے، باقی خاندان کے بارے میں تو آپ کو پتا ہی ہوگا۔" وہ چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولیں۔

"نہیں..... نہیں اسری بہن، آپ کو یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں، ماشاءاللہ آفاق میاں کی تعریف کرنا گویا سورج کو چراغ دکھانے والی بات ہوگی۔" ریحانہ نے گرما گرم کباب کی پلیٹ بڑھاتے ہوئے تصدیق کی مہر لگائی۔

"شکریہ..... ریحانہ بس اور نہیں لینا۔" اسری نے تکلف سے ٹشو سے ہونٹ پونچھتے ہوئے انکار میں سر ہلایا۔

"آپ اور کباب لیں گے؟" ریحانہ بہانے سے شوہر کے قریب جا کر کھڑی ہوئیں۔

"نہیں رہنے دیں۔" بہزاد عجیب شش و پنج میں مبتلا ہوگئے، اس دور میں اتنے اچھے رشتے سے انکار کرنا بے وقوفی کی علامت تھی مگر فائز۔

"بہت ہی اچھا گھرانا ہے۔ ایک چھوٹی بہن ہے، مزید کوئی بکھیڑا نہیں، سفینہ تو عیش کرے گی۔" ریحانہ نے سرگوشی میں شوہر کو جتانا چاہا، جو کھوئے کھوئے سے بیٹھے تھے۔

"اچھا بھائی تو پھر آپ کب تک جواب دیں گے۔" اسری جو آج منگنی کی تاریخ طے کرنے کے ارادے سے آئی تھیں، تھوڑا مایوس ہو کر پوچھا۔

"میں اپنے بڑے بھائی اور بھابی سے مشورہ کرلوں اس کے بعد جواب دوں گا۔" بت بنے بہزاد خان میں حرکت پیدا ہوئی، انہوں نے اسری کی جانب دیکھ کر بہانہ بنایا۔

"پتا نہیں سفینہ میں ایسی کیا بات ہے کہ وہ مجھے اتنی عزیز ہوگئی کہ مجھے لگا کہ میری مرحومہ بہن کی گدی سنبھالنے کی اہل یہ لڑکی ہی ہوگی۔" اسری نے ہنستے ہوئے کہا اور بیگ اٹھا کر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آپ کی عزت افزائی ہے، بہن۔" بہزاد بھی ان کے خلوص کے قرض دار ہوگئے۔

"بس آپ ایک بار ہاں کردیں تو میرے دل کو سکون ملے گا۔" اسری نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ایک بار پھر زور دیا۔

"جی بہن..... دعا کریں اللہ وہ کرے، جو ہمارے بچوں کے حق میں بہتر ہو۔" بہزاد نے آسمان کی جانب دیکھ کر کہا۔ اسری نے اجازت طلب کی۔

بہزاد نے متانت سے سرہلا کر انہیں رخصت کیا، ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"بہزاد..... آپ اللہ کی ناشکری کر رہے ہیں۔" شوہر سے شکوہ کرتے ہوئے ریحانہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"ارے پگلی رو کیوں رہی ہو۔" بہزاد نے ان کا کاندھا تھپتھپا کر تسلی دینا چاہی۔
"ہاں تو کیا کروں لوگ بیٹیوں کے اچھے رشتوں کے لیے دعائیں مانگ مانگ کر تھک جاتے ہیں اور یہاں......" ان کا گلا خشک ہونے لگا تو لمحہ بھر کو خاموش ہوگئیں۔
"یہ بات تو سچ ہے ریحانہ میں نے کبھی اس انداز سے سوچا نہیں تھا۔" بہزاد نے اعتراف کیا، وہ آفاق کے بارے میں سن کر کافی متاثر ہوئے تھے۔
"میں تو اپنے مالک کا جتنا شکر ادا کروں اتنا ہی کم ہے۔" ریحانہ کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔
"واقعی رشتہ تو بہت اچھا ہے، انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں نکل رہی ہے۔" انہوں نے بیوی کو دیکھ کر سر ہلایا۔
"اسریٰ بہن کہہ رہی تھیں کہ اگر آپ رضامندی دیں تو پورے رسم و رواج سے رشتہ طے کریں گی۔" ریحانہ نے شوہر کو نرم پڑتا دیکھا تو جلدی سے بتایا۔
"ہونہہ...... ٹھیک ہے جلال بھائی سے بات کرنا پڑے گی۔" بہزاد خان نے دھیرے سے کہا تو ریحانہ فاتحانہ انداز میں مسکرادیں۔

❀ ❀ ❀

ماں کا فون ریسیو کرتے ہوئے شکیل کو کوفت نے آگھیرا، دلشاد کی وہی باتیں اور ویسے ہی تقاضے، وہ اپنی نئی دنیا میں سیٹ ہوچکا تھا، جس میں اماں کی گنجائش ہی نہیں نکل پارہی تھی۔
"اماں کتنی بار پوچھو گی بتایا نا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" شکیل نے ماں کے پے در پے سوالات سے جان چھڑانا چاہی۔
"بچے...... کیا اب تیرے پاس ماں کے لیے دس منٹ بھی نہیں بچتے؟" دلشاد روٹھی ہوئیں۔
"اُفوہ اماں جی...... ناراض کیوں ہوتی ہیں، یہاں سب ٹھیک ہے۔" شکیل کو اپنے تلخ لہجے پر افسوس ہوا۔
"وہ جادوگرنی کیسی ہے؟" اپنے مخصوص انداز میں بہو کا ذکر چھیڑا۔
"ہاں آپ کی بہو بھی ٹھیک ہے، بہت یاد کرتی ہے۔" شکیل نے جلدی سے تصحیح کی۔
"یہ بات تو میں اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ وہ مجھے کتنا یاد کرتی ہوگی۔" دلشاد نے ٹھٹھا مارا۔
"اچھا باجی اور بھائی صاحب کا کیا حال ہے۔" شکیل نے فون کو دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا اور بات بدلی۔
"ہوں...... ہاں وہ سب ٹھیک ہیں۔" دلشاد نے پان کو کلے میں دباتے ہوئے بتایا۔
"ان کی طرف جانا تو میرا سلام کہنا۔" شکیل نے اپنا فرض ادا کیا۔
"اب جانے کی کیا ضرورت ہے وہ سب تو خود یہاں موجود ہیں، ابھی کہہ دیتی ہوں۔" دلشاد کا لہجہ بڑا خوشگوار ہوا۔
"کیا مطلب؟" شکیل بھونچکا ہوا۔
"آئے میں سائرہ کو اپنے گھر ہی لے آئی۔" ان کا اطمینان بیٹے کو جلا گیا۔
"اچھا مگر ان کا سسرال والا گھر تو کافی بڑا ہے۔" شکیل نے پوچھا۔
"ہاں مگر وہاں رہنے والوں کے دل بہت چھوٹے تھے، بچی کا جینا مشکل کردیا تھا بس اسی لیے۔" دلشاد نے اپنے تئیں بیٹے کی ہمدردی حاصل کرنا چاہی۔
"پھر بھی باجی کو کم از کم اپنا گھر چھوڑ کر میکہ آباد نہیں کرنا چاہیے تھا۔" شکیل نے خاصہ برا مانتے ہوئے جتایا۔
"ہائے اللہ تجھے ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آئی خود جو گھر داماد بنا سالوں کے در پر پڑا ہوا ہے۔" دلشاد نے بیٹے

ادب کے افق پر چمکتا ستارہ

کامیابی کی پہلی منزل خوب صورتی سے طے کرتے ہوئے
کم وقت میں اپنی پہچان اور اپنا مقام بنانے میں کامیاب ٹھہرا

نومبر 2015ء سے اپنے سفر کا آغاز کرنے والا ماہنامہ حجاب
نومبر 2016ء میں کامیابی کا پہلا سال مکمل کرتے ہوئے
آپ لوگوں کی دعاؤں سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے
حجاب کی سالگرہ نمبر میں دیکھئے اپنی پسندیدہ مصنفین کی تحریریں
ساتھ ہی ملک کے نامور شعراوادیبوں سے ملاقات
اس کے علاوہ جو آپ چاہیں اپنی آراہمیں فوراً ارسال کریں

کہیں دیر نہ ہو جائے، آج ہی اپنی کاپی ہاکر سے بک کرالیں

کی طبیعت صاف کرنا چاہی۔

''بہت شرم آتی ہے، اسی لیے فیصلہ کیا ہے کہ یہ گھر بیچ کر ان پیسوں سے یہاں کچھ کرلوں۔'' شکیل کے ذہن نے جلدی سے ترکیب لڑائی۔

''اچھا اور ماں کو سڑک پر بٹھا دے گا۔'' دلشاد کا طیش کے مارے برا حال ہوا۔

''آپ باجی کے گھر شفٹ ہوجایئے گا۔'' آسان ساحل پیش کردیا۔

''کم بخت، کم ذات نانجار وہاں جا کر شرم بیچ کھائی...... '' وہ حلق کے بل چلائیں، شکیل کے ہاتھ سے فون چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

''کیا ہوگیا اماں۔'' شکیل تھوڑا گھبرایا۔

''آج تو یہ بات کہہ دی، آئندہ ایسا سوچا بھی تو گدی سے زبان کھینچ لوں گی۔'' ان کا جلال کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

''کیوں ابا کے اس مکان پر کیا میرا کوئی حق نہیں؟'' شکیل نے احتجاج کیا۔

''یہ گھر تمہارے باپ نے مرنے سے پہلے میرے نام کردیا تھا، کسی ٹرسٹ کے نام لکھ جاؤں گی، تمہیں اس کی ایک اینٹ بھی نصیب نہ ہوگی آئی سمجھ۔'' دلشاد کی دھمکی پر شکیل نے گھبرا کر لائن ہی کاٹ دی۔

❁......❁......❁

وہ سفینہ کے خیالوں میں گم، اکیلے میں بیٹھا مسکرا رہا تھا، اس نے جب سے اسری خالہ کو شادی کے لیے ہاں بولی تھی، اس کی تنہائی سفینہ کی یادوں سے آباد ہوگئی تھی۔ دل جیسے اطمینان سے بھر گیا تھا، جانے کیوں اسے یقین تھا کہ سفینہ روشنی کو سنبھال لے گی۔ دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے چونکایا۔

''بھائی میں آجاؤں؟'' روشنی نے سر نکال کر پوچھا۔

''آؤ نا روشنی......رک کیوں گئی؟'' آفاق شاہ نے چونکتے ہوئے خیر مقدمی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔

''بھائی آپ کیسے ہیں؟'' روشنی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ وہ اپنی بات کیسے شروع کرے تو حال احوال پوچھنے بیٹھ گئی۔

''میں تو ٹھیک ہوں تم سناؤ کہاں تھیں۔'' انہوں نے بہن کو اپنے برابر میں بیٹھنے کی جگہ دی اور محبت سے سوال کیا۔

''میں تو یہیں ہوں مگر آپ خیالوں کی دنیا میں کہیں دور پہنچے رہتے ہیں۔'' روشنی نے دبی دبی چوٹ کی۔

''ایسا تو نہیں ہے بیٹا۔'' وہ سنبھل کر بولتا ہوا اسے دیکھنے لگا۔

''بھائی میری دنیا میں تو اب آپ کے علاوہ کوئی نہیں مگر......'' روشنی گہری سنجیدگی سے کہتے کہتے رکی۔

''مگر کیا؟'' آفاق چونکا۔

''کچھ نہیں چھوڑیں میں نے کچھ بولا تو خالہ ناراض ہوں گی۔'' روشنی ہونٹ لٹکا کر بولی۔

''او......لگتا ہے کہ خالہ نے پھر کلاس لگائی ہے۔'' وہ نارمل ہوتے ہوئے ہنسا۔

''ہاں سب مجھے ڈانٹتے ہیں کیوں کہ اب کوئی مجھ سے پیار نہیں کرتا۔'' روشنی نے نمناک آنکھوں سے بھائی کو دیکھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ویسے بھی میری جان بھی تو میری پیاری بہنا میں اٹکی ہے۔'' آفاق نے اسے اپنے بانہوں کے گھیرے میں لیتے ہوئے نرمی سے ماتھا چوم لیا۔

''آئندہ ایسا نہیں ہونے والا۔'' وہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئی۔

''تم ایسی الٹی سیدھی باتیں کیوں سوچتی رہتی ہو ہاں۔'' آفاق کو اس پر ترس آیا، اسے سمجھانے لگا۔

''کیا کروں جو کچھ ہونے جارہا ہے، اس کا خوف مجھے پریشان رکھتا ہے۔'' وہ دکھی لہجہ بنا کر بولی۔
''کیا..... کیا ہونے جارہا ہے؟'' آفاق شاہ نے نہ سمجھ میں آنے والی نگاہوں سے بہن کو دیکھا۔
''تم دونوں یہاں چھپے بیٹھے ہو ہاں۔'' اسی وقت اسریٰ نے چھاپہ مارا بڑے خوش گوار انداز میں بولتے ہوئے روشنی کو کھوجتی نگاہوں سے دیکھا۔
''ہاں خالہ آیئے نا۔'' آفاق انہیں منتظر نگاہوں سے دیکھتا ہوا، اٹھ کھڑا ہوا، جانتا تھا کہ وہ سفینہ کے گھر سے آئی ہیں۔
اسریٰ اسے وہاں کی تفصیلات بتانے لگی، روشنی نے دکھی ہو کر ان دونوں کو باتوں میں مگن دیکھا اور چپ چاپ کمرے سے نکل گئی۔ ایک دم آفاق کو بہن کی غیر حاضری کا احساس ہوا، ایک پھانس سی اس کے دل میں گڑ گئی۔

❁.....❁.....❁

''دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔'' شرمیلا نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بیڈ پر اپنا پرس پھینک کر سوچا۔
''اگر نبیل نے مجھے سچ مچ دھوکا دیا تو کیا میں سہہ پاؤں گی۔'' آئینے کے سامنے اپنا میک اپ اتارتے ہوئے کھو گئی۔
''شاید مشکل ہوگا یا شاید آساں۔'' کلینزنگ ملک ہتھیلی پر نکالتے ہوئے اندر سے متضاد جواب آیا۔
''جب میں اسے چھوڑ سکتی ہوں تو پھر کسی اور کی کیا حیثیت۔'' بہت دنوں بعد اسے احساس ہوا کہ اس کی زندگی میں جو مقام فائز کا ہے، کسی دوسرے کا نہیں۔
''اور لوگ بھی تو زندہ رہتے ہیں دھوکے کھاتے ہیں اور ازسرنو زندگی کی شروعات کرتے ہیں۔'' شرمیلا نے چہرے کا مساج کرتے ہوئے خود کو تسلی دی۔
''مگر میں جانتی ہوں زندہ رہنے اور جینے میں کتنا بڑا فرق ہے۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ ڈھلک کر گال پر پھسلا۔
''فائز کے بناء میں جی نہیں رہی بس زندہ ہوں۔'' وہ ایک دم ہچکیوں سے روتی چلی گئی۔
''شاید نبیل کی ذات میں چھپ کر جینے کی کوشش کر رہی ہوں۔'' شرمیلا نے بڑی مشکل سے یہ اعتراف کیا اور سسکاری بھری۔
''اور میں کبھی بھی فائز کو اس بات کی خبر نہیں ہونے دوں گی کہ وہ نہیں تو کوئی دوسرا نہیں۔'' اس نے ٹشو سے چہرہ پونچھتے ہوئے اپنے دل کو ایک بار پھر سخت کرلیا۔
''فائز..... تم کیا سمجھتے ہو۔ اگر تم میرا ساتھ نہیں دو گے، تو کیا میری دنیا ختم ہوجائے گی؟'' شرمیلا نے سرگوشی کی۔
''نہیں بالکل نہیں بہت سے اور بھی ہیں جو میری چاہت کا دم بھرتے ہیں۔'' اس نے یوں تفاخر سے جتایا جیسے فائز اس کے مقابل آکھڑا ہو۔

❁.....❁.....❁

''فائز..... فائز.....'' وہ آفس سے واپس آکر بستر پر آرام کے لیے لیٹا ہی تھا کہ اچانک سائرہ نے دروازے پر کھڑے ہو کر بیٹے کو پکارا اور پھر اندر داخل ہو گئیں۔
''کیا ہوا امی..... سب خیریت تو ہے؟'' وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور مسکرا کر ماں کا استقبال کیا۔
''ہاں بس ایک پھانس سی دل میں گڑی جا رہی تھی، سوچا تم سے بات کرکے اسے نکال پھینکوں۔'' سائرہ نے بیڈ کے سامنے بچھی کرسی پر بیٹھنے کے بعد کہا۔
''ایسی کیا بات ہوگئی؟'' وہ چونکا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ ریحانہ جیسی گھمنڈی عورت کے پاس جاکر کیسے سفینہ کا ہاتھ دوبارہ مانگوں؟" ان کے منہ سے الفاظ پھسل پھسل گئے۔
"ممی......اس میں کون سی بڑی بات ہے۔ وہ کوئی غیر تھوڑی ہیں۔" فائز کا دل خوشی سے اچھل پڑا، مگر سنجیدہ شکل بنا کر کہا۔
"اگر بات صرف میری ہوتی تو میں پروا بھی نہیں کرتی۔ لیکن......" وہ بولتے بولتے تھم گئیں۔
"لیکن کیا؟" فائز نے بے چینی سے پوچھا۔
"اگر ریحانہ نے انکار کردیا تو جلال کی طبیعت پر برا اثر پڑے گا۔" سائرہ نے تھکے تھکے لہجے میں بیٹے سے کہا۔
"آپ اتنی منفی باتیں کیوں سوچ رہی ہیں۔" فائز ماں کے اندیشوں پر جزبز ہوا۔
"کیا کروں تمہارے ددھیال والوں کی طرف سے ہمیشہ برا ہی ملا ہے تو پھر اچھا کیسے سوچوں؟" سائرہ بیگم نے مظلوم بننے کی ناکام کوشش کی۔
"ممی پلیز اگر ہم ماضی سے نہیں نکلیں گے تو مستقبل کے بارے میں کیسے سوچیں گے۔" وہ ماں کا ہاتھ سہلاتے ہوئے سمجھانے لگا۔
"ویسے تمہیں کیا لگتا ہے ریحانہ مان جائے گی؟" انہوں نے بیٹے کی جانب دیکھ کر رائے طلب کی۔
"میں کیا کہہ سکتا ہوں مگر یہ پتا ہے کہ ابھی جو رشتہ آیا ہوا ہے اس پر بہزاد چاچا اور چاچی میں ٹھنی ہوئی ہے۔" اس کے منہ سے غلط فقرے نکل گئے۔
"اچھا ان باتوں کی تمہیں کیسے خبر ہوئی؟" سائرہ نے بیٹے کو بغور گھورا وہ گھبرا گیا۔
"وہ بس اتفاق سے میں اس دن ان کی طرف گیا ہوا تھا، جب وہ دونوں اس معاملے پر بحث کررہے تھے۔" فائز نے جلدی سے بہانہ گھڑا۔
"اوہ میں سمجھی کہ تم اور سفینہ......خیر۔" سائرہ نے شک بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بات ہونٹوں تلے دبالی۔
"ممی......آپ نے پھر شک کرنا شروع کردیا نا۔" فائز نے غصہ دکھایا۔
"نہیں بیٹا میں تو اس لیے پوچھ رہی تھی کہ اگر تم سفینہ سے بات چیت کرتے ہوگے تو ان کے اندر کی بات اگلوا لو گے۔" سائرہ نے جلدی سے بات بنائی۔
"اب میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ سفینہ میرے علاوہ کسی اور سے شادی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔" فائز دل میں سوچتے ہوئے مسکرادیا۔
"تو پھر کب چلیں؟" بیٹے کو کھویا کھویا پاکر، سائرہ کا انداز سوالیہ ہوا۔
"آں......ایک دو دن میں چلتے ہیں۔" فائز نے گڑبڑا کر جواب دیا۔
"چلو ٹھیک ہے۔" سائرہ نے اثبات میں سر ہلایا۔
"ممی کو لے جانے سے پہلے سفی سے بات کرنا ضروری ہے۔ خان ہاؤس تک جانے کی راہ ہموار کرنے لیے اس کا تعاون ضروری ہے۔" وہ دل میں منصوبہ بندی کرنے لگا۔
"میں چلتی ہوں اب تم آرام کرو۔" سائرہ نے بیٹے کے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور باہر نکل گئیں۔
"اوکے ممی۔" فائز نے منہ پر تکیہ رکھا اور سفینہ کے سپنوں میں کھو گیا۔

نبیل دو دفعہ اس کے کالج کے باہر آیا مگر شرمیلا نے اسے بالکل لفٹ نہیں کرائی۔ وہ اس دن سے نبیل سے کترا رہی تھی، اس لیے جب اس کے چلے جانے کا یقین ہوتا، اس کے بعد ہی کالج سے باہر نکلتی، مگر اس دن چوک ہوگئی، وہ چھٹی کے بعد تیز قدموں سے بس اسٹاپ کی طرف چلی جارہی تھی مگر نبیل نے اچانک کونے سے نکل کر استحقاق سے اس کا بازو تھام لیا۔

"ہائے اللہ......." اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

"شرمیلا گھبراؤ نہیں یہ میں ہوں۔" نبیل نے مسکرا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کیا بات ہے۔" وہ ایک دم ٹپٹائی۔

"تم سے ملنا تھا۔ بس اس لیے چلا آیا۔" بڑے پیار سے بولا، اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" اس نے طنز فرمایا۔

"ہاں کیوں؟" وہ دلکشی سے مسکرایا۔

"بس۔" اس نے نروٹھے پن سے آگے کی جانب قدم بڑھائے۔

"یار ایک بات تو بتاؤ تم مجھے اتنا اگنور کیوں کررہی ہو؟" نبیل نے اس کے برابر چلتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"تمہیں کیوں اگنور کروں گی؟" وہ دوسری جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"اس بات کا جواب تو تمہارے پاس ہے۔" نبیل نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھلا کیا پتا۔" شرمیلا نے مذاق اڑاتے ہوئے نبیل کو بغور دیکھا، کچھ تو ہوا تھا، وہ وہ نہیں تھا۔

"اچھا یار معاف کردو۔" وہ خاصہ تھکا تھکا سا لگا۔

"کس لیے..... تم نے ایسا کیا کیا ہے؟" وہ پھر انجان بنی۔

"اس دن شادی میں تمہیں دیکھ کر انجان بن گیا بعد میں خود کو بہت کوسا۔" سچائی سے اعتراف کیا۔ شرمیلا کچھ کہے بناء اسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔

"تمہیں پتا نہیں کہ میں کن اذیتوں سے دوچار ہوں۔" نبیل کی بڑھی ہوئی شیو، ملجگہ لباس اس کی حالت کی ترجمانی کررہا تھا۔ "کاش تم مجھے سمجھ لو۔" وہ مڑتے ہوئے دکھی انداز میں بولا اور تیز قدموں سے اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔ شرمیلا حیرت زدہ سی منہ کھولے اسے جاتا دیکھتی رہی، سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اچانک نبیل کا رویہ اتنا چینج کیسے ہوجاتا ہے۔

❁.......❁.......❁

علی مراد کو شروع سے تعلیم سے کچھ خاص رغبت نہ تھی، ان کا شوق عملی سیاست میں حصہ لینے اور اپنے باغات کی پیداوار بڑھانے سے منسلک تھا مگر نبیل کی ضد پر اسے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے شہر کی یونیورسٹی بھیجنا پڑا۔ بیٹے کے جانے سے حویلی کی تمام رونقیں ماند پڑ گئیں تو وہ ہر دوسرے دن کال کرکے اسے بلانے لگے مگر آہستہ آہستہ اس کے بناء رہنے کی عادت ڈال لی۔ نبیل شروع سے بہت ذہین تھا، اس نے تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مارکیٹ کا اندازہ لگایا اور شہر میں بھی باپ کے کاروبار کو وسعت دینے کا پکا ارادہ کرلیا۔ اسی کوشش میں وہ اپنی تمام توانائیاں صرف کرنے لگا۔ نبیل نے نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات ہر وقت بس کاروباری داؤ پیچ میں اُلجھا رہتا۔ شروع میں تو کچھ اچھا رسپانس نہ ملا مگر پھر اس کی محنت کا صلہ ملنے لگا، علی مراد بھی خوش ہوگئے جب بیٹے نے گاؤں کے مقابلے میں شہر سے دگنا منافع کما کر دیا۔ علی مراد کی بھی آنکھیں پھٹ پڑیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ پیسے کی ہوس بھی بڑھنے لگی، ویسے بھی لالچ کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ اس

لیے بینک بیلنس کے بڑھتے ہوئے ہندسے ان کے لیے باعث طمانیت تھے۔نبیل نے بھی باپ کی توقع سے بڑھ کر شہر میں اپنا نام کمایا وہ بہت جلد ترقی اور کامیابی کی منزلیں طے کرتے ہوئے عزت کی بلندیوں تک پہنچ گیا۔ باپ ان پڑھ تھا، پرانے انداز میں کاروباری معاملات کو چلانا چاہتا مگر تعلیم کی پالش اور نبیل کی وجاہت کے ساتھ ساتھ بات کرنے کے انداز سے سامنے والا مرعوب ہو جاتا۔ کچھ قسمت بھی اس کا ساتھ دینے پر تل گئی، مٹی میں بھی ہاتھ ڈالتا تو سونا بن جاتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مختلف، جیم، جوسز اور سافٹ ڈرنک کی کمپنیوں نے ان سے پھلوں کی خریداری کا معاہدہ کرلیا۔ علی مراد کے پھلوں کے باغات اور فارم ہاؤس کا سلسلہ شہر سے گاؤں تک وسیع ہوتا چلا گیا سکینہ بیٹے کو پھلتا پھولتا دیکھ کر خوش ہوتیں اور علی مراد اپنی نوکیلی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے فخریہ انداز میں گاؤں کے چوپال میں سب سے نبیل کی فرماں برداری کی قصیدہ گوئی میں مصروف ہو جاتے۔

سکینہ کے دل میں اب بیٹے کا گھر بسانے کی آرزو مچلنے لگی، شوہر کی توجہ اس طرف دلائی، علی مراد نبیل کی شادی اپنے سے بڑے زمیندار گھرانے میں کرنے کے خواہاں تھے، مگر وہ کسی بھی طرح راضی نہیں ہو رہا تھا، اس بات پر انہیں پچھتاوا ہوا کہ اس اتھرے گھوڑے کو اتنی ڈھیل ہی کیوں دی کہ وہ ان کو ہی ہاتھ دھرنے نہیں دے رہا۔ اگر کم عمری میں ہی نبیل کی پکڑ کر شادی کر دیتے تو آج یہ دن دیکھنے کو نہ ملتے۔

نبیل بھی کیا کرتا، شہر میں اکیلا تھا اس پر دولت کی ریل پیل، کاروباری تھکا دینے والی روٹین سے اکتا جاتا تو صنف نازک سے دوستی کا مشغلہ اپنا لیا۔ اکبر نے علی مراد کو بروقت چھوٹے صاحب کی رنگین آنچلوں کے سائے تلے وقت گزارنے کی تمام سرگرمیوں سے آگاہ کر دیا، مگر علی مراد نے اس بات کو اتنی اہمیت نہ دی۔ ایسی باتیں تو ان کے خاندان کے مردوں کا شیوہ رہی ہیں۔ جب تک معاملہ دل لگی تک محدود رہا، علی مراد نے صرف نظر سے کام لیا، مگر جیسے ہی بات دل کی لگی تک جا پہنچی، ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے نبیل کو بلا کر سرزنش کرنا چاہی مگر زندگی میں پہلی بار وہ باپ کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا، علی مراد نے بظاہر پسپائی اختیار کی مگر پیچھا نہیں چھوڑا۔ اکبر خان کو ہر وقت بیٹے کے ساتھ چپکے رہنے کی تاکید کرنے کے بعد اس کی شادی کے اسباب کرنے میں جت گئے۔

❁ ❁ ❁

"لڑکی غور سے سنو۔" فائز نے سفینہ کے کال ریسیور کرنے کے بعد چھوٹتے ہی کہا۔

"جی جناب...... سن رہی ہوں۔" اس نے موبائل کانوں سے چپکا لیا۔

"میں نے اپنے حصے کا کام بڑی سمجھداری سے انجام دے دیا ہے۔" وہ اترا کر بولا۔

"کون سا کام؟" سفی نے حیرت سے پوچھا۔

"بھئی ممی چاچی سے بات کرنے کو تیار ہیں۔" اس نے اپنے تئیں، بڑی خبر سنائی۔

"کون سی بات۔" اب کی بار تجاہل عارفانہ سے کام لیا گیا۔

"یہ ہی کہ بینگن کی بھجیا کیسے پکائی جاتی ہے۔" وہ چڑ کر بولا۔

"کیا...... یہ ہم دونوں کی شادی کی بات کے بیچ میں بینگن جیسی غیر شاعرانہ سبزی کہاں سے آ گئی؟" وہ جل کر بولی۔

"ہا...... ہا...... پکڑی گئی نا۔" فائز نے زوردار انداز میں قہقہہ لگایا۔

"توبہ۔" وہ جھینپ اٹھی اور کان چھوئے۔ دونوں کے بیچ خاموشی در آئی۔

"میں ایک دو دن میں ممی کو لانا چاہ رہا ہوں۔" فائز نے خوش خبری سنا دی۔

"سچ تائی اماں راضی ہو گئیں؟" اس کا لہجہ مسرت سے بھر گیا۔

"بڑے پاپڑ بیلے ہیں تب کہیں جا کر یہ مشکل کام سر انجام ہوا ہے۔" وہ شرارتی لہجہ میں اپنی اہمیت بڑھانے لگا۔
"اچھا تو جناب کو پاپڑ بیلنے بھی آتے ہیں۔" سفینہ نے سیل فون کو یوں گھورا جیسے سامنے فائز کھڑا ہو۔
"ایک بار شادی ہو جانے دو سارے جوہر کھل کر سامنے آجائیں گے۔" فائز کی شوخیوں پر اس کا دل مسکرا اٹھا۔
"چلیں تو پھر مجھے بڑی آسانی رہے گی۔" وہ بھی شرارت پر آمادہ تھی، مگر وہ سنجیدہ ہو گیا۔
"سفی جان بڑی مشکلوں سے مرحلہ یہاں تک پہنچا ہے۔ اب آگے تم کو ہی ہمت کرنی ہے۔" اس کے لہجے کا مان، سفینہ کو اپنی قسمت پر رشک آیا۔
"ہونہہ ویسے تائی اماں نے کہا کیا؟" سفینہ کو تجسس نے گھیرا، وہ سڑ گیا اس کے سوال جواب بھی کبھی برے لگتے تھے۔

شرمیلا سے معذرت کے بعد بھی نبیل کافی دنوں تک اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتا رہا، اسے مہنگی سی مہنگی شاپنگ کرائی، بہت اعلیٰ جگہ پر لنچ کے لیے زبردستی لے گیا اور آخر وہ ہار گئی ایک بار پھر اس پر اعتماد ہونے لگا، نبیل کی محبت کا یقین کر کے سپنے دیکھنے لگی، مگر اس کا دل ڈرتا تھا کہ ہمیشہ کی طرح، پھر کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ وہ واپس اسی جگہ پر لوٹ جائے جہاں سے چلی تھی۔ سانپ سیڑھی کہ اس کھیل نے اس کے اندر کے اعتماد اور یقین کو ڈس لیا تھا۔ وہ نبیل کی باتوں کو سن کر مسکراتی رہتی مگر اندر سے ڈرتی کہ جانے وہ کس مقام پر ساتھ چھوڑ جائے۔ ویسے بھی صائمہ نے آج کل کال کر کے اسے مزید پاگل بنایا ہوا تھا۔ اس کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ نبیل سے ہر تعلق توڑ لو دوسری جانب نبیل بھی اسے صائمہ سے دور رہنے کے مشورے دے رہا تھا۔ شرمیلا سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ کس کا اعتبار کرے اور کس کو جھوٹا سمجھے۔

"ممی نے کہا کہ فائز بیٹا سفینہ سے پوچھو کہ کیا وہ، اپنی ماں کو منا سکتی ہے؟" اس نے ہونٹ چبا کر اپنی طرف سے بات گھڑی۔
"ہائیں کیا مطلب؟" ایک اور سوال آیا۔
"مطلب ممی کو ڈر ہے کہ کہیں چاچی انکار نہ کر دیں۔" اس نے سمجھایا۔
"یہ تو ہے۔" سفینہ کے لہجے میں اداسی چھا گئی۔
"ویسے ممی کو یقین ہے کہ تم اپنی محبت کے لیے سب سے ٹکرا سکتی ہو۔" ایک اور جھوٹ گھڑا۔
"کیا سچ؟" سفینہ نے دھڑکتے دل پر قابو پاتے ہوئے تصدیق چاہی۔
"نہیں جھوٹ۔" وہ پھر کھلکھلایا تو سفینہ کنفیوز ہو گئی۔
"ویسے ممی یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ اگر وہاں سے انکار ہوا تو سفینہ کو تمہارے جیسا دوسرا کوئی ہینڈسم، اسمارٹ اور ڈیشنگ لڑکا نہیں مل سکے گا۔" فائز نے اپنی بڑائیاں مارنی شروع کی تو وہ اس کے مذاق کو سمجھ گئی۔
"آپ کو بھی ایک اطلاع دینی تھی۔" سفینہ نے بھی پینترا بدلا۔
"ہاں..... ہاں ضرور۔" فائز نے سیل فون دوسرے کان سے لگایا۔
"وہ جو شہر کے مشہور امیر کبیر گھرانے سے میرا رشتہ آیا ہوا ہے نا وہ لوگ فوری شادی پر زور دے رہے ہیں۔" سفینہ نے مصنوعی اُداسی طاری کرتے ہوئے خبر سنائی۔ فائز ایک دم خاموش ہو گیا، یوں لگا جیسے بولنے کے لیے اس کے پاس کچھ بچا ہی نہ ہو۔

"دنیا میں سب ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔" بتول کی آنکھیں نم ناک ہوئیں، ذہن میں بار باران باتوں کی بازگشت ہورہی تھی۔

"کسی کو کسی کی پروانہیں ہوتی بس دولت کی ہوس، پیسے کے پجاری۔" انہیں پہلی بار اپنی غربت پر افسوس ہوا، ہونٹ بھینچ کر سسکاری روکی۔

"امی......!" شرمیلا کی آواز نے اُن کی سوچوں کے تسلسل کو توڑا۔

"ہاں۔" وہ ایک دم چونک کر بیٹی کو گھورتی چلی گئیں، جو ڈرتے ڈرتے کمرے میں داخل ہوئی۔ نبیل نے کچھ خاص بات کرنے کے لیے بڑی منتوں کے بعد اسے ملنے کے لیے بلایا تھا۔ شرمیلا نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے ملنے کو تیار ہوگئی۔

"کیا ہوا بیٹا؟" شرمیلا کو خیالوں میں کھویا دیکھ کر بتول نے شیریں لہجے میں پکارا۔

"مجھے ذرا ایک سہیلی سے ملنے جانا ہے۔" شرمیلا نے لب کاٹتے ہوئے اجازت مانگی۔ وہ سبز لباس میں آسمان سے اتری پری لگ رہی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" خلاف توقع بتول نے بیٹی کو مسکراہٹ سے نوازا، کوئی بازپرس نہ کی۔

"اچھا ایک اور بات کہنی تھی۔" شرمیلا نے جھجکتے ہوئے ماں کو دیکھا۔

"ہاں کہو۔" بتول کے لہجے میں جانے کہاں سے اتنا سکون اتر آیا، حالاں کہ اندر سے وہ بہت بے سکون تھیں۔

"وہ مجھے تھوڑی دیر ہوسکتی ہے۔" اس نے دبی دبی آواز میں اطلاع فراہم کی۔

"چلو کوئی بات نہیں۔" بتول نے سر ہلا کر جواب دیا اور تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئیں۔

"اچھا تو پھر میں چلتی ہوں۔" شرمیلا پہلے تو ششدر سے ماں کو دیکھتی رہی جو منہ موڑے لیٹی ہوئی تھی، پھر ہمت کر کے بولی۔ ابھی وہ دروازے کی جانب بڑھی تھی کہ، مڑ کر ماں کو دوبارہ دیکھا، بتول کا رویہ اسے الجھا رہا تھا۔

"بیٹا ایک بات سننا۔" بتول نے جانے کیوں بیٹی کو پکارا۔

"جی امی کیا ہوا؟" وہ جو کمرے کے دروازے سے نکلنے والی تھی، واپس پلٹ کر ابھی ابھی ماں کے قریب آ کر کھڑی ہوگئی۔

"اپنے دوست سے پوچھنا کہ وہ تم سے شادی بھی کرے گا یا ایسے ہی پورا شہر گھماتا پھرے گا۔" بتول نے نرمی سے کہا اور دوبارہ لیٹ گئی، شرمیلا نے نظریں اُٹھا کر سامنے لیٹی ماں کو دیکھا، جن کے جواب نے اُسے پتھر کا کر دیا تھا۔

❁......❁......❁

"ہیلو...... ہیلو آپ سن رہے ہیں نا؟" سفینہ نے کچھ دیر بعد زور زور سے پکارنا شروع کر دیا، افسوس ہوا کہ ایسی دل دکھانے والی بات کیوں کی۔

"ٹھیک ہے پھر تو تم اسی امیر زادے سے شادی کرلو مجھ جیسا غریب تمہیں کیا دے سکتا ہے۔" فائز کا لہجہ خشک سا ہوا۔

"اللہ نہ کرے۔ اگر ایسا ہوا تو میری جان ہی نکل جائے گی۔" فون اس کے ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا، تیزی سے بولی۔

"اس دور میں کون کسی کے لیے مرتا ہے؟" وہ ایک دم اجنبی بن گیا، مذاق سفینہ کو مہنگا پڑ گیا تھا۔

"میری چاہت تو ایسی ہے کہ آپ کے بغیر سانس لینے کا تصور بھی مشکل ہوتا ہے اور آپ کو یقین ہی نہیں۔" سفینہ روتے ہوئے بولی۔ "میں تو مر کر بھی دکھا سکتی ہوں۔" وہ روتے ہوئے ہلکان ہونے لگی تو فائز کے دل کو کچھ ہوا۔

"سفی دیکھو، چپ ہو جاؤ، مت روؤ۔" وہ ایک دم پریشان ہو گیا، اتنی دور سے اسے کیسے چپ کرائے۔
"آپ بہت خراب ہیں میرے ساتھ ہمیشہ ہی ایسا کرتے ہیں۔" سفینہ کو جانے کون کون سی باتیں یاد آنے لگیں، شکوہ کیا۔
"سفی جان۔" اس نے منانے کے لیے نرمی سے پکارا۔
"نہیں آپ کو مجھے دکھ دینا اچھا لگتا ہے نا؟" اس نے الٹا سوال کیا۔
"اچھا بابا سوری تم جانتی ہو کہ مجھے ہر بات برداشت ہے سوائے تمہارے رونے کے۔" وہ پیار سے بولا۔
"جائیں میں بات نہیں کرتی۔" سفینہ کے منہ سے سسکی نکلی۔
"پلیز...... جاناں میری خاطر۔ چپ ہو جاؤ نا۔" فائز کا بس نہیں چل رہا تھا، اڑ کر آئے اور اس کے آنسو اپنی پوروں سے چن لے۔
"اچھا تو پھر آئندہ کبھی ایسی بات کریں گے؟" سفینہ کا دھمکاتا لہجہ اسے ہمیشہ بہت بھاتا تھا، مسکراہٹ دبیز لبوں کو چھو گئی۔
"نہیں میری جان...... کبھی نہیں۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔
"اپنی بات پر قائم رہیے گا۔" سفینہ نے بھی موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔
"اوکے...... جیسا تمہارا حکم مگر اب تم بالکل بھی نہیں رونا۔" فائز نے اقرار کیا اور بات ختم کرنا چاہی۔
"ڈر گئے نا۔" وہ شرارتی ہو کر ہنس پڑی۔
"ہاں ڈر گیا...... واقعی میں ڈر گیا کیوں میں اپنی محبت کی آنکھوں سے ٹپکتے آنسو برداشت نہیں کر سکتا۔" فائز نے اطمینان سے اعتراف کیا تو سفینہ کے اردگرد پھول سے کھل اٹھے۔

❁......❁......❁

کبھی پیار کے جھگڑے
کبھی محبت کی باتیں
وہ ہی آپ ہی کے قصے
وہ ہی آپ ہی کی باتیں
وہ ملا ہے مجھ کو اکثر
سرراہ چلتے چلتے
وہ ہی اجنبی نگاہیں، وہ ہی بے رخی کی باتیں
نا سمجھ سکا جہاں میں کوئی میرا درد پنہاں
میرے غم کو لوگ سمجھے میری شاعری کی باتیں
کوئی ہم کو یہ بتائے، یہ جنون نہیں تو کیا ہے؟
ملیں جب بھی ہم کسی سے کریں آپ ہی کی باتیں
میرے حال پہ وہ یوں ہی پچھ ایسے مسکرائے
میں سنا رہا ہوں جیسے کسی اجنبی کی باتیں
نبیل نے گنگناتے لہجے میں محبت سے بوجھل ہوتی آواز میں شرمیلا کو منانا چاہا۔

''بس بہت ہوگئیں لفاظیاں اب کچھ عمل بھی ہوجائے۔'' وہ تڑخ کر بولی اور روٹھی روٹھی سی منہ پھلائے اس کے سامنے سے اٹھ کر جانے لگی۔

''ارے بھئی...... سنو تو۔'' وہ پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور زبردستی اسے واپس کرسی پر بٹھایا، وہ دونوں ایک کافی شاپ میں آئے ہوئے تھے۔

''تم میرے ساتھ ہمیشہ ایسا کیوں کرتے ہو؟'' وہ ناراضی سے بولی، ویسے بھی ماں کے سوال نے اسے دکھی کردیا تھا، سارا غصہ نبیل پر اترا۔

''اُف لڑکی سمجھنے کی کوشش کرو۔ کچھ مصروف تھا۔'' نبیل نے سر کھجاتے ہوئے بہانہ بنایا۔

''ہاں تو مصروف رہیں میں نے کب منع کیا۔'' اس کا نروٹھا پن انتہاؤں تک جا پہنچا۔

''شرمیلا...... دیکھو اتنے حسین لحات کو روٹھنے منانے میں ضائع نہ کرو۔'' نبیل کو اس کے غصے پر پیار آنے لگا۔

''آپ کو کچھ اندازہ بھی ہے کہ مجھے اس طرح کے سلوک سے کتنی کوفت ہوتی ہے۔'' شرمیلا نے جھک کر میز کی شفاف سطح پر انگلی پھیرتے ہوئے جتایا۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔'' وہ تھوڑا برامان کر بولا۔

''ہاں تو کیسی بات ہے؟'' شرمیلا نے ترچھی نگاہوں سے دیکھا۔

''تم اگر جان جاؤ کہ میری زندگی میں تمہاری کیا حیثیت ہے تو زمین پر قدم نہ رکھو۔'' نبیل نے کپ میں کافی انڈیل کر شرمیلا کو تھماتے ہوئے پیار سے کہا۔

''اچھا تو آج یہ بتا ہی دیں کہ میری آپ کی زندگی میں کیا اہمیت ہے۔'' شرمیلا نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کر ہی ڈالا۔

''ظالماں یہ کیا پوچھ ڈالا۔'' نبیل سڑک چھاپ عاشقوں کی طرح سینے پر ہاتھ رکھ کر گنگنایا۔ اس کے انداز پر شرمیلا کو ہنسی روکنا مشکل ہوگئی۔

''آپ بھی حد کرتے ہیں۔'' اس کا کھنکتا ہوا قہقہہ اور مسکراتا لہجہ، نبیل کے اندر تک سکون اترتا چلا گیا، آخر وہ ایک بار پھر اس سرپھری لڑکی کو منانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ مگر یہ بات اس کی خام خیالی تھی، اسے پتا ہی نہیں تھا کہ شرمیلا کے دل میں کس قسم کے طوفان جنم لے چکے ہیں۔

❁......❁......❁

سورج اپنی نرم کرنوں کو سمیٹ کر چھپنے کی تیاری کرنے لگا، جلال خان صحن کی چارپائی پر دراز چھوٹے بھائی اور اس کی فیملی کے بارے میں سوچنے لگے۔

''شہزادے نے کافی دن سے چکر نہیں لگایا۔'' وہ نیم کے گھنے درخت پر نظریں جمائے سوچ میں گم تھے۔ اچانک انہیں قدموں کی چاپ سنائی دی مڑ کر دیکھا سائرہ ہاتھ میں سبزی کی ٹوکری تھامے ان کی طرف چلی آئیں۔

''کیا ہوا سب خیریت تو ہے؟'' شوہر کی ابتری صورت دیکھ کر انہوں نے ٹوکری چارپائی پر رکھ کر فکر مندی سے پوچھا۔

''اتنا بڑا ستم ڈھانے کے بعد مجھ سے یہ سوال پوچھتی ہو۔'' سائرہ جلال خان نے لرزتی آواز میں طنز کیا۔

''میں نے تو اچھا ہی سوچا تھا مگر آپ تو......'' وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہوگئیں۔

''آہ......'' جلال خان صورت سے بیمار لگ رہے تھے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کراہنے لگے۔

''مجھے آپ کی یہ اداسی تکلیف دیتی ہے پلیز ہر دکھ کو دل سے نوچ کر پھینک ڈالیں۔'' سائرہ نے نرم لہجے میں

معروف مصنف و کالم نگار مشتاق احمد قریشی کے قلم سے ایک اور شاہکار

پیہم خیال

مشتاق احمد قریشی

شائع ہو گئی ہے

دلاسہ دیا۔

"کاش ایسا انسان کے اختیار میں ہوتا۔" جلال خان کی آنکھوں میں اداسیوں کا غبار چھایا ہوا تھا۔

"چلیں پھر ایسا کریں اپنے سارے غم مجھے دے دیں۔" مستقل شوہر کی پریشان کن صورت دیکھنے کے بعد التجا کی۔

"میرا قاتل ہی میرا منصف ہے۔ کیا میرے حق میں فیصلہ دے گا۔" جلال خان کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ سائرہ کو جھرجھری سی آئی۔

"میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔" سائرہ کے کچھ دیر کے بعد جب اوسان ٹھکانے پر آئے تو غمگین لہجے میں معافی طلب کی۔

"اچھا مگر تمہاری معافی سے حالات نہیں بدل سکتے۔" وہ لرزتا ہاتھ سر کے نیچے رکھتے ہوئے بولے۔

"نہیں اب بھی وقت ہمارے ہاتھ میں ہے۔" سائرہ کا دل تڑپا وہ نرم لہجے میں ان کو تسلیاں دینے لگیں۔

"تو کیا ہم واپس خان ہاؤس جا سکتے ہیں؟" جلال خان نے بچوں کی طرح پُرامید نظروں سے بیوی کو دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں مگر اس سے پہلے میں آپ کو ایک اور خوشی دینا چاہتی ہوں۔" سائرہ کی باتوں کی ٹھنڈی پھوار ان کے پیاسے دل پر گری تو سکون میسر آیا۔

"سچ......ایسی کون سی خوشی کی بات ہے؟" جلال خان کو بیوی کے انداز میں خوشیوں بھری آہٹیں سنائی دیں۔

"میں ایک دو دن میں خان ہاؤس جانے والی ہوں۔" انہوں نے معنی خیز انداز میں بتایا۔

"کوئی کام ہے کیا؟" جلال خان کا تجسس سے برا حال ہوا۔

"ہاں سفینہ اور فائز کی نکاح کی ڈیٹ فکس کرنے کے سلسلے میں بہزاد میاں سے مشورہ کرنا ہے۔" وہ ایسے اچھل پڑے جیسے سائرہ نے ان کے نزدیک دھماکا کر دیا ہو۔

"واقعی تم سچ بول رہی ہو......؟" ان کی آنکھوں کی چمک لوٹ آئی، کئی بار تصدیق چاہی۔

"ہاں بھئی بالکل سچ۔" سائرہ نے شوخی سے میاں کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"بیگم تم نے ایسا فیصلہ کیا ہے کہ ساری زندگی کے دکھ دھو ڈالے۔" ان کا دل تشکر کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ وہ انہیں سراہتی نگاہوں سے دیکھے جا رہے تھے۔ ان کی اُداسی اور نااُمیدی لمحوں میں طمانیت میں بدل گئی تھی۔

❁......❁......❁

فائز کی نیند سے آنکھ کھلی تو بڑے خوش گوار موڈ میں انگڑائی لیتے ہوئے بستر سے نیچے اترا اور کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا، وہ ہر لمحے اپنے اور سفینہ کے ملن کے سپنے دیکھ رہا تھا۔ اسی لیے دن اور رات بڑے حسین لگنے لگے تھے اس نے دھیرے سے آسمانی رنگ کا دبیز، پردہ ہٹایا اور کھڑکی کا شیشہ کھسکایا تو ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے بالوں کو بکھیر دیا، وہ موسم کی شرارت پر مسکرا دیا۔ نگاہیں اٹھا کر اوپر کی جانب دیکھا تو نیلے آسمان پر تیرتے ہوئے روئی کے گالوں جیسے بادل بہت بھلے لگے۔ اگرچہ فضاء میں ہلکی تمازت تھی مگر بری محسوس نہیں ہو رہی تھی، چہرے پر پڑنے والی سورج کی سنہری نرم شعاعوں میں عجیب سی سرشاری پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے اردگرد ایک ساحرانہ سا سکوت طاری تھا، جو رگ وپے میں سرور طاری کرنے لگا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ یہ کیسی تبدیلیاں ہیں، جو اندر ہی اندر اسے بدل رہی ہیں۔ دل میں انوکھی انوکھی خواہشات جنم لے رہی ہیں۔ جس میں صرف وہ اور سفینہ ہیں۔ جس کی رفاقت میں وہ ہر ایسی شے سے زندگی کا لطف کشید کرنا چاہتا تھا جس کا مزہ ماضی میں نہ چکھا ہو۔

گو کہ فائز کا سوشل سرکل بہت وسیع نہ تھا۔ اگر بھولے بھٹکے کسی دوست کے گھر سے پارٹی یا فنکشن کا بلاوہ آ جاتا اس پر

بھی وہ حتی الامکان جانے سے احتراز برتتا تھا مگر اب سفی کی ہمراہی میں ایسی تقریبات میں جانے کا مصمم ارادہ کیے بیٹھا تھا۔ اسے فطرت کے نظارے، ہمیشہ اپنی طرف کھینچتے تھے، وہ سفینہ کی ہمراہی میں ایسی جگہوں پر جانے کا ارادہ باندھے بیٹھا تھا، سردیوں میں شہر کی مشہور کافی اور گرمیوں میں مزیدار آئس کریم کا لطف اٹھانا چاہتا تھا۔ کچھ دنوں سے سفی کے رنگین آنچل میں حسین موسم کو سمونے کی خواہش من میں انگڑائی لے کر بیدار ہونے لگی تھی، تنہائی بری لگنے لگی تھی، اس کا حسین چہرہ ہر وقت اپنے سامنے دیکھنا چاہتا تھا۔

برستی بارش میں سفی کے ساتھ لان میں چہل قدمی کرتے ہوئے، موسم کی خوب صورتی اپنے اندر جذب کرنے کی ہوک اٹھ رہی تھی، ویک اینڈ پر چاندنی راتوں میں سفینہ کا ہاتھ تھام کر اپنی گاڑی میں لا کر بٹھانے کے بعد لانگ ڈرائیو پر نکل جانے کی خواہش اور بھی جانے کیا کچھ من میں کھد بدسی مچی ہوئی تھی وہ بہت کچھ ایسا چاہتا تھا، جو پہلے کبھی نہیں چاہا۔

دروازے پر ہولے سے دستک نے اس کے خیالات کی ڈور توڑ ڈالی۔

”فائز......“ قدموں کی آہٹ پر اس نے مڑ کر دیکھا تو سائرہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور اسے پکارا۔

”ممی کیا ہوا سب خیریت تو ہے؟“ اس کی سوالیہ نگاہیں ماں کی طرف اٹھیں، جلدی سے پوچھا۔

”ہاں...... وہ تم آج شام کو ذرا جلدی گھر آجانا۔“ انہوں نے پُرشفیق مسکراہٹ سے سرہلا کر کہا۔

”کوئی کام ہے؟“ فائز نے سادہ انداز میں پوچھا۔

”ہاں، بہت اہم کام ہے۔“ سائرہ کا انداز معنی خیز ہوا۔

”جی حکم۔“ وہ کچھ کچھ سمجھتے ہوئے مسکرایا۔

”میں تمہارے چاچا کی طرف جانا چاہتی ہوں تاکہ تمہاری اور سفینہ کی بات کرسکوں۔“ سائرہ نے اسے جیسے زندگی کی نوید دے دی۔

”اوممی...... !تھینک یو......“ وہ ایک دم جوش میں ماں سے لپٹ گیا۔

”مگر اس سے قبل تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔“ سائرہ نے بیٹے کو خود سے الگ کیا اور سنجیدگی سے کہا۔

”وعدہ...... کیسا وعدہ؟“ فائز نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

”یہی کہ اگر تمہاری چاچی نے انکار کردیا تو پھر......“ وہ بولتے بولتے تذبذب کا شکار ہوئیں۔

”تو پھر کیا ممی؟“ وہ لاشعوری طور پر تیز لہجے میں بولا۔

”تم ہمیشہ کے لیے سفینہ کے نام کا ورق اپنی زندگی کی کتاب سے پھاڑ دو گے۔“ سائرہ کے لہجے سے عجیب سی سفاکی ٹپکنے لگی۔

”کیا میری محبت کسی نئے امتحان سے دوچار ہونے والی ہے۔“ ماں کی بات پر فائز کا دل تڑپ اٹھا، وہ بے یقینی سے سائرہ کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگا، اس کی آنکھوں سے شکایت ٹپکنے لگی تو سائرہ نے نگاہیں چرائیں۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

دریچۂ من

حیاء بخاری

پورے ملک میں اس بار شدید گرمی کی جو لہر اٹھی تھی اس نے ٹھنڈے پہاڑی علاقوں کے موسم کو بھی متاثر کیا تھا۔ پر اس بار نہ بارشیں ہوئیں نہ فضا خوشگوار‘ حبس اور تپش ہی چھائے رہے۔ پورے تین مہینے اس بار گرمی نے اپنا جوبن دکھایا اور اب ساون نے آتے ہی اس سے گویا جنگ چھیڑ دی تھی۔ گرمی کا زور کم ہونے لگا تھا ہر شام شروع ہونے والی کن من رات گئے طوفانی بارش کی شکل اختیار کرلیتی۔ ٹھنڈی ہوا کے نرم تھپیڑے گرمی کی ساری تکان زائل کرتے اور تن من مسرور ہو جاتا۔

وہ پچھلے پانچ دن سے یونیورسٹی ٹور پر آئے ہوئے تھے۔ لاہور‘ اسلام آباد اور اب مری...... جگہ جگہ گھومتے بدن تھکن کا شکار تھے‘ سب نے طے کیا تھا کہ مری پہنچ کر سب سے پہلے آرام کیا جائے گا۔ کوئی بھی سیر کا نام نہ لے اور اب مال روڈ پر بس سے نیچے قدم دھرتے‘ مری کی مہکتی بارش میں بھیگتے سبھی وہ وعدہ فراموش کرچکے تھے۔ لڑکیاں گروپس کی صورت میں ادھر ادھر پھیل گئیں‘ ٹیچرز بس کی ذمہ داری گارڈز کو سونپ کر خود بھی ایک جیولری شاپ کی طرف بڑھ گئیں۔

”یا اللہ......!“ وہی پھیلتا ڈھلوانی راستہ‘ منال روڈ کے بالکل آخری سرے پر نیچے جھانکتی خوشی سے تقریباً چلائی۔

”کیسا راستہ...... تم کب آئیں مری اس سے پہلے؟“ ساتھ کھڑی طیبہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

”میرے خوابوں کا راستہ‘ بس دعا کرو وہ سامنے سے افق ارسلان گھوڑے کی لگام تھامے چلا آئے۔“ کھوئے کھوئے لہجے میں کہتی وہ طیبہ کو بالکل زہر لگی۔

”دور فٹے منہ تیرے خوابوں کا‘ یہ حقیقت ہے بی بی حقیقت...... حقیقت میں صرف شوہر آتے ہیں۔ ہیرو بھی وہی ولن بھی وہی۔“ طیبہ نے اسے نادیدہ شیشہ دکھانا چاہا ہے‘ جسے دیکھنے سے اس نے صاف انکار کردیا۔

”میری زندگی میں ہیرو ہی آئے گا‘ دیکھ لینا تم۔“

”دیکھ لوں گی مگر پلیز ابھی تم مجھے مری دیکھنے کے لیے زندہ چھوڑ دو ورنہ تھکن سے جو میرا حال ہے میں نے ابھی اسی کھائی میں گر جانا ہے۔“ طیبہ نے منہ بنایا۔

”برا نہ بولا کرو۔“ منال نے اسے ٹوکا۔

”چلو چلیں۔“ دور جاتے اپنے گروپ پر نظر پڑتے ہی اس نے طیبہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گئی‘ دو مسکراتی بھوری آنکھوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

❁ ✿ ❁

درخت کے تنے سے ٹیک لگائے وہ بہت سا بھیگا منظر دیکھ رہا تھا کہ اس کا موبائل بج اٹھا اس نے چونک کر موبائل جیب سے نکال کر اسکرین پر نظر ڈالی‘ شاکر چاچا کی کال تھی اس نے مسکراتے ہوئے کال پک کی۔

”کیسے ہیں شاکر چاچا؟“ سلام کے بعد اس نے کہا اور درختوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

”جیتے رہو میاں‘ سوچا آج تمہیں یاد دلادیں کہ تمہارے ایک عدد شاکر چاچا بھی ہوتے تھے۔“ انہوں نے خفا لہجے میں جتایا اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ در آئی۔

”آپ کو بھلا میں کبھی بھلا سکتا ہوں شاکر چاچا؟“

”حالات تو کچھ ایسا ہی بتا رہے ہیں میاں۔“

”آپ جانتے ہیں امی ابو کی ڈیتھ کے بعد ماموں زبردستی ہمیں باہر لے گئے تھے۔“ وہ اداسی سے بولا۔

”جی...... جانتا ہوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ

تمہیں پاکستان آئے ہوئے بھی ڈیڑھ سال سے اوپر ہو رہا ہے پھر کراچی سے پشاور اتنی دور تو نہیں میاں۔"
نہ جانے کیوں اسے چاچا کا لہجہ ٹوٹا ہوا لگا‘ وہ اس بار کچھ نہ کہہ سکا۔
"تم یہ مت سمجھنا آن بیٹا کہ میں ایک بیٹی کا باپ ہونے کے ناطے کمزور پڑ رہا ہوں تم جانتے ہو میں اس وجہ سے کہیں پہلے سے تمہیں اپنے وجود کا حصہ مانتے آیا ہوں۔"
"ارے نہیں چاچا...... ایسا میں سوچ بھی نہیں سکتا‘ آپ کا اور میرا تعلق تو میرے بچپن سے ہی انوکھا تھا۔ تبھی تو آپ کو خالو کی بجائے چاچو کہا کرتے تھے۔" اس بار وہ ذرا سا ہنسا۔
"بس ایک خوف سا دل میں آ بیٹھا ہے تمہاری ایسی لاتعلقی میرے دوسرے بھرم نہ توڑ دے۔ مجھے کیوں لگ رہا ہے جیسے تم فاصلوں کو کوئی معنی دینا چاہتے ہو۔" ان کے لہجے میں کچھ ایسا تو تھا کہ وہ بے اختیار چونک پڑا۔
"چاچا......! کیا ہوا ہے؟" اس نے ڈائریکٹ سوال کیا‘ دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی۔
"وہ شاید انتظار کرتے تھک گئی ہے‘ ڈر گئی ہے شاید کہ تم اسے ٹھکرا نہ دو‘ تبھی اس نے تم سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔" وہ خاموش ہو گیا‘ کچھ دیر پہلے والا بھیگا منظر آنکھوں میں سمانے لگا۔
"تو کیا قدرت میری راہیں جدا کرنے لگی ہے‘ کیوں اس انجان چہرے کو دیکھ کے دل عجیب لے پر دھڑک اٹھا۔" وہ سوچنے لگا۔
"آن......" چاچا نے پکارا تو وہ چونکا‘ بارش تیز ہونے لگی تھی‘ وہ قدرے آگے کو نکلی ایک چٹان کے نیچے رک گیا۔
"لیکن وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے؟" لبوں نے خود سوال کیا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔
"رابطے نہ ہوں تو تعلق مشکوک ہو جاتے ہیں آن۔"
"میرا تعلق مشکوک نہیں ہوا۔" وہ خود پر حیران تھا۔
"کیونکہ تم مرد ہو‘ عورت تو وہی دل رکھتی ہے‘ ہر پل انہونی کے خوف سے دھڑک جانے والا دل......" چاچا بھی صحیح تھے۔
"میں بات کر سکتا ہوں اس سے۔"
"آج کل تو مری اسلام آباد یونیورسٹی ٹور پر گئی ہوئی ہے‘ واپس آ جائے تو ضرور۔" نہ جانے کیوں اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔
"موبائل نمبر دے دوں تم بات کر لینا۔" اچانک ہی انہیں خیال آیا۔
"جی۔" وہ مسکرایا۔ چاچا نے اسے نمبر بتایا اس نے نمبر نوٹ کر کے اللہ حافظ کہا اور بارش رکنے کا انتظار کرنے لگا۔ بارش کی تیز بوچھاڑ بار بار اسے بھگو جاتی اور وہ اس بھیگتے منظر کو سوچنے لگتا جو اس کے حواسوں پر چھا سا گیا تھا۔

دو دن مسلسل بارش ہونے کے باوجود مطلع ابھی بھی ابرآلود تھا۔ موسم کافی خنک ہورہا تھا' ٹھنڈی ہوا' نمی سی بھر جاتی تھی روح میں' نہ جانے کیوں وہ اداس ہونے لگی تھی۔

"تم پریشان ہو۔" گرما گرم ابلے چنے اسے تھماتے ہوئے طیبہ نے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا گئی۔ وہ اس وقت اوپر آبادی والے حصے میں تھے' ہر طرف لہلہاتا سبزہ سرشاری سی دے رہا تھا۔ صاف شفاف چمکیلی روشنی پر وہ دونوں مسلسل اوپر کی طرف سفر کررہی تھیں۔ گلابی رنگ کی فراک میں منال کی دلکش رنگت اداسی کے رنگ لیے مزید نکھر گئی تھی۔

"تم اب مجھ سے باتیں چھپاؤ گی۔" طیبہ ناراض ہوکر دو قدم آگے بڑھی۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو میں کیوں اداس ہوں۔" وہ تیزی سے اس کے ساتھ ہوئی۔

"تمہارے سو کالڈ منگیتر کی وجہ سے؟" طیبہ نے اندازہ لگایا۔

"ہمم......" طیبہ سر ہلا گئی۔

"تبھی میں ان بچپن کی منگنیوں کے خلاف ہوں خوامخواہ سولی پر لٹکے رہو۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔ منال خاموشی سے چنے چباتی آگے چلتی رہی تبھی کچھ دور سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔

"واہ...... آگئے تمہارے گھڑ سوار ہیرو۔" طیبہ کو فوراً اس کی وش یاد آئی۔ منال مسکراتے ہوئے اس طرف دیکھنے لگی جہاں سے آواز آرہی تھی۔ وہ دو گھڑ سوار تھے کالے گھوڑوں پر سوار ان نوجوانوں نے پاک آرمی کی یونیفارم زیب تن کررکھی تھی۔

"لو جی یہاں تو دو دو افق ارسلان ٹپک پڑے۔" طیبہ ہنسی۔ منال البتہ بلا ارادہ ہی اس ایک نوجوان کو تکنے گئی جو آگے تھا اور اس کی شخصیت میں عجیب سی متانت تھی یا شاید کچھ اپنائیت۔ قریب آنے پر وہ دونوں سوار رکے۔ منال کو اس کی آنکھوں میں شناسائی کے رنگ دکھائی دیئے اس نے حیران ہوتے ہوئے نگاہیں پھیر لیں۔

"سلام پاکستان۔" طیبہ انہیں رکتا دیکھ کر جوش سے ان کی طرف بڑھی۔

"وعلیکم السلام۔" وہی نوجوان مسکراتے ہوئے گھوڑا ان کے قریب روک کر بولا۔

"کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں۔" وہ ڈائریکٹ سوال پر آگئی' منال کے چہرے پر بھی شوق لہرایا وہ توجہ سے اس کے جواب کی منتظر تھی۔

"میرا نام ارسلان ہے۔" اس کے جواب پر دونوں کے منہ ایک ساتھ کھلے تھے۔ "اور یہ میرا دوست افق۔" حیرت سے کھلا منہ اور بھی زیادہ کھل گیا تھا۔

"یہ افق ارسلان کا بٹوارہ کب ہوا تھا؟" طیبہ نے سرگوشی کی' منال تو صدمے سے ہل ہی نہ سکی۔

"آپ دونوں کا نام کس نے رکھا؟" ایک اور سوال۔

"ظاہر ہے ہماری ماؤں نے۔" سادہ جواب آیا۔

"آپ کا نام جان سکتا ہوں؟" ارسلان نیچے اتر کر ان کے قریب آیا۔

"میرا نام طیبہ ہے اور اس کا......" اس سے پہلے کہ وہ منال کا نام بھی بتاتی' منال نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

"چلو طیبہ...... دیر ہورہی ہے۔" وہ آگے بڑھی۔

"سنو......" ارسلان اچانک ہی پکار اٹھا' وہ دونوں ٹھٹک کررک گئیں۔

"میں سمجھتا تھا لڑکیاں پاک آرمی پر جان دیتی ہیں مگر آپ لوگ تو......" ارسلان کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"تو...... اس میں کیا شک ہے؟" حسب توقع منال جوش میں آگئی۔ طیبہ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے سر ہلانے لگی۔

"آئی لو پاکستان آرمی۔" منال نے ایک جذبے سے کہا تھا' افق مسکرادیا تھا۔ ارسلان نے دوبارہ زین سنبھالی۔

"آر یو شیور۔" اس نے لگام سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"سو فیصد۔" منال نے حتمی لہجے میں جواب دیا۔ ارسلان نے ہلکے سے گھوڑے کی پیٹھ تھپتھپائی' وہ دھیرے سے چلا منال کے قریب سے گزرتے ہوئے ارسلان ذرا سا جھکا۔

"آئی لو یو ٹو۔" ہوا نے سرگوشی کی تھی' دو مسکراتی آنکھوں نے اسے دیکھتے ہوئے گھوڑا سرپٹ دوڑا دیا تھا اور وہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ وہیں کھڑی اس کی دھول تلاشتی رہی' طیبہ بھی دنگ کھڑی تھی۔

"یہ کیا کہہ گیا؟" طیبہ کو یقین نہ آیا تھا۔

"میرے جملے کو کافی ذو معنی بنا کے اس کا جواب دے گیا اور کیا......" اسے اب ہنسی آرہی تھی۔

"تمہیں ارسلان مل گیا منال......! یقین کرو' میرا دل کہہ رہا ہے یہ تمہارے لیے ہی زمین پر اتارا گیا ہے۔" طیبہ جوش سے کہنے لگی۔

"واللہ اعلم...... چلو دیر ہو رہی ہے۔" وہ تیزی سے سر جھٹکتی آگے بڑھ گئی۔

"ارے سنو تو...... رکو تو......" طیبہ چلاتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگی۔ پھوار پھر سے ہونے لگی نہ جانے کیوں مسکراہٹ منال کے ہونٹوں پر رقص کرنے پر آمادہ تھی اور وہ مسلسل اسے ٹال رہی تھی اپنے دھک دھک کرتے دل کی طرح۔

❀......❀......❀

"تم نے کہا تھا بچپن میں تمہاری امی نے تمہاری خالہ کی بیٹی سے تمہارا رشتہ پکا کر دیا تھا۔" افق اس کا بہترین دوست تھا' وہ جو کچھ بھی محسوس کر رہا تھا اس سے شیئر کیے بنا نہیں رہ سکا تھا۔

"بابا نے امی سے پسند کی شادی کی تھی جو کہ میرے چاچا کو سخت ناپسند تھی پر امی بابا کی ڈیتھ کے بعد اسی لیے وہ زبردستی مجھے اور میری بہن کو باہر لے گئے تاکہ یہ رشتہ دم توڑ جائے اور ساری جائیداد گھر میں ہی رہے۔ فاطمہ کی شادی پر پھر بھی میں راضی تھا کیونکہ وہ بھی اپنے کزن کو پسند کرتی تھی اور میرا کزن بھی اسے وہ ان مادی چیزوں پر یقین نہیں رکھتا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے ہمیشہ چاچا بس شاکر خالو کو ہی مانا۔ انہی سے مجھے امی بابا کی محبت بھری مہک آتی تھی' یہی وجہ تھی کہ میں ہمیشہ اپنی شادی سے انکار کرتا رہا اور پھر جیسے ہی چاچا کی ڈیتھ ہوئی میں واپس آنے میں کامیاب ہوگیا تب میرا مشن سب سے پہلے شاکر چاچا کے گھر ہی جانا تھا مگر قسمت کہ تم مل گئے اور پھر مقدر سے فوراً پاک فوج میں انٹری پھر تربیت۔ سب کچھ قسمت کے ہاتھوں میں سماتا گیا تم جانتے ہو میں بے بس تھا اور اب اتنے سال بعد اچانک جب میں منزل کے قریب آگیا تو وہ لڑکی......" وہ پریشان تھا' افق کچھ سوچنے لگا۔

"تم نے بتایا وہ لڑکی بھی مری آئی ہوئی ہے۔" اچانک سے خیال آیا۔

"میرا دل نہ جانے کیوں گواہی دیتا ہے یہ لڑکی ہی وہی ہے۔"

"وہ طیبہ بھی تو ہوسکتی ہے۔" افق نے خیال ظاہر کیا ارسلان دور کہیں کھویا رہا۔

"او...... ہیلو۔" افق نے ارسلان کے کندھے سے تھام کر جھنکا دیا' وہ بری طرح چونکا۔

"کیا ہوا؟"

"ادھر دیکھو؟" ارسلان نے کیفے کے باہر کھلے ایریا کی طرف اشارہ کیا' اداس آنکھوں والی وہ لڑکی اپنی دوست کے ساتھ بیٹھی مینو چیک کر رہی تھی' طیبہ موبائل پر کھیل رہی تھی۔

"سنو......" افق کی آنکھیں چمکیں' ارسلان اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"جو نمبر چاچا نے دیا تھا وہ ڈائل کرو۔"

"ابھی......؟" ارسلان حیران ہوا۔

"ہاں یار...... جلدی کرو۔" افق تیز ہوا' ارسلان سر ہلاتے ہوئے موبائل میں سیو ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"اگر فون اٹھائے تو اجنبی بن کر بات مت کرنا بلکہ کیپٹن ارسلان بن کر او کے۔" افق نے تیزی سے

ہدایات دیں وہ سر ہلا گیا۔ افق کی نظریں طیبہ پر جمی تھیں اس کا موبائل ویسے ہی خاموش تھا وہ ویسے ہی مصروف رہی اور پھر اگلے ہی سیکنڈ اس نے منال کو فون نکالتے دیکھا تھا۔ وہ اسکرین کو دیکھ کر مضطرب تھی شاید نیا نمبر اٹھانے میں ہچکچاہٹ تھی اسے پھر اس نے فون اٹھالیا۔ افق نے ارسلان کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے اسے اشارہ کیا تھا اور منال کو بات کرتے دیکھ کر اس کی باچھیں کھل اٹھیں۔

''ہیلو جی کون؟'' وہ وہی آواز تھی وہ اسے کیونکر نہ پہچانتا۔

''کیپٹن ارسلان......!'' اور دونوں نے منال کا منہ کھلتے دیکھا تھا اس نے طیبہ کو ہلکی سی چپت لگا کر اپنی طرف متوجہ کیا۔

''سوری......رانگ نمبر......'' اگلے پل ہی وہ نمبر بند کرگئی تھی۔ وہ دونوں فوراً وہاں سے اٹھے اور ارسلان البتہ دیر تک ہنستا رہا تھا اور افق طیبہ کے منال نہ ہونے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر گزار تھا۔

❀......❀......❀

''آپ میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے اور میرا نمبر کہاں سے ملا آپ کو۔'' کل سے اس انجان نمبر سے آنے والی لاتعداد کالز اور پیغامات نے اسے حقیقت میں چکرا کر رکھ دیا تھا خود طیبہ بھی پریشان تھی۔

''میں آپ کا پیچھا کب کررہا ہوں صرف کال اور میسج ہی کررہا ہوں وہ بھی صرف اتنی سی گزارش کے ساتھ کہ پلیز ایک بار آکر مجھے مل لیں۔'' وہ بھی بلا کا ڈھیٹ تھا۔

''کیوں مل لوں بھئی میری مرضی جسے ملوں جسے نہ ملوں۔''

''تو میں بھی درخواست کرتا رہوں گا۔'' وہی ضدی لہجہ اس نے غصے سے کال کاٹ کر فون ہی آف کردیا۔

''یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے لاکھ دفعہ سمجھایا کہ انجان لوگوں کو مخاطب نہیں کرتے۔'' وہ طیبہ پر بل پڑی۔

''ہاں تو انجان لوگ کہاں تھے ہماری اپنی آرمی کے لوگ تھے یار۔'' طیبہ کے چہرے پر بلا کا اطمینان تھا منال کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

''تمہیں سمجھانا تو سر زمین پر دے مارنے کے مترادف ہے۔''

''ہائے اللہ!'' طیبہ اچھل کر آئینے کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

''میرا قد اتنا چھوٹا ہے کیا کہ تمہیں زمین جتنی نظر آنے لگی۔'' منال دانت کچکچا کر بولی۔

''اب میں کیا کروں؟'' اسے رونا آنے لگا۔

''اچھا روؤ تو نہیں میں کچھ سوچتی ہوں۔'' طیبہ گھبرائی۔

''کیا سوچو گی؟'' میری تو جان نکلی جارہی ہے بابا کو کیا منہ دکھاؤں گی۔'' منال سچ مچ رونے لگی۔

''تم اسے کال کرکے نزدیکی کیفے میں بلا لو بات کرلیتے ہیں۔'' طیبہ بولی۔

''تم پاگل ہوگئی ہو؟''

''پتا تو چلے نہ کہ بات کیا ہے؟'' وہ اس کے قریب بیٹھی۔

''نہیں کسی بھی کیفے میں نہیں۔'' وہ تذبذب میں تھی۔

''اچھا چلو وہیں جہاں ہم پہلی بار ملے تھے۔'' منال خاموش رہی۔

''گھبراؤ مت میں ہوں نہ تمہارے ساتھ۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی تمہیں چھو بھی نہیں سکتا۔'' اس نے کسی باڈی گارڈ کی طرح گردن اکڑاتے ہوئے منال کو تسلی دی منال ہنس دی۔

❀......❀......❀

چمکیلی نرم گرم دھوپ طبیعت کو بے حد بھلی معلوم ہورہی تھی۔ آج کا دن بے حد خوب صورت تھا اگر اس بدمزاج کیپٹن نے تنگ نہ کیا ہوتا تو یقیناً وہ دونوں ڈھیروں ڈھیر لطف لیتیں اس موسم کا ویسے بھی یہ مری میں ان کا آخری دن تھا۔

"دیکھ لینا' آج میں ان دونوں کو کیسا سبق سکھاتی ہوں۔" طیبہ نے دور سے ہی ان کے گھاس چرتے گھوڑوں کو دیکھ لیا تھا تبھی مٹھی بناتے ہوئے بڑبڑائی' منال خاموش رہی۔ وہ قریب ہوئیں تو افق اور ارسلان جو مزے سے نرم گھاس پر لیٹے ہوئے تھے اٹھ بیٹھے اور پھر کھڑے ہوگئے ان دونوں نے سفید کاٹن کی شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔

"السلام علیکم!" ارسلان مسکراتے ہوئے ان دونوں کے قریب آیا۔

"اس بدتمیزی کا مطلب پوچھ سکتے ہیں' ہم؟" منال ضبط کھو بیٹھی تبھی سلام کے جواب کی بجائے تلخی سے بولی۔

"میں نے بدتمیزی نہیں کی' بار بار درخواست کی۔" ارسلان نے وضاحت دی۔

"یوں انجان لڑکیوں کو فون کرکے بار بار ڈرانا بدتمیزی ہی کہلاتا ہے۔" طیبہ بھی غصے سے بولی۔

"قسم لے لیجیے جو میں نے ان محترمہ سے ذرا بھی غلط بات کی' بس ایک بار ملنے کی درخواست کرتا رہا کیونکہ مجھے ایسا لگتا تھا جیسے اگر اب میں نے ان سے بات نہ کی تو میں ان کو کھو دوں گا۔" اس نے "ان" کے لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا' وہ دونوں اس کی بات پر گنگ رہ گئیں۔

"میں اس سارے معاملے میں بے بس ہوں' اس دن جب مال روڈ پر آپ بس سے اتریں تو مجھے ایسے لگا جیسے آپ نے سید ھا سڑک کی بجائے میرے دل پر قدم دھر دیئے ہوں۔" وہ کتنا بے باک تھا اس کی نظروں کی تپش نے گلابی سی منال کی پلکیں جھکا دیں۔

"میرا کیا قصور' نہ میں نے آپ کی نظروں میں جھانکا نہ ہی آپ سے واقف تھا پھر بھی میری آنکھوں میں آپ کی صورت اور دل میں بے قراری رہی۔ میں بس اسی لیے آپ سے مل کر یہ بات کلیئر کرنا چاہتا تھا کہ......" وہ ذرا دیر رکا' منال کو اپنے دل کی کیفیت عجیب ہوتی محسوس ہوئی اس نے پلکیں اٹھائیں۔

"کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟" اتنا بے ساختہ اعتراف اور پھر فوراً سوال بھی' منال تو بُت بنی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"بولیے منال......" یہ حیرت بھی نازل ہوئی تو وہ اب اس کے نام سے بھی واقف ہو چکا تھا' وہ اسے دیکھے گئی' طیبہ نے اس کا کندھا ہلایا۔

"میں سوچ کے جواب دوں گی۔" کئی خاموش لمحوں

صوفیہ نواز اعوان

میری طرف سے آنچل وحجاب کی تمام ٹیم کو محبت بھرا سلام۔ 6 اگست 1999ء کو سرگودھا کے شہر کنڈان میں ہر طرف خوشی پھیل گئی۔ پرندے گیت گانے لگے' میری شخصیت اور سحر کا پتا میری صورت سے چلتا ہے' مجھے سبز رنگ بہت زیادہ پسند ہے کیوں کہ یہ ہماری پہچان ہے۔ موسم سرما بہت اچھا لگتا ہے' بچھڑے ہوئے دوست یاد آتے ہیں۔ فرسٹ ائر کی اسٹوڈنٹ ہوں' ٹیچرز میں میم آمنہ بہت پسند ہیں' وہ مجھے بہت عزیز ہیں۔ بریانی شوق سے کھاتی ہوں' چھ بہن بھائی ہیں' جس میں میرا نمبر تیسرا ہے' سب سے پہلے بھائی وقار' توبیہ جی پھر ہم۔ مدیحہ نواز' احمد ابوبکر اور آخر میں موٹو عزیز احمد ہے۔ خامی' مجھ میں غصہ کی ہے ویسے میں جائز باتوں پر غصہ کرتی ہوں۔ غصے کے علاوہ سب ہی خوبیاں ہیں (ہاہاہا)۔ آنچل بہت شوق سے پڑھتی ہوں' سب سے اچھی اور کیوٹ دوستیں ناجیہ' تقدیس' ارشین' صفیہ' رضوانہ' تنزیلا اور سحری ہیں۔ کزنوں میں عروسہ' طیبہ' آمنہ' حنا' نوشین' افشین' حرا' کوثر' سعدیہ بہت اچھی لگتی ہیں۔ خواب دیکھنا اپنا حق سمجھتی ہوں' صرف مذہبی گھرانے کو پسند کرتی ہوں' اپنی آنکھیں بہت زیادہ پسند ہیں۔ کوکنگ تھوڑی بہت کرلیتی ہوں' سنجیدہ مزاج کی ہوں' ٹی وی ڈرامے بہت شوق سے دیکھتی ہوں۔ مجھ میں بہت سا اعتماد ہے' آواز بس ٹھیک ہے۔ گھر سے کم ہی نکلتی ہوں' ابو جان فوت ہوگئے ہیں اسی بات پر میں اپنے قلم کو روکتی ہوں' آخر میں میری دعا ہے کہ آنچل ہمیشہ ترقی کرے اور قائم ودائم رہے۔ آمین

کے بعد اس نے دھیرے سے جواب دیا۔
"ہاں کہو ناں۔" طیبہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی' وہ خاموش رہی۔
"میں منتظر رہوں گا' میرا فون نمبر ہے آپ کے پاس بس ایک کال کرلیجیے گا۔" منال چپ چاپ واپسی کے لیے مڑ گئی' طیبہ ساتھ تھی۔
"سنو......" اچانک ہی ارسلان نے پکارا' اس کے قدم رکے وہ بھاگتا ہوا اس کے قریب آیا۔
"میری ایک منگیتر بھی ہے' ہمارا کافی لمبا ساتھ رہا ہے مگر آپ کو دیکھ کے میرا دل میرا نہیں رہا' سو اب میں اسے منع کردوں گا' میں نہیں چاہتا کہ آپ سے میری لائف کا کوئی پہلو مخفی رہے تبھی آج ہی یہ بتانا ضرور سمجھا۔" اور منال کو لگا اس کی آنکھیں جلنے لگی ہوں' کسی نے اسے بھی تو انتظار کی سولی پر لٹکائے رکھا' اس نے تو خود فیصلہ کرلیا تھا مگر وہ لڑکی...... اس کے دل پر کیا بیتے گی' جب وہ یہ انکار کا درد سہے گی' وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔ ارسلان دور تک اسے جاتے دیکھتا رہا۔

❀......❀......❀

وہ گھر واپس آچکی تھی' بابا نے آتے ہی اس سے پوچھا تھا کہ کیا آن نے اس سے رابطہ کیا تھا' اس نے نفی میں سر ہلا کر جواب دیا۔ وہ بے حد مضطرب تھی تبھی ایک شام اس کی کال آگئی۔
"میں آپ کا منتظر ہوں مس شاکر!" چھوٹتے ہی اس نے کہا۔
"سوری میں آپ سے شادی نہیں کرسکتی' میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے کسی اور لڑکی کی زندگی برباد ہو۔" اس نے بھی فوراً جواب دیا' یہ جانے بغیر کے اس نے اسے کس نام سے مخاطب کیا۔ دوسری طرف گہری خاموشی چھا گئی تھی۔
"اس نے خود مجھ سے شادی سے انکار کردیا ہے۔" کچھ دیر بعد وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔
"پھر بھی میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتی' آئندہ مجھے فون مت کیجیے گا' اللہ حافظ۔" اس نے قطعیت سے کہتے ہوئے فون بند کردیا اور پھر اس نے بابا کو بھی آن سے شادی کے لیے انکار واپس لینے کا بتادیا تھا۔

❀......❀......❀

"یہ سب ہوا کیسے؟" وہ اس وقت طیبہ کے بلانے پر اس کے گھر آئی تھی اور اب اس کی منگنی کی خبر سن کر منہ کھولے بیٹھی تھی۔
"مجھے تو خود یقین نہیں آیا' بس اچانک ہی وہ لوگ رشتہ لے کر آئے' امی ابو کو پسند آگئے اور مجھ سے پوچھنے کی زحمت کیے بنا ہی فوراً انگوٹھی بھی پہنا گئے اور اس کمینے کے تو پورے بتیس دانت سارا وقت باہر ہی رہے۔" طیبہ شرماتے شرماتے غصہ بھی ہوئی۔
"ہے کون وہ کمینہ؟" منال کو دال میں کچھ نیلا پیلا محسوس ہوا۔
"افق...... تمہارے ہیرو ارسلان کا بقیہ حصہ۔" اس نے جل کر جواب دیا' منال کا تو سر چکرا گیا۔
"افق...... تم سچ کہہ رہی ہو؟" وہ سر پکڑ گئی۔
"نہیں...... مجھے ابھی تک اس کے خواب آرہے ہیں' جاؤ امی سے پوچھ کے آجاؤ لڑکے کا نام۔" وہ مزید جلی۔
"لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اسے تمہارا گھر کا پتا کیسے چلا؟" منال حیران تھی۔
"یہی تو مجھے خود پتا نہیں۔" وہ بھی بے بس تھی۔
"اس کا مطلب یہ دونوں کسی خفیہ ٹیم کا حصہ ہیں جن کے لیے کسی کا بھی اتا پتا معلوم کروانا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"
"صحیح کہہ رہی ہو تم۔" طیبہ نے سر ہلایا۔
"خیر تم یہ بتاؤ تم خوش تو ہو نا؟" منال نے مسکراتے ہوئے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں اس کے گال تھامے۔
"خوش تو ہوں مگر ادھوری سی' کاش میری اس خوشی کے ساتھ تمہاری خوشی بھی مل جاتی۔ آن بھائی کا تو کچھ اتا پتا نہیں۔" طیبہ اداس ہوئی۔

''ارسلان کی کال آئی تھی۔'' منال نے بتایا۔

''تو...... کیا کہا تم نے؟'' طیبہ پُر جوش ہوئی۔

''میں نے منع کردیا وہ کسی اور کا ہے میں آن کا انتظار کرلوں گی۔'' منال نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ طیبہ نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''تم بہت پیاری ہو منال...... تمہارا نصیب بھی اتنا ہی پیارا ہوگا' دیکھ لینا۔'' منال اداسی سے مسکرادی۔

❁......❁......❁

آن کراچی آ گیا تھا مگر ابھی تک ان کے گھر نہیں آیا تھا بقول بابا کے اس نے وہیں گھر لے لیا اور گھر کی آرائش میں مصروف تھا۔ بابا البتہ آج کل سارا دن وہیں پائے جاتے تھے وہ سارا دن اس کے بارے میں سوچتی...... سوچنے کی کوشش کرتی مگر بار بار خیال کے پردے پر ارسلان چھا جاتا' وہ سر جھٹک دیتی۔

اور پھر وہ شام آ گئی جب وہ پیا گھر کے لیے رخصت ہوئی۔ اس شام نہ جانے کیوں اس نے بار بار طیبہ کو عجیب طرح سے مسکراتے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت تھی' افق کو وہاں دیکھ کر بھی وہ حیران ہوئی تھی مگر یہی بتایا گیا کہ چونکہ اب رشتہ دار ہیں تو ظاہر ہے دعوت حق بنتی ہے۔ وہ بار بار سہرے میں چھپے چہرے کو تلاشنے کی کوشش کرتی اور پھر ناکامی سے نظریں پھیر لیتی۔

دھڑکتے دل سے وہ منال شاکر سے منال ارسلان بن گئی۔ نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے اس نے ایک نظر اس کاغذ کی عبارت پر نگاہ کرنا بھی ضروری نہ سمجھا۔ جلدی سے سائن کیے کہ کہیں دل رو نہ کردے اور وہ باپ کا سر جھکنے کا باعث بن جائے۔ طیبہ اور اس کی کچھ اور دوستیں اور ارسلان کی بہن اسے کمرے میں چھوڑ گئی تھیں وہ یونہی اپنے کنگن سے کھیلنے میں مگن تھی جب کوئی اس کے قریب آ کے بیٹھ گیا' وہ گم سم سی یونہی مگن رہی۔

''سلام پاکستان۔'' شناسا سے لہجے نے اسے بُری طرح چونکا دیا۔ اس نے تیزی سے سر اٹھایا اور اگلے ہی پل حیرت سے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''ارسلان۔'' وہ بے ساختہ کہہ گئی۔ سامنے والے شخص نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''کون ارسلان...... میں تو جی آن ہوں آپ کا شوہر۔'' وہ معصومیت سے بولا۔ منال اندر تک شرمندہ ہوگئی اس کا الوژن اس قدر گہرا رنگ پکڑ چکا تھا کہ آن کی جگہ بھی ارسلان نظر آرہا تھا۔

''سوری آن! بس یونہی......'' وہ نظریں جھکا گئی' مقابل کا قہقہہ جاندار تھا اب کے منال پھر حیرت زدہ رہ گئی۔

''جانی...... میں ارسلان ہی ہوں' جسے پیار سے آپ کے بابا ہمیشہ آن کہتے تھے۔ کمال ہے آپ ایک نظر نکاح نامے پر ہی ڈال لیتیں محترمہ......'' اور منال آنکھیں پھاڑے اسے دیکھے گئی۔

''بس کردیں نظر لگائیں گے کیا' میں جانتا ہوں بہت پیارا لگ رہا ہوں۔'' وہ کہنی پر گرتے ہوئے شرارت سے بولا۔

''بہت بُرے ہو آپ۔'' منال بس اتنا کہہ پائی تھی' ارسلان کا قہقہہ جاندار تھا۔ دل کے دریچے روشن تر ہوئے تھے۔

محبت منتظر رہتی ہے دریچہ من پر بس ایک دستک کے لیے اور دل بچی محبت پر لبیک کہتا ہے۔ کوئی وہم نہیں اٹھاتا نہ کوئی سوال کیونکہ دل ایک سچا گواہ ہے۔

میری عید اب تم ہو

سحرش فاطمہ

"عفان کے بچے اف جلدی کرو ناں کتنی دیر سے چڑھے ہوئے ہو۔"

"ارے صبر کرو توڑ رہا ہوں ناں کیریاں اتنی کافی نہیں ہیں کیا؟" عفان درخت پر چڑھا ہوا تھا اور نیچے عنیشہ کیریاں جمع کرتی جارہی تھی ساتھ ہی ساتھ اور توڑنے کا بھی حکم صادر کررہی تھی اسے ویسے بھی کچی کیریاں کھانے میں بہت مزا آتا تھا۔

"اچھا اب جلدی کرو ناں اگر مالی بابا آگئے تو خیر نہیں ہماری، ویسے میری خیر ہے تمہاری ہمیشہ کی طرح خیر نہیں ہوگی۔" اونچی سی پونی بنائے آم کے درخت پہ چڑھے عفان کو نیچے کھڑی عنیشہ نے چڑایا تو اوپر چڑھے عفان نے جلا کر اُسے گھورا۔

"عنیشہ کی بچی آئندہ مجھے کہنا کہ کیریاں توڑ کر دو پھر دیکھنا تم......" عفان نے بھی منہ پہ ہاتھ پھیر کر اُسے باور کروایا۔

"اچھا ناں اب بس کرو اچھا وہ آخری والی توڑ لو مالی بابا نہ آجائیں، جلدی کرو ناں۔" عنیشہ نے منت سماجت کی۔

"تم دونوں پھر باغ میں گھسے ہو؟ ٹھہر جاؤ اب تم لوگوں کی خیر نہیں۔ تمہاری شکایت اب تو پکی ہے...... اوئے لڑکے اترو نیچے۔" ڈنڈا اٹھائے مالی بابا کی آواز سنتے ہی عنیشہ کی سٹی گم ہوگئی جتنی کیریاں ہاتھ لگیں سرپٹ دوڑ گئی جبکہ عفان درخت پہ چڑھا دل ہی دل میں خود کو کوس رہا تھا کہ کیوں عنیشہ کی باتوں میں آگیا۔

"اوئے میں کہہ رہا ہوں نیچے اترو، تمہاری ساتھی تو بھاگ گئی اب تمہاری خیر نہیں۔" مالی بابا نے ڈنڈا زمین پر مارتے ہوئے للکارا۔

یہ باغ عفان اور عنیشہ کے پڑوس والے گھر میں تھا لیکن گھر سے باہر تھا سب کی رسائی ہوسکتی تھی اس لیے چوکیدار اور مالی ہر وقت دیکھ بھال کے لیے ہوتے تھے لیکن باوجود اس کے عفان اور عنیشہ ایسے وقت پر آتے جب دونوں ہی موجود نہ ہوتے۔

"دادو...... دادو......" عنیشہ چلاتے ہوئے گھر پہنچی اور دادو کے کمرے میں گئی۔

"دادو...... عفان کو مالی بابا نے پکڑ لیا...... اف میں تو وہاں سے بھاگ آئی اب عفان کا کیا ہوگا؟" پھولی سانس کے ساتھ ہانپتی چھوٹی سی عنیشہ کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں تھیں۔

"آئے ہائے...... عفان کا جو ہوگا سو ہوگا یہ بتاؤ آج کتنی کیریاں لائی ہو؟ جاؤ ذرا کچن سے مسالہ لے آؤ اور چُھری بھی۔" انہوں نے منہ میں پانی بھر کر اسے ہدایت نامہ جاری کیا۔ دادو کو بھی شوق تھا ان سب چیزوں کا۔

"کیا دادو...... اس مالی بابا کے بچے نے عفی کو پکڑ لیا تو؟ اور امی ابو کو پتا چلا تو؟" عنیشہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"آئے ہائے تو کیا ہوا؟ پہلے بھی تو کئی بار ہوا ہے؟ تمہارے اماں باوا کو میں سنبھال لوں گی...... جا جلدی جا اب۔" عنیشہ دادو کی بات مان کر دبے پاؤں کچن کی جانب جانے لگی۔

"اے لڑکی!" پیچھے سے فریدہ کی آواز پر عنیشہ سانس روکے کھڑی ہوگئی۔

"اپنی حرکتوں سے باز نہیں آنا تم نے؟" فریدہ کی غراتی ہوئی آواز آئی عنیشہ کا چہرہ خوف سے لال ہوگیا۔

"عفان کہاں ہے؟ اور تم ایسے چوری چھپے کچن کی طرف کیوں جارہی ہو؟" ہاتھ ملتے ہوئے عنیشہ فریدہ کی جانب مڑی۔

"وہ...... چچی امی...... وہ عفی...... باہر گیا تھا آنے والا ہوگا۔" بمشکل تھوک نگلتے ہوئے عنیشہ نے جواب دیا۔ فریدہ نے ہاتھ سے اپنا چشمہ اوپر کیا جو ناک پر سے پھسل کر نیچے آرہا تھا۔

"اچھے سے جانتی ہوں کہاں گیا ہوگا وہ اور تم اس وقت کچن میں کیوں جارہی ہو؟ پتا نہیں اس وقت کچن بند ہوتا ہے؟"

"ج...... جی چچی امی وہ دادو نے......"

"آہا سمجھ گئی چلو ذرا میرے ساتھ۔" فریدہ نے اس کا کان موڑا اور کہا۔

"آہ...... چچی امی۔"

"چپ...... دادو کے پاس چلو ذرا اب۔" دادو مزے سے اپنے تخت پر لیٹی ہوئی تھیں آنکھوں پر بازو رکھے ہلکی سی آواز میں کچھ گنگنا رہی تھیں کہ دھڑ کی آواز سے وہ چونکیں۔

"ہائے میں مرگئی...... کیا کہیں دھماکہ تو نہیں ہوگیا۔" سانس بحال کرتے ہوئے دادو اٹھ بیٹھیں۔

"آپ کے ہوتے ہوئے اور کوئی دھماکہ ہوسکتا ہے؟ اس دنیا میں جب تک آپ کا بھاری وجود موجود ہے ناں اور کوئی دھماکہ ہو ہی نہیں سکتا۔" فریدہ عنیشہ کا کان پکڑے کھڑی تھی اور دوسرے ہاتھ کو نچا نچا کر اپنی ساس کو جواب دے رہی تھی۔

"ارے اس بچی کا کان کیا جہیز میں لے کر آئی تھیں جو یوں موڑے رکھا ہے چھوڑ بھی دو اب۔" دادو کا دل لال ہوتے عنیشہ کے کان کو دیکھ کر دہل سا گیا۔

"آپ بھی حد کرتی ہیں بچوں کے ساتھ بچی بنی رہتی ہیں اپنی عمر دیکھیں اور حرکتیں؟ عفان کو آنے دیں اس کی بھی ٹھیک ٹھاک مرمت کروں گی آج تو......" فریدہ نے جھٹکے سے عنیشہ کا کان چھوڑا کہ اس کا پورا وجود ہی ہل کر رہ گیا۔

"کیوں بچوں پر ظلم کرتی ہو؟ اور اب میری عمر کے پیچھے پڑ گئی ہو؟" ہنکارتے ہوئے دادو نے کہا جبکہ عنیشہ وہاں چپ چاپ دادو اور چچی امی کی کھٹ پھٹ سن کر دل ہی دل میں محظوظ ہو رہی تھی۔

"ظلم؟ اور جو آپ اس عمر میں یہ حرکتیں کر رہی ہیں اس وجہ سے میرا عفان ایک دن لنگڑا ہوجائے گا یا اپاہج دیکھ لینا۔"

"اللہ نہ کرے چچی امی...... ایسا تو نہ کہیں۔" عنیشہ نے جھٹ سے کہا۔

"تم چپ کرو بی بی...... آنے دو عفان کے ابو کو تم دونوں کی شامت نہ بلوائی تو میرا نام بدل دینا۔" فریدہ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے اب تم جاؤ شامت کی تیاری پکڑو میں اور عنیشہ تمہارے لیے نیا نام سوچتے ہیں...... آؤ عنیشہ یہاں۔" عنیشہ دادو کی بات سن کر فریدہ کے پاس سے کھسک کر دادو کے پاس آگئی اور فریدہ پیر پٹختی ہوئی عفان کو دیکھنے باہر چلی گئیں۔

"دادو......" عنیشہ دادو کے پاس آکر انہیں بانہوں کے حلقے میں لے کر پیار سے بولی۔

"میری جان ہے ناں تو اور عفان بھی دیکھ ذرا اپنی چچی کو موٹی کہیں کی خود کھا کھا کے پھٹ رہی ہے نہ پھر بھی ہمیں کچھ چٹ پٹا کھانے نہیں دیتی ہونہہ میرے بچوں کا اتنا سا منہ نکل آیا ہے دیکھو تو اور میرا بھی اتنا سا۔" دادو زندہ دل اور شوخ طبیعت کی تھیں تو ان پر مزید یہ ٹی وی کا اثر ہوا تھا اور آج کل کے جدید طریقے سے بات کرنا نئے عجیب و غریب الفاظ بھی انہی غیر ملکی ٹی وی شوز سے سیکھے اور انہیں پھر اپنے جملوں میں فٹ بھی کرتیں تھیں۔ عنیشہ ان کی بات سن کر ہنس پڑی اور دادو کے دل کو جیسے ٹھارس مل گئی تھی۔

......☆☆☆......

پرانے طرز کا بنا یہ بنگلہ جو دو مرلے کا تھا۔ جس کا نام اس کے بنانے والے نے اپنی زوجہ کے نام پر رکھا یعنی "جنت ولا"۔ اور پھر بچوں کی شادیاں کروا کر خود جنت جانے کی تیاری میں لگ گئے جنت بی بی کے مرحوم شوہر دانش قیوم نے زمین زوجہ کے نام کردی تھی اور بچے جو

شادی شدہ تھے ان میں دو بیٹے۔ احمر اور روحیل تھے جبکہ بیٹی ایک ہی تھی اور دونوں میاں بیوی کے باہم مشورے سے اس اکلوتی رحمت کا نام رحمت دانش رکھا گیا اس طرح تین بچوں سمیت یہ گھر ہر دن ہنگامے میں مشغول رہتا جنت بی بی کو باغبانی سے لگاؤ تھا تو دانش صاحب نے باغ بھی بنوا دیا تھا۔

یوں احمر اور روحیل کی شادی کے بعد دانش صاحب تو دنیا سے کوچ کر گئے جب کہ رحمت نکاح شدہ تھیں اور دونوں بھائیوں نے مل کر اسے بھی رخصت کیا جس پر احمر کی بیوی ثناء اور روحیل کی بیوی فریدہ کو پانی کی طرح بہتا پیسہ اڑاتے ہوئے شوہر برے لگ رہے تھے۔ اوپر والے پورشن میں روحیل جب کہ نچلے پورشن میں جنت بی بی کے ساتھ احمر اور ثناء رہتے تھے۔

چونکہ احمر اور روحیل کی شادی ساتھ ہوئی تھی ان دونوں کی اولادیں بھی ایک ہی وقت دنیا میں تشریف لائیں احمر کے ہاں بیٹی جب کہ روحیل کے ہاں بیٹا ہوا ان کے والد دانش صاحب کے جانے کے بعد اور رحمت کی رخصتی کے بعد یہ پہلا خوشی کا موقع تھا بہت شاندار طریقے سے عقیقہ کیا' تب پیسہ بہانا یا اڑانا دونوں بیویوں کو برا نہیں لگا۔

نام رکھنے کی باری آئی تو دونوں ماؤں نے اپنی مرضی سے نام رکھ کر بس جنت بی بی کے گوش گزار کر دیا وہ بھی بس اسی میں خوش ہو گئیں کہ نام جو بھی ہو اب کھیلنے والے بچے آ گئے تھے اُن کی گود میں...... جیسا کہ جنت بی بی بچوں کے ساتھ ہی ہوتی تھیں اور کچھ اپنی بھی طبیعت و مزاج کی وجہ سے بچوں کے ساتھ بچی سی بن جاتی تھیں جس کی وجہ سے اکثر بچے ڈانٹ بھی کھاتے لیکن اپنی دادو کی خاطر وہ یہ برداشت کر جاتے پھر دادو کے پہلو سے لگ کر خوب ہنسی مذاق کرتے......

رحمت کے ہاں ۲ سالوں بعد اولاد ہوئی اور وہ بھی جڑواں بچے جس میں ایک بیٹا تھا اور ایک بیٹی۔ عبدالرافع اور رافعہ۔ ایک جیسے نام رکھنے سے دونوں کا مذاق اڑتا رہتا تھا اُن کا نام اُن کے دادا دادی نے رکھا تھا اور مزید یہ کہ چھوٹے بھی تھے تو ہمیشہ عنیشہ اور عفان کے مذاق و تنقید کی زد میں رہتے تھے۔

......☆☆☆......

عفان درخت کی موٹی ٹہنی سے لٹکا ہوا تھا اور نیچے مالی بابا اسی موٹے سے ڈنڈے سے نیچے اتارنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ فریدہ وہاں پہنچ گئیں۔

''عفان میرے بچے، اف میرے اللہ...... نیچے اتارو کوئی اسے کہیں گر نہ جائے۔ ہائے میرا بچہ۔'' فریدہ بیگم کے آنسو بہانا شروع ہو گئی۔

''باجی یہ بچہ اور اس کے ساتھ ایک وہ بچہ آ کر یہ دیکھیں کیریاں توڑ رہے تھے میں اب چھوڑوں گا نہیں۔'' مالی بابا بھی جیسے تاڑ میں تھے کہ بس اب قصہ تمام کر گزرنا ہے۔

''بیڑا غیرق ہو تمہارا' میرے بچے کو ہاتھ تو لگا کر دکھاؤ...... کیریوں کی وجہ سے مارو گے چھوٹے بچے کو شرم نہیں آتی؟'' فریدہ نے بانہیں چڑھاتے ہوئے غصے سے کہا۔

''باجی لیکن آپ......''

''چپ...... ایک الفاظ نہیں اتارو میرے بچے کو نیچے۔'' فریدہ کی بات سن کر مالی بابا نے عفان کو نیچے سہارا دے کر اتارا۔

''آئندہ ہاتھ بھی لگایا ناں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' یہ کہہ کر عفان کو بازو سے کھینچتے ہوئے وہ گھر لے آئیں۔

''نالائق کہیں کے' تم اور تمہاری وہ چچی تم دونوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ آنے دو روحیل کو تمہارے صحیح والی کلاس لگوا کر ہی دم لوں گی۔ ماں باپ نے اپنی بیٹی کو ڈھیل دی ہوئی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرا بیٹا بھی بگڑ جائے۔''

''امی وہ تو......''

''ایک دم چپ...... جاؤ اپنے کمرے میں۔ وہ دونوں میاں بیوی کام پر جاتے ہیں اور اپنا عذاب میرے اوپر مسلط کر جاتے ہیں نوکرانی ہوں ناں میں جیسے سب کی۔''

"امی پتا نہیں کیا کیا بولتی رہتی ہیں آپ بھی۔" عفان کو یہ سب تقریباً ہر دوسرے تیسرے دن سننا پڑتا تھا۔

"تم سے کہا ناں جاؤ یہاں سے۔" فریدہ نے پھنکارتے ہوئے کہا اور عفان اپنے کمرے کی طرف جانے لگا جب کہ اس کا بے حد دل کر رہا تھا دادو کے پاس جانے کو۔

☆☆☆

شام کے وقت تینوں لاؤنج میں موجود تھے اور فریدہ کا موڈ بھانپ چکے تھے اس لیے اشاروں میں ہی ایک دوسرے کو سمجھا دیا تھا۔ فریدہ بھی کچن میں برتن کی اٹھا پٹخ میں مصروف تھی۔ جیسے ہی چائے اور دیگر لوازمات لے کر آئی صوفہ پر بیٹھتے ہی دانت پیس کر بولی۔

"میں کہہ دیتی ہوں کوئی نوکرانی نہیں کسی کی، اپنے بچوں کو خود سنبھالنا چاہیے نہ کہ دوسرے کے اوپر تھوپ دیا جائے...... ہونہہ۔"

"کیا بات ہے بھابی سب خیر ہے ناں؟" احمر نے چائے کی چسکی بھرتے ہوئے پوچھا۔

"بھائی صاحب آپ کی لاڈو کی وجہ سے میرا بیٹا مار کھاتا ہے، میرا دل کیسا دکھتا ہوگا جب کوئی بلاوجہ اسے مارے یا ڈانٹے؟"

"ہاں...... پر بات کیا ہے یہ تو پتا چلے۔" روحیل نے اب کی بار پوچھا۔

"کیا ہوا؟" فریدہ بھڑک ہی اٹھی۔

"عفان آپ کی یاں اور بھتیجی کی ہی بات سنتا ہے ماں کی نہیں سنتا، حرکتیں بھتیجی صاحبہ کرتی ہیں اور پھنس میرا بیٹا جاتا ہے لیکن دوسروں کو تو پرواہی نہیں ہے وہ تو مزے سے سارا دن دفتر میں اے سی میں بیٹھے رہتے ہیں اور میں یہاں گرمی میں سڑ رہی ہوتی ہوں۔" یہ بات خالصتاً ثناء کے گوش گزار کی گئی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے ایسا اور کیا کر دیا ہے میری بیٹی نے؟ میری بیٹی اگر کچھ کرتی بھی ہے تو کیسے نہیں آپ کے بیٹے کے ساتھ کرتی ہے، اللہ خیر کرے میری بیٹی نے آج تک آپ کے خلاف کوئی بات نہیں کی، ہمیشہ ہنستی کھیلتی بچی ملی ہے پر اب تو ایسا گمان ہو رہا ہے کہ آپ کہیں اس سے ناروا سلوک تو نہیں کرتیں؟" احمر کو ثناء کی بات پر لگا اب کہیں مک مکا نہ ہو جائے اس نے فوراً بات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

"بھابی آپ اچھے سے جانتی ہیں ثناء کیوں جاب کر رہی ہے لیکن اگر آپ کو یہ بات کھٹک رہی ہے تو ثناء اب سے جاب نہیں کرے گی بلکہ وہ اب عنیشہ کی ہی پوری ذمہ داری لے گی اور آپ کا ہاتھ بھی بٹایا کرے گی گھر کے کاموں میں، کیوں ٹھیک ہے ناں روحیل؟"

"اب میرا یہ مطلب بھی نہیں تھا۔ میں بس یہ کہہ رہی ہوں کہ اپنی بیٹی کو سمجھایا کرو۔ اس کی وجہ سے میرا بیٹا نہ بگڑ جائے، باقی بھلے سے کام وام کرتے رہو دونوں۔" یہ فریدہ ہی تھی جس نے ثناء کو مشورہ دیا تھا کام کرنے کا کیونکہ احمر کا کسی پراجیکٹ میں بہت بڑا نقصان ہوا تھا حالانکہ زمینوں سے پیسے آتے تھے لیکن احمر کو یہ گوارہ نہ تھا کہ وہ چند روپے جو جنت بی بی کو ملتے ہیں وہ بھی لے لیے جائیں اس لیے ثناء نے ساتھ دینے کی کوشش کی اور فریدہ کو بھی آزادی مل گئی تھی دن بھر وہ جیسے چاہے کھائے پیئے پکائے کچن کا سارا انتظام وہ اکیلے ہی دیکھ رہی تھی اب ایسے کیسے ثناء کی مداخلت برداشت کرتی؟

اُس دن کے بعد سے عفان کم کم ہی دادو کے پاس جاتا لیکن جاتا ضرور تھا، عنیشہ کو بھی ثناء نے سمجھایا تھا جس وجہ سے اب وہ زیادہ تر دادو کے پاس ہی پائی جاتی تھی۔

"دادو...... رحمت بی کب آئیں گی؟" رحمت دوسرے شہر میں بس گئی تھی پہلے ایک ہی شہر میں تھے تو ہر ہفتے گھر میں میلہ لگا رہتا تھا پر جب سے وہ دوسرے شہر گئی تب سے آنا کم ہو گیا تھا۔

"پتا نہیں۔ اب تو مجھے بھی اس کی یاد ستا رہی ہے۔ پتا نہیں آخری دفعہ بات بھی کب ہوئی تھی۔" دادو رحمت کو یاد کرتے ہوئے افسردہ ہونے لگیں۔

"ارے دادو کیا ہوا؟ اچھا اب پلیز اداس نہ ہوں، میں

فون کرتی ہوں پھر آپ کو بتاتی ہوں۔" عنیشہ کی بات پر جنت بی بی کھل سی اٹھیں۔

"جیتی رہ پتری...... ورنہ فریدہ کا بس چلے میری بیٹی یہاں آئے ہی ناں، اس کی بیٹی ہوتی تو میں پوچھتی اس سے۔" ہنکارا بھرتے ہوئے جنت بی بی نے کہا۔

"دادو اب بس ناں میں جاتی ہوں باہر اور فون کرکے خیر خیریت لیتی ہوں ٹھیک ہے ناں؟" سر ہلاتی ہوئی عنیشہ باہر آ گئی۔

"رحمت بی کا نمبر کہاں لکھا ہوا ہے؟" خود کلامی کرتے ہوئے وہ فون ٹرالی میں رکھی ایک ایک ڈائری کو دیکھ رہی تھی تو کچھ کاغذات فرش پر گر گئے جس کا اسے پتا ہی نہیں چلا۔

"مل گیا رحمت بی کا نمبر......" عنیشہ نے رحمت بی کا نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو کون بات کررہا ہے؟" عنیشہ نے نہ سلام نہ خیریت فوراً سوال کر ڈالا۔

"عبدالرافع بات کررہا ہوں۔" سامنے سے فون پر آواز آئی۔

"اوہو میلے چھوٹے سے بھائی نے فون اٹھایا ہے۔ کیسے ہو؟ میں ہوں تمہارے عنیشہ آپی۔"

"اوہ کیسی ہیں آپ آپی؟" عبدالرافع بھلے عمر میں چھوٹا تھا لیکن عنیشہ کا رعب تھا جس کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ آپی کہتا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں رافعہ بچے تم بتاؤ۔" عنیشہ نے چھیڑا تھا اُسے۔

"آپی میں عبدالرافع بات کررہا ہوں رافعہ نہیں۔" عبدالرافع زچ ہوا۔

"اوہو سوری یار کیا کروں تم دونوں کے نام بھی تو ایک جیسے ہیں ناں بس میں بھول جاتی ہوں۔" عنیشہ اس بات پر ہنسنے لگی۔

"اچھا آپ کو کوئی کام ہے یا ایسے ہی فون کیا ہے؟" عبدالرافع نے جان چھڑانے کے انداز میں کہا۔

"مجھے تو رحمت بی سے بات کرنی تھی خوامخواہ تم نے فون اٹھالیا اب چلو آپی کی بات مانو اور رحمت بی کو فون دو۔"

"اف ایک تو یہ آپی بھی ناں۔" عبدالرافع بڑبڑایا۔

"کچھ کہا تم نے؟"

"نہیں...... نہیں اچھا میں امی کو بلاتا ہوں۔" یہ کہہ فون ہولڈ پر رکھ کر رافع اپنی جگہ سے ہٹا، وہ رحمت بی کے پاس جا ہی رہا تھا کہ اچانک اس کے دماغ میں بات آئی اور فون ہولڈ پر رکھ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ عنیشہ کان پر کریڈل رکھے انتظار کرتی رہ گئی۔ کافی دیر تک کوئی آیا نہیں اور وہ ہیلو ہیلو کرتی رہی۔

"یہ کیا حال کرر کھا ہے؟ اور اس وقت کس سے کانا پوسی ہورہی ہے؟" فریدہ نے ٹرالی کے ارد گرد کاغذات بکھرے ہوئے دیکھے تو ڈپٹا۔

"وہ...... چچی امی وہ...... رحمت بی کو فون کیا ہے۔" عنیشہ نے بمشکل بات پوری کی۔

"رحمت بی سے بات کرنے کا کون سا چسکا چڑھا ہے جو ہر چیز بکھیر کے رکھ دی، کون سمیٹے گا یہ سب' ہاں تمہاری ماں؟" فریدہ کا جلالی روپ وہ اچھے سے جانتی تھی لیکن اس وقت کچھ زیادہ ہی خوف کھا رہی تھی۔

"اور رحمت بی سے کون سی باتیں ہورہی ہیں ذرا میں بھی تو سنوں؟" فریدہ نے کریڈل عنیشہ سے جھپٹا۔

"ہیلو...... ہیلو...... کوئی فون پر ہے ہی نہیں۔"

"مجھے کسی کی آواز نہیں آرہی...... اے لڑکی شرافت سے بتاؤ کس سے بات کررہی تھیں؟" فریدہ نے زور سے عنیشہ کا بازو پکڑا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں چچی امی...... دادو نے کہا تھا رحمت بی سے بات کرنے کے لیے اور عبدالرافع نے ہولڈ کروایا تھا۔"

"جھوٹ بولتی ہو، اگر رحمت بی کو فون ملایا تھا تو کوئی بات کیوں نہیں کررہا فون پر ہاں؟"

"نہیں میں سچی کہہ رہی ہوں۔" عنیشہ کو تکلیف ہورہی تھی لیکن فریدہ نے پروا نہیں کی۔

"یہ کرتوت ہیں تمہارے؟ دادو کے ساتھ ٹی وی پر

نجانے کیا کیا دیکھتی رہتی ہو، میں بھی ان سب چیزوں سے واقف ہوں آئی سمجھ، عمر دیکھو اپنی اور حرکتیں تو دیکھو۔"
فریدہ عنیشہ کو باتیں سنا رہی تھی جبکہ جنت بی بی کمرے میں تھیں، فریدہ کے چلانے پر وہ اٹھیں اور باہر آنے کے لیے چھڑی پکڑ کر چلنے لگیں۔
"عمر دیکھی ہے اپنی؟" فریدہ نے آنکھیں دکھائیں۔
"چچی...... میں سچ کہہ رہی ہوں۔" عنیشہ کی روتے ہوئے ہچکیاں سی بندھ گئی تھیں۔
"کیا ہو گیا ہے...... کیوں چلا رہی ہے تو فریدہ؟" جنت بی بی جیسے ہی پہنچیں عنیشہ نے بلند آواز سے زار وقطار رونا شروع کردیا۔
"کیا ہوا ہے عنیشہ...... کیا ہوا میری بچی کو؟"
"میں کہتی تھی ناں یہ بچی بگڑی ہوئی ہے، میرے بیٹے کو بھی بگاڑ سکتی ہے لیکن پتا ہے آپ کو یہ آپ کی وجہ سے بگڑی ہے، دیکھیں کیسے میں نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔" فریدہ جو دل آئے بولے جارہی تھی یہ بھی نہیں سوچ رہی تھی کہ عنیشہ چھوٹی ہے اس میں ان باتوں کی عقل سمجھ نہیں۔
"آئے ہائے کیا بولے جارہی ہو بہو؟" جنت بی بی کا دل دہل سا گیا۔
"یہ دیکھیں پتا نہیں کس سے بات کررہی تھی اس وقت اور جب میں نے فون لیا تو سامنے سے خاموشی تھی کیا مطلب ہوا اس بات کا؟" فریدہ نے گھور کر عنیشہ کو دیکھا۔
"کیا جھلی ہوگئی ہو؟ اسے تو میں نے کہا تھا رحمت سے بات کرنے کو۔" اس بات پر عنیشہ نے فریدہ کو دیکھا لیکن اُس نے بڑی مہارت سے بنا گڑبڑائے ہاتھ فضا میں لہرا کر کہا۔
"ہاں کہا ہوگا لیکن فون پر رحمت بی تو نہیں تھی۔"
"اچھا دوبارہ فون کرکے دیکھو ناں کیا پتا واقعی رحمت ہی ہو۔"
"مجھ سے بحث نہ کریں میں اچھے سے جانتی ہوں آپ اپنی لاڈو کو بچانے کی خاطر بول رہی ہیں۔" فریدہ جی بھر کے بھڑاس نکالنے کے ارادے سے یہ سب بول رہی تھی جبکہ عنیشہ والی بات جنت بی بی نے تبھی کہی لیکن وہ فریدہ ہی کیا جو مان جائے۔
"تم کیوں اس معصوم کے پیچھے پڑی رہتی ہو؟ میں کہہ رہی ہوں ناں ایسی کوئی بات نہیں۔" جنت بی بی نے عنیشہ کو اپنے ساتھ لگالیا۔
"تو ٹھیک ہے میں ابھی فون کیے دیتی ہوں رحمت بی کو سب پتا چل جائے گا۔" فریدہ نے کہا اور جنت بی نے اثبات میں سر ہلایا جس کے نتیجے میں فریدہ نے دوبارہ نمبر ملایا۔
پہلے پہل تو نمبر مصروف گزرا لیکن پھر کچھ دیر بعد ملایا تو رحمت بی نے ہی فون اٹھایا۔
"کیا ابھی کچھ دیر پہلے عنیشہ نے فون کیا تھا؟" فریدہ نے اسپیکر آن کردیا تھا۔
"نہیں تو بھابی کوئی فون نہیں آیا۔ کیوں خیر ہے ناں...... اماں تو ٹھیک ہیں ناں؟"
"چچی امی فون عبدالرافع نے اٹھایا تھا۔" عنیشہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔
"اچھا رحمت بی ذرا عبدالرافع سے پوچھو کیا پتا اس نے فون ریسیو کیا ہو۔"
"اچھا بلاتی ہوں اسے۔" رحمت بی نے عبدالرافع کو آواز لگائی اور فون اسے تھما دیا۔
"عبدالرافع کیا عنیشہ نے فون کیا تھا؟"
"نہیں تو عنیشہ آپی نے تو کوئی فون نہیں کیا تھا کیوں مامی؟" عبدالرافع نے صفائی سے جھوٹ بولا۔ اس نے محض بدلے کی وجہ سے دانستہ ایک مذاق کیا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اُس کے اِس جواب کے بدلے میں عنیشہ کے ساتھ کیا ہوسکتا ہے۔ فریدہ خونخوار نظروں سے عنیشہ کو دیکھ رہی تھی اور وہ دادو سے لپٹ گئی تھی۔
اس واقعے کے بعد دونوں بہوؤں کی آپس میں ان بن ہی رہی۔ عنیشہ کا معصوم ذہن اس بات کو دماغ سے نکال ہی نہیں رہا تھا کہ عبدالرافع کی وجہ سے وہ مشکوک بن گئی تھی

جس کا عبدالرافع کو اندازہ ہی نہیں تھا۔ عنیشہ کے ماں باپ اچھے سے جانتے تھے سمجھتے تھے عنیشہ ایسا نہیں کرسکتی جبکہ جنت بی بی بھی عنیشہ کی وجہ سے پریشان تھیں۔ عفان کو باز رکھا گیا کہ وہ عنیشہ سے دور رہا کرے اسے بارہا سمجھایا گیا کہ وہ لڑکی ہے اب اس کے ساتھ نہ کھیلا کرے نہ بیٹھا کرے، بچپن کا سنگ یوں پل بھر میں تو ختم نہیں ہوسکتا تھا۔ رحمت بی بی اُس واقعے کے کافی دن بعد بمع عبدالرافع اور رافعہ کے جنت وِلا میں رہنے آئی تھیں۔

عنیشہ کو شدید دھچکا لگا عبدالرافع کے جھوٹ پر جو کہ عبدالرافع بھی اچھے سے جانتا تھا لیکن ایسے بن رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ رحمت بی کو دیکھ کو جنت بی بی خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں وہیں فریدہ کا افشارِ خون بڑھے جارہا تھا حالانکہ ثناء نے ایک ہفتے کی چھٹی لی تھی دفتر سے کہ وہ عنیشہ کے ساتھ رہ سکیں اور رحمت بی کے آنے سے فریدہ کی مدد بھی کرسکیں لیکن باوجود اس کوشش کے وہ فریدہ ہی کیا جو خوش ہوتی؟

عنیشہ مزاج کی چلبلی تھی لیکن فقط اس ایک بات کی وجہ سے وہ فریدہ ہی کیا عفان سے بھی دور رہنے لگی تھی اس بات کا عفان کو اندازہ تو نہیں تھا لیکن فریدہ نے اسے بھی جو سمجھایا تھا اُس وجہ سے وہ بھی کم کم ہی عنیشہ سے بات کرتا جبکہ دونوں ایک ہی اسکول میں ایک ہی کلاس میں تھے اور ان دونوں کی شرارتوں سے کوئی اسٹوڈنٹ تو کیا استاد بھی بچ نہیں پاتا تھا۔

''تم نے نوٹ کیا عبدالرافع؟ آپی بہت چپ چپ سی رہنے لگی ہیں؟'' رافعہ کی بات پر عبدالرافع نے بھنویں سکیڑیں۔

''کس نے کہہ دیا؟ اور اسے آپی تو نہ کہو، بس ایک دو سال ہی تو بڑی ہے کون سا دس سال بڑی ہے جو آپی بنادیا؟''

''بڑی تو ہے ناں؟ ہاں اس معاملے میں عفان اچھے ہیں۔ کہتے ہیں آپ کہہ لو لیکن بھائی کا دم چھلا نہیں لگانا نہیں بولنا۔'' رافعہ نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز

میں کہا۔

''ہاں عفان پھر بھی صحیح کہتا ہے لیکن اس عنیشہ کی تو......'' عبدالرافع کا غصہ رافعہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟'' عبدالرافع نے مٹھیاں بھینچیں۔

''کچھ نہیں...... میں ذرا عنیشہ کے پاس جا رہا ہوں۔ تم میرے پیچھے مت آنا۔ سمجھیں؟'' عبدالرافع کا انداز ایسا تھا کہ فقط سر ہلانے پر ہی رافعہ نے اکتفا کیا۔

......☆☆☆

مارچ کے اواخر کے دن تھے جب موسم بہار کی وجہ سے پھولوں پر بہار تھی دل کرتا انہیں توڑ کر محفوظ کرلیا جائے لیکن ہائے یہ پھول بھی ناں جب تک اپنی ٹہنی سے جڑے ہوتے ہیں ان میں جان رہتی ہے جیسے ہی انہیں توڑ کر ان کی شاخ سے جدا کرلیا جائے یہ مرجھا جاتے ہیں۔ ان کو جو پیار، محبت اپنی شاخ سے ملتا ہے وہ توڑ کر کسی کو دینے میں وہ خوشی نہیں ملتی ہوگی۔ جنت بی بی کے باغبانی کے شوق کی وجہ سے عنیشہ کا کافی وقت بھی اس باغ میں رنگ برنگے پھولوں کے بیچ گزرتا تھا۔ کبھی عنیشہ کو بھی شوق تھا وہ پھول توڑ لیا کرتی تھی لیکن جب پھول مرجھا جاتا وہ بھی اداس ہو جاتی تب سے اس نے یہ فیصلہ کیا اب وہ صرف ان کا خیال رکھے گی کبھی توڑے گی نہیں۔

عبدالرافع گیلی گھاس پر چپل پہنے گھسٹ گھسٹ چل کر عنیشہ کے پاس آیا۔

''کیا کر رہی ہو؟'' وہ جو پھولوں کو انہماک سے دیکھ رہی تھی عبدالرافع کا آنا اسے ڈرا گیا۔

''اف عبدالرافع کے بچے...... ڈرا دیا۔'' عنیشہ کا دھیان پھولوں کی طرف جو تھا۔

''اچھا تو تم ڈرتی بھی ہو؟'' عبدالرافع طنزیہ مسکرایا۔

''ہاں لیکن تم سے نہیں۔'' منہ بسورتے ہوئے وہ واپس پھولوں کی طرف پلٹی۔

''ہاں ہاں پتا ہے۔ ویسے اکیلی یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''تم سے مطلب؟ تمہیں بتاؤں گی پھر تم سے پوچھا جائے گا تو تم جھوٹ بولو گے کہ نہیں عنیشہ سے تو میری بات ہی نہیں ہوئی بلکہ نہیں عنیشہ آپی سے۔'' آپی لفظ پر عنیشہ نے زور دے کر کہا۔

''کیا اس بات کی وجہ سے اب تک ناراض ہو؟'' عبدالرافع کو وہ فون کال یاد آ گئی تھی۔

''ناراض...... تم ایک نمبر کے جھوٹے ہو عبدالرافع۔ چچی امی کے سامنے تم نے مجھے جھوٹا بنا دیا۔'' وہ جو پھولوں کو شہادت کی انگلی سے چھو کر ان کی نرمی محسوس کر رہی تھی اچانک اس کی انگلی میں کانٹا چبھ گیا۔

''آہ......''

''یہ کیا؟ کانٹا چبھ گیا۔ کہاں رہتا ہے تمہارا دھیان؟'' عبدالرافع نے اس کی انگلی پکڑی خون اپنی انگلی سے صاف کرنے لگا۔ ''درد ہو رہا ہوگا ناں؟'' عبدالرافع نے اپنی شرٹ کو کھینچا اور عنیشہ کی انگلی پر رکھ دیا۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟'' عنیشہ کو سمجھ نہیں آیا۔

''خون روک رہا ہوں اور کیا؟''

''اس تکلیف اور خون کا احساس ہو رہا ہے تمہیں؟ تو تب کیوں نہیں ہوا جب چچی امی نے فون کیا تھا میرے حوالے سے؟'' عنیشہ نے کنکھیوں سے اسے دیکھا۔

''عنیشہ اب معاف کر دو یار ٹھیک ہے ہوگئی غلطی۔ تم بھی تو مجھے چھیڑتی رہتی ہو میں کیا اب یہ بھی نہیں کرسکتا؟''

عبدالرافع نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا خون اب رک گیا تھا۔

''نہیں کبھی معاف نہیں کروں گی...... اور بہتر ہوگا تم مجھے آپ کہو اور آپی بھی کتنی دفعہ کہا ہے بڑی ہوں میں تم سے...... سمجھ نہیں آتی؟''

''یہ تمہاری جو حاکمانہ فطرت ہے ناں اپنے کسی چمچے کے لیے رکھنا، میرے لیے نہیں، بڑی ہوگی اپنے گھر کی، میں کبھی بھی تمہیں آپی نہیں کہوں گا۔'' دونوں کی عمریں چھوٹی ضرور تھیں اور یہ ان کا لڑنا جھگڑنا اسی زمرے میں آتا تھا۔

''تم...... تم مجھے آپی نہیں کہو گے؟'' عنیشہ نے اسے دھکا دینا شروع کیا لیکن چونکہ عبدالرافع لڑکا تھا جسامت میں عنیشہ سے زیادہ طاقت ور تھا اس لیے مضبوطی سے

اپنے قدم جمائے کھڑے رہا۔

"ہاں نہیں کہوں گا آپی دھاپی تمہیں۔" عبدالرافع نے بھی دوبدو جواب دیا۔ عنیشہ نے ناک پھلا کر بھنویں سکیڑیں اور جان لگا کر اسے دھکا دیا لیکن عبدالرافع نے اسی کا ہاتھ پکڑ لیا جس کے نتیجے میں دونوں ہی گیلی گھاس پر گر گئے۔

"تم نے مجھے گرا دیا بدتمیز۔" عنیشہ نے خونخوار نظروں سے عبدالرافع کو دیکھا جو ہنسے جا رہا تھا۔

"ہاں تو تم مجھے گرانا چاہ رہی تھیں دیکھ لو تم خود گر گئیں۔" عبدالرافع کی ہنسی رک ہی نہیں رہی تھی۔

"میرے کپڑے بھی خراب کر دیئے ناں۔"

"اچھا جی۔ ویسے بھی کون سا اچھی ہو تم جواب کپڑے خراب ہونے کی فکر لگ گئی؟"

"تم...... تم سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو ہاں؟"

"کیا ہو رہا ہے؟" ابھی وہ دونوں لڑ ہی رہے تھے کہ فریدہ کی آواز آئی۔

"اف میرے خدا چچی امی آ گئیں اب پھر سے کہیں وہ نہ ڈانٹیں۔"

"تم اتنا ڈرتی کیوں ہو مامی سے وہ کوئی جن تھوڑی نہ ہیں جو کھا جائیں گی؟" عبدالرافع کی ہنسی تھی کہ بند نہیں ہو رہی تھی۔

"صبر کر جاؤ چچی امی کو تم جانتے کہاں ہو ابھی۔"

"کیا کر رہے ہو تم دونوں یہاں؟ اور یہ کیا کیا ہے اپنے کپڑوں کے ساتھ؟" فریدہ کا وہی انداز جس سے عنیشہ کی جان جاتی تھی۔

"چچی امی وہ ہم گر گئے تھے اس لیے۔" عنیشہ نے بتایا۔

"گر گئے تھے وہ بھی ایک ساتھ...... سچ بتاؤ کیا چل رہا تھا یہاں؟" فریدہ کا انداز وہی تھا فون والی بات جیسا۔

"مامی کچھ نہیں ہم دونوں کی لڑائی ہوئی ہے ہم دونوں ہی اس بات کو سلجھا لیں گے آپ عنیشہ کو ڈانٹیں تو نہیں۔" عبدالرافع نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"یہ کون سی لڑائی ہے ہاں؟ اور تم عنیشہ تمہاری تو اب خیر نہیں۔ ماں کی بات کا اثر لگتا ہے ختم ہو گیا ہے۔" فریدہ ہاتھ اٹھائے عنیشہ کی جانب بڑھی ہی تھیں کہ عبدالرافع نے اپنا ہاتھ آگے کر کے روک لیا۔

"مامی...... یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟ عنیشہ کو کیوں مارنا چاہ رہی ہیں جب کہ میں کہہ تو رہا ہوں یہ ہم دونوں کا مسئلہ ہے ہم آپس میں سلجھا لیں گے آپ پلیز یہاں سے جائیں۔"

"تم مجھ سے بدتمیزی کر رہے ہو۔" فریدہ نے عبدالرافع کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"نہیں مامی بس یہ کہہ رہا ہوں آپ عنیشہ کو بلاوجہ ڈانٹ رہی ہیں۔ ہم بچوں کی بات ہے تو ہم ہی اسے سلجھائیں تو اچھا نہیں رہے گا کیا۔" عبدالرافع اپنے طور پر عنیشہ کو بچا رہا تھا۔

"پہلے ایک یہ بدتمیز تھی اب تم بھی شروع ہو گئے...... ٹھہر جاؤ میں تمہاری شکایت لگاؤں گی۔" فریدہ چلی گئی وہاں سے تب دونوں کو رحمت بی اور جنت بی بی کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور فریدہ اپنے ہی طریقے سے بات کا بتنگڑ بنا رہی تھی۔ جس پر دونوں کی سرزنش کی گئی تھی چونکہ عبدالرافع کی کہی ہوئی بات بدتمیزی کے زمرے میں آ چکی تھی اور رحمت بی گھر میں چھوٹی تھیں بھابی کی باتیں زندگی بھر سننے سے اچھا تھا وہ عبدالرافع کو ہی سمجھاتیں لیکن عبدالرافع اس بات پر بضد رہا کہ وہ غلط نہیں تھا بلکہ فریدہ تھیں لیکن اُس کی بات رحمت بی کیا جنت بی بی بھی نہیں مان رہی تھیں۔

عنیشہ رات کے وقت اداس چہرہ لیے باغ میں ٹہل رہی تھی۔ یہ اس کی زندگی میں دوسری دفعہ عبدالرافع کی وجہ سے ہوا جب فریدہ نے ڈانٹا۔ اُسے اب عبدالرافع بے حد برا لگ رہا تھا۔ عفان اپنے کمرے میں تھا کھڑکی بند کرنے جب وہ آیا تو نیچے ٹہلتی عنیشہ کو دیکھا۔

"یہ اتنی رات گئے یہاں کیا کر رہی ہے؟" عفان نے کھڑکی بند کی اور نیچے آ گیا۔

"عنیشہ؟"

''عفی تم؟'' عنیشہ اسے دیکھ کر چونکی۔
''اتنی رات کو یہاں کیا کر رہی ہو؟'' عفان نے کندھے اچکا کر پوچھا۔
''ایسے ہی نیند نہیں آ رہی تھی تو امی سے پوچھ کر یہاں آ گئی۔'' وہ رکی نہیں اور پھر سے ٹہلنا شروع کر دیا۔
''میں جانتا ہوں امی نے تمہیں ڈانٹا ہے ناں؟ میں انہیں سمجھاؤں گا۔''
''عفی...... تم کیا سمجھاؤ گے؟ تم تو چچی امی کے کہنے پر ایسا مجھ سے دور ہوئے ہو جیسے ہم کبھی دوست ہی نہ تھے؟'' عنیشہ کا شکوہ بجا تھا لیکن عفان نے سمجھانے کی کوشش کی۔
''میں مانتا ہوں کہ مجھے منع کیا گیا ہے لیکن دیکھنا تم ایک دن ایسا آئے گا میں تمہارا ساتھ دوں گا اور پھر اس کے بعد ہر قدم پر دوں گا۔''
''رہنے دو۔ عبدالرافع برا ہی سہی، اس کی وجہ سے ڈانٹ بھی پڑی لیکن کم از کم اُس نے میری خاطر چچی امی کا سامنا تو کیا ناں؟ مجھے اُن کی مار سے بچایا، یہی نہیں ہر ممکن کوشش کی کہ میرا ساتھ دے مجھے بچائے۔ تم نے تو کچھ نہیں کیا ایسا بلکہ تم دور ہو گئے۔'' عنیشہ کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔
ان کی عمریں کوئی اتنی بڑی نہیں تھیں تیرہ چودہ سال کی عمر میں جہاں عنیشہ فریدہ کی باتیں نہ سمجھ کر بھی کچھ حد تک سمجھ رہی تھی وہیں عبدالرافع بھی بارہ سال کا ہو کر بھی عنیشہ کا ساتھ دے رہا تھا۔ وہ رات تھی اور اس کے بعد سے ان کی زندگی میں بہت تبدیلیوں نے جنم لیا۔ عنیشہ عفان سے اتنی محدود ہو گئی کہ ضد کر کے اپنا سیکشن ہی بدلوا لیا جس کی وجہ سے اسکول میں بھی اب برائے نام ملاقات ہوتی تھی۔ گھر پر تو فریدہ کے خوف سے ہی وہ عفان کا نام بھی نہیں لیتی تھی۔ اس کی واحد جائے پناہ دادو تھیں۔ اکثر دونوں عفان اور عنیشہ وہیں پائے جاتے لیکن ان کے بات کرنے کا انداز ہی جدا سا ہو گیا تھا۔ دوسری جانب عبدالرافع بے حد سنجیدہ سا بچہ ہو گیا تھا، دعوتوں وغیرہ میں بھی سب اکھٹے ہوتے پر عبدالرافع ایک کونے میں ہی بیٹھا رہتا یا کبھی موقع ملتا تو عنیشہ کے ساتھ ہوتا، عنیشہ کو بھی عفان سے بہتر عبدالرافع ہی لگا تھا لیکن فریدہ کا خوف ایسا غالب تھا کہ بڑھتی عمر کہیں کچھ اور غلط الزام نا عائد کر دیتا۔
وقت رکتا کہاں ہے...... اپنے ہی انداز میں چلتا جاتا ہے اور لوگ بھی۔ کالج ختم کرنے کے بعد عنیشہ اور عفان یونیورسٹی میں پہنچ گئے تھے ان کے ڈیپارٹمنٹ بھی الگ تھے۔ رحمت بی واپس اپنے شہر میں آ بسی تھی جس وجہ سے عبدالرافع اور رافعہ کا کافی وقت اپنے ننھیال میں گزرنے لگا۔ ثناء جاب چھوڑ چکی تھی، فریدہ کے ساتھ وہ بھی گھر کے امور سنبھالنے لگی تھی۔ جنت بی بی کمزور سی ہو گئی تھیں جس وجہ سے رحمت بی ہر دوسرے دن چکر لگاتی تھیں۔ عبدالرافع اور رافعہ نے نیا نیا یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا اور وہی ڈیپارٹمنٹ چنا جو عنیشہ کا تھا۔ بظاہر وہ عنیشہ کا جونیئر تھا اور سینئر ہونے کی وجہ سے کلاسز الگ تھیں لیکن پڑھائی میں مددگار ثابت ہو رہی تھی۔

......☆☆☆......

''ایک تو آج کل کے بچوں کو موبائل کیا مل جاتا ہے وہ بس اُسی میں لگے رہتے ہیں، ایک ہمارا زمانہ تھا کہ بچے ساتھ بیٹھے رہتے تھے ٹی وی بھی دیکھ لیا باتیں بھی ہو جاتیں تھیں اب تو وہ ساتھ ہو کر بھی کسی اور دنیا میں لگے رہتے ہیں۔'' جنت بی بی رحمت بی سے کہہ رہی تھیں جب کہ سامنے رافعہ موبائل پر مصروف تھی۔
''نانو آپ بھی ناں...... آپ کے دور میں بھی فون تو تھا ناں لوگ بات کرتے تھے اب بھی یہی ہوتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اب فون ہاتھ میں ہوتا کسی کی اجازت لینی نہیں پڑتی، جب دل چاہا بات کر لی ایک دو منٹ کی اور کیا۔'' رافعہ نے بنا جنت بی بی کو دیکھے مسکرا کر جواب دیا۔
''کیڑے پڑیں تمہارے اس ڈبے والے فون کو...... یہ بات اس موئے فون کر چھوڑ کر بھی ہم سے کہہ سکتی تھیں ہمیں دیکھ کر۔'' جنت بی بی نے غصے سے کہا۔ رافعہ نے سر جھکا لیا۔
''ارے ہمارے زمانے میں بھی یہ فون تھے لیکن مجال

ہو جو ہم نے اتنا اس کا استعمال کیا' تم لوگ بھی تو چھوٹے تھے تب بھی یہ فون تھے لیکن اب دیکھو سارا وقت اسی میں سر دیئے بیٹھے رہتے ہو۔" جنت بی بی بولے جارہی تھیں۔ دروازے پر دستک ہوئی اور عنیشہ چائے اور دیگر لوازمات ٹرے میں سجائے اندر لے آئی۔

"ایک میری یہ بچی ہے پڑھائی کے ساتھ ساتھ گھر کے کام بھی جانتی ہے اور ایک تم ہو میری اولاد جسے پانی کا بھی کہوں تو کان پر جوں بھی نہیں رینگتی۔" رحمت بی کی بات پر عنیشہ کھلکھلائی۔

"جوں کیسے رینگے گی بھئی...... میں سر کو اچھے سے صاف رکھتی ہوں۔" رافعہ کی بات پر رحمت بی نے اُسے گھورا۔

"رحمت بی ابھی رافعہ چھوٹی ہے وقت آنے پر خود ہی سب سیکھ جائے گی۔"

"جیو میری عنیشہ آپی...... شکر ہے کوئی تو ہے جو میری طرف داری کرتا ہے۔" رافعہ نے آنکھ مار کر کہا۔

"ہونہہ پڑھائی کا بھی اتنا شوق نہیں بی بی کو تم لوگوں کی طرح ورنہ یہ آج یونیورسٹی میں ہوتی۔"

"امی...... کالج سے پڑھوں یا یونی سے کیا فرق پڑتا ہے' بس بی اے کر رہی ہوں کافی ہے ناں۔" رافعہ نے رحمت بی کے ہنکارا بھرنے کا جواب دیا۔

"اچھا بس بس...... ذرا اپنے جڑواں بھائی کو فون تو ملاؤ پوچھو کہاں ہے وہ؟"

"امی وہ ابھی لائبریری میں ہوں گے فون سائلنٹ کیا ہوگا جواب نہیں دیں گے۔" رافعہ نے بسکٹ کی پلیٹ پر ڈاکا ڈالا۔

"یہ خوب رہی...... بندہ اب مر بھی جائے لیکن بتا ہی نہ سکے اپنی اولاد کو کہ آکر دیکھ لو۔"

"اوہو رحمت بی...... کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ کیوں اتنا غصہ کر رہی ہیں آج آپ اور تم رافعہ چلو ماں کی بات مان لو اور عبدالرافع کو فون کرو کیا پتا وہ ریسیو کرلے۔" عنیشہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"مجھے بھی پتا ہے ناں میرا فون وہ نہیں ریسیو کرتے بلکہ آپ اپنے فون سے کریں وہ کرلیں گے۔ مجھے ایک سو ایک فیصد یقین ہے۔"

"ایک سو ایک نہیں بدھو پورے سو ہوتا ہے۔" عنیشہ اٹھی اور رافعہ کے پاس جا کر اس کے سر پر چپت لگائی۔

"جو بھی ہو، ہونے دو مجھے کیا۔" رافعہ کا وہی لاپروا انداز۔

"اچھا ذرا موبائل کی جان چھوڑ دو اور آرام سے کھاؤ پیو میں عبدالرافع کی خبر لے کر آتی ہوں۔" عنیشہ یہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

اس پورے عرصے میں بدلاؤ جو دکھتا تھا وہ یہی تھا کہ عبدالرافع سنجیدہ شخصیت کا حامل تھا لیکن واحد عنیشہ ہی تھی جس کی وہ بات سنتا اور مانتا تھا جو کسی بھی وقت فون بھی کرلے وہ ریسیو کرتا پھر چاہے وہ لاکھ مصروف کیوں نہ ہو، گزرتے سالوں نے دونوں کی دوستی تو اچھی کردی لیکن وہ آج بھی اُسے آپی کہنے کے خلاف تھا۔

انسان کی فطرت ایسی ہوتی ہے کہ وہ جلد ہی اپنا دل نکال کے رکھ دیتا ہے جو بھی کچھ اس کے دل و دماغ میں ہوتا ہے وہ چھپا نہیں پاتا ایسے لوگ مخلص ہو کر بھی بے وقوفوں کی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں، لیکن انہیں بے وقوف کہنا غلط ہوگا، وہ اپنی نیک نیتی اور معصومیت میں ایسا کر جاتے ہیں ان کے مقابلے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو سب کچھ دل میں ایسے دبا کر رکھتے ہیں۔ بعض اوقات انسان کی مضبوطی اس کا دل کمزور کردیتا ہے۔

عنیشہ کے دل میں عبدالرافع کے لیے نرم گوشہ تھا بھی اور نہیں بھی، وہ سمجھتی تھی کہ عفان کو دور کرنے میں عبدالرافع کا ہاتھ ہے لیکن وہ یہ بھی اچھے سے جانتی تھی کہ فریدہ اسے پسند نہیں کرتی، گزرتے وقت عفان کی دوری اسے شدت سے کھائے جارہی تھی۔ وہ اکثر برملا اظہار بھی کرجاتی تھی عبدالرافع سے۔

"یہ عبدالرافع میرا فون کیوں ریسیو نہیں کر رہا۔" عنیشہ کو برا لگ رہا تھا کہ وہ اس کا فون ریسیو نہیں کر رہا۔

عبدالرافع کے سامنے فون وائبریشن کی وجہ سے مسلسل بھوں بھوں والی آواز دے رہا تھا۔ اسکرین پر عنیقہ کا نام جگمگا رہا تھا۔ کافی دیر فون یونہی وائبریٹ ہوتا رہا اور عبدالرافع نے فون نہیں ریسیو کیا۔

"حد ہوگئی...... اب عبدالرافع میرے ساتھ بھی ایسا کرے گا۔"

"اب تم مجھ سے بات کر کے دکھاؤ مسٹر عبدالرافع۔ لگتا ہے دوستی ختم کرنے کا وقت آگیا ہے اور اسے محض دھمکی نہ سمجھنا یہ عمل کرنے میں مجھے دیر نہیں لگے گی آئی سمجھ؟" زیر لب مسکراتے ہوئے عنیقہ نے عبدالرافع کو پیغام بھیجا اور موبائل چھوڑ کر وہ کچن میں آگئی۔

"آج عبدالرافع ابھی تک نہیں آیا۔" ثناء نے اندر آتی عنیقہ سے سوال کیا۔

"مجھے کیا پتا امی۔ اب میں اس کی نوکر تھوڑی نہ ہوں جو اُس کے آنے جانے کا پتا رکھوں؟" عنیقہ نے مسکرا کر ہی جواب دیا تھا لیکن پیچھے عفان آگیا۔

"لگ تو ایسا ہی رہا ہے کہ تمہیں اُس کے ہر اٹھائے قدم کا پتا ہوتا ہے۔"

"تمہیں کیا، مجھے پتا ہو یا نہ ہو؟" عنیقہ نے فریج سے پانی کی بوتل نکالی اور گلاس میں پانی انڈیلنے لگی۔

"مجھے کیا پوری یونیورسٹی یہ بات جانتی ہے۔" عفان کو غصہ اس بات کا تھا کہ عنیقہ اس سے دور ہوئی اور اب عبدالرافع کے بے حد نزدیک ہوگئی ہے۔

"یونیورسٹی کی باتیں اگر وہیں رکھو تو زیادہ بہتر ہوگا اور ہاں اپنے ڈیپارٹمنٹ میں رہا کرو وہیں کی خبر معلوم ہونی چاہیے، دوسرے کیا کرتے پھر رہے ہیں کیا بول رہے اس سے تمہارا یا تمہارے ڈیپارٹمنٹ کا کوئی لینا دینا نہیں۔" انگلی دکھاتے ہوئے عنیقہ نے کہا جس پر فریدہ بھی جائے مقام پر پہنچ گئیں۔

"یہ انگلی دکھا کر کس طرح بات کر رہی ہو میرے بیٹے سے ہاں...... اوہ ہو ماں بھی موجود ہے کچن میں، اُسی نے شہ دی ہوئی ہے ابھی اتنا بڑ بڑ بول رہی ہو اور تم عفان......" عنیقہ کو خونخوار نظروں سے دیکھ کر کہتی ہوئی اب وہ عفان سے گویا ہوئیں۔

"تم سے کہا بھی ہے کہ اس سے دور رہو بات نہ کیا کرو، دیکھ لو اس کی زبان، کس طرح بات کرتی ہے یہ۔"

"میں نے وہی کہا جو مجھے صحیح لگتا ہے۔ کم از کم سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کہنا اور سمجھنا جانتی ہوں یہ نہیں کہ جھوٹ کو سچ بنا کر لوگوں کے سامنے نشر کروں۔" عنیقہ نے تیوری چڑھا کر کہا۔

"عنیقہ یہ کون سا طریقہ ہے بڑوں سے بات کرنے کا؟"

"او بی بی بس کرو تم ہی اُسے سکھاتی ہو ناں دیکھ لو یہ ہے تمہاری بیٹی......" اب فریدہ اور ثناء کی بحث و تکرار شروع ہوگئی تھی۔ "میرا منہ نہ کھلواؤ تو اچھا ہے۔ اپنی بیٹی کو سنبھال لو بہت ہے۔" فریدہ نے بھنویں اچکاتے ہوئے کہا۔

"میری ماں مجھے سنبھال لیں گی۔ براہِ مہربانی آپ اپنے بیٹے کو سنبھال لیں۔"

"عنیقہ اب چپ بھی کر جاؤ۔" عنیقہ نے ثناء کو دیکھا اور پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

"امی آپ کو کیا ضرورت تھی کچھ بھی کہنے کی۔" عفان فریدہ کو کچن سے باہر لے آیا تھا۔

"یہ لڑکی اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے؟ بچپن سے اس کے کرتوت دیکھ رہی ہوں میں۔ کتنا سمجھایا تمہیں اور اب تم بھی اس کے منہ لگنا بند کر دو۔"

"امی پلیز۔ عنیقہ کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں۔" عفان جیسا بھی رویہ رکھتا تھا دل میں عنیقہ کے لیے نرم گوشہ تو بچپن سے ہی تھا اس بات کو خود سے جھٹلا تو نہیں سکتا تھا وہ۔

"اور یہ عبدالرافع کے ساتھ کیوں اتنا گھوم پھر رہی ہے...... پڑھائی کرنے جاتی ہے یا کچھ اور کرنے ہاں؟"

"امی...... کیا ہوگیا ہے؟ وہ دونوں ایک ہی ڈیپارٹمنٹ میں ہیں اس لیے اکثر ساتھ ہوتے ہیں شاید پڑھائی کی وجہ سے اور کچھ نہیں ہے۔"

"رہنے دو ان کو بچپن سے دیکھتی آرہی ہوں میں دم

چھلے بنا پھرتا ہے۔"

"امی اب بس کریں کیوں عنیقہ کو کوس رہی ہیں؟"

"تم میری طرف ہو یا اُس بدتمیز عنیقہ کی طرف؟"

عفان اس بات کا کیا جواب دیتا۔ وہ اپنی ماں کے کہنے پر عنیقہ سے دور ہوا، لیکن اب عبدالرافع کا عنیقہ سے نزدیک ہونا اُسے بھی نہیں بھا رہا تھا لیکن ماں کے آگے بے بس تھا۔

"امی...... ایسے سوال پوچھ کر مجھے کون سے امتحان میں پاس کروانا ہے...... میں آپ کا بیٹا ہوں تو آپ کی جانب ہی ہوا ناں۔" فریدہ سے لپٹ کر عفان نے اُسے تسلی بخش جواب دیا لیکن دل میں ابھی بھی بات چبھ رہی تھی۔

......☆☆☆......

اگلے دن یونیورسٹی میں عبدالرافع کوریڈور کی ایک جانب بیٹھا ہوا تھا۔ ہاتھ میں موبائل لیے وہ بس اسکرین کو تک رہا تھا ہر بار میسج ٹائپ کرتا لیکن پھر مٹا دیتا پھر کوشش کرتا کچھ ٹائپ کرتا لیکن مٹا دیتا سر اپنا کوریڈور کی دیوار پر ٹکایا اور اپنے خیال میں عنیقہ کو لے آیا کچھ دیر میں ہنسی کی آواز سے آنکھ کھولی تو سامنے عنیقہ اپنی کلاس کی لڑکیوں کے ساتھ باتیں کر رہی تھی اور کسی بات پر ہنسی تھی وہ اسے دیکھنے لگا' ہلکی سی بے بی پنک لپ اسٹک لگائے بالوں کو کیچر میں قید کیا ہوئے تھی' ہاتھوں میں نفیس سا آرٹیفیشل بریسلیٹ تھا وہ اتنا نزدیک بیٹھی ہوئی تھی کہ با آسانی عبدالرافع اسے دیکھ سکتا تھا۔

عنیقہ کی نظر عبدالرافع پر ہی تھی لیکن ایسے کہ عبدالرافع کو پتا بھی نہیں چلے۔ عبدالرافع وہاں موجود تھا چونکہ ایک ہی ڈیپارٹمنٹ میں تھے اس لیے ایک ساتھ وہاں موجود ہونا کوئی بڑی بات نہیں تھی' معمول کے مطابق وہ لوگ اپنے انداز میں وہاں کلاس فیلوز کے ہمراہ موجود تھے عبدالرافع گزشتہ دن فون نہ اٹھانے کی بناء پر عنیقہ کا جو میسج آیا تھا' اسے لگ رہا تھا وہ شاید مذاق تھا لیکن اس ایک میسج کے بعد کوئی اور میسج نہیں کیا تھا عبدالرافع نے پھر سے موبائل کے میسج آپشن کو کھولا اور میسج ٹائپ کرنے لگا۔

میسج بھیجتے ہی اُس نے کھوجتی ہوئی نگاہ عنیقہ پر ڈالی عنیقہ کے ہاتھ میں ہی موبائل تھا اس نے لمحے بھر کو دیکھا پھر بند کر کے باتوں میں لگ گئی...... عبدالرافع نے پھر سے میسج کیا جس پر عنیقہ نے دوسری دفعہ دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا۔

"سمجھتا کیا ہے خود کو...... سامنے بیٹھا ہوا ہے پھر بھی میسج کر رہا ہے یہ نہیں کہ یہاں آ جائے بات کرے...... یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں ناراض ہوں پھر بھی؟" عنیقہ نے دل میں سوچا اور موبائل اپنے بیگ میں رکھ لیا۔

"میرے خیال سے اب کلاس میں چلنا چاہئے وقت ہو گیا ہے آخری سال ہے اب تو۔"

"پتا ہے ہمیں کہ آخری سال ہے اس میں اتنا اونچا بولنے کی کیا ضرورت تھی؟" عنیقہ کی کلاس فیلو نے اُسے ٹوکا اور عنیقہ نے ایک نظر عبدالرافع کو دیکھ کر ہنکارا بھرا اور کلاس لینے چلی گئی۔

عبدالرافع مایوسی سے موبائل اٹھا کر اپنی جینز کی پاکٹ میں رکھا اور تھکے قدموں سے اپنی کلاس کی طرف رواں ہو گیا...... جہاں ایک طرف عنیقہ کو برا لگا تھا دوسری جانب عبدالرافع بھی اپنی اس غلطی کی وجہ سے اداس تھا۔ اُس نے کبھی عنیقہ کو اگنور نہیں کیا تھا لیکن اکثر ایسا ہو بھی جاتا تو وہ میسج پہ رابطے میں ضرور رہتے اِس بار دونوں جانب سے خاموشی تھی۔ چھٹی کے وقت عفان عبدالرافع کے ڈیپارٹمنٹ میں آیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" عنیقہ اپنی کلاس سے باہر نکلی تو سامنے عفان کو کھڑا پایا۔

"تمہارا انتظار اور کیا؟" عفان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم مسکراتے ہوئے بالکل بھی اچھے نہیں لگتے۔" بھنویں اچکاتے ہوئے عنیقہ نے اس کے پاس جا کر کہا۔

"اب کیا تمہیں جو اچھا لگتا ہے وہی ہوگا؟ میری مسکراہٹ ہے اچھی لگے تمہیں یا نہیں مجھے کیا؟" کندھے

اچکا کر عفان نے جواب دیا۔

وہ گرل سے کمر لگائے کھڑا تھا ماتھے پہ آتے بال کلین شیو ڈرونل بلیو جو عفان کا پسندیدہ رنگ تھا اسی رنگ کی شرٹ پہنی ہوئی تھی آستین ہاف فولڈ کی ہوئی تھیں عنیشہ نے جواب دینے کے بجائے اسے بغور دیکھا۔

"اب کیا نظر لگاؤ گی؟" چیونگم چباتے ہوئے عفان نے پوچھا۔

"ویسے تم آئے کیوں ہو..... اور بات بھی کیوں کررہے ہو؟ تمہاری امی نے منع کیا تھا ناں پھر بھی نافرمانی کررہے ہو؟" عنیشہ نے گزشتہ دن ہوئے معرکہ کے حوالے سے سوال کیا۔ عفان ایک دم گرل سے ہٹا اور سیدھا کھڑا ہوگیا اور ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

"جو بات گھر کی ہو اُسے گھر میں ہی کرنی چاہیے۔"

"اچھا..... تو تم نے بھی تو کل میرے اور عبدالرافع کے یونیورسٹی کے حوالے سے بات کی تھی۔" عنیشہ نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"امی ٹھیک کہتی تھیں..... تم واقعی بدتمیز ہوگئی ہو عنیشہ۔"

"عفی؟" عنیشہ روہانسی ہوگئی۔

"عنیشہ کتنے سالوں بعد تم نے مجھے عفی کہا..... تمہیں بہت یاد کرتا ہوں' بچپن کے ساتھ گزارے پل' ہماری دوستی..... کیوں ہوئیں مجھ سے دور تم؟" عفان کی بات پر عنیشہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"یاد ہے..... میں جب تمہارے پاس آیا تھا تم اکیلی تھیں تمہارا ساتھ دینے کی بات کی تھی لیکن تم نے اُس عبدالرافع کو ترجیح دی اور اب وہ تمہارا دوست بن گیا ہے۔" عفان کے انداز میں حسد واضح تھا جس کا اظہار اُس نے کردیا۔ عنیشہ نے لمبی سانس لی۔

"دور تو تم پہلے ہی ہوچکے تھے عفی میرا دور ہونا تمہیں اتنا کھٹک رہا ہے تو جب مجھے ضرورت تھی تب ساتھ کیوں نہیں دیا؟ اتنے سالوں میں بھی کوشش نہیں کی تم نے کہ ایک دفعہ کھل کر بات کرسکو؟ میں دور ہوئی تو تمہاری وجہ سے ہوئی' مجھے چچی امی کی باتوں کا اتنا برا نہ لگتا لیکن تم کیوں دور ہوئے؟" عنیشہ نے بھرائی آواز میں پوچھا۔ عفان لمحے بھر کو خاموش ہوا کب سے وہ اس موقعے کی تلاش میں تھا کہ عنیشہ سے کھل کر بات کرسکے اور اب جب آیا تو الفاظ نہیں تھے۔

اتنے سالوں کے بعد دونوں کو یوں اکیلا ایک دوسرے سے باتیں کرتا دیکھ کر عبدالرافع جو عنیشہ سے ملنے آیا تھا انہیں دیکھ کر واپس جانے لگا تھا۔

"عنیشہ میں تمہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟ دور جانا میری مجبوری تھی امی کو پتا نہیں کیوں.....؟"

"پلیز عفی مجھے اب ان باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں رہی میں آج تمہارے سامنے روئی ہوں تو صرف اس لیے کہ تم سے مجھے امید تھی لیکن تم نے اُس وقت ساتھ نہیں دیا میرے دل سے یہ بات کبھی نہیں نکل سکتی اس لیے بہتر ہوگا جو رویہ گھر میں ہے ویسا ہی یہاں اپناؤ۔" عنیشہ نے نروٹھے انداز میں کہا۔

"تم کیا چاہتی ہو..... تم یہ دیکھنا چاہتی ہو کہ میرا ساتھ دینے والی بات جھوٹی ہے' کیا مجھے ثابت کرنا پڑے گا' کیا کرنا ہوگا مجھے اس کے لیے؟" عفان نے عنیشہ کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"جو کہوں گی کرو گے؟" اس نے تھکی نظروں سے شک کے انداز میں عفان کو دیکھا۔ مضبوطی سے کندھے کو پکڑے ہوئے عفان نے عنیشہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"ہاں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے..... چچی امی سے کہنا ہوگا کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو۔" یہ جملہ تھا یا بم کا دھماکہ' عبدالرافع جو دیوار کی اوٹ سے یہ سب سن رہا تھا اپنی سماعت پر یقین نہیں کرپارہا تھا دوسری جانب عفان کے آگے یہ بات رکھنا اُس کی خواہش پوری ہونے والا حساب تھا لیکن فریدہ سے کہنا سب سے مشکل ترین کام تھا۔

"جو تم نے ابھی کہا وہ کیا سچ تھا...... کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور چاہتی ہو کہ ہماری شادی ہو جائے؟" عفان بھی کچھ بے یقینی سے پوچھا۔
"میں مزید کچھ نہیں کہوں گی' بس یہی کہ اپنی امی سے میرے ساتھ شادی کی بات کرو باقی بات پھر کبھی ہوگی۔" عنیشہ نے عفان کا ہاتھ ہٹایا اور آگے بڑھ گئی وہ اسی طرف آ کر کھڑی ہوئی جہاں عبدالرافع چھپا اُن دونوں کی باتیں سن رہا تھا ایک پل کو عبدالرافع کو لگا کہ اب عنیشہ مڑ کر کہیں اُس کے پاس ہی نہ آ جائے لیکن عنیشہ بس تھوڑی دیر کے لیے رُکی اور پھر چلی گئی۔

......☆☆☆......

عبدالرافع اُس سے شاید محبت کرنے لگا تھا، اُس کے ساتھ دینے کے بعد ہر دم ہر لمحہ عنیشہ ہی اُس کے ساتھ رہی اور عنیشہ کے ساتھ عبدالرافع۔ وہ بارہا خود کو یقین دلانے میں جتا رہا کہ اُس نے عنیشہ اور عفان کی کوئی بات نہیں سنی لیکن جو بات اُس کے لیے ناقابلِ یقین تھی وہ کیسے جھٹلا سکتا تھا...... چلتے پھرتے سوتے جاگتے عنیشہ ہی حواسوں پر سوار تھی اور اُس کی وہ کہی ہوئی بات۔ اُسے اپنا آپ ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، ایک پل کو یوں لگا کہ عنیشہ نے اُس کا ہاتھ بے دردی سے پکڑ کر چھوڑ دیا ہو۔ وہ دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوس رہا تھا کہ شاید عنیشہ اُسے سزا دے رہی ہو۔ اُس دن کے بعد سے عبدالرافع نے جنت وِلا آنا جانا برائے نام کر دیا تھا آتا بھی تو جنت بی بی کے کمرے میں ہی رہتا اور عنیشہ پھر اپنے کمرے تک محدود ہو جاتی' عبدالرافع نے اس دن کے بعد سے ایک بھی میسج نہیں کیا جس کے نتیجے میں عنیشہ نے بھی کوئی میسج نہیں کیا' دونوں ایک دوسرے سے نہ بات کر رہے تھے نہ جس طرح پہلے ملتے تھے ہنسی مذاق کرتے تھے وہ بھی بند ہو گیا تھا۔
رمضان کی آمد آمد تھی...... فریدہ اور ثناء پہلے سے ہی کچھ فروزن چیزیں تیار کر کے رکھ لیتے تھے اور آج عنیشہ بھی اُن کا ہاتھ بٹا رہی تھی...... عفان کچن میں پانی پینے آیا تو تینوں کو کام کرتا دیکھ کر فریدہ کے پاس آیا۔
"لگتا ہے کام بہت زیادہ ہے اور آپ تینوں سے پورا نہیں ہو کے دے رہا۔"
"بیٹا جی' کبھی میں اکیلے کام کیا کرتی تھی اور اب دو لوگ اور بھی ہیں وہ الگ بات کہ مجھے پسند نہیں لیکن خیر سے بابرکت مہینہ آ رہا ہے تو کیا دل خراب کرنا؟" یہ بات سراسر عنیشہ اور ثناء کے لیے کہی گئی تھی۔
"اگر ایسی بات ہے تو کیوں نہ کسی اور لڑکی کا بندوبست کیا جائے؟" عنیشہ جو کباب کا پیڑا بنا رہی تھی یہ بات سن کر رک گئی۔
"کیا مطلب تمہارا اور کوئی لڑکی؟" فریدہ نے حیرانی سے پوچھا۔
"ہاں اگر تین کے بجائے چار ہو جائیں تو حرج نہیں ناں۔"
"عفان ایسی بات ہے تو ہم رافعہ کو بلا لیتے ہیں آپ کی کمی والی بات بھی پوری ہو جائے گی اور وہ بھی کچھ سیکھ لے گی کیوں؟" عنیشہ نے نظریں کباب کے پیڑے پر ہی رکھیں۔
"مرضی ہے جسے چاہے بلا لو میں نے تو بس ایک مشورہ دیا تھا۔" عفان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ عنیشہ کو کچا کھا جائے۔
"ٹھیک ہے چچی امی کی اجازت ملے تو میں اُسے بلوا لوں گی کیوں چچی امی؟"
"جو جی میں آئے کرو مجھے بس کام پورا چاہیے روزوں میں اتنی سکت نہیں رہتی کہ کچن میں زیادہ کام کیا جائے۔" فریدہ کی بات پر عنیشہ نے شرارتی انداز میں مسکرا کر عفان کو دیکھا جس پر عفان نے اُسے غصے سے آنکھیں دکھائیں۔

......☆☆☆......

"امی...... میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔" عفان نے فریدہ کے کمرے میں آ کر تمہید باندھی۔ کمرے میں نیم اندھیرا تھا غالباً فریدہ سونے لگی تھیں کہ عفان کمرے میں آیا۔

"کیابات ہے؟" فریدہ بےزاری سے اٹھ بیٹھی۔
"امی...... آپ کو عنیشہ کیوں اچھی نہیں لگتی؟" عفان کی اس بات پر فریدہ کے چہرے کا زاویہ ہی بگڑ گیا یوں جیسے کسی نے کڑوی کسیلی دوا پلادی ہو۔
"میرے سونے کے وقت میں خلل ڈالنے کی وجہ یہ عنیشہ ہے؟"
"میں واقعی جاننا چاہتا ہوں۔" عفان نے سر جھکائے پوچھا۔
"تمہیں کیوں اُس میں دلچسپی ہوگئی ہے؟ مجھے نہیں پسند ماں بیٹی بس ختم بات۔" فریدہ نے منہ پھیر کر جواب دیا۔
"اگر میں کہوں کہ میں اُس سے شادی کرنا......" فریدہ کے سر پر جیسے بم پھٹ گیا ہو۔
"کیا...... !کیا...... کہا؟"
"وہ...... میں......"
"بس ختم...... جو کہنا تھا تم نے کہہ دیا میں نے بھی سن لیا اب جاؤ یہاں سے۔"
"پر امی......" عفان منمنایا۔
"کہہ دیا ناں جاؤ۔" فریدہ نے گھوری دی...... عفان کو واپس اپنے کمرے میں آنا ہی پڑا۔
"میں نے ایک کوشش کی ہے اپنی بات اپنی ماں تک پہنچادی ہے آگے کی بات بھی میں سنبھال لوں گا بس اب تم نے بھی ساتھ دینا ہے میرا۔" اسماکلی کے ساتھ بھیجا گیا میسج عفان کی جانب سے عنیشہ بار بار پڑھ رہی تھی۔
"عفان تم کرتے رہو اب کوشش۔" عنیشہ نے دل میں کہا اور آنکھیں موند کر لیٹ گئی۔
اگلے دن حسب معمول سب اپنے کاموں میں مصروف تھے اتوار کا دن تھا جس وجہ سے مرد حضرات بھی گھر پر ہی موجود تھے سب لوگوں نے جنت بی بی کے کمرے میں ڈیرا جمایا ہوا تھا میچ بھی تھا آج اس لیے سب کافی پُرجوش بھی تھے۔
"کیا شان ہے بھئی نوابی تو دیکھو لوگ دن چڑھے ہوئے رہتے ہیں کل کو بیاہ کے جائے گی خوب ماں کا نام روشن کرے گی۔" فریدہ نے کچن میں گھستے ہی عنیشہ کو ٹوکا۔
"میری ابھی کہیں بات بھی نہیں ہوئی شادی کی اور آپ میرے سسرال کو بھی جان گئیں بلکہ میں اپنی ماں کا جو نام روشن کروں گی اس کے لیے بلب بھی آپ ہی دیں گی ناں؟" عنیشہ نے دوبدو جواب دیا۔
"کوئی شرم ولحاظ ہی نہیں رہا اب تو بڑی ہوں میں تم سے اور یہ اس طرح مجھ سے بات کررہی ہو سن لو ایسے کوئی تمہارا گھر نہیں بسے گا...... ساس سے بدتمیزی کرتی پھرو گی تو۔"
"بول تو آپ ایسے رہی ہیں جیسے آپ ہی میری ساس بننے کا تمغہ حاصل کرنے والی ہیں؟" عنیشہ نے فریدہ پر وار کیا...... جیسا کہ عفان نے اُسے میسج پر بتادیا تھا کہ فریدہ کے آگے بات رکھ دی ہے فریدہ جو پیاز کاٹنے لگی تھی بے خیالی میں چھری سے انگلی پر کٹ لگ گیا۔
"ارے آرام سے نہ ہونے والی ساس جی...... ایسا نہ ہو میں واقعی بہو بن گئی تو انگلی ہی نہ کٹ جائے ناک تو میں کٹوا ہی دوں گی آپ کی کیوں ہیں ناں؟"
"یہ تو تم اپنے خواب میں بھی مت سوچنا چاہے بند آنکھوں سے دیکھو یا آنکھیں کھول کر کہ تمہاری شادی عفان سے ہوسکتی ہے۔" فریدہ نے چھری اُس کے ناک کی سیدھ کی طرف کرکے کہا۔
"اپنے بیٹے کو سنبھال لیں یہی بہتر ہوگا میری فکر میں دبلی ہوجانے سے اچھا ہے روزے رکھ کر دبلی ہوجایئے گا۔" طنزیہ مسکرا کر بھنویں اچکاتی وہ یہ کہہ کر کچن سے چلی گئی۔

......☆☆☆......

رمضان کے بابرکت مہینے کا آغاز ہوچکا تھا جنت بی بی بیماری کی وجہ سے روزے نہیں رکھتی تھیں اُن کے لیے کھانا کا انتظام کرتے ہوئے فریدہ کی جان نکل جاتی تھی ثناء اور عنیشہ اس کام کو سرانجام دینے لگیں روحیل اور احمر کا بھی زیادہ وقت گھر پر گزرتا پھر رات کو عفان اُن دونوں کے

ساتھ تراویح پڑھنے چلا جاتا تھا۔ عبدالرافع جو ویسے ہی عنیشہ کی بات سن کر دل برداشتہ ہوچکا تھا رمضان کی وجہ سے آنا جانا بھی چھوڑ بیٹھا تھا البتہ رحمت بی کا چکر روز لگتا رافعہ بھی اُن کے ہمراہ ہوتی۔

عنیشہ ہر دفعہ اٹھتے بیٹھتے موبائل کو دیکھتی میسج باکس بار بار کھولتی کہ کہیں کوئی میسج آیا ہو نہ خود وہ میسج کررہی تھی نہ عبدالرافع۔

پہلا عشرہ خیر اسلوبی سے گزرا عفان نے فریدہ کا سر کھانا شروع کردیا تھا آئے دن ایک ہی رٹ لگائے رہتا تھا کہ عنیشہ سے ہی شادی کرنی ہے وہ گھر کی بچی ہے یہیں رہے گی تو کسی کو مسئلہ نہیں ہوگا دوسری کوئی آئے جو ہمیں ہی صحیح سے نہ جانتی ہو کون سا گھر والوں کا صحیح خیال رکھ پائے گی۔ عفان ہر ممکنہ کوششوں میں لگا ہوا تھا کہ فریدہ مان جائیں۔ فریدہ جو کسی صورت ماننا ہی نہیں چاہتی تھیں نہ وہ عنیشہ کے آگے جھکنا چاہ رہی تھیں نہ اُسے جیتتا دیکھنا چاہتی تھیں۔

عنیشہ اور عفان چونکہ ایک ہی گھر میں رہتے تھے اس لیے آمنا سامنا ہوجاتا تھا اور وہی عفان کی باتیں کبھی میسج میں کہتا کبھی سامنے جس کا جواب عنیشہ ہنوز ایک ہی دیتی۔

''اپنی ماں کو مناؤ۔''

دوسرا عشرہ گزر گیا اور اب رمضان تیسرے عشرے میں داخل ہوگیا تھا عنیشہ دل ہی دل میں دعائیں کرنے لگی کہ ایک بار عبدالرافع میسج کرے لیکن خود بڑھ کر کوئی رابطہ نہیں کررہی تھی...... دوسری جانب عفان نے منتیں سماجتیں کر کرکے فریدہ کو منا لیا تھا آخر اکلوتے سپوت کے آگے ماں کو ہار ماننی ہی پڑی تھی لیکن عفان نے منع کردیا تھا کہ ابھی کوئی ذکر نہ کریں کسی سے۔

چاند رات سے دو دن پہلے عنیشہ نے اپنی ضد کے آگے ہار مان لی اور عبدالرافع کو میسج کردیا۔

''کیسے ہو؟'' عنیشہ نے دھڑکتے دل سے ٹائپ کیا۔

''کیسا ہوسکتا ہوں؟'' عبدالرافع میسج آنے پر خوش تو تھا لیکن اُس دن کا منظر یاد آ گیا۔

''بھلکڑ ہی ہوسکتے ہو اور کچھ نہیں۔'' عنیشہ نے مسکراتے ہوئے لکھا۔

''وہ کیوں؟'' عبدالرافع نے سوال کیا۔

''مجھے جو بھلا دیا۔'' عنیشہ نے سانس خارج کر کے لکھا۔

''بھولے گا دل جس دن تمہیں، وہ دن زندگی کا آخری دن ہوگا۔'' اپنے آپ کو نارمل کرتے ہوئے عبدالرافع نے میسج پہ گانے کی لائن لکھی۔

''ڈرامے باز ہو پورے۔'' عنیشہ یوں مسکرائی جیسے عبدالرافع سامنے ہو۔

''جانتا ہوں اور کچھ؟'' عبدالرافع عنیشہ کے میسج کا مسلسل جواب دے رہا تھا۔

''کیا میں یاد نہیں آتی؟'' عنیشہ نے یہ سوال خود سے بھی کیا تھا عبدالرافع کی طرف سے۔

''تمہیں بھولا ہی کب ہوں جو یاد کروں؟'' عبدالرافع نے یہ میسج پڑھ کر بھاری دل کے ساتھ جواب دیا۔

''اچھا اب بس کرو۔'' عنیشہ نے بات ختم کرنا چاہی۔

''بس کے بجائے ٹیکسی نہ کرلوں، لیکن وہ بھی کیوں کروں اپنی گاڑی ہے میری تو۔'' عبدالرافع نے پھر سے موڈ کو بحال کرنا چاہا۔

''اچھا بابا اب میری بات سنو۔'' عنیشہ نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

''اچھا بابا اب کہو۔'' عبدالرافع نے اسی کے انداز میں جواب دیا۔

''چاند رات پر تم' رافعہ اور رحمت بی ساتھ میں پھوپا جی سب کو گھر آنا ہوگا۔'' عبدالرافع کا دل میسج پڑھ کر بے چین ہوگیا۔

''کس خوشی میں؟'' عبدالرافع نے پوچھا۔

''چاند رات کی خوشی میں اور کیا؟'' عنیشہ نے نارملی جواب دیا۔

''اچھا مجھے لگا کچھ اور ہوگا۔'' عبدالرافع کو لگا شاید کوئی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

خاص بات ہوگی۔
”ہاں شاید کچھ اور بھی ہو جائے۔“ عبدالرافع کو پھر سے دھڑکا لگا۔
”میں سمجھا نہیں۔“ عبدالرافع کے میسج پر عنیشہ زیرلب مسکرائی۔
”نہیں سمجھو گے مجھے پتا ہے۔“ عنیشہ نے جواب لکھا۔
”تو پھر؟“ عبدالرافع جیسے جاننا چاہ رہا تھا۔
”بس اُس رات آجانا اور سنو خالی جیب مت آنا۔“ یہ میسج بھی عبدالرافع کو سمجھ نہیں آیا۔
”کیا بولے جارہی ہو؟“
”جتنا کہا ہے بس اُتنا ہی کرنا آئی سمجھ؟“ عنیشہ نے پھر سے رعب والے انداز میں میسج کیا۔
”اچھا ٹھیک ہے اور کچھ؟“
”نہیں اب بائے۔“ عنیشہ نے جواب دیا۔
”اچھا بائے۔“ عنیشہ نے گہری سانس لی اور اطمینان سے موبائل سرہانے رکھ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔
عنیشہ کو عبدالرافع کا ساتھ ملنا ہی اُس کی بڑی تبدیلی تھی، عبدالرافع اُس کا ہردم خیال رکھتا تھا۔
عفان کی نیندیں اڑی ہوئی تھیں...... چاند رات پر وہ عنیشہ کو سرپرائز دینے کے چکر میں گھن چکر بنا ہوا تھا اب چاند رات میں محض دو روز ہی باقی تھے اور بے تابیاں بے چینیاں عفان کی بڑھی ہوئی تھیں جبکہ عنیشہ سکون کی نیند لے رہی تھی اُسے پرواہ نہیں تھی کہ عفان کیا کررہا ہے۔
عبدالرافع بار بار موبائل میں موجود ان میسجز کو پڑھ رہا تھا اُس دن اگر وہ باتیں نہ سنتا تو اُسے اندازہ بھی نہ ہوتا کہ عنیشہ کیوں چاندرات کے لیے بلارہی ہے عبدالرافع واقعی نہیں جانتا تھا لیکن عنیشہ نے کہا ہے تو وہ جائے گا۔

☆☆☆

جنت ولا میں شوروغل ہورہا تھا آج آخری روزہ تھا رحمت بی بمعہ اہل وعیال کے آرہی تھیں عنیشہ ثناء اور فریدہ کچن میں مصروف تھیں افطاری کے ساتھ ساتھ وہ ڈنر کے ناشتے کے لیے بھی تیاری کررہی تھیں۔
”عنیشہ تم آج زیادہ کام نہیں کرنا ویسے بھی مہندی وغیرہ کے لیے جاؤ گی تم اور رافعہ تو تھکی ہوئی ہوگی ایسا کرو ابھی جاکر آرام کرو رات میں دیکھ لینا۔“ یہ فریدہ تھی جو عنیشہ سے ایسے بات کررہی تھی جیسے ٹھنڈے پانی میں چینی گھول کر پلادی ہو۔ عنیشہ کے ساتھ ساتھ ثناء کو بھی حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔
”لیکن چچی امی آپ دونوں اکیلی کام کرتی رہیں گی اوپر سے رحمت بی کے گھر والے بھی ہوں گے آپ لوگ زیادہ تھک جائیں گے مل جل کر کرلیتے ہیں ناں۔“ عنیشہ کو سمجھ نہیں آیا وہ کس طرح جواب دے۔
”رافعہ ہے ناں وہ جلدی آجائے گی عبدالرافع چھوڑ جائے گا وہ ہاتھ بٹالے گی تم جاکر آرام کرلو۔“ فریدہ نے پھر سے عنیشہ کے لیے ایسی بات کی جسے سن کر ثناء عش عش کر اٹھی تھی اُسے اپنی سماعت پر یقین نہیں ہورہا تھا کہ فریدہ عنیشہ سے اتنے اچھے اور پیار بھرے لہجے میں بات کررہی ہے۔
”پر چچی امی......“
”اف ایک تو تم باتیں بہت کرتی ہو جو کہا ہے وہ کرو جاکر۔“
”کیا کہا ہے چچی امی؟“ عنیشہ ہونق سی بنی فریدہ کو دیکھنے لگی۔
”اف میرا سر جاؤ کچن سے مجھے اور ثناء کو کام کرنے دو سر مت کھاؤ۔“ فریدہ اپنے اُسی انداز میں آ گئی تھی جو اُس کی پہچان تھی، جس پر عنیشہ مسکراتی سر کو ہلاتی کچن سے باہر چلی گئی۔
وہ اپنے کمرے میں آکر لیٹ گئی تھی وہ سمجھ چکی تھی فریدہ کا یہ بدلہ ہوا انداز جیسے ہی اُسے گھنٹی کی آواز سنائی دی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی فوراً تیز تیز قدم چلتے ہوئے باہر کی جانب آئی جہاں عبدالرافع رافعہ کو لے کر لاؤنج میں موجود تھا ہانپتی ہوئی عنیشہ نے عبدالرافع کو دیکھا اور مسکرادی عبدالرافع نے بھی اُسے دیکھا لیکن سپاٹ چہرہ لیے پرواہ کرتے ہوئے یونہی کھڑا رہا عنیشہ نے وہیں

سے گھورا اُسے۔

"اب یہیں کھڑے رہو گے یا چلتے بھی بنو گے؟"

"میرے یہاں کھڑے رہنے سے تمہیں کوئی تکلیف ہو رہی ہے؟" عبدالرافع نے ہاتھ باندھ کر جواب دیا۔

"ہاں ہو رہی ہے بہت تکلیف۔" ہنکارتے ہوئے عنیشہ نے کہا۔

"تو اُس کے لیے کسی اچھے سے معالج کے پاس جاؤ' تکلیف رفع ہو جائے گی۔" طنزیہ مسکرا کر عبدالرافع نے کہا۔

"تمہیں کیا اِس بات سے؟"

"مجھے کچھ بھی نہیں ہے ہوا تو تمہیں ہے جو تکلیف کا بتا رہی ہو اچھا خیر اب میں چلا۔"

"کہاں جا رہے ہو؟" عبدالرافع واپس جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ عنیشہ نے سوال کر کے روکا۔

"گھر اور کہاں...... امی ابو کو بھی لانا ہے ناں...... یہ تو فریدہ مامی نے کہا تھا رافعہ کو جلدی لے آؤں اور کچھ میڈم جی......" سعادت مندی سے عبدالرافع نے جواب دیا تو عنیشہ کو غصہ آ گیا۔

"ہاں ہاں جاؤ جاؤ ویسے بھی کون سا تمہارے واپس آنے کا انتظار ہے مجھے ہونہہ۔" عنیشہ نے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

"اچھا...... واقعی......! تو پھر مجھے میسج کر کے کیوں کہا تھا کہ......"

"کیا کہا تھا میں نے...... بس یہی ناں کہ سب کو لے کر آنا' اچھا ٹھیک ہے اب جاؤ اور لے کر آنا سب کو چلو جاؤ اب۔" عنیشہ نے انگلی سے دروازے کی طرف اشارہ کیا تو عبدالرافع ہنستا ہوا چلا گیا۔

وہ بوجھل قدموں سے اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور بستر پر ایسے دراز ہوئی جیسے بہت بھاری کام کیا ہو' جسم تھکا تھکا بے جان سا لگنے لگا تھا وہ عفان کو شادی کے لیے فریدہ کو منانے کی بات کر چکی تھی لیکن دوسری جانب دل اُتھل پتھل ہو رہا تھا' وہ عبدالرافع کے بارے میں سوچ رہی تھی' عبدالرافع جو ساری باتیں سن چکا تھا غالباً اس کے بارے میں اب سوچنے لگی تھی' فریدہ کا بدلا انداز صاف بتا رہا تھا عفان آج رات کچھ کرنے والا ہے ساتھ ہی کہیں فریدہ بھی کچھ دھمال نہ کر ڈالیں عبدالرافع کا ذہن میں آتے ہی وہ ایک دم الرٹ ہو گئی اور آخری فیصلہ کر کے ایک لمبی سانس خارج کی۔

مغرب ہونے سے آدھا گھنٹہ پہلے رحمت بی عبدالرافع اور انصر آ گئے تھے عبدالرافع کے چہرے پر اداسی واضح تھی جسے عنیشہ ہی سمجھ سکتی تھی لیکن عبدالرافع سب کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی کھویا ہوا بیٹھا ہوا تھا۔

"لگتا ہے عبدالرافع کو روزہ لگ رہا ہے۔" عنیشہ نے سب کا دھیان عبدالرافع کی جانب کیا خود وہ بھی سپاٹ چہرہ لیے اُسے دیکھنے لگا پھر گھور کر اُسے دیکھا۔

"ارے باپ رے...... کیا زیادہ روزہ لگ رہا ہے جو ایسے خونخوار انداز میں دیکھ رہے ہو؟" عنیشہ نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔

"کیوں چھیڑ رہی ہو عنیشہ ہمارے عبدالرافع کو؟" ثناء نے عبدالرافع کی بلائیں لیں۔

"دم اچھے سے لیں بھئی بلائیں کہیں کسی چڑیل کا سایہ تو نہیں پڑ گیا؟" عنیشہ نے اپنے ہونٹ دانتوں تلے دبائے اور ایک نظر عبدالرافع کو دیکھا۔

افطاری سے ۵ منٹ پہلے عفان بھی آ گیا تھا۔ سب لوگ ٹیبل پر آ گئے اور رحمت بی بی کو بھی ساتھ بٹھایا تھا۔ افطاری کرنے کے بعد مرد حضرات مسجد جانے کی تیاری میں لگ گئے' فریدہ اور ثناء اپنے اپنے کمروں میں جب کہ عنیشہ اور رافعہ جنت بی بی کو اُن کے کمرے میں لے گئیں جہاں نماز پڑھنے کے بعد دونوں چھت پر چاند دیکھنے چلی گئیں۔

"اف یہ چاند ہمیں کیوں نہیں دکھتا؟" عبدالرافع نے ہاتھ سے بادلوں کو ہٹانے کی کوشش کی۔

"بدھو بادل ہٹا ایسے رہی ہو جیسے سچ میں سامنے ہوں۔" رافعہ بھی چاند دیکھنے کی کوشش میں تھی۔

"ہم بھی اب ٹیلی اسکوپ لے ہی لیں اُسی سے

دیکھنے میں آسانی ہوگی ناں۔" رافعہ نے مشورہ دیا۔
"پھر تو تمہیں اپنے جیسے ستارے بھی دکھ جائیں گے۔"عنیشہ نے رافعہ کو زبان چڑائی۔
"کیا مطلب میرے جیسے ستارے......! میں کوئی ستارہ ہوں؟" رافعہ نے اپنے آپ کو دیکھا پھر آسمان کو۔
"ہاں تم اوپر سے ہی تو آئی ہوا ایلین کہیں کی۔" رافعہ اس بات پر منہ پھلا بیٹھی۔ "ڈرامے باز کہیں کی۔" عنیشہ کھلکھلائی اور یک دم اُس کا موبائل بج اٹھا۔
"چاند مبارک ہو عنیشہ۔" کال ریسیو کرتے کے ساتھ ہی عفان بولا۔
"کہاں مبارک......! یہاں تو دکھ ہی نہیں رہا مجھے۔" عنیشہ نے آنکھیں بھینچ کر دیکھا۔
"کوشش کرو شاید میں دکھ جاؤں۔" عفان ہنسا۔
"آئے ہائے میرے چھت پر ایک ستارہ یعنی ایلین پہلے سے ہی موجود ہے اب تم بھی چاند بن گئے؟"
"کس کا فون ہے آپی؟" رافعہ نے بولنا لازمی سمجھا۔
"چلو تم چاند ڈھونڈو پھر چچی امی کا انتظار کروانی۔" عفان نے قہقہہ بلند کیا۔
"کیا مطلب۔"عنیشہ جان کر انجان بن گئی۔
"جان جاؤ گی۔" عفان نے اتنا ہی کہا اور فون بند کر دیا۔
"آپی آپی وہ دیکھیں ایک چھوٹی سی لکیر وہ چاند ہے ناں دیکھیں دیکھیں۔" رافعہ نے تقریباً عنیشہ کو جھنجھوڑ ہی ڈالا تھا۔ وہ جو عفان کی بات میں کھوئی ہوئی تھی نظر اٹھا کر سامنے چاند کو دیکھا اور رافعہ کو وہیں چھوڑ کر نیچے جانے لگی۔ نیچے فریدہ اور ثناء گلے لگ کر چاند کی مبارکبادیں وصول کر رہی تھیں۔ وہ انہیں دیکھ کر اپنی جگہ کھڑی رہی۔ کچھ ہی دیر میں مرد حضرات بھی گھر آ گئے تھے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔ لیکن عفان کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ ثناء عنیشہ کے کمرے میں گئی اور اُسے فریدہ کی بات بتائی۔
"امی انہیں منع کر دیں۔" عنیشہ کھڑکی کے سامنے کھڑی آسمان کو تک رہی تھی۔
"پاگل ہوگئی ہو کیا؟ عفان کے لیے تمہارا رشتہ آنا کسی نعمت سے کم ہے کیا؟" ثناء کا پارہ چڑھ گیا بیٹی کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا۔
"لیکن مجھے عفان سے شادی نہیں کرنی۔" عنیشہ آسمان کو دیکھتے ہوئے جواب دے رہی تھی۔
"کیوں نہیں کرنی اُس سے؟ بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہو، ایک ہی گھر کے بچے ہو پھر کیا مسئلہ ہے؟"
"بس آپ جا کر منع کر دیں بلکہ عفان کے سامنے جا کر منع کریں۔"عنیشہ اٹل فیصلہ لیے ہوئے تھی۔
"میں نے جا کر اپنی بے عزتی نہیں کروانی فریدہ سے۔" ثناء تھک ہار کر چیئر پر بیٹھ گئیں۔ اس کا انکار ثناء کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔
"انہوں نے جو پوری زندگی میرے ساتھ کیا، کیا آپ چاہتی ہیں آگے بھی وہی ہو؟"عنیشہ نے پلٹ کر ثناء کو دیکھا۔
"کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟ میں کچھ نہیں کہوں گی۔" ثناء کو گھبراہٹ شروع ہوگئی تھی۔
"چچی امی نے آپ سے کہا ہے اب آپ باہر جائیں اور سب کو بتا دیں عفان سمیت کہ میں نے منع کر دیا ہے بس۔"
"اب کہاں جا رہی ہو......اور اگر عفان نہیں تو پھر کون، مجھ سے پوچھا جائے تو کیا کہوں گی کیا بہانہ تراشوں گی؟" ثناء عنیشہ کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی جو دروازے کی جانب جا رہی تھی۔
"لیکن میری یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ جب مجھے عفان سے شادی کرنی ہی نہیں ہے تو پھر کیوں مجھے راضی کرنا چاہ رہی ہیں؟" مٹھیاں بھینچتے ہوئے بھنویں اچکا کر عنیشہ نے کہا۔
"تم کیا چاہتی ہو پہلے ہی میری اور تمہاری فریدہ چاچی سے مسئلے تھے اب وہ خود رشتہ لے کر آئی ہے میں جا کر منع کر دوں تو گھر میں ہی عالمی جنگ چھڑ جائے گی۔ مجھے تو

بخشو، میں جا رہی ہوں ہاں کرنے اب مجھ سے کوئی بحث نہیں کرنی آئی سمجھ۔" ثناء باہر چلی گئی اور سب کو خبر دے دی کہ عنیشہ اس رشتے سے خوش ہے اور ابھی عفان کے ساتھ شاپنگ کرنے جائے گی، دوسری جانب عبدالرافع کو بھی امید تھی لیکن دل ٹوٹا بس اُسی نے سہا۔

عید کی شاپنگ میں عفان کا چھیڑنا اور عنیشہ کا زبردستی مسکرانا عفان کا ساتھ دینا دل سے اُسے یہ سب برا لگ رہا تھا لیکن وہ کچھ کر نہیں پا رہی تھی۔ عید پہ بھی وہ بجھی بجھی سی تھی عبدالرافع جو ویسے ہی خاموش طبع کا تھا مزید خاموش ہوگیا۔ عید پہ سب کا آنا جانا لگا رہا سب کی مبارکبادیں وصول کی جا رہی تھیں۔

"خوش ہو؟" رات کے وقت عبدالرافع کا پیغام عنیشہ کے موبائل پر موصول ہوا۔

"ہاں شاید۔" عنیشہ نے آنسو ضبط کرکے جواب دیا۔

"چلو خوش رہو۔"

"کیوں اور کچھ نہیں کہنا؟" عنیشہ چاہ رہی تھی کہ عبدالرافع کہے لیکن۔

"نہیں بس شب بخیر۔" عبدالرافع نے پیغامات کا سلسلہ منقطع کردیا۔

☆☆☆

"کیا بات ہے چندا، تم فریدہ کے ساتھ شاپنگ پہ نہیں گئیں؟ پتا ہے ناں تمہاری چوائس اور اُس کی ذرا بھی میل نہیں کھاتی اب وہ جو لے آئے پھر تم نے ہی نقص نکالنے ہیں۔" جنت بی بی نے عنیشہ کو ٹی وی میں محو دیکھ کر پوچھا۔

"وہ جو بھی لے آئیں پہن لوں گی مجھے مسئلہ نہیں۔" عنیشہ نے قدرے بیزاری سے جواب دیا۔

"ہیں......! یہ تم کہہ رہی ہو...... اللہ خیر کرے، اتنی تبدیلی آگئی؟ لگتا ہے کسی سیاست دان کا جلوہ یہاں بھی ہوگیا ہے بھئی۔" جنت بی بی نے وہیں تخت سے بیٹھے بیٹھے بلائیں لینا شروع کردیں۔

"اوہو دادو بس کریں اور کوئی بات نہیں ہے کیا جب دیکھو میری شادی میرا نکاح اسی میں دن رات نکال لیتے ہیں آپ لوگ۔" عنیشہ جانے کے لیے کھڑی ہوگئی۔

"اے لڑکی...... کیا ہوگیا ہے تجھے...... تو کب سے چڑچڑی ہوگئی؟ ایک تو نکاح تمہاری ہی رضامندی سے ہو رہا ہے اب نخرے کر رہی ہو فریدہ کا تو اثر نہیں ہوگیا؟" جنت بی بی نے پہلے سخت لہجے میں بات کی پھر انداز بدل لیا۔

"اف بس بھی کریں۔" عنیشہ باہر کی جانب گئی اور جنت بی بی کو حیرت میں ڈال گئی۔

جہاں گھر بھر تیاریوں میں تھا وہیں عفان سے عنیشہ نے بات کرنا چھوڑ دی تھی۔ وجہ یہی بتائی کہ اب نکاح تک بات نہیں کریں گے تھوڑا فاصلہ ہونا ضروری ہے۔

"تم عفان سے بات نہیں کر رہیں سمجھ آتا ہے لیکن اماں سے بھی اچھے سے بات نہیں کر رہی ہو اور فریدہ جو اتنی خریداری کرکے لائی ہے وہ بھی نہیں دیکھ رہیں کسی چیز میں دلچسپی نہیں دکھا رہیں تم کیوں؟"

"کمال ہے لوگ آپ سے میری شکایت لگا رہے ہیں...... میں آپ کی شکایت کس سے لگاؤں؟" عنیشہ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"یہ کس لہجے میں مجھ سے بات کر رہی ہو تم؟"

"کیا کروں پھر میں؟ جب میں نے کہا تھا کہ مجھے عفان سے شادی نہیں کرنی آپ نے زبردستی ہاں کردی اب میرا لہجہ ایسا ہی رہے گا......" عنیشہ نے وجہ بتائی۔

"اف یہ لڑکی...... عفان تمہارا بچپن سے دوست رہا ہے اور ایک دوسرے کو تم اچھے سے جانتے ہو حیرت ہے اُس کا رشتہ آنا تمہیں کیوں برا لگ رہا ہے کیوں شادی نہیں کرنا چاہتی ہو؟"

"صاف بات یہ ہے کہ مجھے عفان سے نہیں بلکہ عبدالرافع سے شادی کرنی ہے۔" عنیشہ نے جیسے ہی کہا ثناء کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ کافی دیر تک بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔

"کیا......! عبدالرافع سے؟ وہ تو تم سے چھوٹا ہے، دماغ تو درست ہے ناں تمہارا؟"

''وہ کوئی پہلا نہیں ہے جو مجھ سے چھوٹا ہے اور ابھی لوگ ہیں جو اپنے سے بڑی عمر کی عورت سے شادی کر چکے ہیں۔''

''لیکن زمانہ کیا کہے گا؟'' ہاتھ ملتی ہوئی ثناء نے کہا۔

''مجھے زمانے سے زیادہ اپنی فکر ہے۔''

''تمہارا نکاح ہے عبدالاضحیٰ پہ اور تم اب کسی اور سے شادی کا کہہ رہی ہو؟''

''میں اپنی بات کہہ چکی ہوں، اب آگے آپ کی مرضی اگر چاہتی ہیں کہ میں اپنا رویہ بدلوں تو جیسا کہا ہے وہ ہو ورنہ ایسا ہی رہے گا میرا رویہ سب سے۔''

''بہت ہی سر چڑھ گئی ہو تم۔'' ہنکارا بھرتے ہوئے ثناء نے کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ عنیشہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

عید میں ایک ہفتہ باقی تھا سب گھر والے رحمت بی، عبدالرافع اور رافعہ سمیت سب جمع ہوئے تھے اور ہنسی مذاق ہو رہا تھا۔

''جنت بی بی، عیدالاضحیٰ کا اصل مقصد کیا ہے؟'' عنیشہ نے سوال کیا۔

''بیٹا...... ایسے پوچھ رہی ہو جیسے تمہیں پتا ہی نہیں ناں۔'' ہنسی میں جنت بی بی بات ٹال گئیں۔

''پتا تو ہے پر آپ سے جاننا ہے۔''

''ہم...... بیٹا اصل مقصد تو قربانی ہے اور یہ جانوروں کی قربانی کی بات نہیں ہماری اپنی بات ہے یعنی ہمارا اپنا ایمان، ایثار ہم کیسے اللہ کی نعمت کی قربانی دیں کس طرح دیں۔ اصل سبق یہی تھا ورنہ بتاؤ اگر ایک باپ واقعی اپنے اللہ کی بات مان کر بیٹے کو قربان کر دیتا تو اب کیا حالات ہوتے؟ اللہ نے اپنے بندے کا امتحان لیا تھا، اُس بندے نے اپنے رب کی بات مانی لبیک کہا اور قربان کرنے چلا تھا، اللہ کو اُس کا یہ ایثار اتنا پسند آیا کہ بیٹے کے بجائے دنبہ رکھ دیا اور ایسے اُس کی قربانی ہو گئی۔''

''دادو، وہ حضرت ابراہیم تھے۔'' عفان نے بات ختم ہونے کے بعد کہا۔

''عفان، دادو کو پتا ہوگا انہیں بتانے کی ضرورت نہیں۔'' عنیشہ نے ٹوکا۔

''یہ کس طرح بات کر رہی ہو تم میرے بیٹے سے۔'' فریدہ نے فوراً آستینیں چڑھائیں۔

''سوری چچی امی۔'' عنیشہ نادم ہوئی۔

''لیکن بیٹا تم یہ بات کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''دادو...... اگر میں کہوں کہ میرے لیے بھی کوئی قربانی دے تو؟''

''کیا مطلب؟'' فریدہ نے ثناء سے ہزاروں سوال کر ڈالے اور ثناء مجرم بنی بیٹھی رہیں تھیں۔

''میں صاف بات کرنا چاہتی ہوں، عفان تم بھی یہاں موجود ہو اور باقی سب گھر والے بھی۔ میں تم سے شادی نہیں کر سکتی، کیا کیوں کیسے پلیز مجھ سے نہ پوچھا جائے۔'' عنیشہ یہ کہہ کر رکی نہیں فوراً بھاگ کر اوپر چلی گئی۔

عنیشہ کی بات پر ایک ہنگامہ سا مچ گیا تھا لیکن وہ خود چھت پر تھی۔ نیچے عفان اور عبدالرافع یہ بات سن کر حیرت سے دو چار تھے۔

''یہ کیا کہہ کر گئی ہے تمہاری بیٹی؟'' فریدہ نے ثناء سے پوچھا جو اس وقت بے بسی محسوس کر رہی تھی۔

''وہ اصل میں...... عنیشہ نے مجھے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو' دیکھ لیا آپ نے بھائی صاحب...... اماں آپ نے بھی سنا' بے عزتی ہی کروانی تھی ثناء تو پہلے ہی انکار کر دیتیں اب کیوں؟''

''میں سمجھی تھی کہ وہ اس رشتے سے خوش رہے گی اور اپنے ہی گھر میں رہے گی لیکن......''

''اب یہ بات چھوڑو، یہ بتاؤ کیا وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے؟'' جنت بی بی نے پوچھا۔

''جی اماں...... وہ دراصل عبدالرافع سے شادی کرنا چاہتی ہے۔'' عفان نے مٹھیاں بھینچ کر عبدالرافع کو غصے کی نظر سے دیکھا لیکن عبدالرافع نے نظریں جھکا لیں۔

''میں نے سمجھایا تھا بہت لیکن آج یہ......'' رحمت بی کا

بھی حیرت سے منہ کھل گیا۔ گھر میں سب کے تاثرات الگ تھے۔ فریدہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ خوب جا کر عنیشہ کو سنائے لیکن عنیشہ کا میسج سامنے اسکرین پر جگمگا رہا تھا۔ عبدالرافع نے عفان کو دیکھا اور پھر اٹھ کر چھت پر چلا گیا۔

☆☆☆

عنیشہ آنکھوں میں آنسو لائے بس چاند کو ہی تک رہی تھی۔ ٹھنڈی ہواؤں سے عنیشہ کے بال لہرا رہے تھے۔ وہ ہاتھ باندھے ایک کونے میں کھڑی تھی۔ عبدالرافع اس کے پاس آیا اور گلا کھنگار کر بولا۔

''مجھے حیرت ہو رہی ہے تم پر۔'' بنا دیکھے عنیشہ نے کہا۔

''کیوں؟'' عبدالرافع کو سمجھ نہیں آیا۔

''کیا ایک دفعہ کہہ نہیں سکتے کہ تم مجھے پسند کرتے ہو؟'' عنیشہ نے پلٹ کر عبدالرافع کو کہا اور وہ شرمندہ سا نظریں جھکا گیا۔

''کرتا ہوں کرتا رہوں گا لیکن تم نے یہ غلط کیا ہے عنیشہ۔'' عبدالرافع نے نظریں جھکائے ہی جواب دیا۔

''بچپن میں جب تمہاری وجہ سے مجھے ڈانٹ پڑی تھی لیکن پھر تم نے مجھے مار سے بچایا لیکن پھر بھی ڈانٹ پڑی اُس کے بعد عفان تو مجھ سے دور ہو گیا لیکن تم قریب ہو گئے۔ تو کیا تمہیں یہ اندازہ نہیں ہوا کہ میں بھی تمہیں پسند کرسکتی ہوں۔'' بھنویں اچکا کر ہاتھ باندھ کر عنیشہ نے کہا۔ عبدالرافع نے گہری سانس لی۔

''لیکن تم نے تو عفان کو کہا تھا شادی کے لیے۔''

''صرف شادی کے لیے کہا تھا یہ تو نہیں کہا تھا کہ میں اُس سے محبت کرتی ہوں، وہ معافی مانگ رہا تھا میں نے اسے معاف کرنے کے لیے یہ بات رکھی تھی اور تم نے کیا کیا؟ ہماری باتیں سنیں دیوار کی اوٹ سے؟''

''یعنی تم جانتی تھیں کہ میں وہاں کھڑا ہوں۔'' عبدالرافع کو اندازہ تھا لیکن پکا یقین نہیں تھا۔

''ہاں اور جب اُس دن کوریڈور میں بیٹھے ہوئے مجھے میسج کر رہے تھے یہ نہ ہوا کہ خود آ کر مجھ سے بات کرتے؟'' عبدالرافع کو سمجھ نہیں آیا وہ اب کیا کہے۔

''کیوں کیا ایسا؟'' عنیشہ نے غصے سے پوچھا۔

''مجھے نہیں پتا تھا یہ سب کر کے تم یوں پسندیدگی کا اظہار کرو گی۔'' عبدالرافع نے شوخ ہوتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟'' عنیشہ نے حیرت سے پوچھا۔

''پسند تو تم بھی مجھے نہیں تھیں لیکن دل ہے ناں تم پر ہی آ گیا۔ اب تم مجھ سے بڑی بھی ہو اور رعب بھی ڈالنے والی۔ خیر اب تو تم بھی جھک ہی گئیں اور کچھ حد تک اظہار بھی کر ہی گئی ہو تو مجھے نہیں لگتا اب مجھے اور کچھ کہنا چاہیے سمجھ تو تم بھی گئی ہو گی ناں۔'' عبدالرافع عنیشہ کو اب چھیڑ رہا تھا۔

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا اور تم سمجھا بھی نہیں رہے ہو تو کیا کروں؟'' عنیشہ نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

''اب اتنا ہنگامہ کروا کر تم بچ سکتی ہو اپنی چہیتی چچی امی سے؟''

''پتا نہیں لیکن میں خاموش کب تک رہتی؟''

''جیسے میں خاموش تھا تم بھی رہ لیتیں۔'' عبدالرافع کو کچھ نہ سوجھا تو یہی کہہ دیا۔

''خیر نیچے دادو سنبھال لیں گی ناں ہماری بات لیکن ڈر بھی لگ رہا ہے تھوڑا سا۔'' عبدالرافع نے عنیشہ کا ہاتھ پکڑا اور اس کے بے حد قریب آ گیا۔ عنیشہ کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ گئیں۔

''اچھا چھوڑو اب جانے دو۔'' عنیشہ نے ہاتھ چھڑانا چاہا اور عبدالرافع کو دور کیا۔

''ایسے دھکیلو گی یاد ہے ناں ساتھ گر پڑیں گے اور اب تو ساتھ گرنے میں اور بھی مزہ آئے گا۔'' عبدالرافع کی ذومعنی باتیں اور شوخ انداز دیکھ کر عنیشہ نے سچ مچ دھکیلا اور بھاگتی ہوئی نیچے جانے لگی۔

''لوگوں کی عید چاند دیکھ کر ہوتی ہے، میری عید تو اب تم سے ہی ہو گی...... اُف تم نے تو مجھے اس قربانی والی عید میں ہی قربان کرنے کا ارادہ کیا تھا شاید؟ اب اللہ ہی خیر کرے میری۔'' عبدالرافع نے مسکراتے ہوئے کہا عنیشہ نے پلٹ کر اُسے دیکھا اور شرمگیں مسکراہٹ لبوں پر سجائی اور

نیچے چلی گئی۔

نیچے ہنگامہ تو ہو رہا تھا لیکن بات سنبھالنے والے بڑے ہی تھے سو بات سنبھل گئی اور عنیشہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا۔" عفان اُس کے کمرے میں آیا تو عنیشہ چونکی۔

"میں نے سوچ سمجھ کر کیا جو بھی کیا ہے۔"

"میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟" عفان نے طیش میں آ کر پوچھا۔

"میں نے بس یہ کہا تھا اپنی امی سے کہنا کہ تم شادی کرنا چاہتے ہو، یہ نہیں کہا تھا کہ میں شادی کرنا چاہتی ہوں۔" عنیشہ نے کہا تو واقعی ایسا ہی کہا تھا۔

"لیکن عنیشہ......" عفان نے عنیشہ کا بازو زور سے جکڑا ہوا تھا۔

باہر فریدہ بھی جلے پیر بلی کی طرح چکر کاٹ رہی تھی اور غصے میں تھی لیکن دوسری طرف رحمت بی بی، جنت بی گھر کے مکین خوشیاں منا رہے تھے۔

"مجھے مزید کوئی بات نہیں کرنی، جب میں پسند ہی نہیں کرتی تمہیں تو کیسے پوری زندگی سمجھوتے کی گزارتی؟ ہاں میرا طریقہ شاید غلط ہوگا لیکن میں بھی کیا کرتی؟ مجھے جو سمجھ آیا ویسے کیا کرلیا۔ اب تم جاؤ یہاں سے۔" تیکھی نظروں سے عنیشہ نے عفان کو دوبدو کہا جس پہ عفان نے اُسے چھوڑ دیا۔

"ایسے کیسے چلا جاؤں؟ میری منگ ہو تم اور میرے ہوتے ہوئے تم کسی اور کے بارے میں سوچ بھی کیسے سکتی ہو؟ ہمارا نکاح ہے اگلے ہفتے عنیشہ...... ایسے تو ذلیل نہ کرو مجھے اور میرے پیار کو۔"

"پیار......! کون سا پیار؟ وہ پیار جو چچی امی کے کہنے سے میرا ساتھ چھوڑا وہ تھا پیار، جانتے ہو میں نے قربانی کی بات کیوں کی تھی؟ قربانی کا اصل مقصد تھا ہماری آزمائش اور صبر اور اُس کا پھل...... تمہاری کیا آزمائش تھی؟ تم نے مجھے چھوڑا تھا پیار کون سا تھا یہ بتادو میں نے بھی تم سے اظہار نہیں کیا کہ پیار کرتی ہوں یا پسند، بس یہی کہا تھا ناں کہ چچی امی سے کہو رشتہ لائیں۔" عفان نے بھنویں اُچکا کر عنیشہ کو دیکھا۔

"قربانی ہر رشتہ مانگتا ہے، صبر مانگتا ہے، میں نے بچپن کے واقعات کے بعد صبر کیا، میری آزمائش جو لکھی تھی اُس وقت، میرا ساتھ جس نے دیا میں اُسی کا ہی ہاتھ تھاموں گی نہ کہ اُس کا جس نے ساتھ چھوڑا۔" عنیشہ کے آنسو چھلک پڑے۔

"عنیشہ تم میرا دل کیسے توڑ سکتی ہو؟" عفان نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"میں نے کب توڑا دل...... ارے جس کا دل تمہاری ہی وجہ سے ٹوٹا تھا وہ بھلاں کیا تمہارا دل توڑے گی؟" ہنکارا بھرتے ہوئے عنیشہ نے کہا۔

"عنی......"

"پلیز عفان، اب جاؤ، مجھے اکیلا چھوڑ دو اور جو فیصلہ میں نے کیا ہے مجھے اُس میں ہی خوش رہنے دو، میں سمجھوتے کا رشتہ نہیں نبھا سکتی نہ ہی تم سے نفرت جتا جتا کر زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔" عنیشہ نے لمبی سانس خارج کی اور عفان پیر پٹختے ہوئے چلا گیا۔

ایک ہفتے بعد جو نکاح اُس کا عفان سے ہونا تھا اب عبدالرافع سے ہوگا یہ بات جان کر اُس کی جان میں جان آگئی لیکن ساتھ ہی اُسے اپنی اِس حرکت پہ سب سے معافی مانگنی تھی خاص کر چچی امی سے جو بھی تھا سب سے زیادہ برا عفان اور فریدہ کو ہی لگا جس کے لیے عنیشہ خود کو ذہنی طور پر تیار کر چکی تھی وہ معافی مانگنے اور سب کو منانے میں لگ گئی۔

اب اِس عیدالاضحیٰ پہ عنیشہ کا نکاح ہے اِس عید پہ چاند رات تو نہیں ہوتی مگر پھر بھی اُس کے نصیب کا چاند مل رہا ہے۔ اُس کی خوشیوں میں ساتھ رہیے گا بھولیے گا نہیں۔

جل اٹھے سب ہی دیے

شازیہ فاروق

''تمہارے لیے ایک پرپوزل آیا ہے بھابی کہہ رہی تھیں کہ تمہیں بتادوں اور تمہیں کچھ منگوانا ہو تو بتادینا میں کل مارکیٹ جاؤں گی۔'' بواجی رائمہ کے کمرے میں اجازت ملتے ہی داخل ہوکر بیڈ کی سمت بڑھتے ہوئے بولیں۔ وہ سائیڈ میں پڑے صوفے پر بیٹھی ہاتھوں میں ڈائجسٹ پکڑے خیالی دنیا میں تھوڑی دیر پہلے ہی گم ہوئی تھی۔ ان کی خبر نے خیالوں میں ہلچل ہی تو مچادی تھی۔ چونک کر ان کے چہرے پر نظر دوڑائی تو ساکت رہ گئی۔

سرخ آنکھیں اپنے اندر کے دیپ بجھ جانے پر نوحہ کناں تھیں' ان کے بوڑھے وجود نے اس طوفان کو جیسے سہارنے سے انکار کردیا تھا۔ تبھی وہ دن بدن کمزور تر ہوتی جارہی تھیں۔ رائمہ کی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب ہوئیں پر وہ انہیں اس گستاخی کی اجازت قطعاً نہیں دینا چاہتی تھی تبھی آنسوؤں کے گولے کو پیتی وہ ان کے قریب چلی آئی جو بیڈ کی چادر کی نادیدہ شکنوں کو درست کرتیں اپنے اندر اٹھنے والے ابال کے اتار چڑھاؤ پر قابو پانے کی ناکام سی کوشش کررہی تھیں۔

''بواجی......'' ان کے ہاتھ ساکت ہوئے نظریں اور بھی نیچے جھک گئیں۔

''بواجی میں اب کبھی شادی نہیں کروں گی۔'' رائمہ نے تمام ہمتوں کو یکجا کرکے اپنا فیصلہ سنایا۔

''نہیں بیٹا...... ایسا مت کہو مجھے اور گناہ گار مت کرو۔'' دو آنسو باوجود ضبط کے ان کے رخساروں پر پھسل گئے بے قراری ہوکر رائمہ سے لپٹیں تو وہ بھی ضبط گنوا بیٹھی۔

''تم میری بہادر بچی ہو اور تم یہ ثابت کروگی کہ تم میری بھتیجی ہو...... عمر کے اس پڑاؤ میں مجھے ایسا گھاؤ مت دو کہ میں جان سے گزر جاؤں۔'' نجانے ان کے الفاظ میں کیا تھا رائمہ ان کے وجود میں مزید سمٹ گئی۔

''اب میں بھابی کو تمہارا جواب ہاں میں دوں؟'' کافی دیر تک رونے کے بعد جب رائمہ ان سے جدا ہوئی تو انہوں نے آس بھری نظروں سے بھتیجی سے پوچھا۔

''جیسی آپ کی مرضی۔'' رائمہ نے فیصلے کا اختیار ایسے سونپا کہ ان کو بے اختیار اس پر ڈھیروں پیار آ گیا۔

''جو ہیروں کی قدر نہیں کرتے وقت کوئلے بھی تھمانے سے انکاری ہوجاتا ہے' ناقدروں کی بدنصیبی انہیں خالی ہاتھ رکھتی ہے اور میں جانتی ہوں کہ تم وہ ہیرا ہو جسے گنوا کر تاعمر پچھتائے گا وہ......'' درد کی ٹیسیں دل میں دبائے وہ اس ہیرے کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ کر رہ گئیں جسے چند دن پہلے ان کے بیٹے نے اپنی کم عقلی کی بدولت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دیا تھا۔ وہ رک کر خود کو مزید اذیت نہیں دینا چاہتی تھیں تبھی الٹے قدموں پلٹ کر کمرے سے چلی گئیں۔

''بعض ہیرے اپنی چمک جوہریوں کے لگائے گئے عیبوں کی نشاندہی پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دیتے ہیں' خالی ہاتھ جوہری رہتے ہیں یا بدنصیب ہیرا ہوتا ہے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا اور میں بھی یہ فیصلہ نہیں کرپارہی کہ میں بدنصیب ہوں یا وہ......'' ایک زہریلی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر دم توڑ گئی۔

❁ ❁ ❁

فاروق زیدی اپنے زمانے میں شہر کے مشہور ترین ٹیلر تھے ان کے ہاتھوں میں ایسا ہنر تھا کہ گاہک ایک بار آتا تو زندگی بھر زیدی ٹیلر کا نام لیتا' اپنے بیٹے کو بھی انہوں نے اس کام میں ماہر بنادیا تھا۔ اپنی بیٹی زیتون کو انہوں نے

نازوں سے پالا تھا بیوی تو جوانی میں ہی چل بسی تھیں بچوں کی شادی وٹہ سٹہ کی ہوئی اور یوں زیتون بیاہ کر عمیر شاہ کے گھر آ گئی اور عمیر شاہ کی بہن حلیمہ کی شادی زیتون کے بھائی راحیل زیدی سے ہوگئی' وقت گزرا اور دونوں گھروں میں اولادیں پیدا ہوئیں' راحیل زیدی اپنی بیٹی رائمہ سے حد درجہ محبت کرتے تو وہیں زیتون اپنے چھوٹے سے بیٹے شاہ میر کو لیے اپنی ساری توجہ سمیٹ کر شاہ میر پر خرچ کردیتیں۔ فاروق زیدی بیمار رہنے لگے اور اسی بیماری نے ایک دن ان کی جان لے لی۔ بیٹی بیٹے کو آپس میں جوڑے رکھنے کے لیے انہوں نے ان کے بچوں کا آپس میں رشتہ طے کردیا اور اس رشتے پر کسی کو کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔ عمیر شاہ دل کا دورہ پڑنے پر انتقال کر گئے حلیمہ اپنے بھائی کا گھر اجڑنے پر غم زدہ تھیں تو وہیں زیتون سات سال کے شاہ میر کو لیے بھائی کے گھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلی آئیں۔

اگلے چند سالوں میں راحیل زیدی بھی چل بسے اور یوں دونوں نند بھاوج اکیلی رہ گئیں' حلیمہ پیشے کے اعتبار سے ایک لیڈی ڈاکٹر تھیں۔ شادی کے بعد بھی بلا رکاوٹ اپنا کام کرتی رہی اور راحیل زیدی کے بعد اب اس گھر کے مکینوں کی کفالت کا واحد ذریعہ حلیمہ کی نوکری تھی۔

شاہ میر اگلے چند سالوں میں لندن پڑھنے چلا گیا۔ حلیمہ نے اسے ہر قسم کی آزادی دے رکھی تھی رائمہ کالج کے آخری سال میں تھی جب وہ لوٹ کر آیا تھا۔ خوب صورت' بھوری آنکھیں جن میں ہر وقت شرارت رقصاں رہتی۔ اپنی بھرپور مردانہ وجاہت کی بدولت وہ خاندان کی لڑکیوں کا خواب بن گیا اور یہ خواب خواب ہی ہوکر رہ گیا۔ جب رائمہ اور شاہ میر کی شادی کی خبر یہاں وہاں پھیلی۔ کئی مائیں روشن مستقبل کا خواب آنکھوں میں لیے رہ گئیں۔ گھر میں شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں رائمہ آئے دن بازاروں کے چکر لگا کر گھبرا گئی' ماں سے اجازت لے کر اپنی ایک دوست کے گھر چلی آئی روز روز کی خریداریاں اسے تھکن میں مبتلا کرنے لگی تھیں۔

''ڈیڈ چرچ گئے ہیں ہم دونوں باتیں کرتی جائیں گی تو پہنچ جائیں گی۔'' للی رائمہ کو آمادہ کرنے لگی جو آج عام روٹین سے زیادہ تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔

''ہاں چلو...... میں بھی واپسی پر گھر چلی جاؤں گی۔'' چادر کو اپنے گرد لپیٹتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ للی دو سال پہلے اپنے ڈیڈ کے ساتھ اس ملک میں آئی تھی۔ اس کے ڈیڈ زندگی کے آخری ایام اس چرچ میں گزارنا چاہتے تھے جس کے وہ کبھی فادر رہے تھے۔ مگر معذوری نے انہیں اب کہیں کا نہ چھوڑا تھا۔ للی کے باقی بہن بھائی اپنے ڈیڈ کی اس خواہش کو پورا کرنے سے انکاری ہوئے تو للی نے آگے بڑھ کر یہ فریضہ سرانجام دینے کی ٹھان لی اور یوں وہ دو سال پہلے برطانیہ سے پاکستان آ گئی۔ رائمہ سے اس کی ملاقات اتفاقاً ہوئی اور دونوں میں رکی سے جملوں کا تبادلہ ہوا۔ رائمہ کو ایک کتاب لینی تھی اور وہی کتاب للی کو بھی درکار تھی۔ بک سینٹر پر ایک ہی کتاب تھی اور وہ رائمہ نے بخوشی للی کو دے دی۔ ایک دو اور ملاقاتیں ہوئی اور یوں دونوں میں ہلکی پھلکی فرینڈشپ ہوگئی۔ گھر میں بوا جی اور ماں کو کوئی اعتراض نہ تھا اور ویسے بھی رائمہ اپنی حدود قیود میں رہنے کی عادی تھی۔

ایمان اور اسلام پر کبھی بھی ان دونوں کے درمیان بحث نہیں ہوئی تھی۔ رائمہ کا خیال تھا کہ اگر اللہ نے کسی پر گمراہی کا ٹھپہ لگا دیا ہے تو دلائل اور وضاحتیں دے کر ہم اسے کبھی راہ راست پر نہیں لا سکتے۔ دل بدل جائے تو سب کچھ بدل جاتا ہے اور اگر دل نہ بدلے تو کچھ بھی نہیں بدلتا۔

''میں یہیں ٹھیک ہوں تم انکل کو لے آؤ۔'' چرچ کی خوب صورت عمارت کے باہر اکثر وہ اس گھاس پر بیٹھ جاتی جب للی اپنے ڈیڈ کو اندر سے لینے جاتی آج بھی وہ وہیں بیٹھ گئی۔

''شاہ یار یہ انگریز اتنے خوب صورت کیوں ہوتے ہیں۔ شاہ میر اپنے ایک کولیگ کے ساتھ چرچ کے باہر سے گزر رہا تھا اس کے ساتھ اس وقت وہی بندہ تھا جو اس کا بچپن کا دوست تھا اور خوش قسمتی سے اب وہ اس کا کولیگ بھی تھا۔

''رمیز تم نہیں سدھرو گے جا کر ان سے ہیلو ہائے کر لو میں ویٹ کرتا ہوں۔'' شاہ میر اس کی بات پر مسکراتے ہوئے درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا ہونے ہی والا تھا کہ سرعت سے سیدھا ہوا۔

اس کے سامنے رائمہ گھاس پر بیٹھی ہوئی تھی وہ ابھی حیران ہی کھڑا تھا کہ ایک نہایت گوری چٹی انگریز لڑکی وہیل چیئر پر ایک بوڑھے آدمی کو لیے اس کی طرف بڑھی۔ دونوں باتیں کرتی ان کے سامنے سے نکل گئیں۔

''میں تو دل ہار بیٹھا اس حسینہ پر۔'' رمیز کا انداز مسخرہ تھا مگر شاہ میر پر خاصی سنجیدگی طاری ہو چکی تھی لپک کر ان کے پیچھے گیا اور تھوڑے سے فاصلے پر ٹھہر گیا۔ رائمہ اس لڑکی کے ساتھ اپاہج آدمی کو کار میں بیٹھا کر خود بھی اس لڑکی کے ساتھ پیچھے بیٹھ گئی تھی اور اگلے چند منٹوں میں کار اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

''کیا شاہ...... تم مجھ پر ہنستے ہو اور خود یوں دیوانہ وار بھاگے کہ مجھے لگا کہ تم آج لڑکی کو پرپوز ہی کر دو گے۔'' رمیز اس تک پہنچ کر اس کے کندھے پر ہاتھ دھرتے ہوئے گویا ہوا تو وہ حقیقت کی دنیا میں لوٹا۔

''نہیں اب ایسا بھی کچھ نہیں۔'' شاہ میر اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے نارمل لہجے میں گویا ہوا مگر اعصابی تناؤ برقرار رہا۔

''میں ان دونوں لڑکیوں کو کئی بار اکٹھے دیکھ چکا ہوں' چرچ کے باہر نزدیکی پارک میں ایسا لگتا ہے دونوں میں مذہب الگ ہونے کی کوئی بات ہی نہیں۔'' شاہ میر بے چین ہو کر رہ گیا تھا۔ اور اگلے چند دنوں میں اس کا شک پختہ یقین میں بدل گیا جب رائمہ اس لڑکی کو گھر لے کر آئی یہاں وہاں سے لی گئی معلومات اور رائمہ کے پُراعتماد لہجے نے شاہ میر جیسے مضبوط اعصاب کے مالک انسان کو بھی غلط سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''تم ایک کمزور ایمان والی لڑکی ہو ایمان اور اسلام کی

اہمیت ہی نہیں معلوم ہے تمہاری نظروں میں...... غیر مذہبوں سے دوستی کرکے تم یہ ثابت کرنے میں کامیاب رہی ہو کہ تم ایک خزاں رسیدہ پتے کی طرح ہو جسے ہوا کا تیز جھونکا اس کے اصل سے اس کے جینے کا مقصد چھین لیتا ہے۔ تمہارا ایمان بھی اسی سوکھے پتے کی طرح ہے جو کبھی بھی کسی وقت ڈول کر وجود کو مٹی کر دے گا...... آئی ایم سوری میں اس شادی اور اس مستقبل کی بے ایمان لڑکی سے اپنا ہر رشتہ توڑتے ہوئے اس گھر اور شہر کو چھوڑنے کا اعلان کرتا ہوں۔“

شاہ میر کے الفاظ رائمہ کو سینکڑوں ٹکڑوں میں کاٹ گئے۔ ایسا تیز دھار آلہ تھا کہ اس کی روح تک زخمی ہو کر تڑپ اٹھی۔ کیسا تازیانہ تھا جو بڑی زور سے لگا تھا۔ جس کا نشان دل اور روح کو ایسا گھائل کر گیا کہ رائمہ پتھرا گئی۔ بے حس و بے بس مورت کی طرح۔ کتنی تذلیل ہوئی تھی اس کی۔ اس کے ایمان دار ہونے پر کیسا سوالیہ نشان لگا دیا گیا تھا جو اس کو اپنی ہی نظروں میں زندگی بھر کے لیے گرا گیا تھا۔ اس کے وجود کو مشکوک آندھیوں کی زد پر رکھ گیا تھا۔ نجانے اب وہ خود کو کیسے فیس کرتی...... کیسے آئینے میں کھڑے ہو کر اپنا چہرہ دیکھتی وقت نے نجانے اس کے مقدر میں آگے کیا لکھا تھا۔

”وہ ایسا کیسے کہہ سکتا ہے؟“ زیتون کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

”م...... میر...... ی...... بیٹی...... ب...... بے ایمان......!“ کتنا درد تھا زیتون کے الفاظ و انداز میں‘ آج تک وہ رائمہ کو بوا نہیں بلکہ ماں بن کر پیار کرتی رہی تھیں۔ اسے صحیح غلط کی پہچان کراتی رہی تھیں مگر آج......

”بھابی ہماری رائمہ کی آنکھوں کے خواب اجڑے سو اجڑے مگر...... اس کی ذات کے ساتھ بے ایمان کا لفظ جوڑ کر اسے بھرے بازار میں ایسی سزا سنا دی جس کو جھیلنے کی مدت نجانے کتنی لمبی ہوگی۔“ حلیمہ پتھرائی آنکھوں سے وہ حقیقت آشکار کر گئیں جس کے متعلق شاید شاہ میر نے بھی سوچا نہیں تھا۔ کبھی اتنی آسانی سے اس کی ذات کی وہ دھجیاں اڑائیں کہ شاید بھی وہ مکمل حالت میں آتی۔

”نہیں......“ زیتون نے بہتے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑا۔

”میں اپنی بیٹی کو نہیں رول سکتی...... میں جلد از جلد اس کی شادی کروں گی اور اس بات کو پھیلنے سے پہلے ہی دبا دوں گی۔“ حلیمہ مضبوط لہجے میں ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی تھیں۔

اور اگلے ہی دن رائمہ کے رشتے کے لیے کمر کس لی مگر ان کی نظروں میں کوئی لڑکا جچ ہی نہیں رہا تھا کوئی اخلاقی طور پر ٹھیک نہ لگتا تو کسی کے گھر کے ماحول پر تنقید ہوتی‘ کوئی بے روزگار ہوتا تو کسی کی آمدنی غلط ذرائع سے آ رہی ہوتی۔ ایسے ہی ایک مہینے کا عرصہ بیتنے کو آیا تھا مگر اب تک کسی بھی لڑکے کو سند قبولیت نہیں ملی تھی اور آج وہ ایک اور رشتے کی بات کرنے آ گئیں تھیں رائمہ پہلے ہی اپ سیٹ تھی اب روز روز کی ان پریڈوں سے اچھی خاصی اکتا گئی۔ اکثر تنہائی میں وہ شاہ میر کے متعلق سوچتی تو تضحیک کا احساس تازہ ہو جاتا۔

ہم کسی انسان پر انگلی اٹھاتے ہیں تو کئی وجوہات ہوتی ہیں۔ کردار اخلاق تربیت اور پرورش پر‘ ہر کوئی تنقید سہہ جاتا ہے مگر ایمان ایسا موضوع ہے جس کو چھیڑا جائے تو انسان کی ذات کی دھجیاں بکھر جاتی ہیں۔ انسان اس تنقید کو سہہ نہیں پاتا۔ روح تڑپ تڑپ کر رلاتی ہے۔ ضمیر الگ ملامت کرتا ہے اور اگر الزام ہی بے بنیاد اور جھوٹا ہو تو سمجھ لیں انسان کی شخصیت ہی مسخ ہو جاتی ہے۔ شناخت کے بغیر انسان ادھورا ضرور ہوتا ہے مگر شناخت جب مشکوک ہو جائے تو انسان جیتے جی مر جاتا ہے۔ وہ ہر آتی جاتی سانس کے ساتھ اضافی بوجھ محسوس کرتا ہے اور یہ بوجھ ہر پل بڑھتا جاتا ہے ہر لمحے اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ رائمہ بھی انہیں احساسات کی زد میں تھی پانچ وقت اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر آج تک اس نے بس یہی مانگا تھا کہ ”اے اللہ جیوں شان سے اور مروں ایمان سے۔“ اس کی یہ دعا شاید زمین و آسمان کے درمیان معلق ہو کر رہ گئی تھی بھی اس

کی ذات یوں تحقیر کی زد میں آئی کہ وہ خود پر حیران رہ گئی۔

"تم اسے اگنور کیوں کر رہی ہو؟" للی نے کوئی دسویں بار کال کی تھی جسے وہ پچھلے کئی دنوں کی طرح اب بھی کاٹ رہی تھی مگر ماں نے ٹوک دیا۔

"کیا کروں ماں؟ ایک غیر مذہب سے دوستی کر کے میں نے اپنا دامن ان کانٹوں سے بھر لیا ہے جو میرے وجود کے ہر ایک عضو کو تکلیف دے رہے ہیں میں بری طرح سے بکھری ہوں۔ میری ذات پر ایسا سوالیہ نشان ثبت ہو گیا ہے جسے میں کسی بھی طرح سے دھونے کی کوشش کروں وہ برقرار رہے گا نجانے کب تک......" رائمہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

حلیمہ نے بڑے ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے تسلیاں دیں تھیں اور بڑی مشکل سے سنبھال ہی رہی تھیں کہ للی کی پھر سے کال آ گئی۔ حلیمہ کا اشارہ واضح تھا کہ وہ کال پک کرے اور مجبوراً اسے کال پک کرنی پڑی تھی اسپیکر دانستہ طور پر آن کر لیا تھا نجانے کیوں جب سے شاہ میر نے اسے جھنجوڑا تھا اپنے الفاظ سے وہ ہر کسی کی نظروں میں اپنے لیے شک محسوس کرنے لگی تھی۔ ان سب سے نظریں چرائے پھرتی سامنے آنے پر فوراً نظروں کے ساتھ سر بھی جھک جاتا جیسے اس نے واقعی کوئی گناہ کیا ہو واقعی وہ گناہ گار ہو۔

"ہیلو رائمہ۔" موبائل فون سے للی کی شائستہ آواز ابھری۔ حلیمہ کے ساتھ ساتھ کچن سے باہر نکلتی زیتون بھی متوجہ ہوئیں تھیں۔

"تم کال کیوں نہیں کر رہی اور میری کال بھی نہیں لے رہی۔ سب کچھ ٹھیک ہے ناں......؟" رائمہ کی پلکوں پر پانی کے قطرے آن ٹھہرے مگر وہ حلیمہ کے آگے رو کر ان کا دکھ بڑھانا نہیں چاہتی تھی سو خاموشی سے ان آنسوؤں کا گلا گھونٹا۔

"ہاں سب ٹھیک ہے بس کچھ مصروفیت رہی اس لیے تمہیں کال نہ کر سکی اور تم سناؤ کیسے ہیں انکل؟" رائمہ نے گفتگو کا رخ للی کے فادر کی طرف موڑا۔

"وہ پچھلے دنوں تک تو ٹھیک تھے مگر آج کل کچھ کھوئے کھوئے رہنے لگے ہیں کہتے ہیں میں نے ذرا گھاٹا کمایا۔ تمہیں پتا ہے اردو کے مشکل ترین الفاظ استعمال کرنے لگے ہیں۔ یہاں کے ہیں ناں اس لیے پر میرے لیے مشکل ہو جاتا ہے ان کے الفاظ کو سمجھنا اس لیے میں تمہاری دی گئی اردو کی کتاب پڑھتی ہوں اور ان الفاظ کو سمجھتی ہوں۔" للی خاصی تفصیل سے گویا ہوئی تھی۔ رائمہ ہی یہاں اس کی دوست تھی سو ہر بات بلا جھجک کہہ دیتی تھی۔

"اوہ......لیکن انہیں ہوا کیا؟" رائمہ للی کو اسی موضوع پر الجھائے رکھنا چاہتی تھی تاکہ وہ اس سے اس کی شادی کے متعلق نہ پوچھے اور وہ کرنے میں کامیاب رہی تھی مگر اس کے والد کا یوں اچانک حالت بگڑنا اسے بھی اچنبھے میں مبتلا کر رہا تھا۔

"کیا بتاؤں یار......" للی نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"ڈیڈ کی حالت اس دن سے بگڑنے لگی جب میں مارکیٹ سے تمہاری شادی کے لیے روضہ رسول ﷺ کا ایک خوب صورت سا کرسٹل کا گفٹ پیک لے کر آئی۔ کتنی اٹریکشن ہے ناں تمہارے نبی ﷺ کے روضے میں......ایسا لگتا ہے ایک سحر سا ہے اس روضے میں......میں خود کو اسے پلک جھپکے بنا دیکھتے رہنے پر حیرت کی گہرائیوں میں جانے پر نہیں روک سکتی۔ تمہیں پتا ہے میں نے پارسل تو تمہارے لیے کروایا تھا مگر دل ہی نہیں مانا۔ میرا مطلب ہے......تمہارے پاس تو ریئل ہے ناں روضہ رسول ﷺ تو میں اسے گھر میں سجانے پر مجبور ہو کر رہ گئی۔" للی کتنی سیدھی تھی اپنی فیلنگز بنا کسی لپٹی کے رائمہ کو کہہ دیں تھی شاید یہی وجہ تھی ان دونوں کی دوستی کی بھی۔

"للی مجھے خوشی ہے کہ تم نے روضہ رسول ﷺ کی عقیدت کو ذرا سا محسوس کیا مگر ڈیئر ہمارے پاس ہر لمحہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ موجود ہے ہماری آتی جاتی دھڑکن جب تک مخصوص رفتار سے دھڑکتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ اللہ کی ثناء میں ڈوب کر ابھر رہی ہو اس کے

پیارے رسول ﷺ کی یاد میں بے قرار سی ہو کر جا کر واپس پلٹ آتی ہو جیسے کوئی بے سمجھ کم عقل بچہ اپنی ماں کی گود سے اتر کر نیچے جاتا ہے اور جھٹ سے پھر سے چڑھ جاتا ہے کہ کہیں ماں کی گود پر کوئی اور نہ قبضہ کر لے بالکل ویسے ہی ہمارے دل اللہ کو یاد کرتے ہیں کہ کہیں جاتی سانس اسے بھول گئی اور آتی سانس کو خالق اپنے قبضے میں کر لے اور ہم قیامت کے روز اسے منہ دکھانے لائق نہ رہیں۔ للی بھی دل میں اس روضے مبارک کو جگہ دو۔ سارا جہان منور نظر آئے گا۔'' رائمہ کی آنکھوں میں عقیدت کے موتی چمکے۔

زیتون ایک بار پھر بیٹے کی غلط حرکت کے باعث شرمندگیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبیں حلیمہ تو ساکت بیٹھی اپنی بیٹی کو یک ٹک دیکھ رہی تھیں اور سوچ رہی تھیں کہ ان کی بیٹی کتنی سمجھ دار ہو گئی ہے اتنی کہ اللہ کے دربار میں جھکنے کا فریضہ سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ وہ اس کی پاک ذات کو اپنا سب کچھ سمجھنے لگی تھی۔

''گڈ...... کوشش کروں گی مگر فی الحال کال بند کرتی ہوں۔ ڈیڈ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں' پھر کال کروں گی۔'' الوداعی کلمات ادا کرتے وہ کال کاٹ گئی تھی۔

''میرا بیٹا بدنصیب نکلا جس نے تمہاری قدر نہ کی......'' زیتون دل ہی دل میں بولتی آگے بڑھ گئیں۔

''رائمہ مجھے لگتا ہے' تمہاری دوستی للی کے دل میں ایمان کی شمع روشن کر کے چھوڑے گی۔'' حلیمہ نے پُرنم آنکھوں سے خزاں کی طرح مرجھائی بیٹی کو حوصلہ دیا تو بے اختیار اس کے منہ سے آمین نکلا۔

❁......❁......❁......❁

آج سنڈے تھا اور صبح سے گھر کی دونوں عورتیں صفائی میں جتی ہوئی تھیں۔ وہ سب نفاست پسند تو تھے ہی مگر آج کی صفائی کا ایک خاص مقصد تھا اور وہ خاص مقصد رائمہ کو دیکھنے کے لیے آنے والے لوگ تھے جو شام کو گھر آرہے تھے ڈنر پر۔

''رائمہ بیٹا اٹھو نہالو...... وہ لوگ آنے والے ہوں گے راستے میں ہیں۔'' زیتون کمرے میں داخل ہوئیں تو رائمہ کو میگزین پڑھتے پایا اس کی کم عقلی پر ماتم کرتی وہ خود ہی وارڈ روب کھول کر کپڑوں کا جائزہ لینے لگیں۔

''یہ ٹھیک رہے گا۔'' ہلکے فیروزی اور گلابی کلر کے کلیوں والے فراک کو بیڈ پر رکھتے ہوئے تفصیلی جائزہ لیا اور اسے اٹھا کر واش روم کی جانب دھکیلا۔ خود اس کے کمرے کی سیٹنگ کا تنقیدی جائزہ لینے لگیں۔

''ماشاء اللہ...... میری بیٹی آج کتنی خوب صورت لگ رہی ہے۔'' دل میں اٹھتی ہوک کو دباتی وہ مسکرا کر آگے بڑھیں اور رائمہ کو اپنی طرف گھما کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''بھابی یہ تو کچھ بھی پہننے پر راضی نہیں تھی۔ میں نے ہی یہ ہلکی پھلکی جیولری سلیکٹ کی اور چوڑیاں اور کپڑے بھی۔'' رائمہ نے لاکھ انکار کیا تھا مگر زیتون نے اس کو نہیں چھوڑا اور سب کچھ پہنا کر ہی دم لیا تھا۔

مہمان آگئے اور دونوں بزرگ خواتین ان کی خدمت میں لگ گئیں۔ رائمہ کو نہ کسی نے بلایا اور نہ ہی اس کا دل کر رہا تھا سو اپنے کمرے میں عشاء کی نماز کی نیت باندھ لی۔

''لو بھئی......'' زیتون اسے بلانے آئیں تو نماز میں مشغول پایا' ذرا سا بڑبڑا کر بیڈ کے کنارے ٹک گئیں۔

''نماز ختم کر کے باہر آجانا' وہ لوگ تمہارے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔'' رائمہ نے سلام پھیر کر ان کی بات سنی اور پھر سے اگلی رکعتوں کی ادائیگی میں مشغول ہو گئی۔

''یہ لڑکی بھی ناں...... ساری تیاری کا ستیاناس مار دیا۔'' رائمہ کا دھلا دھلایا چہرہ دیکھ کر انہیں اس پر خوب غصہ آیا مگر بڑبڑانے پر ہی اکتفا کرتی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

''السلام علیکم!'' ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی اس نے سلام کیا تو سب ہی لوگ متوجہ ہو گئے۔ آنے والے لوگوں میں ایک ادھیڑ عمر خاتون ان کے ساتھ ایک تیکھی سی تیار لڑکی ایک خاصے بزرگ آدمی اور

ایک خوش شکل سا نوجوان شامل تھا۔ سب ہی نے تفصیلی نظروں سے جانچنے کے بعد سلام کا جواب دیا اور زیتون اٹھ کر رائمہ کو لا کر اپنے اور حلیمہ کے درمیان صوفے پر بٹھانے لگیں۔

"ارے بیٹی یہاں آؤ میرے پاس بیٹھو اب کب تک تم یوں میکے کا دامن تھام کر بیٹھی رہو گی......" ادھیڑ عمر خاتون کی بات اسے بری ضرور لگی مگر عمر کا خیال اور کچھ تربیت کا اثر تھا کہ مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس لڑکی اور عورت کے درمیان بیٹھ گئی۔

ان لوگوں کے چھوٹے موٹے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے کھانا کھایا گیا اور پھر وہ لوگ رخصت ہونے لگے۔

"خیال کرنا حلیمہ بہن...... رائمہ اب صرف ہماری بہو ہے، کہیں اور بات نہ چلانا۔"

"جی ضرور۔" ماں کے چہرے پر رائمہ کسی بھی قسم کی ناگواری نہ دیکھ پائی مگر وہ ضرور ٹھٹک گئی تھی۔ پہلی ہی ملاقات میں اتنی بڑی بات با آسانی کہنا رائمہ کو بالکل اچھا نہ لگا ابھی وہ اس ادھیڑ عمر خاتون جن کا نام رابعہ خاتون تھا کہ متعلق سوچ ہی رہی تھی کہ ان کی بیٹی ناز گفتگو کا حصہ بنی۔

"بالکل آنٹی...... بھلا ایسی جگہ، میرا مطلب ہے بھابی ہمیں کہاں ملے گی۔" بزرگوں کے چہروں پر مسکراہٹ پھیلی تھی۔ رائمہ کو لڑکی کی بات بھی ایک آنکھ نہ بھائی سو خاموشی سے واپس پلٹی۔

"ارے...... شرما گئی ہے۔" پیچھے بوا جی کا جملہ سنائی دیا تھا اور وہ اندر ہی اندر اپنی کیفیت پر ہنستی کمرے میں چلی آئی۔

"واہ رائمہ زیدی واہ...... تم نے خواب بھی دیکھے تو تعبیر نہیں ملی، تمہارے ایمان کو ایسا داغ دار کیا گیا کہ شاید ہی کبھی تم اسے صحیح ثابت کر سکو اور تمہاری ذات...... وہ تو اب بھی مشکوک ہے اور...... شاید رہے گی۔" ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے ہی جملے سراپے پر نظر ڈالی تو ایک بار پھر زخمی زخمی ہوگئی۔ خود سے ہم کلام ہوتے ہوئے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو آخری جملے کے ساتھ ہی بے دردی سے رگڑا اور واش روم میں گھس گئی۔

"بیٹا ہم ہمیشہ تمہارے ساتھ تو نہیں رہیں گے۔ اس لیے اب تھوڑا گھر داری بھی آزمالو۔" بوا جی کی بات پر مسکراتے ہونٹ یک دم سکڑے چند ماہ پہلے ہی بوا جی اس جملے میں رد و بدل کر کے جب یہ کہتی تھیں۔

"ارے رائمہ تو ہمیشہ اس گھر میں رہے گی، سیکھ جائے گی گھر داری بھی۔ وقت ایک سا سدا نہیں رہتا۔" بوا جی بھی غالباً جملے کی ادائیگی کے بعد پچھتائی تھیں پھیکی سی مسکان سجائے بولی تھیں۔ "وقت بھی کیا کیا کروا دیتا ہے اور کیا کیا کہلو بھی دیتا ہے۔"

"بوا جی...... وقت کو دوش دے کر ہم انسان اپنی ہزاروں غلطیوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں مگر کبھی خود کو غلط ٹھہرانے کا ذمہ اٹھانا بہت مشکل ہے۔ کاش کوئی پیمانہ ہوتا جس سے ایمان کو ناپا جاتا۔ میں کم از کم یہ ثابت تو کر سکتی کہ میرا ایمان آخر کس لیول تک ہے۔" بے بسی ہی بے بسی تھی رائمہ کے الفاظ میں بوا جی نے جھٹ سینے سے لگالیا۔

"نا میری بچی نا...... ایمان کو ناپنے کے لیے آنکھوں کی صداقت بہت ہے اور تمہاری آنکھیں یاد الٰہی میں کتنا برستی ہیں یہ صاف لکھا ہوتا ہے ان میں اور...... جو ان آنکھوں کو نہیں پڑھ پائے دراصل ان کی نیتوں میں فتور ہے۔" بوا جی کی باتیں اسے حوصلہ دلا گئیں مگر حقیقت تو اب بھی وہیں کی وہیں تھی اپنی تمام تر کڑواہٹ کے ساتھ۔

"اب بس...... رونا بند اور کام شروع، سب سے پہلے آج ہماری رائمہ قیمہ اور کریلے پکائے گی اور میٹھے میں ہوگا بادام کا حلوہ، سلاد اور رائتہ بنانے کی ذمہ داری میری اور چاول سادے پکالینا۔" بوا جی نے مینو جھٹ پٹ سیٹ کیا اور جلدی سے کچن میں لے جا کر اسے کام پر لگا دیا۔

ماں آج کل کلینک کو زیادہ سے زیادہ وقت دے رہی

تھیں۔ رائمہ کی شادی کے سلسلے میں رقم کی ضرورت بھی بھی پڑ سکتی تھی اور ان کی آدھی سے زیادہ سیونگ چند ماہ پہلے تک شاہ میر کے اکاؤنٹ میں چلی جاتی تھی۔ انہوں نے کبھی بھی شاہ میر کے سلسلے میں کنجوسی نہیں برتی تھی۔ اسے جب جہاں جتنے پیسے درکار ہوتے بلا جھجک منگوالیتا اور وہ بھی خوش دلی سے اس کی جاب لگ جانے کے بعد بھی باقاعدگی سے اس کے اکاؤنٹ میں رقم ٹرانسفر کرواتیں شاید انہوں نے شاہ میر کو اپنی بیٹی کا مستقبل سمجھا تھا مگر یہ کیسا مستقبل تھا جو رائمہ کے آنے والے مستقبل میں تاریکیاں رقم کر گیا تھا۔ وہ اب پچھتا کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی تھیں سو تندہی سے اپنے پیشے میں مزید جت گئیں کیونکہ یہی ایک ذریعہ تھا ان کے روزگار کا ان کے عزت سے جینے کا معاشرے میں اپنے آپ کو ثابت کرنے کا وہ اب بھی تنہائی میں اپنے آپ سے ہم کلام ہوتے ہوئے مسکرا دیتیں۔ ہنر انسان کو بھوکا نہیں مرنے دیتا اور ان کے پاس بھی ہنر تھا۔

❁ ❁ ❁ ❁

رابعہ خاتون اور ان کے بیٹے حارث علی کی ملاقات بوا جی سے ایک اسپتال میں ہوئی تھی۔ بوا جی ہمسائی کے ساتھ سرکاری اسپتال چیک اپ کے لیے گئیں اور وہیں رابعہ خاتون انہیں مل گئیں۔ ان سے مل کر ان کے بیٹے کو دیکھ کر اطمینان ملتے ہی رائمہ کے متعلق بات چیت کی تو وہ ان کے گھر باقاعدہ آنے پر رضامند ہوگئیں۔ چند دنوں میں ہی بوا جی نے لڑکے کے متعلق معلومات حاصل کرلی تھیں۔

لڑکا ایک سرکاری اسکول میں پڑھاتا تھا باپ اسکول سے ریٹائر ہوا تو یہ ملازمت بیٹے کو باآسانی مل گئی ان کے گھر میں دو بیٹیاں کنواری تھیں اور رابعہ خاتون ان کے شوہر احمد علی اور ان کا بیٹا۔ یہ فیملی تھی ان کی۔ ان سے ملنے کے بعد جلد ہی باقاعدہ رشتہ مانگا گیا جو بخوشی دے دیا گیا اور آج وہ لوگ تقریباً چوتھی بار ان کے گھر آرہے تھے کچھ ڈیمانڈز لے کر جنہیں پورا کرتے ہی شادی کی تاریخ پکی

ہوجاتی تھی۔

"بھابی میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ کبھی دل چاہتا ہے کہ رابعہ خاتون کو سب سچ بتادوں شاہ میر کے بارے میں آخر کب تک وہ لوگ انجان رہیں گے کہیں بعد میں پتا چلنے پر وبال نہ ہو۔" حلیمہ واقعی میں اپ سیٹ تھی۔ یہ ان کی بیٹی کی مستقبل کی بات تھی بتاتیں تو رسک ہوتا اور نہ بتاتیں تو بھی دل میں ہر پل دھڑکا لگا رہتا کہ نجانے کب کہاں کس موڑ پر زندگی وہ تلخ باب پھر سے دوہرا دے اور ان کی بیٹی کی خوشیوں کو تہس نہس کردے۔

"کہہ تو آپ ٹھیک ہی رہی ہیں مگر خود سوچئے اگر یہ بات ان لوگوں کو بتادی تو رائمہ کی آنے والی زندگی متاثر ہوگی۔" حارث علی بھی اسے طعنہ دے سکتا ہے اور سسرالی رشتے دار بھی عجیب سے سوال پوچھیں گے۔ میں شرمندہ ہوں کہ میرے نااہل بیٹے کی وجہ سے آج آپ کو اتنی تکلیف سہنی پڑ رہی ہے مگر میں اسے اپنا دودھ بھی نہیں بخشوں گی۔ اس نے جو کچھ رائمہ کے ساتھ کیا خدا کو گواہ مان کر اسے بددعا......"

"نہیں بھابی ایسی کوئی بات منہ سے نہ نکالیں جو ساری عمر کے لیے ہمیں بھگتنی پڑے۔" اس سے پہلے کہ زیتون اپنی بات مکمل کرتی حلیمہ نے انہیں سختی سے منع کردیا۔

"بھابی آپ کس مٹی کی بنی ہیں میں رائمہ کی ماں نہیں۔ لیکن دل میں جو درد کی ٹیسیں اٹھتی ہیں تو بے اختیار بددعا دینے کا من کرتا ہے اور آپ ہیں کہ اب بھی اس کی طرف داری...... رائمہ آپ کی بیٹی ہے۔ آپ کی سگی بیٹی میں ابا کی لاڈلی تھی پڑھنے لکھنے کا شوق مجھے تھا نہ میرے بھائی کو بھائی درزی بن گئے اور میں ایک انجینئر کی بیوی۔ دو سال کی رفاقت نے تعلیم کی قدر کرنا سکھا دیا اور شاہ میر کی پیدائش پر میں نے خود سے عہد کیا تھا کہ اسے پڑھاؤں گی لکھاؤں گی۔ اس قابل بناؤں گی کہ دنیا کے سامنے فخر سے کہہ سکوں کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ میرے عہد کو آپ نے اپنی محنت کے کئی سال دیئے۔ اور وہ واقعی اس

قابل ہو گیا کہ اس پر فخر کیا جاسکتا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں کبھی بھی فخر کی اس سیڑھی پر قدم نہ رکھ پائی اور آج...... ذلت محسوس ہورہی ہے اس کی ماں کہلائے جانے پر۔ وہ میری ہر امید پر پانی پھیر گیا اور...... آپ کہتی ہیں بددعا نہ دوں' دل سینے سے باہر نکلنے کو بے تاب ہے جب رائمہ کو نماز کے بعد موتی جیسے آنسو بہاتے دیکھتی ہوں...... بے چین ہوکر رہ جاتی ہوں جب ایمان پر اس کو اپنے آپ میں الجھتے دیکھتی ہوں۔ میری بیٹی کی غلطی کیا تھی حلیمہ بھابی کم از کم یہی تو بتا دیتا۔ اس نے رائمہ پر انگلی نہیں اٹھائی میری پرورش میری تربیت پر انگلی اٹھائی۔ آپ نہیں جانتیں جب آپ کلینک میں ہوتی تھیں تب رائمہ کو اچھے برے کی تمیز میری گود میں مل رہی ہوتی تھی۔ نہیں حلیمہ بھابی نہیں! میں اسے بددعا دوں اس بات کا وہ مستحق ہے اور میں زبان سے بھلے کچھ نہ کہوں مگر دل تو تڑپتا ہے رائمہ کے اجاڑ چہرے اور حلیے کو دیکھ کر۔'' زیتون کا ضبط جواب دے گیا' سچ ہی تو کہہ رہی تھیں وہ حلیمہ کے گھر میں جب سے آئی تھیں رائمہ کی ساری ذمہ داری انہوں نے ہی تو سنبھال لی تھی۔ وہ کب بھوکی ہوتی' کب اس کی سہیلیاں اسے چھوڑ کر کسی نئی سہیلی کو منتخب کرتیں' کب وہ چھوٹے فراک سے لمبی سی گھیرے دار فراکیں پہننے لگی پتا ہی نہ چلا اور اس کی ان چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کو صرف زیتون ہی پورا کرتی تھی۔

''بھابی اللہ کی مرضی اسی میں تھی۔ آپ بس اسی پر بھروسہ رکھیں وہ آپ کو صبر واستقامت عطا فرمائے گا۔'' ان کے آنسو اپنے دوپٹے سے خشک کرتی حلیمہ واقعی ایک ڈاکٹر لگ رہی تھی جو صرف دوسروں کے زخم مندمل کرنے کی دوا لگاتا ہے۔ اپنے ہزاروں زخم سینے میں چھپا کر۔

❁ ❁ ❁ ❁

''آپ اتنی لالچی فطرت کی ہوں گی مجھے نہیں پتا تھا ورنہ......'' رابعہ خاتون کی بات سن کر زیتون کو پتنگے لگ گئے شدت طیش سے ان کے چہرے پر سرخی سمٹ آئی۔

''کیا ورنہ ہاں...... یہ جو نیک پروین اپنے پہلو میں ٹکائے بیٹھی ہیں ناں' اس کی ساری اصلیت سے اچھی طرح واقف ہوں میں۔ ارے شکر مناؤ کہ کچھ تم دونوں بوڑھیوں کے لیے بھی چھوڑ رہی ہوں ورنہ ایسی بدفطرت' بدعقیدہ لڑکی کو میں نوکرانی بھی نہ رکھوں۔'' ٹکا کر ایسا تھپڑ رابعہ خاتون نے ان لوگوں کے چہروں پر مارا تھا کہ وہ اپنی نظروں میں آپ ہی مجرم بن گئیں۔

''آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ کسی کی بیٹی کی یوں عزت اچھالیں اور آپ بھی تو دو بیٹیوں کی ماں ہیں' میری بیٹی کو یوں بدکردار تو مت کہیں......'' حلیمہ نے اپنی طبیعت کی مطابق دھیمے لہجے میں ان کو سمجھانا چاہا تھا مگر وہاں تو جیسے کوئی ادھار بچتا تھا اس فیملی کا جسے آج ہی چکانا مطلوب تھا تب ہی رابعہ خاتون کی تیوریوں پر بل پڑے۔

''ارے کیوں نہ کہوں بدکردار' ایک بار نہیں سو بار اس لڑکی کو میں بدکردار' بدعقیدہ کہوں گی اور...... زیتون تمہارا بیٹا سچا ہی تھا ناں جو کچھ کہا تھا سچ کہا تھا...... اگر تمہارا بیٹا بھربھری بنیاد پر اپنا گھروندہ تعمیر نہیں کرنا چاہتا تھا تو ٹھیک تھا ناں' میں عقیدے کی کمزور لڑکی کو گھر کی عزت بنا کر تم پر احسان کر رہی ہوں اس کا بدلہ اگر ساری زندگی چاکری کر کے بھی اتارنا چاہے گی ناں تو تب بھی نہیں اتار پائے گی۔''

''بس کریں...... میری بیٹی غلط نہیں ہے اور نہ کبھی تھی' آپ کیوں اتنا بات کو بڑھا رہی ہیں۔'' حلیمہ کا پارہ ہائی ضرور تھا مگر اخلاقیات کا دامن اب بھی تھامے ہوئے تھیں۔

''واہ...... بیٹی گھر کے باہر کیا کرتی رہتی ہے آپ کو پتا ہی نہیں اور مجھے چپ کرانے پر تلی ہیں' ارے گھر سے باہر جھانک کر دیکھیں یہ قصہ زبان زد عام ہو چکا ہے۔ بیٹی گھر کے باہر غیر مسلموں سے راہ ورسم بڑھاتی رہی اور دو دو مائیں گھر میں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے بیٹھی رہیں۔ جب بات بڑھی تو سارا جہان باخبر ہو گیا اور یہ سمجھتی ہیں کہ کسی کو علم ہی نہیں۔ میں یہ رسک اس

لیے لے رہی تھی کہ تمہاری بیٹی بے ایمانی کے گھر کے ساتھ یہ گھر اور کلینک اپنے نام کرا کر لائے گی...... مگر یہاں تو مزاج ہی نہیں مل رہے ہیں۔ دیکھتی ہوں کون اس لڑکی کو گھر کے صحن میں سجاتا ہے۔" رابعہ خاتون آئیں بائیں شائیں کرتیں چادر سنبھالتیں گھر سے باہر چلی گئیں اور وہ تینوں اپنی جگہ پر ساکت۔

ہم بھی کسی غلطی کو چھوٹا سمجھ لیتے ہیں نہیں جانتے کہ اس غلطی کا انجام کیا ہوگا۔ کسی غلطی کا خمیازہ ہمیں دنیا میں ہی بھگتنا پڑتا ہے اور کچھ غلطیوں کا ذخیرہ آخرت کے دن کے لیے جمع ہے۔ رائمہ کی غلطی کی سزا اسے اسی دنیا میں مل رہی تھی اور وہ سزا کے ان واروں کو سہتی ایمان کے چراغ کے گرد اپنے ہاتھ حمائل کیے اپنی سی کوشش کر رہی تھی نہیں جانتی تھی کہ یہ دنیا ہے یہاں کسی کے بڑے سے بڑے گناہ کو بھی پردے میں رکھ لیا جاتا ہے اور کسی کی چھوٹی سے چھوٹی غلطی کو اتنا اچھالا جاتا ہے کہ یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کیا یہ لوگ انسانیت کے رتبے پر فائز ہونے کے سب ہی تقاضے مکمل کر رہے ہیں؟ عزت اور ذلت کے وارث کے ہاتھ میں نظام کائنات ہے وہ چاہے تو پل میں اونچی مسند پر بٹھا دے اور اگر نہ چاہے تو اونچائی سے مٹی کر دے۔ ختم کر دے اور انسان شکوہ بھی نہ کر سکے کیونکہ وہ مالک ہے انسان کا' انسان اس کے حکم کا پابند' اگر حکم عدولی ہوگی تو سزا کا انتظار کرنا ہوگا اب یا آخرت میں۔ یہ طے ہے کہ سزا ملے گی اور رائمہ کو یہی سزا مل رہی تھی اس دنیا میں۔

❁ ❁ ❁ ❁
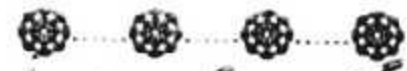
"رائمہ ڈیڈ گم صم رہنے لگے ہیں۔ میں واپس جا رہی ہوں آ کر مل جاؤ پلیز۔" للی کا میسج ملا تو وہ اور بھی گم صم ہوگئی۔ للی کی محبت کتنی بے لوث تھی اس کے اندر کتنا خلوص تھا وہ سوچ کر رہ گئی۔

"بیٹا چلی جاؤ۔" اسے شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر بوا جی نے حل پیش کیا۔

"بوا جی میرے دامن پر پہلے ہی کئی داغ لگ چکے ہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ملاقات تابوت میں آخری کیل ثابت ہو اور میں بیٹھے بٹھائے دنیا میں تماشہ بن جاؤں۔" رائمہ حقیقت پسندی سے بولی تو بوا جی کو مسکراتے پایا۔

"بیٹا بہتے پانی میں اگر ہم کنکر ڈال بھی دیتے ہیں تو وہ چند چھینٹے ہی اڑا پاتا ہے اس کے بعد وہی پُرسکون رفتار لوٹ آتی ہے۔ تمہاری چلتی اس زندگی میں بھی ایسے ہی وقتی کنکر تمہیں ڈسٹرب کر رہے ہیں تو کیا تم اپنی چلتی زندگی کی رفتار کو روک دو گی...... نہیں ناں۔ اس فکر کو چھوڑو اور جاؤ' اللہ تمہیں ان لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنائے آمین۔" وہ ان کی باتیں سن کر اٹھی اور کمرے میں جا کر اپنا عبایا پہننے لگی تھی۔

للی اس سے ملی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ للی کی شفاف رنگت میں ہلدی ملی ہوئی تھی اور اس کے ڈیڈ وہ تو بالکل چپ تھے۔

"ڈیڈ کہتے ہیں کہ میرا راستہ غلط تھا' نجانے کیا کیا کہتے رہتے ہیں۔" رائمہ ان کی وہیل چیئر کے قریب چلی آئی' ان کی آنکھوں میں جھانکا تو حیران رہ گئی۔ ان کی آنکھیں ویران' بنجر تھیں' اداس ساکت جھیل کی طرح۔

"آپ کو اب پتا چلا کہ آپ کا راستہ غلط تھا' پلٹ آیئے...... وہ آپ کو معاف کر دے گا۔" رائمہ کا انداز جانچتا تھا اور تیر واقعی نشانے پر لگا تھا۔ ان کے چہرے کے بل اتنے زیادہ ہو گئے جیسے رائمہ کو ابھی اٹھا کر گھر کے باہر پھینک دیں گے۔ چائے تیار کر کے لاتی للی نے بھی اپنے ڈیڈ کو اتنے خطرناک تیوروں کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"تم کیسے یقین سے کہہ سکتی ہو کہ وہ معاف کر دے گا۔" للی ناسمجھی سے ان دونوں کو دیکھنے لگی جب کہ عبایا سے جھانکتا رائمہ کا چہرہ مسرت سے تمتما اٹھا' اس کی ذات نے جو خواری بھگت لی تھی شاید اس کا ازالہ ہونے والا تھا۔ شاید اب وہ کنارے لگنے والی تھی۔

"قرآن پاک میں سورۃ فاتحہ میں ہم اللہ تعالیٰ سے دن میں پانچ بار دعا کرتے ہیں کہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ وہ ہمیں سیدھا راستہ دکھاتا بھی ہے' سیدھے راستے پر

چلاتا بھی ہے اور منزل مقصود پر پہنچاتا بھی ہے کیونکہ وہ ہمارا اللہ ہے مالک ہے ہمارا...... سیدھا راستہ...... ! یہاں یہ بات آتی ہے کہ کون سا راستہ؟ ہم اللہ سے یہ مانگتے ہیں کہ ہمیں دین اسلام کا راستہ' قرآن کا راستہ' جنت کا راستہ یعنی کام کرنے کے وہ انداز بتادے جو تمہیں پسند ہے اور پسند آجائیں۔ جن پر چل کر ہم اللہ کو راضی کرلیں۔" رائمہ کا ٹھنڈا میٹھا انداز للی اور اس کے ڈیڈ کو جیسے پُرسکون کر گیا مگر انداز میں ابھی بھی خدشات تھے واہمے تھے' وسوسے تھے اور ڈر تھے جو اس راہ میں حائل تھے۔

"سیدھا راستہ ہدایت پانے والوں کو ملتا ہے اور میرے دامن میں صرف اور صرف گمراہی ہے۔" للی کے ڈیڈ کے اندر جیسے پچھتاؤں کے سمندر آن بسے' بے کنارہ جنہیں کبھی بھی وہ روک نہیں سکتے تھے۔

"آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ ہدایت گمراہوں کو نہیں ملتی اور محنت وکوشش سے ملتی ہے اپنی تمام صلاحتیں اور وقت لگانے سے ملتی ہے اور عقل اور کوشش بھی دھری رہ جاتی ہے اگر اللہ نہ چاہے تو یہ خالص اللہ کا کرم ہے کہ وہ جسے چاہے ہدایت سے نواز دے اور جسے چاہے ہدایت سے دور فرما دے۔ کبھی کبھی انسان اپنے افعال سے ہدایت سے دور چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی کسی کو نعوذ باللہ خود گمراہ نہیں کرتا بلکہ انسان خود اس مقام پر آ کھڑا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا حامی و ناصر نہیں ہوتا' اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔

'جس کو اللہ ہدایت دے وہ ہدایت پانے والا ہے اور جسے وہ گمراہی میں ڈال دے تو اس کے سوا ایسے لوگوں کے لیے تو کوئی حامی و ناصر نہیں پا سکتا۔' (بنی اسرائیل) آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا راستہ دکھایا ہے اور جسے ہدایت مل جائے اسے سب کچھ مل جاتا ہے۔"

"میں نے ساری لائف غلط کاموں میں لگادی اب چاہوں بھی تو کچھ نہیں کرسکتا۔" للی کے ڈیڈی کے اعصاب ایک دم ڈھیلے پڑ گئے۔ ٹھنڈی چائے کی طرف دیکھتی للی واپسی کے لیے پلٹی۔ رائمہ کے چہرے پر دھیمی سی مسکان ابھری۔

"ہدایت دینا صرف اور صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ سورۃ القصص میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

'اے نبی ﷺ جسے آپ چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے مگر جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔' میں کیا میری اوقات کیا' اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ اس بات سے انکار نہیں کرپائیں گے۔" رائمہ عبایا سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ للی کے ڈیڈ کے دل ودماغ میں ہلچل مچ گئی۔ وہ حیرت سے اس چھوٹی سی لڑکی کو دیکھنے لگے جو اتنی سی عمر میں اتنے الفاظ کا ذخیرہ اپنے دماغ میں جمع کیے ہوئے تھی۔

"ارے کہاں چلی میں چائے لارہی ہوں تم جارہی ہو۔" للی کے چہرے پر بشاشت تھی جیسے اس نے واقعی کوئی بات نہ سنی ہو۔

"نہیں چلتی ہوں' بواجی انتظار کررہی ہوں گی۔" رائمہ تیز تیز الفاظ میں بولتی ڈرائنگ روم سے باہر نکلی۔ للی نے چائے میز پر رکھی اور اسے پکارتی اس کے پیچھے پیچھے صحن میں آگئی۔

"ہاں کہو......؟" رائمہ خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

"تمہاری شادی میری وجہ سے ٹوٹ گئی ناں......" للی کے الفاظ پر رائمہ جم سی گئی۔ جو اس سوال سے بچنے کے لیے بھاگ رہی تھی للی نے بلاآخر پوچھ ہی لیا۔

"بولو ناں......" چند ثانیے خاموشی کے بعد للی نے پھر پوچھا۔

"میں اس شادی کو ٹوٹنے کی وجہ تمہیں نہیں گردان سکتی' اچھا ہوا میں ایک شکی دماغ انسان سے بچ گئی' تم کب جارہی ہو؟ اپنے ڈیڈ کو کسی اسلامک سینٹر میں داخل کروادو ان کی اصلاح کے لیے بہتر ہے کہ انہیں اسلام سیکھنے کا' سمجھنے کا اور جاننے کا موقع ملے اور ہوسکتا ہے ان کی اور تمہاری آخرت سنور جائے۔" رائمہ گیٹ کی طرف

قدم بڑھاتی للی کو پیچھے چھوڑتی آگے بڑھی۔

"تم اس سے محبت کرتی ہو تم اس کے بغیر کیسے جی پاؤ گی......؟" للی اس کے لیے افسردہ ہی نہیں فکرمند بھی تھی۔ شاہ میر کے ذکر پر اس کی آنکھوں میں دیئے روشن ہوتے دیکھے تھے اس نے' اس کے انتظار میں پل پل گنتی رائمہ کا ہر عکس آج بھی روشن تھا اس کے دماغ میں اور اس کی جاب لگ جانے کے بعد تو جیسے رائمہ پُرسکون ہوگئی تھی' ہر خواب کو مٹھی میں بند کر کے اور یہ خواب مٹھی میں ہی بند ہو کر رہ گئے۔ یہ سب للی کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ خود کو قصوروار سمجھ رہی تھی اور یہی وجہ تھی اس کے واپس برطانیہ جانے کی بھی۔ وہ اب مزید اس کے راستے میں کانٹوں کا سبب نہیں بننا چاہتی تھی۔ رائمہ واپس پلٹی' چہرے پر ایک پھیکی سی مسکان تھی۔

"میری غلطی تھی اس سے محبت کرنا' اللہ سے تعلق مزید جڑ گیا اس کے چھوڑ کر جانے سے...... تم ایمان کی لذت سے ناآشنا ہو' تم نہیں سمجھ پاؤ گی اسے کھو کر میں نے کیا پایا ہے۔" رائمہ چلی گئی اور للی اس کے الفاظ کا مطلب ڈھونڈتی رہ گئی۔

رائمہ سچ کہہ رہی تھی' شاہ میر کے ہاتھوں ہونے والی تذلیل نے اللہ سے مانگنے کا وہ سلیقہ سکھا دیا تھا جو عام حالات میں اسے مدتوں نہ ملتا۔ وہ عاجزی سکھا دی تھی جو ایک عمر گنوا کر بھی وہ کبھی نا پاتی۔ وہ تعلق جوڑ دیا تھا جو راتوں کو جائے نماز پر گھٹنوں نوافل میں مشغول رکھتا تو بھلا ایسا خزانہ ملنے کے بعد کوئی دنیا کی محبتوں کو یاد رکھتا ہے۔

"رائمہ آج حاجی ابراہیم احمد کے گھر قرآن خوانی ہے چلو گی؟" للی جا چکی تھی' رائمہ اس کے جانے پر افسردہ تھی کہ بوا جی نے آ کر اس کا دھیان بٹایا۔

"نہیں بوا جی...... میرا دل نہیں کر رہا۔" رائمہ صاف گوئی سے بولی۔

"کیوں دل نہیں کر رہا اور یہ کیا تم آج اداس کیوں ہو؟" اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی بوا جی چونکیں۔

"بوا جی ایمان کا دیا جلائے رکھنے کے لیے انسان پانچ وقت نماز کا تیل اس میں ڈالتے ہیں' انسانیت کا دیا جلانے کے لیے کیوں اپنی نیتوں کو صاف نہیں کر سکتے؟ جب انسانیت کے دیئے کی لو دھیمی ہوگی تو ایمان کا دیا کہاں جل پائے گا پھر بھلے پانچ وقت کی نماز کا تیل اس میں پڑے یا نہ پڑے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔" رائمہ کے الفاظ دن بدن الجھاؤ اختیار کرتے جا رہے تھے۔ وہ تنہائی کا شکار ہو رہی تھی اور تنہائی میں ایسے سوال ذہن میں آتے جن پر وہ خود سے الجھ جاتی۔

"ہماری نیتوں کا علم اسے ہے اور ہمارے اچھے برے کھرے کھوٹے ہر عمل کا حساب بھی۔ جب ہم اس بات سے باخبر ہونے کے باوجود بھی اپنی اصلاح نہیں کرتے تو قصور ہمارا ہے ہمارے اعمال کا نہیں کیونکہ ہمیں بظاہر پورا کرنے اور عمل کرنے کی فکر ہے۔ نیتوں کو آلودہ کر کے بھی دھڑلے سے ایمان کا چولا پہن لیتے ہیں۔" بوا جی اکثر اس کے سوالوں پر اپنے تئیں اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتیں ان کے پاس علم محدود تھا اور وہ اپنی سمجھ کا استعمال جس حد تک ہوتا کر کے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتیں اور وہ ان کے جوابوں پر کسی حد تک مطمئن بھی ہو جاتی۔

"چلیں؟" بوا جی نے پوچھا۔

"کہاں؟" رائمہ کی غائب دماغی عروج پر تھی۔

"میری اماں کے گھر۔" بوا جی تپ گئیں۔

"آپ تو کہتی تھی کہ وہ انتقال کر گئیں۔ گھر کا سودا کرنے جا رہی ہیں؟" پلنگ سے نیچے اترتی چپل اڑستی اپنی بھتیجی کے بھولپن پر انہیں بیک وقت پیار اور غصہ آیا اور پیار غصے پر غالب آ گیا۔

"رائمہ جب عقل بانٹی جا رہی تھی تم کہاں مٹرگشت کر رہی تھی؟"

"کیا بوا جی آپ بھی' میں آپ کو عقل سے پیدل دکھتی ہوں۔" رائمہ ان کے جھنجلائے تیور دیکھ کر سمجھ گئی کہ غلطی اس سے ہوگئی ہے۔

''بالکل...... ارے کوئی بھی عقل مند تمہیں عقل سے پیدل کہنے میں تامل نہ کرے۔''
''بواجی......'' رائمہ کا چہرہ یک دم پھولا۔
''ارے میں تو مذاق کررہی تھی' بھلا میری بھتیجی کو عقل سے پیدل کہنے کی کسی میں مجال ہے۔'' وہ اسے پیار سے لپٹا کر بولیں تو رائمہ بھی خفگی بھلائے مسکرادی۔
''چلو ہمیں آج قرآن خوانی میں جانا ہے۔'' کچھ دیر بعد اسے خود سے جدا کرتے ہوئے بے اختیار نکلنے والے آنسوؤں کو دوپٹے کے پلو سے رگڑتی وہ محبت سے گویا ہوئیں تو رائمہ چاہ کر بھی انکار نہ کرسکی اور وضو کرنے واش روم کی طرف چل دی۔
''الٰہی اسے ہمت عطا فرمانا۔'' انجانے خدشات پھن پھیلائے آنے والے وقت کے سنگین ہونے کا خدشہ ثابت کررہے تھے وہ تہہ دل سے دعا گو ہوئیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ رائمہ باہر آئے جائے دنیا والوں کو سنے اور اپنے اندر اتنی ہمت پیدا کرے کہ آنے والی زندگی میں کوئی بہتر فیصلہ کرسکے۔
''ان لوگوں کو کس نے بلایا ہے۔'' رائمہ پندرھواں سپارہ کھول رہی تھی کہ اس کی ایک رشتہ دار نے سپارہ ختم کر کے رکھتے ہوئے اسے دیکھا تو تیزی سے بولیں۔
''ہم نے بلایا ہے......'' حاجی ابراہیم احمد کی بیوی شافعہ نے متانت سے جواب دیا تھا ان کے چہرے پر واضح ناگواری تھی قرآن پاک کی تلاوت کے دوران وہ عورت گفتگو کررہی تھی جو انہیں بالکل پسند نہ تھا۔
''اگر آپ کو پتا نہیں تو میں بتا دوں کہ یہ لڑکی بے دینوں سے مراسم رکھتی ہے اور کیا پتا ایمان بھی خالص ہے یا......'' آخری الفاظ رائمہ کو زمین میں گاڑ گئے اس کی ذات پر لگے یہ داغ دن بدن واضح ہوتے جارہے تھے۔
''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' شافعہ اب کہ برہمی سے گویا ہوئیں۔
''سچ ہے یہ...... شاہ میر زیتون کا بیٹا آپ کو یاد ہے؟'' بھولی بھالی چہ مگوئیاں شروع ہوگئیں' زیتون واش روم گئیں ہوئی تھیں رائمہ نے یہاں وہاں نظر دوڑائی تو انہیں کہیں نہ پایا۔
''ہاں...... ہاں وہ بھلا بھولنے والی چیز تھا' میری بیٹی تو اس کی شادی کی خبر سن کر کئی دن شاک کی حالت میں رہی تھی' ڈیشنگ پرسنالٹی پر مرمٹی تھی' اب بھی ذکر پر اداس ہوجاتی ہے۔'' شافعہ سے پہلے ہی ان کے پہلو میں ہاتھ میں سپارہ پکڑے مسز علیم بول اٹھیں۔
''اسی نے اسے عقیدے کے غلط ہونے کے خدشے میں چھوڑ دیا' اسے چھوڑا سو چھوڑا مگر کسی اور کی جگہ بھی نہ رکھی اور واپس چلا گیا۔'' رائمہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اللہ کے قرآن پاک کو پڑھنے کے بجائے خواتین بھلائے وہ معزز خواتین اس کی ذات کے بخیے ادھیڑنے میں مگن تھیں۔
''اچھا مگر تمہیں کیسے پتا چلا؟'' محفل میں کسی کونے سے اونچی آواز ابھری تھی۔ رائمہ کی آنکھیں سپارے پر جم سی گئیں اس کے بعد وہ کہانی جس میں جھوٹ سچ ملا کر عورتوں نے باتیں کیں تھیں اس نے رائمہ کا وہاں بیٹھنا دوبھر کردیا۔
''اس کے ہاتھ میں سپارے کو تھما کر اس محفل کو کیوں ناپاک کررہی ہیں لے لیں اس کے ہاتھ سے سپارہ۔'' کسی عورت کی نفرت میں ڈوبی آواز اس کی سماعت میں آگ کی طرح گھسی اور آناً فاناً سپارہ پڑھنے کا حق بھری محفل میں اس سے چھن گیا۔
''ڈھٹائی دیکھو۔ ابھی بھی جمی بیٹھی ہے۔''
''ارے رکو میں موبائل میں اس کی فوٹو لے لوں اپنے جاننے والوں کو بھجوا دوں گی کہیں کوئی رشتہ نہ جوڑ بیٹھے اور ساری عمر بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے رسک لے لے۔''
''ہاں یار یہ تو میں نے سوچا تک نہیں۔'' خاتون کے کہنے کی دیر تھی۔ دھڑا دھڑ تصویریں لی جانے لگیں' وہ عورت کچھ ایسا انداز اپنائے ہوئے تھی کہ قرآن پاک کو جس کسی کے پاس موبائل تھا وہ جلدی سے نکال کر فوٹو

لینے لگیں۔ رائمہ پانی چھلکاتی آنکھوں سے اٹھی' باہر آ کر چپل پہنتی بواجی کو نل پر وضو کرتے دیکھا تو ان کے پاس چلی آئی۔

"چلیئے بواجی۔" عبایا کے ایک کونے سے چہرہ پونچھتے ہوئے اس نے کہا۔

"کیوں بھئی؟ میں تو نعت اور درس سن کر جاؤں گی اور تم بھی چلو۔" دوپٹے کے پلو سے ہاتھ خشک کرتی وہ اندر کی طرف بڑھنے لگیں۔

"بواجی اندر نعت یا درس نہیں دیا جا رہا' آپ کی بھتیجی کی عزت نفس کو تار تار کیا جا رہا ہے اسے لہولہان کیا جا رہا ہے خدا کے لیے گھر چلیں۔" رائمہ نے آخر میں بے بسی سے ہاتھ جوڑے تو وہ ٹھٹک سی گئیں۔

رائمہ کے آنسو اس کی ذات کے بکھرنے کے امین تھے اس کے چہرے کی اذیت اس کے دل کی حالت عیاں کر رہی تھی کپکپاہٹ سے اس کا جسم ہلکے ہلکے ہچکولے کھا رہا تھا شدت ضبط سے ہونٹ کاٹتی وہ اس لمحے انہیں اتنی معصوم لگی کہ اسے لے کر آنے کا فیصلہ انہیں بے اختیار غلط لگا تھا۔

وہ اب بواجی کے ساتھ گھر آ گئی تھی کھوئی کھوئی سی وہ اب مزید اداس رہنے لگی تھی۔ اس واقعے کے بعد وہ اتنی مشہور ہوئی کہ اس کا چہرہ دیکھتے ہی لوگوں میں کھسر پھسر ہونے لگتی۔ دو تین واقعات اور ہوئے اور رائمہ کا ضبط ہار گیا' اس کے سہنے کی طاقت جواب دے گئی اور وہ ٹوٹ گئی۔ مکمل طور پر بکھر گئی زندگی کو سمیٹتے سمیٹتے' اپنے کرچی کرچی ہوتے وجود کو سنبھال کر اس نے آگے تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ویسے بھی جتنی اس کے کردار کی دھجیاں اڑائی گئی تھیں وہ اب شاید ہی نارمل زندگی جی پاتی رشتے کی امید تو خیر اب دور دور تک نہیں رہی تھی سو ماں اور بواجی نے بھی اسے آگے پڑھنے کی اجازت دے دی۔

آج پانچ سال بعد رائمہ کالج میں پڑھانے کا فریضہ سر انجام دے رہی تھی۔ اس کی ذات میں خود اعتمادی آ گئی تھی عبایا تو وہ پہلے بھی پہنتی تھی مگر چہرہ کھلا رکھتی تھی اس کی

غزل

شب دیجور تھی اس کی یادوں سے مزین
الفاظ بے معنی اور میرے اندر کی کشت سخن
اجڑے دیار اور یہ میری چشم انتظار
دل مختل کیوں روتا ہے میں خود ہوں پریشان
اے آتش غم تُو ہے میرے مزاج کے خلاف
تجھے اپنا لوں میں گر تو بڑا عجیب ہے یہ ملن
یادوں کے صحرا اشکوں کی رم جھم اور روٹھی محبت
اس کی انا لاجواب اور دل برباد کو وفا کا یقین
تقدیر میں سفر تھا غموں کی تھکن کے سنگ عائشہ
اور افق کو چھونا چاہے میرا یہ بے چین من

عائشہ نور عاشا...... گجرات

ذات کی اتنی تشہیر کی گئی کہ اب وہ نقاب لینے لگی تھی نقاب کے پیچھے اس کا چہرہ ضرور چھپ جاتا مگر روح اور ضمیر اب بھی تذلیل کا بوجھ اٹھائے کرلا جاتے' تڑپ جاتے کہ اس کی ذات اب بھی مشکوک ہے' وہ اب بھی درمیان میں لٹک رہی ہے وہ اب بھی کھلے سمندر کی ہچکولے کھاتی کشتی میں سوار تھی اور نجانے کب تک زمانے کی بے رحم ہوائیں اس کی ذات کو مضبوطی سے دور رکھنے والی تھیں۔

"ماں آج عجیب بات ہوگئی۔" رات کے کھانے کے دوران رائمہ نے اپنی ماں کو مخاطب کیا جو زیتون کے ساتھ رمضان المبارک کی آمد سے پہلے خریداری مکمل کرنا چاہتی تھیں رائمہ کی بات پر دونوں چونکیں۔

"کیا عجیب بات ہوگئی۔" حلیمہ کی بجائے زیتون نے بھتیجی سے پوچھا۔

"میری ایک اسٹوڈنٹ نے اپنے بھائی کے رشتے کے لیے میرے گھر آنے کی پرمیشن مانگی۔" کتنے لمحے خاموشیوں کی نظر ہوگئے۔ رائمہ مزے سے کھانا کھاتی رہی جب کہ وہ دونوں اس کی اگلی بات کی منتظر رہیں۔

"پھر؟" گلے میں پھنسے نوالے کی طرح انہوں نے اپنی بیٹی سے پوچھا۔

"پھر کیا' میں نے انکار کردیا۔" ازلی خوداعتمادی سے جواب دیا۔

"کیوں؟" اب کی بار زیتون نے ہمتوں کو مجتمع کرکے پوچھا۔

"میں سابقہ تجربوں کو بھولی نہیں اور آپ ایسے بھی مت دیکھیں' میں نے جیسے گناہ کردیا ہو۔" کھانا ختم کرتی وہ اٹھی اوران کوحیران چھوڑ کر وہاں سے چلی گئی۔

"بھابی میری بچی نے کتنے غم سہے ہیں' کاش یہ بقر عید خوشیوں کا ابر لائے آمین' ایسا ہی ہوگا' امید کو کبھی ٹوٹنے مت دیجئے گا۔" وہ دونوں افسردہ سی اٹھ گئیں' عید قرباں کی تیاریوں کی گفتگو کہیں بیچ میں ہی رہ گئی۔ حلیمہ بھی آج کل دوپہر کو لوٹ آتیں اور زیتون کے ساتھ کچن سنبھال لیتیں۔ وقت کی بے رحم رفتار ان کی زندگیوں کی ساری مٹھاس اپنے ساتھ لے گئی تھیں اور وہ روکھی پھیکی بدمزہ سی زندگی جینے پر مجبور ہوگئیں تھیں۔

"شاہ میر تمہیں کبھی سکون نہ ملے۔" زیتون بھیگی آنکھوں کے کنارے صاف کرتی دل ہی دل میں بیٹے سے مخاطب ہوئیں تھیں۔

"ماں للی۔" سالوں بعد بھی ٹیلی وژن کی روشن اسکرین پر للی کی جگمگ کرتی صورت دیکھ کر لمحے میں پہچان گئی' حلیمہ اور زیتون بھی متوجہ ہوئیں تھیں۔ واقعی ٹی وی پر اپنے آپ کو مکمل طور پر ڈھکے وہ للی ہی تھی جس کی صورت میں آج بھی بلا کی معصومیت وکشش تھی جو کسی کو بھی متحیر کردیتی۔ مسخر کردیتی جکڑ لیتی۔ رائمہ نے والیوم بڑھایا۔

"میری خوش بختی ہے کہ آج میں مسلمان ہوں میرے ابو حیات نہیں مگر مرنے سے چند مہینے پہلے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے تھے۔" للی کا شائستہ لب ولہجہ اس کی شخصیت میں وقار کا سبب بن رہا تھا۔

"تو مس بصری آپ نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیسے کیا؟" میزبان کی آواز پر ایک زخمی سی مسکراہٹ چند لمحوں کی مہمان ہوئی اور للی جو اب بصری تھی کے چہرے سے معدوم ہوگئی۔

"بہت لمبی کہانی ہے' میرے اسلام قبول کرنے سے پہلے کسی کے اسلام کو کسی کی زندگی کو اتنا ادھیڑا گیا کہ لفظ ہوتے تو میں ایک کیا کئی کتابیں لکھ ڈالتی مگر افسوس میں نہ تو کوئی کتاب لکھ پائی اور نہ ہی اس شخصیت کے دامن پر موجود الزامات کو جھوٹا ثابت کرسکی۔" میزبان کے ساتھ وہاں موجود کثیر تعداد میں بیٹھے مہمان بھی اس بات اور بصری کے آنسوؤں پر دم بخود رہ گئے۔

کسی کے ساتھ غلط ہوجائے تو واویلا کرتا ہے۔ شور مچاتا ہے اور کچھ نہ کرے تو اتنا تو ضرور کرتا ہے کہ خود کو صحیح ثابت کرنے کی سعی کرتا ہے مگر رائمہ کو تو یہ حق بھی نہ دیا گیا تھا تبھی آج پانچ سال بعد ماضی کی راکھ اس کے زخموں کو کریدنے لگی تھی۔ آنسوؤں کے نہ رکنے کا سلسلہ ان تینوں کی آنکھوں سے شروع ہوچکا تھا۔

بصری نے مختصراً رائمہ کی زندگی کی ہر حقیقت کو آشکار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تصویر بھی ناظرین وحاضرین کو دکھائی تھی جو تقریباً چھ سال پہلے اس نے مذاق میں لی تھی۔

"ہم ہمارے مہمان اور ناظرین آپ سب سے التماس ہے کہ ایسی چھوٹی سی بات کو ہوا بنا کر کسی کے دین کے ساتھ کھلواڑ نہ کریں۔ ہمیں مرنا ہے...... اللہ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے تو ہم کیسے اس معبود برحق کی قربت کا اندازہ کسی کے ظاہری فعل سے لگا سکتے ہیں؟ کسی پر بہتان باندھنا بھی تو غلط ہے...... ہمارا ٹیلی ویژن نیٹ ورک' ہم' ہماری پوری ٹیم اور دنیا کے جس جس کونے میں رائمہ زیدی کی تصویر کی جھلک دکھائی گئی اور جنہوں نے دیکھا وہ سب گواہ ہیں کہ رائمہ زیدی کا ایمان کامل تھا' ہے اور ان شاء اللہ رہے گا۔ رائمہ زیدی نے جتنی تکالیف برداشت کیں یہ ان کا حوصلہ اور صبر ہے اللہ انہیں جزائے خیر دے اور جو لوگ یہ خدشہ پالے

ادب کے افق پر چمکتا ستارہ

کامیابی کی پہلی منزل خوب صورتی سے طے کرتے ہوئے
کم وقت میں اپنی پہچان اور اپنا مقام بنانے میں کامیاب ٹھہرا

نومبر 2015ء سے اپنے سفر کا آغاز کرنے والا ماہنامہ حجاب
نومبر 2016ء میں کامیابی کا پہلا سال مکمل کرتے ہوئے
آپ لوگوں کی دعاؤں سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے
حجاب کی سالگرہ نمبر میں دیکھئے اپنی پسندیدہ مصنفین کی تحریریں
ساتھ ہی ملک کے نامور شعراوادیبوں سے ملاقات
اس کے علاوہ جو آپ چاہیں اپنی آرا ہمیں فوراً ارسال کریں

کہیں دیر نہ ہو جائے، آج ہی اپنی کاپی ہاکر سے بک کرالیں

بیٹھے ہیں کہ رائمہ زیدی کا ایمان مشکوک ہے خدارا اپنی آخرت سنوارنے کی کوشش کریں اور اپنے آپ پر توجہ دیں۔ آخر میں میں اتنا ہی کہوں گا کہ کوئی کسی کی قبر میں نہیں جائے گا۔ ہر کسی کو اپنے اعمال کا بوجھ خود ڈھونا ہے اصلاح ہمارا فرض ہے مگر کسی کی ذات کو سرے سے غلط نہ ٹھہرائیں قیامت میں جواب دہی پر کہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔‘‘ کئی آنکھیں اب بھی برس رہی تھیں۔

رائمہ بے یقینی سے سب سن اور دیکھ رہی تھی شکر کے آنسو متواتر بہہ رہے تھے۔

’’ما....ں.... میر.... ی.... ذا.... ت پر لگا.... دھبہ مٹ گ.... یا۔‘‘ ٹوٹے پھوٹے بے ربط الفاظ رائمہ کی بے پناہ خوشیوں کے گواہ تھے وہ اپنی ماں سے لپٹ گئی ٹی وی اسکرین پر اب نعت پیش کی جارہی تھی۔

’’ہاں میری بچی اللہ کسی کو اتنا بھی نہیں آزماتا کہ اس کی برداشت جواب دے جائے۔‘‘ اپنے آپ میں بھینچے وہ لب بھی اس کے بالوں پر رکھتیں تو کبھی بے اختیار سی ہو کر گالوں پر برسوں بعد دل پر دھرا بوجھ اترا تھا ان کی بیٹی کو جس طرح بھرے بازار میں بے عزتی اور بے دینی کا طوق زبردستی پہنایا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس سے بڑھ کر اس کی عزت کو واپس اصل جگہ اور مقام عطا فرمایا تھا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے تو کیسے اس پر رحم نہ کرتا؟

’’ماں سائرہ نے مہندی اچھی نہیں لگائی ہوا جی کپڑے درزن سے لے لیے تھے ناں، میرے سوٹ کا ہم رنگ کچھ تو ہے نہیں، ماں صبح کے لیے سویاں پکا کر رکھ لیں، کل میں بہت بزی ہوں گی کام نہیں کروں گی۔‘‘ ایسے کئی جملے اگلے چند گھنٹوں میں رائمہ بول چکی تھی چاند رات تھی وہ ایک دم خود کو ہلکا پھلکا محسوس کررہی تھی۔ پورے گھر میں اڑتی پھر رہی تھی پچھلے پانچ سال سے جو رائمہ حساس الزامات کی زد میں آ کر اپنی زندگی جینا بھول چکی تھی آج اس کو جیسے نیا جیون ملا تھا۔ بہار اس کے چہرے پر ہی نہیں بلکہ اس کے ہر ایک انداز سے جھلک رہی تھی کسی نوخیز کلی

غزل

زندگی اب اذیت ہے مجھے
تیرے ملنے کی ضرورت ہے مجھے
تم سے ملنے کی تمنا آج کل
اب بھی پہلی سی محبت ہے مجھے
تم نے سوچا ہی نہیں ہے جان جاں
تیرے در سے اب بھی نسبت ہے مجھے
وقت کی رفتار مجھ میں رہ گئی
اب بچھڑنے کی ندامت ہے مجھے
وصل کے ہر ایک موسم میں کبھی
اس نے لکھا تھا فراغت ہے مجھے
جاتے جاتے اس نے نازش یہ کہا
پھول چہروں سے محبت ہے مجھے

نبیلہ نازش راؤ...... اوکاڑا

کی طرح ایکسائٹمنٹ سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ بشریٰ عید کی صبح آرہی تھی۔

’’ماں بشریٰ کے لیے میں ایک سوٹ لے آؤں یا......‘‘ وہ اس وقت الماری میں منہ دیے کھڑی تھی دروازے پر دستک ہوئی تو اجازت دیتے ہی شروع ہوگئی۔ دوپٹے کو پکڑے جیسے ہی واپس پلٹی پتھر کی ہوگئی۔ دوپٹہ اس کے ہاتھ سے پھسل کر فرش پر گر گیا۔

’’رائمہ ماں اور تمہاری ماں نے مجھے معاف کردیا...... تم بھی......‘‘

’’میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔‘‘ یک دم بے جان مورت میں جان آئی اور وہ ایک دم چیخی۔

’’آئی ایم......‘‘

’’بس ایک لفظ بھی منہ سے مت نکالیے گا۔‘‘ شاہ میر کی بات ٹوک کر وہ بدلحاظی سے گویا ہوئی۔

’’آپ کو کیا لگتا ہے میں آپ کو معاف کردوں گی۔ ہرگز نہیں کبھی بھی نہیں۔ کیسے معاف کردوں میں آپ کو؟ لوٹا سکتے ہیں میرے پانچ سال جن میں میں نے ہر لمحہ

اذیت اٹھائی میرے اپنوں نے غیروں نے میری ذات پر کیچڑ اچھالا۔ آپ کو کیا لگتا ہے وہ پل وہ لمحے میں زندگی کی کتاب سے پھاڑ دوں گی ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میری ذات پر میرے کردار پر میرے چہرے میری سوچ کسی کو بھی نشانہ بنا دیتے تو میں آپ کو معاف کر بھی دیتی مگر......'' رخساروں پر ڈھلکتے آنسوؤں کو بے دردی سے ہاتھ کی پشت سے صاف کرتی وہ نفرت میں سموئے لہجے میں بولی۔

''میری زندگی کے اس حساس موضوع پر آپ نے وہ کالک ملی کہ پچھلے پانچ سال سے میں دنیا سے منہ چھپائے پھر رہی تھی اور شاید زندگی بھر ایسا ہی رہتا اگر میری دوست نے مجھ پر احسان نہ کیا ہوتا...... خدا کے لیے میں آپ کو آپ کی غلطیوں پر معاف نہیں کر سکتی' چھوڑ دیں مجھے اس جہنم میں جلنے کے لیے' جس کا ایندھن آپ نے جمع کیا اور بعد میں ہر کسی نے اپنی اپنی مرضی سے اس میں آگ سلگائی...... چلے جائیں پلیز......'' رائمہ کا سانس پھولنے لگا' آنسوؤں کا بند کب کا ٹوٹ چکا تھا۔ وہ چہرے کو ہاتھوں میں چھپائے زمین پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''رائمہ بس ایک مرتبہ یہ گھڑی لے لو میں چلا جاؤں گا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے......'' فضا میں کچھ جانی پہچانی سی دھن گونجی تو رائمہ کے آنسو ساکت سے ہو گئے۔

شاہ میر کے ہاتھ میں خوب صورت سی گھڑی تھی جس کی چابی ہلکا سا گھمائی جاتی تو فضا میں جلترنگ سا بج اٹھتا' یہ گھڑی دسویں کے رزلٹ کے اچھا ہونے پر اس کی ماں نے اسے گفٹ کی تھی اور چند دنوں میں ہی وہ گھڑی گم ہوگئی تھی' وہ اسے ڈھونڈتی رہی' کئی دنوں تک متاسف رہی تھی مگر وہ نہ ملی تھی اور آج وہ گھڑی کئی سالوں بعد شاہ میر کے ہاتھ میں تھی۔

''چوری کی عادت بچپن سے تھی الزام تراشی کے علاوہ ہاتھ کی صفائی میں بھی بڑی مہارت ہے آپ کو۔'' انداز استہزائیہ تھا شاہ میر مسکرا دیا۔

''افسوس دل نہیں چرا پایا' حالانکہ دیا کئی برس پہلے تھا اور جسے دیا تھا اب تو وہ کبھی میرا دل لے گی ہی نہیں......'' شاہ میر مایوسی سے واپس پلٹا۔

''وہ لے گی مگر ایک شرط پر۔'' کمرے کے دروازے سے شاہ میر جوش سے پلٹا۔

''میں ہر ازالہ کرنے کو تیار ہوں۔'' فرط جذبات سے شاہ میر جھوم کر بولا تو رائمہ بے اختیار مسکرا دی۔

''تو پھر ٹھیک ہے آج کے بعد میرا ہر کہنا مانیں گے دین کے راستے پر چلیں گے اور......''

''تمہیں نہیں لگتا کہ یہ زیادہ ہو رہا ہے۔'' شاہ میر نے ٹوکا انداز میں مسکینیت تھی۔

''کچھ زیادہ نہیں ہو رہا' اس مہینے کے آنے پر جو خوشیاں مجھے ملیں ان کے ملنے کے بعد تو کچھ اور کی خواہش ہی نہیں رہی۔'' شاہ میر آگے بڑھا۔

''یہ مہینہ جو احسان ہم پر کر گیا ہے اس کو اتارنا تو دور کی بات ہم تو اس کی ان گھڑیوں کو نہیں بھولیں گے جب تم نے معافی کا عندیہ دیا۔'' شاہ میر پٹڑی سے اترا۔

''پچھلے پانچ سال سے جو تڑپ مجھے ملی اس وقت نے سب کچھ بھولنے پر مجبور کر دیا۔ ہر انسان کی زندگی میں بجھے دیوں کو جلا جانا' ہر شخص کی زندگی میں روشنی بھر جانا آمین۔'' رائمہ کے ساتھ ہی شاہ میر نے بھی آمین کہا تھا واقعی عیدالاضحی وہ انعام دیا تھا کہ ان کی اندھیر زندگی کے بھی دیئے جل اٹھے تھے۔

یہی تو عید ہے

سباس گل

"اماں...... اماں۔" تئیس سالہ فرید تقریباً دوڑتا ہوا اندر آیا۔ اماں نے ہنڈیا پکاتے ہوئے اسے یوں بوکھلائے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"ارے کیا ہوگیا...... آسمان کیوں سر پر اٹھا رکھا ہے؟"

"میں نے تو آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے آپ کی لاڈلی گائے نے آپ کے چہیتے بکرے کو سر پر اٹھا رکھا ہے۔"

"ہائیں...... کیا کہہ رہا ہے تو؟" اماں نے ہنڈیا میں چمچ چلانا چھوڑا اور تشویش زدہ لہجے میں اس سے مخاطب ہوئیں۔

"سچ کہہ رہا ہوں، قسم سے گائے بکرے کو اپنے جناتی سینگوں پر اٹھا کے پوری کھولی کا چکر لگا رہی ہے، اب پتا نہیں چکر لگا رہی ہے کہ چکر چلا رہی ہے۔" وہ تیزی سے بولا۔

"دفعہ دور...... کچھ بھی بکتا ہے جا کے بکرے کو بچا۔"

"میں کیسے بچاؤں؟ بکرا بھی تو جان بوجھ کے گائے سے پنگے لے رہا تھا، کیا ضرورت تھی اسے گائے کو چھیڑنے کی بس پھر غیرت جاگ گئی مشرقی گائے ہے آخر غصہ تو آنا ہی تھا اسے، اب وہ بکرے کی ہڈی پسلی ایک کرنے کے موڈ میں دکھ رہی ہے اور آپ کا لاڈلہ بکرا عید سے پہلے ہی قربان ہوتا دکھ رہا ہے مجھے۔" فرید نے بوکھلائے اور پُرجوش لہجے میں تجزیہ کرتے ہوئے کہا۔

"ارے تیرے منہ میں خاک، اتنا پیارا، لاج دُلارا بکرا ہے میرا پستے بادام کھلا کے پالا ہے اسے۔" اماں نے پتیلی کا ڈھکن ڈھکا اور اٹھتے ہوئے تیز لہجے میں بولیں۔

"جبھی تو وہ خود کو بڑی چیز سمجھنے لگا ہے اپنی برادری میں دل نہیں لگتا اس کا۔ اپنے سے اونچی ذات، برادری میں راہ و رسم بڑھانے چلا تھا اب پڑ گئے ناں جان کے لالے۔" فرید نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے مزے سے کہا تو اماں کو اس پر شدید غصہ آیا۔

"تو تو سٹھیا گیا ہے فرید......"

"میری فکر چھوڑیں اماں، اپنے بکرے کی فکر کریں بلکہ خبر لیں اس سے پہلے کہ ٹی وی پر بریکنگ نیوز نشر ہوجائے اس کی مستیوں کی۔" فرید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"باؤلا ہوگیا ہے تو تو، یہ نہیں کہ جا کے بکرے کی جان چھڑائے گائے سے، یہاں بیٹھ کے ہنسی ٹھٹھہ کر رہا ہے۔" اماں نے ہاتھ میں ڈنڈا اٹھایا اور فرید کو غصے سے بولتی، باہر کھولی کی طرف چلی گئیں۔ فرید بھی ان کے پیچھے چلا آیا۔ گائے نے سچ مچ بکرے کو اپنے بڑے بڑے سینگوں پر اٹھا رکھا تھا، اماں تو یہ منظر دیکھ کر سٹپٹا گئیں۔

"اوئی میرا بچہ، میرا لاڈلہ بکرا......" اماں بے اختیار تڑپ کر بولیں۔

"دیکھا اماں...... گائے نے بکرے کو اپنے سینگوں پر یوں اٹھا رکھا ہے جیسے کوئی فاتح جیتنے کے بعد ٹرافی ہاتھوں میں اٹھا کے دنیا کو دکھاتا ہے۔" فرید ہنس کر بولا۔

"کم بخت مارے، زبان ہی چلاتا رہے گا یا ہاتھ بھی چلائے گا اور بکرے کو بچائے گا؟ چل جا کے پکڑ بکرے

کو میں گائے کے کان کھینچتی ہوں' بچے کی جان کو ہی آ گئی اللہ ماری۔'' اماں نے تیزی سے کہتے ہوئے فرید کو ڈانٹا اور ڈنڈا گائے کی ٹانگوں پر مارا' گائے نے دو تین ڈنڈے پڑنے پر بکرے سے اپنا دھیان ہٹالیا تھا اور فرید نے بکرے کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر زمین پر اتارا جو مسلسل ''میں میں'' کر رہا تھا۔ اماں نے جھٹ سے بکرے کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اور اس کی بلائیں لینے لگیں۔ فرید نے گائے کے سامنے چارہ ڈالا اور اماں کو اپنے بکرے کی بلائیں لیتے دیکھ کر ہنس دیا۔

''ذرا سا گھوم جا تُو...... ارے نہ رے نہ رے نا۔'' فرید بکرے کو پانی پلاتے ہوئے گانا گا رہا تھا۔ گائے نے اسے ایسا گھمایا تھا کہ وہ بے چارہ ابھی تک چکرا رہا تھا' اماں اور فرید اس کی خاص سیوا کر رہے تھے۔

''اماں...... اتنا لاڈ نہ کرو ہیرے سے دو چار دن کا مہمان ہے یہ' عید کے دن قربان ہو جائے گا پھر کیا کریں گی؟'' فرید نے اماں کو اپنے بکرے' جس کا نام انہوں نے ہیرا رکھا تھا سے لاڈ کرتے دیکھ کر کہا تو وہ فٹ سے بگڑتے ہوئے بولیں۔

''خبردار جو کسی نے اسے ہاتھ لگایا ہو' میرا لاکھوں کا بکرا ہے یہ' میں نہیں قربان کروں گی اسے۔ اولاد کی طرح پالا ہے میں نے اسے' میں اپنے بچے کی گردن پر چھری کیسے چلادوں؟''

''بھلی لوک...... تو نے یہ بکرا تو بڑی عید کے واسطے ہی پال پوس کے اتنا بڑا کیا تھا اب قربانی کا وقت آیا ہے تو تو اپنی زبان سے پھر گئی ہے۔'' فرید کے ابا نے بیوی کو دیکھتے ہوئی یاد دلایا۔

''ہاں کہا تھا قربانی کے واسطے تیار کر رہی ہوں' اسے قربانی دوں گی اس کی' پر تب مجھے یہ تھوڑی نا پتا تھا کہ مجھے اس بکرے سے اتنا لگاؤ اور پیار ہو جاوے گا اور یہ میرے ہاتھوں میں کھیل کر' کھاپی کے بڑا ہوا ہے میں کیسے اپنے ہاتھوں کے پالے کو موت کے حوالے کر دوں۔ نہ فرید کے ابا نہ مجھ سے یہ ظلم نہیں ہونے کا نہ سہا جاوے گا اور نہ ہی تم مجھے مجبور کرنا اچھا۔ ہیرا ہے یہ میرا' میں اسے کسی قیمت پر نہیں گنوا سکتی' میری جان ہے اس میں' میرا لاڈلہ بچہ ہے یہ تو۔'' اماں نے تیزی سے کہا تو دونوں باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو حیرت زدہ نظروں سے دیکھا اور مسکرانے لگے۔

''تو پھر فرید کی قربانی دے دیں اس عید پر؟'' ابا نے کہا تو اماں دل تھام کر بولیں۔

''ہائیں ہائیں...... دماغ خراب ہوا ہے کیا تمہارا' اپنی اولاد قربان کرو گے؟ وہ جو تمہاری چھمک چھلو گائے کھڑی ہے وہ کیوں نہیں حلال کرتے؟ تم کو ہی گوشت کھانے کا شوق ہے پھر جی بھر کے کھانا گائے کا گوشت' کوفتے کباب اور وہ جو تمہارے ندیدے رشتے دار ہیں انہیں بھی اس بار گوشت بھیج دینا' خوش ہو جائیں گے بے چارے۔''

"تو تُو اپنا بکرا ہیرا قربان نہیں کرے گی؟" ابا نے اماں کو دیکھتے ہوئے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

"ہرگز نہیں' اس کی طرف تم دیکھو بھی نہ۔" اماں نے بکرے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے اس کے کھونٹے سے باندھتے ہوئے صاف جواب دیا۔

"آپ بھی کتنی بھولی ہو اماں...... جس جانور کو عید قرباں پر قربان کرنے کی نیت سے پالا پوسا اب آپ اسی جانور کی قربانی دینے سے منع کررہی ہیں' یہ تو غلط ہے اماں۔" فرید نے انہیں دیکھتے ہوئے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"کوئی غلط نہیں ہے' تو نہ مجھے واعظ دینے بیٹھ جا سمجھا۔" اماں نے غصے سے اسے ڈانٹ دیا۔

"اماں...... جانور کو چند روز اپنے گھر میں رکھ کر اس کی خدمت کرکے ثواب ہی ملتا ہے نا اور اس سے ہمیں انسیت بھی ہوجاتی ہے اور پیاری چیز جب اللہ کی راہ میں پیش کی جاتی ہے تو اس کی خوشی دگنی ہوتی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہوتی ہے۔" فرید نے نرمی سے انہیں سمجھانا چاہا۔

"صحیح کہہ رہا ہے فرید۔" فرید کے ابا مجید بولے۔

"اماں...... قربانی کا کیا مطلب ہے؟ عیدالاضحیٰ کو ہم جانوروں کی قربانی سنت ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے دیتے ہیں ناں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خواب کو پورا کرنے کے لیے اپنے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کرتے زمین پر لٹایا اور جونہی ان کی گردن پر چھری پھیرنے لگے تو اللہ کے حکم سے وہاں ایک دنبہ بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ نوید سنائی کہ ان کی قربانی قبول ہوگئی اور پھر انہوں نے اس دنبے کو ذبح کیا' اسی روایت اور سنت ابراہیمی پر ہم مسلمان عمل کرتے ہوئے اپنی حیثیت کے مطابق عیدالاضحیٰ پر جانور قربان کرتے ہیں۔" فرید نے تفصیل سے قربانی کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا تو اماں بولیں۔

"لو یہ تو مجھ سمیت سبھی کو پتا ہے۔"

"اماں...... پتا سبھی کو ہوگا پر سمجھتا ہر کوئی نہیں ہے کہ اپنی سب سے عزیز' پیاری اور محبوب چیز یا ہستی کو اللہ کی راہ میں قربان ہونے کے لیے پیش کرنا ہی اصل ایثار اور حقیقی قربانی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی تو اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بہت پیار تھا' وہ انہیں بھی جان سے زیادہ عزیز تھے۔ ان کے ہاتھوں کے پالے اور گودوں کے کھلائے' ان کی آنکھوں کا نور اور دل کا چین تھے' ان کی اولاد تھے' ان کے جگر کا ٹکڑا تھے' قیمتی متاع تھے ان کے لیے پھر انہوں نے ایک خواب کو تعبیر دینے کی خاطر اللہ سے اپنی محبت ثابت کرنے کی خاطر اپنے بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کرنے کا ارادہ کرلیا اور بیٹا بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسا کہ جس نے اپنے والد کا خواب سن کر انہیں اس پر عمل کرنے کے لیے کہا' اپنی گردن پر چھری پھروانے کے لیے فوراً تیار ہوگئے۔ یہ تھا اصل ایثار اور قربانی' اپنی سب سے قیمتی اور خوب صورت پیاری اور عزیز ترین چیز یا ہستی رشتہ' تعلق اللہ کی راہ میں خوشی خوشی قربان کرنا ہے قربانی اور آپ...... اپنے اس بکرے کو اس لیے قربان نہیں کررہی ہیں کہ یہ آپ کو جان سے زیادہ پیارا ہے۔ اس سے آپ کو انسیت ہوگئی ہے قربان نہ کرنے کی نیت ہوگئی ہے پھر تو آپ نے ابھی سنت ابراہیمی کی اصل روح کو نہیں سمجھا اماں۔ قربانی کی اہمیت اور حقیقت سے منہ پھیرلیا۔ ٹھیک ہے آپ نہ ذبح کریں' اپنے بکرے ہیرے کو لیکن مسلمان ہونے کے ناطے آپ کا یہ عمل ٹھیک نہیں ہوگا اماں' آپ کی محبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی محبت سے زیادہ تو نہیں ہوسکتی۔ وہ بھی ایک بکرے کے لیے جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو بیٹے کو اللہ کی راہ میں پیش کردیا تھا اور آپ اللہ کی راہ میں یہ بکرا قربان کرنے سے کترا رہی ہیں۔ یہ نہ تو اللہ کی محبت

ہوئی نہ ہی سنت ابراہیمی کی پیروی' آگے آپ کی مرضی بکرا بھی آپ کا ہے اور فیصلہ بھی آپ کا۔'' فرید نے نہایت سنجیدہ اور مدلل انداز میں انہیں سمجھانے اور قائل کرنے کی غرض سے کہا اور اپنی بات مکمل کر کے وہاں سے چلا گیا۔ اماں اس کی باتوں پر غور کرتی رہیں اور جب اس کی باتیں ایمان داری سے ان کے دل و دماغ کے کٹہرے میں سچ ثابت ہوئیں تو انہیں اپنی نادانی اور ناسمجھی پر جسے وہ اپنے اللہ سے محبت میں کمی گردان رہی تھیں پر بہت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اللہ سے معافی طلب کرتے رو دی تھیں۔

''پیغمبر اور نبی...... ولی ہی ایسی قربانی دے سکیں' میرے جیسے لوگ اللہ سے اتنی محبت کرنے لگیں تو ہماری زندگی نہ بدل جاوے۔ کیسے خود غرض' لالچی اور کم ظرف ہیں' ہم کہ اللہ کی راہ میں دینے کو بھی وہ چیز' وہ مال نکالیں گے جو ہمیں پسند نہ ہو۔ جو ہمارے کسی کام کا نہ ہو' تف ہے ہماری اس سوچ اور اوقات پر...... میرا اللہ مجھے معاف کرے میں تو اس کی محبت اور عنایت ایک بکرے کی محبت میں بھلائے بیٹھی تھی۔'' اماں نے روتے ہوئے خود کلامی کی تو (ابا) مجید علی بولے۔

''پھر اب کیا ارادے ہیں...... ہیرا ذبح ہوگا کہ میں مویشی منڈی سے کوئی اور بکرا خرید لاؤں؟''

''نہیں فرید کے ابا' عید پر ہیرا ہی قربان ہوگا اس نیت سے اسے پالا پوسا تھا وہ نیت عمل میں ڈھلے گی تبھی تو سنت ابراہیمی پوری ہوگی۔'' اماں نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تو وہ خوش ہوگئے۔

''یہ ہوئی نا بات۔'' ابا نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا تو اماں بھی شرمندہ شرمندہ سی مسکرا دیں۔

اور عیدالاضحیٰ کے دن نماز عید کے بعد اماں کا بکرا ہیرا ان کا آخری پیار وصول کر کے قصائی کی چھری تلے پہنچ گیا۔ اس کا خون بہتا دیکھ کر اماں کی آنکھو سے آنسو بہنے لگے۔ اماں کو یقین تھا کہ یہ خون جنت میں جگہ پا گیا' اللہ نے اس کی قربانی کو قبول کر لیا ہوگا کیونکہ انہوں نے اپنا لاڈلہ اور عزیز از جان بکرا اس کے پیغمبر کی سنت پوری کرنے کے لیے دل سے قربان کیا تھا۔

''اماں...... عید مبارک۔'' فرید ان کے پاس چلا آیا۔

''تجھے بھی عید مبارک ہو' اللہ یہ قربانی قبول کرے' آمین۔'' اماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے رندھے ہوئے لہجے میں دعا کی۔

''آمین۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''یہ قربانی ضرور قبول ہوگی فرید کی ماں...... کیونکہ اس قربانی میں تیرا دل' تیرا پیار اور تیرا لاڈلہ بکرا جنتی بنا ہے۔'' مجید علی نے ان کے پاس آ کر کہا۔

''ہاں چلو اب اس جنتی کا گوشت بنواؤ جا کے' میں ذرا دو نفل شکرانے اور معافی کے ادا کر لوں پھر آ کے تمہارے واسطے کلیجی بھونوں گی۔'' اماں نے دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا تو فرید خوش ہو کر بولا۔

''اماں...... مگر میں تو مغز کھاؤں گا۔''

''تو مار نہ کھا لیو میرے سے' چل جا کے گوشت بنوا۔'' اماں نے اسے گھور کر کہا تو وہ دونوں ہنس پڑے۔

فرید بہت خوش تھا کہ اماں نے یہ قربانی دل سے کی تھی اپنے لاڈلے بکرے کے حلال ہونے کے غم میں مبتلا نہیں تھیں بلکہ خوش تھیں۔ قربانی کی اصل روح کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے بعد اس احساس نے فرید اور مجید علی کی عید کی خوشی دگنی کر دی تھی جس میں سب خوش تھے یہی تو عید تھی۔

حصہ 2

سیدہ ضوباریہ ساحر

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

ماہین پہلوٹھی کی اولاد ہوتی ہے۔ ماہین سے پہلے بڑی امی کے گھر سات بیٹوں کی پیدائش ہوتی ہے لیکن کوئی بھی سال بھر سے زیادہ زندہ نہیں رہا تھا بڑی امی کی سوتیلی ماں ایک سکھ تھیں جو اسلام قبول کرنے کے بعد بڑی امی کے والد سے عقد کرلیتی ہیں۔ بڑی امی کی سوتیلی ماں ننھی منی ماہین کے پیر پر جلتی ہوئی لکڑی رکھ دیتی ہیں یہ ایک ٹوٹکا ہوتا ہے پرانے وقتوں میں کہا جاتا تھا کہ جس بہن کے بھائی زندہ نہیں بچتے اگر بھائی کی پیدائش کے فوراً بعد اس کے ٹخنے پر جلتی لکڑی سے داغے جائیں تو بھائی بچ جاتے ہیں ماہین کے بھائی شہباز کی تو زندگی اس ٹوٹکے سے بچ جاتی ہے لیکن ماہین خود نرینہ اولاد سے محروم رہ جاتی ہے ماہین چار سال کی عمر سے قربانیاں دیتی آرہی ہوتی ہے۔ بڑی امی نے کچھ عرصے تک اپنے دونوں بچوں کے ساتھ بیوگی کا تکلیف دہ دور دیکھا ہوتا ہے۔ کیا میکہ اور کیا سسرال سب کے ہوتے ہوئے بڑی امی کا کوئی نہیں رہا تھا ایسے میں ایک سلجھا ہوا انسان ان کی طرف پیش قدمی کرتا ہے، پانچ سال کی ماہین اور ڈیڑھ سال کے شہباز کو سینے سے لگا کر وہ ایک بار پھر نئی زندگی کا آغاز کرتی ہیں کچھ عرصہ سکھ وچین کی یہ چادر ان پر تنی رہی تھی اس کے بعد بڑی امی کی گود میں چار زندگیاں اور آجاتی ہیں لیکن اچانک ہی منظور الحسن (بڑی امی کے دوسرے شوہر) اچانک دنیا سے کنارہ کرتے ویرانے میں جا بستے ہیں۔ سال یونہی گزر جاتے ہیں ماہین اب میٹرک پاس کرنے کے بعد کالج میں پہنچ جاتی ہے تب اس کے ددھیال والوں کو بڑی امی کی اہمیت کا احساس ہونے لگتا ہے ماہین کے تایا شبیر علی پانچ بیٹوں کے باپ اور زمیندار ہوتے ہیں انہیں اپنے دوسرے نمبر والے عارف علی کے لیے ماہین پسند آجاتی ہے یوں ماہین اپنی ماں کا آنگن چھوڑ کر سسرال سدھار جاتی ہے اور شادی کے تین سال بعد منتوں مرادوں بعد ہادیہ پیدا ہوتی ہے۔ عارف علی باپ کے مرنے کے بعد سارے کاروبار کو سنبھال لیتا ہے اور اپنے نت نئے شوق بھی پورے کرتا ہے لیکن جب ماہین دوسری بیٹی انیقہ کو جنم دیتی ہے تو عارف علی سب سے روٹھ کر پہاڑ پر موجود درگاہ پر جا بیٹھتا ہے، وہ گھرانا جہاں دن رات نعمتوں کی فراوانی رہتی تھی دودھ، پھل، گوشت کی کبھی کمی نہ ہوتی ایسے گھر میں ماہین اور اس کی دونوں بیٹیاں ہر نعمت سے محروم زندگی گزار رہی ہوتی ہیں۔ شہباز ایف ایس سی کلیئر کرنے کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ چکا ہوتا ہے۔ اپنی ماں کی دن رات کی مشقت اور بچپن سے اب تک سب کی محرومیوں نے اس کے اندر کچھ بن کر دکھانے کا جوش پیدا کردیا ہوتا ہے اور پھر شہباز شوکت بھائی (ہمسائے) کے ہمراہ جرمنی چلا جاتا ہے لیکن پہلے ہی مرحلے میں اس کے ساتھ دھوکہ ہوتا ہے۔ شوکت بھائی شہباز کو جرمنی ایئر پورٹ پر تنہا چھوڑ کر اپنی راہ لیتے ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

آج پھر لیزلی نے بار میں داخل ہوتے ہی اپنے مخصوص ٹیبل پر بیٹھتے ہی شہباز کو خاص ادا سے بلایا تو اس کی چھٹی حس پوری طرح چوکس ہوگئی۔

''ووڈیو پلیز اسپینڈ سم ٹائم ودمی...... آئی وانٹ ٹو ٹاک ٹو یو آؤٹ سائیڈ دا بار ٹوڈے۔'' شہباز کے قریب آتے ہی اس نے کہا تو شہباز نے گھبرا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا' خوب صورت تیکھے نقوش جو مے نوشی یا پھر شاید اندر کے کسی احساس سے مزید تیکھے اور تمتماتے ہوئے محسوس ہورہے تھے۔

"تو میم آئی کانٹ گو آؤٹ فرام دا بار بیکوز آئی ایم ال لیگل۔" (نہیں میم میں بار سے باہر نہیں جاسکتا میں غیر قانونی ہوں)

"اوہ......" اس نے نزاکت سے ہاتھ جھٹک کر مسکرا کر اس کی طرف دیکھا جیسے کسی بچے کی معصومیت پر مسکرایا جاتا ہے۔

"ڈونٹ وری' اٹس نن آف یور بزنس......" (تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں یہ تمہارا مسئلہ نہیں) قریب سے گزرتے یاسر نے معنی خیز نظروں سے لیزلی اور شہباز کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں کڑی نصیحت تھی ان لمحوں کو پالینے کی...... موقع کو ضائع نہ کرنے کی۔ شہباز نے بے چارگی سے چاروں طرف دیکھا اور پھر جیسے کسی نقطے پر پہنچ کر پرُسکون ہوگیا۔

"میم اف یو ایگری ودی دین آئی ول گو ود یو ٹو مورو۔" (محترمہ اگر آپ میری بات مانیں تب میں کل آپ کے ساتھ چل سکتا ہوں) اس کے چہرے پر پھیلی طمانیت میں شفاف پانی کی پاکیزگی اور بادلوں کی ٹھنڈک در آئی۔ لیزلی نے بہت توجہ سے اس کا چہرہ دیکھا' پھر اپنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"او کے...... فرام دس مومنٹ آئی ایم ویٹنگ فار ٹو مارو۔" (اسی لمحے سے میں کل کا انتظار کررہی ہوں)

کچھ دیر بار میں وقت گزار کر لیزلی روانہ ہوگئی۔ شہباز کے ڈیوٹی آورز بھی ختم ہوگئے تو وہ اسی سیلن زدہ پناہ گاہ میں آبیٹھا۔ سوچوں نے کسی عفریت کی طرح اس کے ذہن میں پنجے گاڑے ہوئے تھے۔ وہ جانتا تھا لیزلی اس کے وجود میں اپنی ناتمام آرزوؤں کی تکمیل دیکھ رہی تھی۔ اس کی بے قرار آنکھوں میں چھپی تشنگی اس کی ایک ایک ادا سے جھلکتی دعوت شہباز کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھی۔ اب تک تو وہ کسی نہ کسی طرح خود کو فاصلے پر رکھتا آیا تھا لیکن اب لیزلی کی بڑھتی پیش قدمیوں کے آگے بند باندھنا اس کے بس میں نہیں رہا تھا۔

یاسر نے دروازے سے اندر جھانکا تو شہباز نے اسے بلالیا۔

"کیا بات ہے گل...... کیا پریشانی ہے اس چوکھٹے پر بارہ کیوں بجا رکھے ہیں۔" یاسر کے ساتھ اس کی خاصی دوستی ہوگئی تھی۔ شہباز نے اپنی الجھن اسے بتادی۔

"اوہ...... اچھا...... پھر کیا سوچا؟" یاسر نے پرُسوچ انداز میں اس سے پوچھا۔ اتنا تو وہ بھی جان گیا تھا کہ شہباز کم از کم ان لڑکوں میں سے نہیں تھا جو ترقی پانے کے لیے کچھ بھی کرگزرنے کو تیار ہوجاتے ہیں۔ وہ اپنی ذات کو سستا بیچنے والوں میں سے نہیں تھا۔ وہ کسی کی تفریح طبع کے لیے اپنی سطح سے گرنے والوں میں سے نہیں تھا۔

"یار اب تک تو میں اس کو خود سے دور رکھنے میں کامیاب رہا ہوں لیکن اب لگتا ہے زیادہ دیر تک ایسا ممکن نہیں رہے گا۔" شہباز الجھن آمیز لہجے میں بولا۔

"پھر......؟"

"پھر مجھے کچھ ایسا سوچنا ہوگا جو بظاہر ناممکن ہے۔ ہوسکتا ہے میں جس نتیجے پر پہنچوں وہ میرے لیے مزید تکلیف اور اذیت لے کر آئے لیکن اب ناگزیر ہوچکا ہے۔ میں یہاں پردیس اپنے گھر اور گھر والوں کی اذیتیں دور کرنے آیا ہوں کسی کی نفسانی خواہشات اور وقتی تفریح طبع کا باعث نہیں بن سکتا ہیں۔"

"گل...... یہ بہت مشکل بھی ہوسکتا ہے یار...... وہ عورت اس شہر کی رئیس کی بیوی ہے اگر اس نے تمہارے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنی شروع کردیں یا تمہیں یہاں سے ڈی پورٹ کروانے کے لیے ہائی اتھارٹیز کو رپورٹ کردی تو تم اتنے کے بھی قابل نہیں رہوگے جتنا اس وقت کررہے ہو۔" یاسر کا انداز مصالحت آمیز تھا۔

"تم یہ بتاؤ...... حاجی کے پاس میرے کتنے پیسے ہیں۔"

"دو یا ڈھائی ہزار فرانک ہوں گے۔"

"آہم......" شہباز نے پرُسوچ انداز میں گردن ہلا کر ہنکارا بھرا۔

"تم کسی بہانے سے حاجی سے میرے پیسے لے کر مجھے دے سکتے ہو یاسر؟"

"کیا تم یہاں سے جانا چاہتے ہو؟ دیکھو گل اگر تمہارا

ایسا کوئی ارادہ ہے تو براہ کرم اس خیال کو فی الحال دل سے نکال دو کیونکہ آج کل قانون بہت سخت ہوگیا ہے۔ یہ چھت فی الحال تمہاری واحد پناہ گاہ ہے۔'' یاسر اپنی جگہ مخلصانہ مشورہ دے رہا تھا۔

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے یاسر مجھے اس کا جواب چاہیے ہاں یا نہیں۔''

''لے سکتا ہوں..... لا کے تمہیں دے بھی دوں گا لیکن یارا میں تمہیں یہاں سے جانے کا مشورہ ہرگز نہیں دوں گا۔ ایک بار ٹھنڈے دل ودماغ سے کام لو میرے یار..... یہ اپنا دیس نہیں ہے..... پردیس ہے ان کے قانون الگ..... ان کے رویے الگ خاص کر ہم ایشیائیوں سے تو نفرت ہی بہت کرتے ہیں یہ..... موقع ملنے پر ہمارے ساتھ کسی بھی زیادتی سے نہیں چوکتے۔ چیلوں کا گھونسلا ہے یہ۔ اس جائے پناہ سے نکلتے ہی تر نوالہ بن جائے گا تو ان مردار خوروں کے لیے میرے بھائی.....'' وہ جانتا تھا یاسر کچھ بھی غلط نہیں کہہ رہا..... اس کے تمام خدشات تمام باتیں سو فیصد درست تھی..... لیکن وہ ایک فیصلہ کر چکا تھا اور اس فیصلے سے پیچھے ہٹنے کا اب اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

❁ ☯ ❁

ہفتے بعد ایقہ کچھ سنبھلی تو ہادیہ اور وہ آج اسکول جا رہی تھیں۔ بیگ کندھے سے لگائے بڑے بڑے دوپٹے سنبھالے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے وہ سبک خرامی سے اسکول کے راستے پر رواں دواں تھیں جب انہیں محسوس ہوا کسی نے انہیں پکارا ہو۔

''ہادی..... نکی.....'' مخصوص لہجہ اور پکارنے کا انداز..... وہ کرنٹ کھانے کے انداز میں پلٹیں..... گلی کے اندر کچھ فاصلے پر برقع میں ملبوس وہ ماہین ہی تھیں..... ان کی ماں' ان کی واحد جائے پناہ' ان کی زندگی کا سہارا' ان کی ڈھارس' ان کی تسلی' وہ ماں بھی تھیں' ہم جولی بھی..... دم ساز بھی تھیں اور سائبان بھی' ہر درد' ہر دکھ کو ان تک پہنچنے سے پہلے خود میں سمو لینے والی..... آج بھی بے چین ہو کر وہ ان کے راستے میں آن کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں بھاگ کر ان سے لپٹ گئیں۔ ایقہ نے تو بلک بلک کر رونا شروع کردیا۔

''ماما..... آپ ہمیں چھوڑ کر کیوں چلی گئیں؟ ہمیں ابو بالکل بھی اچھے نہیں لگتے..... وہ بہت برے ہیں' آپ واپس آجائیں ناں۔''

''نہیں بیٹا..... ایسے نہیں کہتے وہ آپ کے ابو ہیں میرا بچہ..... اور میں واپس کیسے آؤں وہ مجھے اجازت نہیں دیں گے ناں۔'' ایقہ کے بال سنوارتی اسے پیار کرتے ہوئے سمجھا بھی رہی تھیں۔

''پھر ہمیں اپنے پاس لے جائیں..... ہم نے آپ کے ساتھ جانا ہے۔''

''نہیں ایسا بھی نہیں کرسکتی میرا بچہ..... میری جان' میں آپ سے دور کہاں ہوں جانی' میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کو اسکول سے دیر ہورہی ہے میری جان' چھوڑیں ساری باتیں یہ دیکھیں میں آپ کے لیے کیا لائی ہوں۔'' ماہین نے اس کی توجہ بٹانے کے لیے ایک ٹفن باکس اس کے سامنے رکھا اور توقع کے عین مطابق اس کا دھیان بٹ گیا۔

''کیا ہے ماما؟'' معصومیت سے کہتی وہ ٹفن کھلنے کی منتظر تھی۔

''گلاب جامن' مگر ابھی نہیں کھانے' یوں راستے میں' اسکول جا کر بریک ٹائم میں کھانے ہیں' ٹھیک ہے۔'' ماہین نے ہادیہ کو خود سے قریب کرتے ہوئے ٹفن اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

''اور ایک پرامس..... ماما کی شہزادیاں بالکل روئیں گی نہیں۔ بہت بہادری سے رہیں گی۔ ماما ایک دن چھوڑ کر ایک دن اپنی پرنسز سے ملنے آئیں گی۔ مزے مزے کی چیزیں بھی تیار کرکے لائیں گی۔ سب کی بات ماننی ہے ضد نہیں کرنی اور نکی سے بالکل جھگڑا نہیں کرنا ورنہ پھر تائی امی ناراض ہوجائیں گی اور آپ کا خیال نہیں کریں گی.....'' ماہین انہیں پیار بھی کررہی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ سمجھا بھی رہی تھیں۔

''ہادی..... آپ کے بال کون بناتا ہے بیٹا..... آپ کو تو

بال بنانا نہیں آتے۔"

"ماما...... تایا ابو روزانہ بناتے ہیں اس کے بال' تائی امی صبح ناشتہ تیار کررہی ہوتی ہیں ناں اور...... اور تو کوئی بھی ہمارا کوئی کام نہیں کرتا۔" انیقہ معصومیت سے کہہ گئی۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے میرا بچہ آپ بھی تایا ابو اور تائی امی کے کمرے میں ہی رہا کریں اور ان کو بالکل بھی تنگ نہیں کیا کریں۔ ابھی اچھے بچوں کی طرح اسکول جائیں دیر ہورہی ہے۔" ماہین نے دونوں کی پیشانی پر پیار کرکے انہیں رخصت کرنا چاہا مگر انیقہ تو جیسے ان کے گلے کا ہار ہی بن گئی۔

"نہیں ناں ماما...... ہم نے کہیں نہیں جانا آپ کے ساتھ جانا ہے۔"

"ہادی بیٹا...... آپ بڑی ہو آپ نے چھوٹی بہنا کا بہت خیال کرنا ہے' ہاتھ پکڑ کر اسکول لے کر آنا اور جانا ہے' روڈ کراس کرتے ہوئے بہت دھیان سے دونوں طرف دیکھنا ہے اور ہاں تینوں ٹائم پیٹ بھر کر کھانا کھانا ہے۔ اگر ابو ڈانٹیں تو رونا بالکل نہیں...... آئی سمجھ۔" ماہین نے انیقہ کو گلے سے لگایا پھر ہادیہ کو...... ٹفن ہادیہ کے ہاتھ میں دیا اور وہاں سے آگے بڑھ گئیں اور جب تک آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوگئیں ان دونوں کی نگاہیں ان پر ٹکی رہیں پھر ہادیہ نے انیقہ کا ہاتھ پکڑا۔

"چلو نکی اسکول...... دیر ہورہی ہے۔" انیقہ کی بڑی بڑی آنکھوں سے آنسو ٹپک کر گالوں پر آرہے تھے۔

"اُفوہ...... ایک منٹ میں ہی ماما کی ساری باتیں بھلا دیں ناں...... ابھی ابھی تو منع کرکے گئی ہیں وہ اور تم نے رونا شروع کردیا۔"

"نہ...... نہیں...... میں رو کب رہی ہوں ہادی...... میں رو تھوڑا رہی ہوں......" انیقہ نے بے دردی سے آنکھیں مسل ڈالیں۔

"چلو...... جلدی سے چلیں۔ دیر ہوگئی تو ٹیچر سزا دیں گی۔" انیقہ کا ہاتھ تھام کر اسے تقریباً کھینچتی ہوئی وہ آگے بڑھ گئی۔ ایک ہفتے بعد ماں سے چند لمحوں کی ملاقات نے ہادیہ کے اندر توانائی سی بھردی تھی۔ ایک امید جاگ اٹھی تھی کہ وہ اپنی ماما سے مل سکتی ہیں انہیں دیکھ سکتی ہیں۔ ہاتھ میں پکڑے ٹفن پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے اس نے اپنی آنکھوں کی نمی کو آنکھوں میں ہی محفوظ کیا' انیقہ کا ہاتھ تھامے آگے بڑھتے اس کے قدموں میں کچھ اعتماد آ گیا تھا۔

......☯......

ہر بڑھتا قدم اسے بار کی چمکتی دمکتی روشنیوں سے دور لے جارہا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ بار کے گلاس ڈور کے اندر خواب ناک روشنیوں میں متحرک وجود دور سے ہیولوں کی شکل اختیار کرگئے تھے۔ یاسر نے حاجی سے بہانہ یہ بنایا تھا کہ شہباز سے اس نے ادھار لے کر گھر بھجوانا ہے۔ سو حاجی صاحب نے شہباز کی جمع شدہ رقم بنا کسی شک وشبہ کے یاسر کے حوالے کردی۔ آخری لمحے تک یاسر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن شہباز نے اس کی ہر بات کے جواب میں اتنی ٹھوس دلیلیں دی تھیں کہ آخر کار یاسر کو ہار ماننتے ہی بنی۔ یاسر نے اپنے پاس پڑے چار سو فرانک بھی اسے دے دیئے اور بے حد محبت اور خاموشی کے ساتھ اسے رخصت کردیا۔ لیزلی کی آمد سے پہلے ہی بار سے نکل آیا تھا اور اب لحہ بہ لحہ بار سے دور ہوتا جارہا تھا۔ انڈر گراؤنڈ ریلوے اسٹیشن پر پہنچا تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اسٹیشن پر بہت زیادہ چہل پہل نہیں تھی۔ سب سے نظر بچاتا وہ ایک مال گاڑی کے ڈبے میں سوار ہوگیا۔ سامان سے بھری یہ مال گاڑی جانے کہاں جانے والی تھی۔ مگر اس نے بنا کچھ سوچے سمجھے اپنے آپ کو خدا اور حالات کے بل بوتے پر چھوڑ دیا۔ اپنے آپ کو سامان کے اندر اچھی طرح چھپا کر آنے والے وقت کا انتظار کرنے لگا۔ چیکنگ والے آئے۔ ڈبوں کے اندر روشنیاں ڈال کر مطمئن ہوکر انہوں نے سب دروازے اچھی طرح بند کردیئے۔ گھپ اندھیرے میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے رہا تھا۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا جب مال گاڑی چل پڑی...... کچھ دیر کو اس کی آنکھ لگ گئی۔ سامان کے اندر دبے رہنے کی وجہ سے اس کا دم بھی گھٹ رہا تھا۔ بھوک کے مارے آنتوں میں

گرہیں پڑنے لگیں۔ پیاس نے حلق میں ببول اگا دیئے لیکن گاڑی رکنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔ دو دن سے مسلسل بے منزل سفر جاری تھا۔ دھیرے دھیرے نقاہت اس کے تمام عضلات پر سوار ہوگئی تھی۔ بھوک اور پیاس سے نڈھال ہونے کی وجہ سے اس کا ذہن پوری طرح یکسو ہوکر کچھ بھی نہ سوچ پا رہا تھا۔ آنکھوں میں دھندلے سے منظر تھے۔ مہربان چہرے والی ماں کا عکس‘ بے حد محبت اور دعائیں کرنے والی بڑی بہن‘ چھوٹے بہن بھائیوں کے معصوم چہرے‘ جن کی واحد امید صرف وہی تھا...... ان کے خوابوں اور آرزوؤں کی تکمیل کی خاطر وہ جانے کتنا سوچتا تھا۔ کس کس طرح کوشش کرکے انہیں ہر سکھ دینا چاہتا تھا۔

کیا وہ اپنوں سے دور اتنی بے کسی اور بے بسی کے عالم میں ہی دار فانی چھوڑ دے گا...... یا پھر زندگی اسے کچھ مہلت دے گی کہ وہ ان سب کے لیے کچھ کر پائے...... جانے کتنے گھنٹے ہوچکے تھے‘ شاید تین دن یا اس سے بھی زیادہ وقت گزر چکا تھا جب رات کے کسی پہر یہ گاڑی کہیں رکی تھی۔ شہباز نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس بے انت سفر کا کہیں تو خاتمہ ہوا۔ باہر کچھ کھٹر پٹر کی آوازیں آرہی تھیں دروازے کھول کر سامان اتارا جارہا تھا۔ قدموں کی چاپ اس کے ڈبے کے قریب آرکی تھی پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا۔ اسٹیشن کی تیز روشنیاں ہلکی ہلکی سی ڈبے کے اندر در آئیں۔ اجنبی آواز اور اجنبی زبان میں دو تین لوگ تھے جو آپس میں بات چیت میں مصروف تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اندر نہیں آیا تھا۔ باہر ہی سے ٹارچ کی روشنیں ڈال کر ڈبے کا جائزہ لے کر وہ پلٹے اور قدموں کی آواز کچھ دور ہوتی گئی۔ قسمت یہاں شہباز کا ساتھ دے رہی تھی۔

”اس سے بہتر موقع نہیں یہاں سے ملنے گا...... اگر ان میں سے کسی کی بھی نظر میں آگیا تو جانے کیا سلوک کریں گے۔“ اتنے دن کی نقاہت وکمزوری کہیں جا سوئی۔ وجود کسی اڑیل چیتے کی کمر کی طرح تن گیا۔ اپنا بیگ سنبھالی کر تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ دروازے کے قریب آیا اور بے حد احتیاط کے ساتھ باہر جھانکا۔ اسٹیشن کے اس طرف کوئی ذی روح نہیں تھا۔ وہ تینوں لوگ شاید کسی ڈبے کے اندر چلے گئے تھے۔ شہباز ایک جست میں ڈبے سے پلیٹ فارم پر آیا اور پھر بنا ادھر ادھر دیکھے وہ سامنے کی طرف بھاگ پڑا۔ یہ اسٹیشن بھی انڈر گراؤنڈ تھا۔ اس راستے کے سامنے دو اور سرنگ نما راستے تھے۔ شہباز نے ان میں سے ایک راستہ چنا اور اب اپنی رفتار کچھ کم کردی۔ جیسے جیسے راستہ آگے جارہا تھا۔ چڑھائی محسوس ہورہی تھی‘ اور شہباز کا اندازہ بالکل درست تھا۔ تھوڑا آگے چل کر باہر جانے کا راستہ مل گیا تھا۔ باہر ون وے روڈ تھے۔ وہ ایک فٹ پاتھ پر دھیرے دھیرے قدم بڑھانے لگا۔ کچھ فاصلے پر روشن نیون سائنز دکھائی دینے لگے۔ شہر کی روشنیاں دکھائی دیتے ہی شہباز ایک بار پھر چوکنا ہوگیا۔ اسے تو یہ بھی خبر نہیں تھی کہ وہ اب کس جگہ تھا اور یہ کون سا شہر یا ملک تھا...... بہت جلد اسے پتہ چل گیا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ ہالینڈ کے شہر ایمسٹرڈم میں اولڈ ٹاؤن میں کھڑا تھا۔ سامنے ہی بڑے سے چمکتے نیون سائن پر رنگین روشنیوں کے بیچ ایک نام جگمگا رہا تھا...... ”Harten Street“

اس کے قدموں میں کسی چوکنے کمانڈو جیسی چستی اور چوکسی آگئی۔ وہ ایک ملک کی سرحد عبور کرکے ایک دوسرے ملک میں داخل ہوچکا تھا اور یہاں کے قاعدے کے مطابق وہ یہاں بھی غیر قانونی طور پر ہی داخل ہوا تھا۔ جرمنی سے کہیں زیادہ یہاں کے قانون سخت تھے۔ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا کے مصداق اب واحد خدا کا ہی سہارا تھا۔ Karl Lagerfeld بوتیک کے پاس سے ہوتا ہوٹل بیلگا کے دروازے پر جا پہنچا۔ اسے یاد آیا کہ ہالینڈ فیشن اور جدید میک اوور ٹیکنیکس کی وجہ سے بے حد مشہور ہے۔ بوتیک کے بڑے بڑے گلاس ڈورز اور والز کے اندر سے آراستہ اسٹیچوز اور ڈسپلے دیکھ کر وہ مبہوت سا تھا اور اب تین دن کی بھوک کے بعد ہوٹل بیلگا کے گلاس ڈور کے اندر کی گہما گہمی اسے مجبور کررہی تھی کہ اپنی جیب میں موجود کرنسی کے چند سکوں اور نوٹوں میں سے کچھ قربانی دے کر پیٹ کی آگ کو سرد کیا جائے لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو روک لیا۔ اتنی

بارونق اور ہائی فائی جگہ پر جانا اس کے لیے خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اسے اپنے لیے نسبتاً کسی خاموش یا کم رونق جگہ کا انتخاب کرنا چاہیے جہاں مناسب قیمت پر وہ اپنے لیے کھانا بھی خرید سکے اور اس کے پکڑے جانے کا کم سے کم چانس ہو...... اس سوچ کے ساتھ ہی اس کے قدموں میں کچھ تیزی آ گئی۔ اس اسٹریٹ سے ایک ایکسٹنشن اسٹریٹ نکل رہی تھی جس میں دو چھوٹے چھوٹے ریسٹورنٹ شہباز کو اپنے لیے مناسب لگے۔ ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہوا اندر کا ماحول خاصا پُرسکون اور قدرے ملگجا سا تھا۔ دھیمی دھیمی روشنیاں اور ہلکی ہلکی موسیقی کے ہمراہ سرونگ ٹیبلو کے درمیان گھومتی ہوئی لڑکیاں...... اس نے اپنے لیے کونے کی ایک میز کا انتخاب کیا۔ ٹیبل پر بیٹھتے ہی ایک سبک روخوش شکل ویٹرس اس کی طرف بڑھی۔ مینو کارڈ اسے تھما کر اس نے جانے کیا کہا شہباز کو کچھ سمجھ نہ آیا۔

"کین یو اسپیک انگلش......" اس نے ویٹرس سے پوچھا۔

"یس بٹ لٹل...... آئی ایم ڈچ......" اس نے اپنے ہی انداز میں کہا وہ مسکرا رہی تھی۔

"ایشین......"

"یس میم...... آئی ایم ایشین۔ آئی نیڈ سم بوائلڈ رائس این ایگ اینڈ ون آ سوفٹ ڈرنک۔"

"اوہ شیور...... وائی ناٹ۔" وہ آرڈر لے کر چلی گئی۔

کچھ دیر بعد اس نے شہباز کی مطلوبہ چیزیں لا کر ٹیبل پر دھر دیں...... شہباز کھانے پینے کے معاملے میں بہت محتاط تھا۔ اسے پتہ تھا کہ یہاں کچھ ایسی چیزیں بھی عام روٹین میں ہر جگہ دستیاب ہوتی ہیں جن کا کھانا اسلام کی رو سے حرام ہے اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ہر ہوٹل سے وہ کھانا کھا بھی نہیں سکتا تھا۔ بہرحال جیسے تیسے اس نے وہ کھانا نگلا' پیٹ میں کھانا جاتے ہی جیسے مردہ اور سوئی ہوئی تمام حسیات انگڑائی لے کر بیدار ہو گئی تھیں۔ اب تک سب سے بڑا مسئلہ جس کی طرف اس کا دھیان تک نہ گیا تھا وہ رہائش کا تھا' یہ ایشیا کا کوئی ملک نہیں تھا جہاں وہ پارک کے کسی بینچ پر خواب خرگوش کے مزے لے سکتا۔ یہاں اس طرح کا کوئی بھی قدم اسے کسی بڑے خطرے سے دوچار کر سکتا تھا۔ ہر دم موبائل پولیس کے گشت کے دوران وہ کسی لمحے بھی ان کی نظر میں آ سکتا تھا اور یہاں کے قانون کے مطابق یہاں سے ڈی پورٹ کر دیا جاتا اور اس سے پہلے یہ ڈچ اس کی جو درگت بناتے وہ الگ...... اس نے جھرجھری سی لی۔

بل ادا کر کے وہ باہر نکل آیا...... وجود کا جوڑ جوڑ دہائی دے رہا تھا۔ دماغ کے خلیے تھکاوٹ اور پریشانی کے عذاب سے دوچار تھے اور پاؤں بے مقصد گلیوں کی خاک چھانتے پھر رہے تھے۔ وہ اولڈ ٹاؤن کی نو چھوٹی گلیوں میں گھوم چکا تھا۔ جو کہنے کو اسمال اسٹریٹس تھیں لیکن بڑے بڑے بوتیکس' کیفے' ریسٹورنٹ' بلیک بک شاپ' سینڈ واچ اسٹورز' اتنا کچھ تھا' ایک ایک قدم پر جیسے ایک جہاں آباد تھا۔ اتنا ہجوم تھا اجنبی چہروں' اجنبی زبان والوں کا...... ایک شناسا چہرہ نہ تھا کوئی تسلی آمیز لفظ بولنے والا نہیں تھا...... اس کی نگاہیں ڈھونڈ کر تھک ہار کر واپس پلٹ آئیں۔ ہر ٹھوکر لگنے پر...... ہر پریشانی پر' اس کی نگاہوں میں وہ چند چہرے آ جاتے تھے جن کی ہر امید' ہر آس' ہر خواہش اور ہر حسرت اس کے وجود سے جڑی ہوئی تھی۔ جن کے لیے بہت کچھ کرنے کے خواب دیکھنے کے باوجود ابھی تک وہ کچھ بھی نہیں کر پایا تھا۔ یہ چہرے اس کی ڈھارس تھے...... ان چہروں پر چھائی اداسیاں اور ان کہی آرزوئیں اس کے خیالات کو مہمیز دیتی تھیں اسے کچھ کرنا ہے ان سب کے لیے...... ان کی بجھتی آنکھوں میں امیدوں کے دیئے جلانے ہیں' ان کے اداس چہروں کے مرجھائے پھولوں پر آرزوؤں کی تکمیل کی تتلیاں بکھیرنی ہیں...... اسے ہارنا نہیں ہے۔ حالات سے' زمانے سے اور ان اجنبی چہروں کی کرختگی سے' اس کی ہمت نئے سرے سے جواں ہو گئی...... اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ زندگی چاروں جانب رواں دواں تھی۔ ہر ایک انسان مصروف تھا...... مشینی زندگی جس میں ایک لمحے کو رک کر کسی اور کے لیے کچھ بھی سوچنے کا وقت نہیں ہوتا۔ اچانک اسے اپنے کندھے پر کسی ہاتھ کا لمس محسوس ہوا' وہ کرنٹ کھانے کے

سے انداز میں پلٹا..... ایک معمر خاتون اس کے قریب کھڑی تھیں۔ سنہری بالوں والی..... مقامی خاتون۔

"میں کچھ دیر سے تمہیں دیکھ رہی ہوں..... کیا تم کہیں جانا چاہتے ہو اور راستہ بھول گئے ہو....." اس خاتون کے منہ سے ٹوٹی پھوٹی اردو میں نکلے یہ الفاظ شہباز کو حیرت کے ساتھ ساتھ بے تحاشا خوش بھی کر گئے۔

"آپ اردو بول سکتی ہیں..... امیزنگ.....!" وہ خوشگوار حیرت کے ساتھ مسکرا کر بولا۔

"ہاں میرے ہزبینڈ انڈین ہیں..... پچیس سال ہو گئے ہیں ہماری شادی کو....." وہ بھی جیسے اس سے باتیں کرنا چاہتی تھیں۔

"مجھے آپ سے مل کر جانے کیوں بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ شاید کافی دن بعد میں ایسی زبان سن رہا ہوں جس سے میں مانوس ہوں....." وہ حقیقی معنوں میں بے حد پرسکون ہو گیا تھا۔

"اگر تمہارے پاس کچھ وقت ہو تو میرا خیال ہے کہ ہم ایک کپ کافی پی سکتے ہیں۔"

"وائے نوٹ میم....." شہباز نے خوشدلی سے کہا۔

"ارے نہیں تم مجھے آنٹی کہہ سکتے ہو میرا نام اینا علی حسن ہے اور تم....."

"میرا نام شہباز علی ہے....." وہ اس خاتون کے قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے بولا۔

"او کے شاہ باز..... تم یہاں ایمسٹرڈیم میں کہاں رکے ہوئے ہو..... کیا یہیں رہتے ہو یا ابھی Recently آئے ہو..... سوری شاید میں کچھ زیادہ ہی پرسنل ہو گئی ہوں۔" اینا اس کی خاموشی کو معنی پہناتے ہوئے بولیں۔

"نہیں میم..... اوہ سوری آنٹی..... ایسا نہیں ہے میں سوچ رہا ہوں کہ کیا بولوں اور کیسے بولوں..... کیونکہ آپ کے ان سب سوالوں میں سے بس ایک سوال کا جواب ہے میرے پاس اور وہ یہ کہ میں حال ہی میں یہاں پہنچا ہوں غالباً تین یا چار گھنٹے پہلے۔"

"اوہ..... اچھا..... اچھا کو میرن اسٹریٹ کا بہترین ریسٹورنٹ آ گیا۔ Cafe-restaurat`tZwoant (کیفے ریسٹورنٹ ٹی زوانتے) یہاں کی کافی پورے ایمسٹرڈیم میں مشہور ہے..... آؤ۔" اینا علی حسن نے قدم آگے بڑھائے اور وہ سر جھکائے ان کے ساتھ اس عالی شان ہوٹل کے اندر داخل ہو گیا۔ ٹیبل پر بیٹھتے ہی اینا نے آرڈر کیا اور پھر اپنی توجہ شہباز پر مرکوز کر دی۔

"اگر تم مجھ پر تھوڑا بھروسہ کرو تو میں یقیناً خوشی محسوس کروں گی۔" وہ گہری نیلی آنکھوں میں ڈھیر ساری اپنائیت بھر کر بولیں۔

"دیکھنے میں تو تم انڈین یا پاکستانی لگتے ہو نام سے مسلم ہو اس کا بھی علم ہو چکا ہے۔ ایمسٹرڈیم آنے کی کوئی خاص وجہ؟"

"میں جرمنی سے مال گاڑی میں یہاں آیا ہوں۔"

"مال گاڑی کے ذریعے..... جرمنی سے.....؟ تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ تم نے کس قدر بڑا خطرہ مول لیا۔ اگر کہیں کسی جگہ چیکنگ کے دوران کسی کی تم پر نظر پڑ جاتی تو پہلی فرصت میں تمہیں گولی مار دی جاتی..... جرمنی سے یہاں تک پہنچنے میں کتنا طویل وقت لگا کم سے کم تین یا چار دن..... اتنے دن تم بغیر کچھ کھائے پیے سفر میں رہے....." اینا علی کی آنکھیں مارے شدت حیرت وصدمے کے جیسے پھٹ ہی گئیں۔

"جی....." ان کی حیرت اور اتنی طویل بات کے جواب میں شہباز بس متبسم اور مختصر جی ہی کہہ سکا۔

"یو آر ٹوٹلی میڈ..... میں پہلے تمہارے لیے کھانے کا آرڈر کرتی ہوں اس کے بعد تم مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے۔"

"نہیں آنٹی..... کھانے کا آرڈر مت دیں میں ابھی ایک چھوٹے سے ہوٹل میں کھانا کھا کر اٹھا ہوں آپ سے ملنے سے کچھ دیر پہلے ہی۔"

"کیا سچ کہہ رہے ہو؟" اینا نے ایک بار پھر یقین دہانی چاہی۔

"جی۔"

"او کے...... ٹھیک ہے اب مجھے ڈیٹیل سے بتاؤ......"

ویٹر نے جیسے یہی کافی ٹیبل پر رکھی اینا نے ایک کپ شہباز کے سامنے رکھا دوسرا اپنے ہاتھ میں تھامتے ہوئے ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

شہباز نے مختصراً اپنے گھریلو حالات' جرمنی پہنچنے کے بعد شوکت بھائی کے ایئرپورٹ پر چھوڑ جانے' حاجی صاحب کے بار میں پناہ گزین ہونے' لیزلی کے اس سے متاثر ہوجانے کے بعد بے حد خدشات کے ہمراہ جرمنی چھوڑ کر ہالینڈ تک پہنچنے کے سب واقعات بیان کردیئے...... اینا علی حسن کے چہرے پر ایک حیرت' دلچسپی' دکھ اور اپنائیت کے ملے جلے احساسات کا جال سا بنا ہوا تھا۔

"اوہ مائی چائلڈ......" ان کی آنکھوں میں نمی سی تیر گئی۔

"کافی پینے کے بعد تم میرے ساتھ چل رہے ہو بنا کوئی آرگیو کیے۔" ایک استحقاق اور مان سے انہوں نے اس کی طرف دیکھ کر گویا حکم صادر کردیا۔

"لیکن آنٹی...... آپ کے گھر والے؟" شہباز نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہمارے گھر میں کوئی نہیں' میرے اور عالی حسن کے سوا۔ میری دونوں بیٹیاں شادی شدہ ہیں۔ ایک یہیں ہالینڈ میں ہوتی ہے اور ایک پیرس میں اور بیٹا ایک طویل عرصہ ہوا امریکہ چلا گیا پھر لوٹ کر ہی نہیں آیا۔ صرف سال کے شروع میں اور عید کے دن فون کردیتا ہے...... اور یو نو...... بچے بہت مصروف ہوتے ہیں کتنے کام ہوتے ہیں دن بھر میں ان کے اس لیے میں نے بھی اصرار ہی نہیں کیا نہ کبھی گلہ کیا۔ اپنے گھر کے سب کام میں خود کرتی ہوں۔ عالی تو ریٹائرمنٹ کے بعد اپنا اسٹوڈیو بنا کر بیٹھ گئے...... ان کا زیادہ تر وقت وہیں گزرتا ہے یو سی...... میرے ہاتھ میں گروسری کے آئٹمز ...... یہ سب کام میں خود کرتی ہوں شاہ باز۔" اینا علی حسن بہت عجیب میٹھے سے انداز میں اس کا نام لیتی اسے اپنے حالات سے آگاہ کررہی تھیں۔ حالات نے اس کا ٹکراؤ ایک ایسے مہربان وجود سے کرادیا تھا جو بہت سے حوالوں سے اس جیسی نہ سہی لیکن اس جیسے محسوسات رکھنے والی شخصیت تھیں۔ تنہا...... اکیلی...... حساس اور درد بانٹنے والی اور جب انہوں نے اپنی چیئر پر سے اٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کر اسے اٹھایا اور ساتھ چلنے کو کہا تو شہباز کے دل و دماغ اس پیشکش کو مسترد نہ کرسکے...... ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصداق فی الحال اتنا سہارا اس کے لیے کافی تھا...... دن ڈھل رہا تھا اور شام کے لمبے ہوتے سائے اس سے کسی محفوظ پناہ گاہ کا تقاضا کررہے تھے اور یہ شاید رب کریم کی طرف سے ایک امداد غیبی ہی تھی۔ وہ اینا علی حسن کے ہمراہ خاموشی سے قدم بڑھائے گیا۔

❁......☯......❁

ان کے سجدے طویل ہوتے جارہے تھے۔ ایک ایک دن جیسے سال کی طرح تھا' ان کی حالت ایسے شخص جیسی تھی جس سے اس کے جینے کی واحد امید' واحد بہانہ چھین لیا گیا ہو۔ وہ کسی سے کچھ بھی نہ کہتی تھیں۔ دن بھر خالی خالی نظروں سے کمرے کے دیوار و در کو تکتی رہتی تھیں۔ ڈریسنگ ٹیبل پر سجے ہادیہ اور انیقہ کے بچپن کے کھلونے...... ہادیہ کی گڑیا جس کی ایک ٹانگ انیقہ نے توڑی تھی اور انیقہ کے اینیمل زو کے ننھے سے جانور ایک چھوٹا سا پلاسٹک کا ٹیلی فون سیٹ...... اور کچھ ٹوٹے پھوٹے چھوٹے چھوٹے برتن......

ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک آئے...... انہیں یاد آیا ہادیہ نے پورے تین سال ڈرم بجانے والے بندر کی فرمائش کی تھی وقتاً فوقتاً' انیقہ کو ٹیڈی بیئر بہت پسند تھے لیکن چاہنے کے باوجود بھی وہ اپنی بیٹیوں کو کھلونے نہیں لے کے دے پاتی تھیں۔ اتنے دولت مند گھرانے میں ان کی ماں نے انہیں بیاہا تھا لیکن ان کے نصیب میں آسودگی اور سکون نہیں تھا۔ وہ تو اپنی بچیوں کو تعلیم بھی بہت مشکل سے دلا رہی تھیں' عارف علی کے ہیروئن کا عادی ہوجانے کے بعد سانجھے کاروبار سے انہیں اتنا ہی دیا جاتا تھا جس سے بمشکل دو وقت کی روٹی ہی پک سکتی تھی اگر بڑی امی بھی کبھار ان کی چوری چھپے تھوڑی بہت مدد نہ کرتیں تو شاید یہ دال روٹی کا بھرم بھی قائم نہ رہ پاتا۔ عارف علی دو تین بار ٹرک کا خاصا بھاری نقصان کرچکے تھے تو بھائیوں نے اسے دوبارہ ٹرک کو ہاتھ

لگانے سے منع کردیا۔ البتہ اسے جتنے روپوں کی ضرورت ہوتی وہ دکان پر جاکر چھوٹے بھائیوں سے لے لیتا اور ایسے وقت ایک پل کو بھی رک کر نہیں سوچتا تھا کہ اس کے اس عمل سے اس کی اپنی اولاد اپنے حق سے محروم ہوجاتی ہے۔

ماہین کو یاد آیا' عارف علی نے ان سے اور دونوں بیٹیوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے کسی بھی حوالے سے تنگ کرنے کی ضرورت نہیں جو چاہیے ہو بابر علی سے مانگا کرو کیونکہ میرے بعد تمام کاروبار کا کرتا دھرتا وہی ہے۔ ماہین نے اپنے گھر میں بھی کبھی کسی سے کچھ مانگا نہیں تھا۔ اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی کبھی۔ ان کی ماں ان کا بھائی بنا کہے ہر ضرورت' ہر خواہش پوری کردیتے تھے غریب تھے' مزدور تھے' مگر چھوٹے دل کے نہیں تھے۔ جب تک شہباز یہاں تھا اس نے ماہین اور اس کی دونوں بچیوں کے لیے ہر سکھ بہم پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ ماہین نے عارف علی کے اس فرمان کے بعد اپنی ضروریات کا دائرہ بالکل ہی محدود کردیا۔ یہاں تک کہ عید تہوار پر اپنے کپڑے جوتے تک لینے چھوڑ دیے لیکن بچیوں کی تعلیم پر اٹھنے والے خرچ کی خاطر انہیں کبھی کبھار بابر علی سے تقاضا کرنا پڑ جاتا جو ان کی اہمیت اور عزت نفس پر کسی چوٹ سے کم نہیں تھا۔ ان ہی کی طرح ان کی ہادیہ بھی مانگ کر لینے سے بہتر سمجھتی تھی کہ محروم رہے۔ انہیں اپنی خود دار بیٹیوں پر بے حد پیار آتا تھا۔ جو اپنی جیب خرچ سے اپنی ضرورت کی چیزیں لینا زیادہ بہتر سمجھتی تھیں بجائے مانگنے کے۔ ایک بار ہادیہ کو اسکول کی فیس کی خاطر بابر چچا کے پورشن میں جانا پڑا' صبح صبح چچی اپنے بچوں کو ناشتہ کروانے میں مصروف تھیں۔ ہادیہ نے بہت دقت سے اپنا مدعا بیان کیا۔ بابر چچا کی طنزیہ مسکراہٹ اور بڑی چچی کی تضحیک آمیز نظروں کے نشتر دل میں چھپائے آنسو پیتی جب وہ ماہین کے پاس لوٹی تو وہ دہل ہی گئی تھیں۔

"بابر چچا نے ڈانٹا ہے کیا؟" وہ روتی ہوئی ہادیہ کو اپنی بانہوں میں بھر کر بولیں تو اس نے نفی میں سر ہلا کر ان کے گداز سینے میں منہ چھپالیا۔

"تو کیا چچی نے کچھ کہا؟" اس کے رونے کی وجہ انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی۔ اب کی بار بھی اس نے گھٹی گھٹی آواز میں نہیں کہا تو وہ اور پریشان ہوا ٹھیں۔

"تو پھر رو کیوں رہی ہو ہادی......"

"ماما جی میں آئندہ کبھی بھی پیسے مانگنے نہیں جاؤں گی۔"

"ارے میرے بچے...... مجھے بتاؤ تو سہی کہ آخر ہوا کیا ہے؟" لیکن اس کا معصوم ذہن مسکراہٹوں اور تضحیک آمیز نظروں کی وضاحت نہیں کر پارہا تھا۔ وہ نہیں کہہ پارہی تھی کہ بابر چچا نے مسکرا کر ایک دو طنزیہ باتیں کرتے ہوئے اس کے ہاتھ میں جو چند روپے پکڑائے تھے' ان ایک دو جملوں نے اس کے دل میں کیسے نشتر چبھوئے تھے وہ نہیں کہہ پارہی تھی۔ بڑی چچی نے اسے دیکھتے ہوئے ناشتے کی پلیٹ کو ڈھکتے ہوئے کتنی تضحیک اور ناگواری سے اسے دیکھا تھا اور ان کی آنکھوں میں کتنا تمسخر تھا...... وہ کس طرح بتائے...... الفاظ بے زبان ہوچکے تھے اور دل تھا کہ درد سے بوجھل ہوگیا تھا۔

"ماما جی...... میں نے آئندہ نہیں جانا بس۔" ہادیہ نے بے دردی سے آنکھیں پونچھتے ہوئے اپنا بیگ اٹھایا اور انیقہ کا ہاتھ پکڑ کر اسکول کے لیے روانہ ہوگئی تھی۔ ماہین اس کی ان کہی سمجھ گئی تھیں آج ان کی بیٹی کی خودداری کو ٹھیس لگی تھی اس کا پندار مجروح ہوا تھا' اس کی عزت نفس آنسوؤں کی صورت اس کے معصوم گالوں پر بہہ رہی تھی وہ بے بس تھیں' کچھ بھی تو نہیں تھا ان کے اختیار میں سوائے کڑھنے جلنے کے...... اور ایسے حالات میں آج تک گھٹ گھٹ کر گزارہ کرنے والی ماہین کو کیا خوب تمغہ حسن کارکردگی سے نوازا گیا تھا۔ ان کی معصوم بیٹیاں اسی گھٹن اور اذیت میں جی رہی تھیں ان کے مہربان سائے سے محروم۔ یادیں ایک ایک کرکے جیسے ان کے ذہن کو کچوکے لگاتی رہیں۔ اپنی سب قربانیوں کے رائیگاں جانے کا درد آنسو بن کر بہتا رہا۔ آنکھوں کے آئینوں میں کبھی پھولے پھولے گالوں پر آنسوؤں کی لکیریں لیے ہادیہ آجاتی تو کبھی سنہرے گنگھریالے بالوں کے بیچ بڑی بڑی آنکھوں والی باربی ڈول جیسی انیقہ کا عکس جھلملانے لگتا۔

دل درد سے بھر جاتا آنکھیں چھلکنے لگتیں اور وہ پہروں اپنی بچیوں کے ٹوٹے کھلونوں کو سینے سے لگائے روتی رہتیں۔ امی جی...... لالہ اور نیلم ہر وقت دل جوئی میں لگے رہتے۔ ساجی ماموں اپنی چھوٹی چھوٹی شرارتوں سے ان کی توجہ بٹانے میں مصروف رہتے لیکن ماہین کا ذہن ایک نقطہ پر مرکوز تھا۔ ہادیہ...... انیقہ......

"ہادیہ......" راحیلہ کی آواز پر اس نے کتاب سے سر اٹھایا...... اس وقت کلاس روم میں چند ایک لڑکیاں تھیں' اسمبلی ہونے میں کچھ وقت باقی تھا ہادیہ مسز ہمدانی کا دیا ٹیسٹ دہرا رہی تھی۔ مسز ہمدانی بہت سخت اور اصولی ٹیچر تھیں کسی بھی قسم کی کوتاہی پسند نہیں کرتی تھیں۔

"ہادیہ تم یہاں بیٹھی ہو ابھی یعقوب چاچا (چوکیدار) تمہیں ڈھونڈ رہے تھے......"

"مجھے...... کس لیے؟" اس نے اچنبھے سے کہا۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ اپنی بہن کو لے کر جلدی سے پرنسپل آفس کے سامنے والے ویٹنگ روم میں آجاؤ تمہاری نانی امی تم سے ملنے آئی ہیں۔" راحیلہ کی بات کے اختتام کے ساتھ ہی ہادیہ کا دل ڈوب گیا۔

"بڑی امی اور یہاں اسکول میں...... اللہ خیر کرے......" وہ گھبرائی ہوئی باہر نکلی تیزی سے انیقہ کے کلاس روم کی طرف بڑھی۔ شاید انیقہ کو بھی خبر مل گئی تھی وہ بھی حواس باختہ سی دروازے ہی میں مل گئی۔

"ہادی...... بڑی امی یہاں کیوں آئی ہوں گی......" وہ اس کا ہاتھ تھامے گھبرا رہی تھی۔

"پتہ نہیں نکی...... جلدی چلو ناں...... پتہ نہیں یہ راستہ کیوں اتنا لمبا ہو گیا ہے۔" ہادیہ کے قدموں میں تیزی آ گئی لیکن سوچ جیسے جمود کا شکار تھی۔ وہ جانتی تھی کہ بڑی امی کسی معمولی وجہ سے اسکول نہیں آئیں گی۔ کچھ بڑا' کچھ غیر معمولی تھا شاید کچھ ناگوار یا پھر دل دہلا دینے والا...... وہ کچھ بھی منفی سوچنا نہیں چاہتی تھی لیکن ذہن میں جمی برف کے پگھلنے اس کے سر میں درد کر رہے تھے...... یہ راستہ بے حد صبر آزما تھا لیکن وہیں بڑی امی کے ساتھ ماما کو دیکھ کر جیسے ان کی جان میں جان آ گئی تھی۔ وہ دونوں بھاگ کر ان سے لپٹ گئیں۔

"تم دونوں پریشان تو نہیں ہوئیں ناں بیٹا......"

ماہین انہیں خود سے لپٹاتے ان کے چہرے پر پیار کیے جا رہی تھیں۔

"ماما جی...... ہمیں صرف بڑی امی کا پتہ چلا تھا۔" انیقہ بڑی امی کی گود میں دبک کر معصومیت سے بولی۔

"آپ کی بڑی امی حج کی سعادت حاصل کرنے جا رہی ہیں۔ آپ کو یاد ہے ناں بڑی امی بہت عرصے سے حج کی تیاری کر رہی تھیں' شہباز ماموں نے باقی کے پیسے ارینج کر کے بھیج دیئے ہیں اس لیے اب وہ حج پر جا رہی ہیں۔ اس لیے آپ دونوں سے ملنے آئی ہیں۔" ماہین نے انہیں تفصیل بتا کر ان کا تجسس ختم کیا۔

"اف میں جانے کیا کیا سوچنے لگ گئی تھی۔" ہادیہ قدرے پُرسکون ہو بیٹھی۔ انیقہ اور وہ کچھ دیر تک بڑی امی اور اپنی ماما کے ساتھ بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر ماما ان سے اگلے دن ملنے کا وعدہ کر کے وہاں سے رخصت ہو گئیں۔

اس دن ہادیہ کا دل چپکے چپکے اندر ہی اندر گھٹتا اور روتا رہا۔ اپنی بے بسی اور بے چارگی پر آہ و فغاں کرتا رہا۔ واپسی کے راستے پر اس کے قدموں میں جیسے زمانے بھر کی تھکن سمٹ آئی اور جب وہ گھر پہنچیں تو سامنے ہی برآمدے میں عارف علی اور بے جی کو اپنا منتظر پایا۔ عارف علی خاصا برہم دکھائی دے رہا تھا۔ ان کے سلام کے جواب میں جیسے وہ پھٹ ہی پڑا۔

"بہت اچھی طرح خبر ہے مجھے...... تمہاری ماں تم لوگوں سے ملنے اسکول آتی ہے ناں...... جانے ہمارے خلاف کیا کیا پٹیاں پڑھاتی ہوں گی دونوں ماں بیٹیاں...... بے جی کل سے ان کا اسکول جانا بند...... بہت پڑھ لیا انہوں نے۔" جانے کس نے عارف علی کو ماہین اور بڑی امی کے اسکول آنے کی خبر دے دی تھی اور بھلا وہ کیسے یہ برداشت کرتا...... وہ تو بچیوں کو ماہین سے الگ کر کے انہیں اذیت پہنچا کر اپنے مقصد کا حصول چاہتے تھے' ظاہر ہے ماں

بیٹیوں کا یہ ملاپ انہیں کیسے برداشت ہو سکتا تھا۔

"اب میں دیکھتا ہوں کس طرح ملتی ہے وہ تم دونوں سے۔ اس گھر سے باہر قدم بھی نکالا تو ٹانگیں توڑ دوں گا۔" وہ خشونت بھرے لہجے میں کہتا وہاں سے چلا گیا۔ ہادیہ اور انیقہ تائی امی کے کمرے میں آ کے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔ تائی امی نے انہیں چمکارا...... بہلانے کی کوشش کی مگر وہ تو جیسے سمندر اپنی آنکھوں میں بند کیے بیٹھی تھیں۔ ان سے سنبھل ہی نہ پا رہی تھیں۔

"ہادیہ...... چپ ہو جاؤ...... تمہارا باپ آ گیا تو جانے کیا حشر کرے گا۔ پتہ تو ہے اس کے دماغ کی سوئی جس جگہ اٹک جائے اس سے ہٹتی ہی نہیں۔ کچھ دن صبر کرو اس کا دماغ کا ابال کچھ کم ہو جائے تو سب کچھ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا لیکن اگر تم لوگ اس طرح روئی چلائی تو اور ضد میں آ جائے گا۔"

"تائی امی! ہم نے ماما جی کے پاس جانا ہے۔" انیقہ بسورتے ہوئے بولی۔

"ان شاء اللہ...... بہت جلد چلی جاؤ گی اپنی ماما کے پاس...... بس رونا بند کرو میری پیاری بیٹی......" انہوں نے اس کے گالوں پر بہتے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے بہت پیار سے اسے تسلی دی۔

بھوک پیاس جیسے ختم ہی ہو گئی' نیند پلکوں سے روٹھ گئی۔ دل کا چین جیسے کہیں جا سویا تھا۔ ایک ماں نہیں تھی تو لگتا تھا سارا جہان ہی خفا خفا' روٹھا روٹھا ہے۔ ہر قدم ماں کے وجود سے سکھ اور خوشیاں کشید کرتے انہوں نے کبھی یہ سوچا تک نہ تھا کہ سمے کے دھارے میں کہیں ایسا پھیر بھی لکھا ہو گا کہ یہ واحد مہربان وجود واحد جائے پناہ بھی ان سے چھن جائے گی۔ محبت کا یہ بحر بیکراں یوں ان سے دور کر دیا جائے گا کہ پیاس سے جاں بلب ان کے وجود بس ترستے ہی رہ جائیں گے۔ وہ ان کی ماں نہیں تھیں محبت کی وہ مناجات اور تسبیح تھیں جس کا ورد ہر لحہ ان کے ننھے لبوں پر رہتا تھا۔ وہ ورد تو اب بھی جاری تھا مگر اب اس میں سسکیاں اور درد بھی آن براجمان ہوا تھا۔ ایک درد اور بے چینی کی جوان کے خوف سے لرزتے دلوں میں ہر لحہ ٹیسیں پیدا کرتی تھی اور جس سے فرار ممکن نہیں تھا۔

❁......☯......❁

اینا علی حسن کی طرح ان کے شوہر نامدار بھی خاصے مشفق انسان تھے۔ شہباز کو وہ قدرے ریزرو خاموش اور تنہائی پسند لگے تھے۔ اسے یہاں آئے چار روز ہو گئے تھے جس میں سے بمشکل دو یا تین گھنٹے علی حسن صاحب کے اس کے ہمراہ گزرے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے اینا علی حسن پر کسی قسم کی کوئی بندش یا پابندی نہیں لگائی تھی۔ وہ کچن میں کام کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لے جاتیں' اسٹول پر بٹھا کر اس سے باتوں کے دوران ہی سادہ سا بریک فاسٹ' لنچ اور ڈنر بنا لیتیں۔ شہباز کو ان کا اس طرح اپنے لیے تھکنا اچھا نہیں لگتا تھا وہ اصرار کیے جاتا کہ کوئی کام میرے ذمے لگا دیں میں بھی آپ کا ہاتھ بٹانا چاہتا ہوں لیکن اینا مسکرا کر نفی میں سر ہلا دیتیں۔

"مجھے اچھی طرح پتہ ہے تم ایسٹ کے مرد گھر کے کام کاج کرنا پسند نہیں کرتے۔ خاص طور پر جب خاتون گھر میں ہو تب تو ہل کر پانی پینا بھی اچھا نہیں لگتا۔ میں نے چھبیس سال ایک مشرقی مرد کے ساتھ گزارے ہیں اور مجھے پتہ ہے کہ اپنی بیوی یا گھر کی خواتین سے بے حد محبت رکھنے کے باوجود تم لوگوں کی سائیکی یہ ہوتی ہے کہ گھر کا ہر کام عورت کرے...... ایم آئی رائٹ۔" آملیٹ کا آمیزہ تیار کرتے ہوئے اینا علی حسن نے مشرقی مرد کی نفسیات کا جو خاکہ کھینچا شہباز دل ہی دل میں قائل ہو گیا۔

"مگر اینا آنٹی یہاں میں تھوڑا سا اختلاف ضرور کروں گا...... یہ تو ٹھیک ہے کہ مردوں کو گھر کے کام پسند نہیں ہوتے لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ کچھ کریں ہی نہ...... اگر ماں یا بیوی تھکی ہوئی ہو یا بیمار ہو تو اس کا ہاتھ بٹانے میں کوئی ہرج بھی نہیں...... اور جہاں تک میری بات ہے تو میں اپنی ماں کا اور اپنی بڑی بہن کا بے حد لاڈلا اور پیارا رہا ہوں۔ پاکستان میں گزارے آخری دن تک میری ماں نے مجھ سے کبھی گھر کا کوئی کام نہیں کروایا...... البتہ روزی روٹی کمانے کے لیے

میں اس نے اپنی ماں کا حتی المقدور ساتھ دیا تھا۔" ان کے گزرے دنوں میں شہباز نے اینا علی کو اپنی زندگی کے تمام ادوار کے حوالے سے تفصیل سے بتا دیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی باور کرا دیا تھا کہ وہ زیادہ دن تک ان پر بوجھ بن کر رہنا بھی گوارا نہیں کرے گا' بہت جلد اپنا کوئی بندوبست کرلے گا۔

اس حوالے سے اینا نے ابھی تک اس سے کسی قسم کی کوئی بات نہیں کی تھی۔ ہاں یہاں کے قوانین اور اصولوں سے اسے آگاہ ضرور کر دیا تھا کہ اگر وہ مستقبل میں ہالینڈ میں ہی اپنی مستقبل سکونت کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے فوری طور پر یہیں کی کسی خاتون سے پیپر میرج کرنی ہوگی۔ اس کے بعد اسے نیشنلٹی مل جائے گی۔ اس نیشنلٹی کارڈ کی موجودگی میں اس کے لیے باہر نکلنا اور جاب کرنا آسان ہو جائے گا۔ دوسری صورت میں یہ گھر اس کے لیے ایک چوہے دان کی طرح ہے جس سے کسی بھی وقت باہر نکلنا اس کے لیے خطرے سے خالی نہیں۔ ہالینڈ کی پولیس انتہائی مستعد اور سزائیں دینے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اگر کسی بھی طرح وہ ان کے ہتھے چڑھ گیا تو شاید پھر ان کے چنگل سے نکلنا ناممکن ہو جائے۔ شہباز ڈرپوک نہیں تھا ایک حوصلہ مند جوان تھا۔ پاکستان سے باہر آتے وقت وہ سارے حالات وواقعات کو اپنے ذہن میں رکھ کر نکلا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ناعاقبت اندیش بھی نہیں تھا وہ جانتا تھا اینا نے جو کچھ بھی کہا وہ بالکل ٹھیک کہا اور اس سلسلے میں وہ علی حسن صاحب سے ایک بار تفصیلی بات چیت کرنا چاہتا تھا لیکن وہ اپنے اسٹوڈیو سے بہت کم باہر نکلتے تھے۔ اکثر اینا خود ان کے اسٹوڈیو میں جا کر کچھ وقت گزار کر آ جاتی تھیں یا پھر ضروری بات کے لیے بھی ان کے اسٹوڈیو سے باہر آنے کا انتظار کرتی رہتی تھیں۔ شہباز نے اتنی ملنسار اور برداشت والی خاتون نہیں دیکھی تھی...... جو شوہر کی خوشی اور خوشنودی کی خاطر خود تنہائی کا عذاب سہہ رہی تھیں اور بقول اینا علی حسن کی یہ روٹین پچھلے آٹھ سال سے تھی...... وہ خود بہت سوشل تھیں...... لوگوں میں گھلنا ملنا' باتیں کرنا' پارٹیز انجوائے کرنا' لیکن علی حسن سے شادی کے بعد آہستہ آہستہ وہ ان کے رنگ میں رنگ گئیں وہ کہتی تھیں۔

"مجھے عالی حسن سے اتنی محبت ہے کہ ان کی خاموشی بھی میرے لیے گفتگو سے کم نہیں۔ ان کی اسٹوڈیو میں موجودگی میرے دل کی ڈھارس ہے کہ یہ میرے اردگرد تو ہیں...... عالی کبھی بھی میرے کسی معاملے میں نہیں بولتے انہوں نے گھر میں بچوں کے حوالے سے مجھے ہر طرح فری ہینڈ دیا ہوا تھا۔ میرے دوستوں' عزیزوں' رشتہ داروں کسی سے بھی ان کو کوئی پرابلم نہیں ہوتی تھی۔ میں پورا دن گھر سے باہر بتا کر آ جاؤں یہ مجھ سے کبھی سوال نہیں کریں گے کہ میں کہاں گئی تھی یا کیوں گئی تھی...... اور ان کا یہی یقین میرے پاؤں کی زنجیر ہے ان کا بھروسہ میں کبھی بھی کھونا نہیں چاہتی۔ میں اس گھر میں کئی کئی گھنٹے ان کی موجودگی کے باوجود تنہا ہوتی ہوں مگر یہ تنہائی مجھے دکھ نہیں دیتی کیونکہ عالی کا یقین ان کا اعتبار میری خوشی کی سب سے بڑی وجہ ہے۔"

شہباز حیران ہو کر ان کا منہ دیکھے جاتا اس نے تو سنا تھا مغرب میں وفا نہیں...... یہ نیلی آنکھوں والی عورتیں زیادہ دیر ایک مرد کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتیں' خودغرض اور حیا سے بے نیاز ہے ان کا معاشرہ...... مگر اسی معاشرے ہی کی ایک فرد تھیں اینا علی حسن۔ محبت' ایثار' وفا اور سچائی کی تصویر...... شہباز کو ان سے عقیدت سی ہو چلی تھی۔

اسے یہاں آئے پانچواں روز تھا جب علی حسن اسٹوڈیو سے باہر آ کر لونگ روم میں بیٹھے۔ ان کا موڈ خاصا خوشگوار تھا اور اینا کے ساتھ کسی نوک جھونک میں لگے ہوئے تھے۔ جب وہ کمرے سے برآمد ہوا۔

"آؤ...... آؤ برخوردار کیا حال احوال ہیں؟" چہرے پہ ایک شفیق سی مسکراہٹ لیے انہوں نے صوفے پر قدرے کھسک کر اس کے لیے اپنی قریب جگہ بنائی وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"لگتا ہے برخوردار...... ابھی تک تکلف ختم نہیں ہوا بھئی یہ جو ہماری منتظم اعلیٰ ہیں یہ تو بڑی زندہ دل قسم کی خاتون ہیں پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ انہوں نے تمہیں ابھی تک اس گھر سے مانوس نہیں کیا......" وہ متبسم سے اینا کی طرف دیکھ رہے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

تھے اور شہباز کو ان کی آنکھوں میں گہری محبت کی پرچھائیاں دکھائی دے رہی تھیں۔
"نہیں انکل ایسی کوئی بات نہیں۔ اینا آنٹی بے حد اچھی ہیں۔ ہر معاملے میں انہوں نے مجھے ہر طرح گائیڈ کیا ہے۔ مجھے تو ایک لمحے کے لیے بھی یہ احساس نہیں ہوا کہ میں اپنے گھر میں نہیں ہوں۔" شہباز کا سر قدرے جھکا ہوا اور لہجہ بے حد مؤدب تھا۔
"اور یہ سوچنا بھی نہیں کہ تم اپنے گھر میں نہیں ہو...... میکال حسن ہمارے آنگن کا چاند ہے ہزاروں میل دور ہے وہ ہم سے...... اینا کو اور شاید مجھے بھی تم میں میکال کی شبیہ نظر آتی ہے، ہم بڈھا بڑھیا نے اور کتنا جی لینا ہے۔ ویسے بھی جس معاشرے کے ہم باسی ہیں یہاں تو بوڑھے لوگ مشینوں کے زنگ آلود بے کار پرزوں سے بھی بے وقعت ہو جاتے ہیں بیٹا جی...... ان کی اپنی اولاد کے پاس وقت نہیں ہوتا کہ اپنی مصروف زندگی میں سے کچھ پل ان بے کار پرزوں کے لیے وقف کر دیں۔ ہماری بے رنگ زندگی میں تمہارے آنے سے ایک نیا رنگ آ گیا ہے...... میں نے اینا کو ایک عرصے بعد اتنی دلجمعی اور خوشی کے ساتھ گھر کے کاموں میں الجھا دیکھا ہے۔ ورنہ یہ تو بے حد خاموش رہتی تھیں۔"
"تو کیا کرتی دیواروں سے باتیں کرتی بھلا...... پورے گھر میں آپ کے سوا کون ہے اور آپ بھی مصروف رہتے ہیں۔" اینا نے چائے کپ میں انڈیل کر پہلے علی اور پھر شہباز کو تھماتے ہوئے غیر محسوس سا شکوہ بھی کر ڈالا۔
"بھئی یہ اعتراض بالکل بجا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ میکال کے جانے کے بعد میں بہت اکیلا ہو گیا تھا...... اپنے غم میں اندر ہی اندر گھلتا تنہائی کا شکار ہوتا چلا گیا اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالی...... میری اس گوشہ نشینی سے سب سے زیادہ تکلیف اینا کو پہنچی آئی ایم ویری سوری اینا...... اب ایسا نہیں ہوگا...... ہمارا میکال کسی اور صورت میں ہمارے پاس واپس جو آ گیا۔" آنکھوں میں نمی لیے وہ مسکرا کر بولے۔ شہباز ان دو چہروں میں محبت، شفقت اور اخلاص کا

جو تاثر دیکھ رہا تھا اس دیس میں رہنے والوں جیسا نہیں تھا یہ تاثر...... لیکن شہباز سے ان کی جو امیدیں تھیں، بہت حد تک وہ بھی جانتے تھے کہ یہ امیدیں پوری نہیں ہو سکتیں...... وہ ایک مسافر تھا جس کی منزل بے حد دور تھی، ایک طویل مسافت لکھی تھی اس کے پیروں کے مقدر میں...... لیکن یہ ضرور تھا کہ یہ پڑاؤ جتنی دیر کا بھی تھا...... تھا بے حد خوش کن...... اور وہ اس کی قربت اس کے وجود میں اپنی کھوئی ہوئی خوشیاں محض چند دن پا کر بھی جی اٹھے تھے۔
"بے شک انکل...... اس گھر میں گزرے یہ پانچ دن میرے اس بے نام سفر کا سب سے خوب صورت دورانیہ ہیں...... آپ دونوں نے جس طرح ایک انجان شخص کو اپنے گھر میں رکھ کر اپنی اولاد کی طرح اس کی دیکھ بھال کی...... اس دور میں کہیں ایسی مثال دکھائی نہیں دیتی...... میرا یقین ہے کہ میکال حسن ضرور واپس آئے گا۔ وہ اس قدر محبت کرنے والے والدین سے زیادہ دیر دور نہیں رہ سکے گا آپ کی محبت اور اینا آنٹی کی ممتا میں اتنا خالص پن ضرور ہے جو اسے واپس لانے کا باعث بن سکے۔" شہباز کے لہجے میں عقیدت اور بے انتہا احترام تھا۔
"ان شاء اللہ......" علی حسن کے لبوں سے بے حد دھیمی سی سرگوشی ابھری۔
"انکل ہالینڈ میں ال لیگل لوگوں کے لیے کس قسم کے مواقع ہیں یا پھر یہاں کی نیشنلٹی حاصل کرنے کے بعد کیا یہاں پر اپر کوئی سیٹ اپ بنایا جا سکتا ہے۔" شہباز بہت دیر سے اسی اہم موضوع پر ان سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔
"بیٹا جی...... ال لیگل لوگوں کے لیے کوئی خاص مواقع نہیں ہیں ظاہر ہے قانون کے مطابق آپ کے پاس یہاں آنے اور رہنے کی باقاعدہ اجازت موجود نہیں ہے اس صورت میں کسی بار یا ریسٹورنٹ میں ویٹر کی جاب مل سکتی ہے یا پھر کسی کنسٹرکشن ایریا میں لیبرز کی جاب...... اور دونوں طرح کی نوکریوں میں مالکان کو چونکہ پتہ ہوتا ہے کہ آپ ال لیگل ہیں تو وہ مناسب معاوضہ بھی نہیں دیتے۔ بہت کم تنخواہ دیتے ہیں اور کام دگنا نکلواتے ہیں۔" ان کی بات سو فیصد

درست تھی شہباز نے خود یہ سب سہا تھا جرمنی میں حاجی صاحب جو بس نام کے ہی حاجی تھے اسی طرح ال لیگل نوجوانوں کا خون نچوڑ کر اپنی چاندی کررہے تھے۔
''اور جہاں تک نیشنلٹی کا سوال ہے تو وہ بھی کچھ آسان نہیں ہے یہاں پر شادی شدہ خواتین محض پیسے کے لیے پیپر میرج کرتی ہیں لیکن یہاں کے قانون کے مطابق آپ کو ان کو ماہانہ اخراجات کے لیے اچھی خاصی تگڑی رقم دینی پڑتی ہے۔ پیپر مرج کے بعد نیشنلٹی کے پروسس میں جتنا عرصہ بھی لگے اس تمام عرصے میں تمہیں اس خاتون کا تمام یا آدھا خرچ اٹھانا پڑے گا...... میں اس حوالے سے بے حد لکی رہا کہ مجھے اینا مل گئی۔ یہ اس وقت نرسنگ کررہی تھی جب میں آج سے پچیس چھبیس سال پہلے یہاں آیا تھا۔ میں جھوٹ نہیں کہوں گا...... اس وقت میں بھی تمہاری طرح مجبوری کے عالم میں اینا سے شادی پر تیار ہوا تھا لیکن بعد میں اس کی بے لوث محبت اور ساتھ نے مجھے ہمیشہ کے لیے اسی کا کردیا...... موسٹلی پیپر میرج کرنے والی خواتین کے ایک سے زیادہ شوہر ہوتے ہیں ایک شوہر جو حقیقی ہوتا ہے اور جس سے ان کی فیملی بنتی ہے اس کے علاوہ دو یا تین شوہر صرف کاغذی کارروائی کی حد تک ہوتے ہیں لیکن یہ خواتین بہت اچھی طرح جانتی ہیں کہ پیپر میرج کرنے والا شخص مجبور ہے تو اکثر اپنی ناجائز ضروریات پر بھی خرچ ہونے والا پیسہ وہ انہی سے وصول کرتی ہیں۔'' علی حسن صاحب نے اسے تفصیل سے آگاہ کردیا۔ اس کے لیے یہ سب باتیں خاصی وقت طلب تھیں۔
''انکل کوئی اور راستہ نہیں ہے کیا......؟''
''نہیں...... میں اگر اپنا اثر و رسوخ استعمال کروں تو زیادہ سے زیادہ تمہیں تین یا چھ ماہ کا وزٹ ویزہ دلوا سکتا ہوں ایسی صورت میں تم اتنا دورانیہ بغیر کسی ڈر خوف کے یہاں گزار سکتے ہو لیکن ٹائم پورا ہوتے ہی تمہیں یہاں سے جانا ہوگا۔''
''تین یا چھ ماہ...... بہت ہیں انکل اتنے وقت میں میں کچھ بہتر سوچنے اور سمجھنے کے قابل ہو جاؤں گا۔''
''کیا تم پیپر میرج کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔'' اینا آنٹی نے پہلی بار اس گفتگو میں حصہ لیا۔
''نہیں اینا آنٹی...... میں ایسی کوئی سوچ نہیں رکھتا۔ میرے لیے یہ ممکن نہیں البتہ انکل اگر مجھے یہاں تین یا چھ ماہ رکنے کا اجازت نامہ لے دیں تو میں یہاں ہر قسم کا کام کرنا چاہتا ہوں چاہے وہ کتنی بھی جسمانی مشقت والا ہی کیوں نہ ہو۔''
''عالی نے اگر کہا ہے تو وہ ضرور کریں گے شاہ باز...... تم فکر مت کرو...... عالی بھی ایسا کچھ نہیں کہتے جو انہوں نے نہ کرنا ہو۔ ڈونٹ وری۔'' اینا آنٹی نے اس کا کندھا تھپکتے ہوئے اسے تسلی دی۔
چھ ماہ کا عرصہ بہت ہوتا ہے اس عرصے میں وہ مشقت اور مزدوری کرکے جس حد تک بھی ہوا پیسے جمع کرے گا اور پھر یہاں سے کسی اور جگہ چلا جائے گا وہ ان مخلص لوگوں کا پہلے ہی بے حد مقروض تھا۔ مزید ان پر بوجھ بن کر رہنا اس کی غیرت کے منافی تھا۔ اس کی پُرسوچ نگاہیں دور کسی نقطے پر مرکوز تھیں اور ذہن مستقبل کی پیش بندی میں مصروف ہو چکا تھا۔

❁......☯......❁

علی حسن صاحب کی مخلصانہ کوششوں کی وجہ سے شہباز علی کو ہالینڈ ایمبسی سے چھ ماہ کا وزٹ ویزہ ایشو کردیا گیا تھا۔ وہ دن ایسا تھا جس دن پاکستان سے آنے کے بعد پہلی بار شہباز نے بے حد سکون کا سانس لیا تھا۔ اینا علی نے اس کی کامیابی کو بے حد پیارے انداز میں جشن کے طور پر منایا تھا۔ انڈین ڈشز خالصتاً مشرقی انداز میں دسترخوان پر سجائیں۔ شہباز کو ہر روز ہی وہ حیران کردیا کرتی تھیں۔
''آنٹی...... آپ مجھے ایک ہی دفعہ بتا دیں کہ آپ کے اندر آخر کتنی خوبیاں ہیں ہر روز کے جھٹکے۔ دل ناتواں کیسے سہہ پائے گا۔'' شہباز کے عنابی لب بے ساختہ مسکرا اٹھے تھے۔
''ارے برخوردار ان کے اسرار تو ہم پر پوری طرح منکشف نہ ہوئے پچیس سال بیت چکے...... آپ دو دن

میں ہی گھبرا گئے.....'' علی حسن کے لہجے میں محبت ہی محبت تھی۔

''آپ دونوں میرا ریکارڈ لگانا بند کریں اور آ کر کھانے سے انصاف کریں تاکہ میری محنت وصول ہو جائے۔'' اینا علی کچھ شرما کر بولیں۔

''کسی انگریز خاتون کو شرماتے ہوئے نہیں دیکھو گے تم یہ اعزاز بھی بس ہماری منتظم اعلیٰ کو ہی حاصل ہے یہ غلطی سے ہالینڈ میں پیدا ہو گئیں۔ پیدا انہوں نے میاں چنوں میں ہونا تھا۔'' پلیٹ میں چاول نکالتے علی حسن خاصے مزاحیہ انداز میں بولے۔ شہباز نے اس محبوب جوڑے کو مسکرا کر دیکھا۔ وہ جان سکتا تھا کہ آج ان کے اس تازگی بھرے رویے کی وجہ صرف اور صرف اس کی کامیابی اس کی خوشی تھی۔ وہ دل سے اس کی خوشی میں شامل تھے اور محبتوں کا قرض چکانا دن بدن شہباز کے لیے مشکل سے مشکل ہوتا جا رہا تھا۔

''بس بس بہت ہو گیا۔ ابھی چپ کر کے کھانا کھائیں آپ۔'' اینا علی دسترخوان پر بیٹھ گئیں۔

''اینا آنٹی آپ سچ سچ بتائیں یہ دسترخوان سجانا آپ نے کہاں سے سیکھا اور یہ انڈین ڈشز وہ بھی اوریجنل ٹیسٹ کے ساتھ۔''

''عالی شادی کے بعد اکثر اپنی اماں کے ہاتھ کے کھانے مس کرتے تھے..... میرے ہاتھ کی پھیکی بور چیزیں انہیں پسند تو نہیں آتی تھیں مگر بنا کہے کھا بھی لیتے تھے..... مجھے کافی وقت گزرنے کے بعد احساس ہوا یو..... نو..... انڈین اسپائسی کھانوں کے شوقین ہوتے ہیں بس پھر کیا تھا میں ایک بہت بڑی بک شاپ سے انڈین دسترخوان نامی دو کتابیں خرید کر لے آئی..... عالی کی مدد سے تمام مصالحہ جات خریدے اور انڈین ڈشز کک کرنے لگ گئی..... آگے کی بات عالی سے پوچھو کیونکہ وہ سب کچھ انہوں نے اپنی ذات پر سہا ہے۔''

''ارے ارے کیا یاد کروا دیا..... اسے اردو سکھانے میں مجھے اتنی تکلیف نہیں ہوئی جتنی وہ سب کھانے سے ہوئی جو انڈین کم فرانسیسی کم اٹالین ڈشز یہ بناتی تھی اسپائسز اور انڈین کھانے کا انداز فرانسیسی اور ٹیسٹ اٹالین۔'' علی حسن دل کھول کر ہنس رہے تھے۔

''اب ایسا بھی نہیں تھا۔ اسٹارٹ میں مانتی ہوں کہ عجیب عجیب سی ڈشز بنی تھیں مگر بہت جلدی میں اچھا پکانے لگ گئی تھی جناب۔''

''یہ تو ہے انکل..... آنٹی کی اتنی کیوٹ اردو سن کر تو میں حیران ہی رہ گیا تھا۔ جب انہوں نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تو میں کسی عجیب زبان کے عجیب الفاظ سننے کا منتظر تھا لیکن جب ان کے ہونٹوں سے اردو کے الفاظ نکلے تو کچھ نہ پوچھیں جو حیرت اور خوشی ملی..... آج یہ دسترخوان دیکھ کر تو میں اینا آنٹی کا پکا والا مرید بن گیا ہوں۔ کچھ شک نہیں آپ کی خوش قسمتی میں۔'' بلا مبالغہ شہباز دل سے سراہ رہا تھا۔

''ارے نہیں برخوردار مت پوچھو اپنی ڈشز کی طرح اس نے اردو کی بھی خوب ٹانگیں توڑی ہیں اگر جو اردوئے معلیٰ کے موجد زندہ ہوتے تو سب سے زیادہ جھاپڑیں اس کی وجہ سے مجھے ہی کھانے کو ملتیں۔''

''عالی اب آپ جھوٹ کی حد کر رہے ہیں۔ بھئی ایک ڈچ کو اردو سکھانے نکلیں گے تو کچھ نہ کچھ ٹائم تو لگے گا آپ بھی تو کہتے ہیں بس جلدی جلدی ہر کام ہو جائے۔''

''ارے بیگم..... چھوڑو ساری باتیں شہباز کو شامی کباب ٹیسٹ کراؤ۔'' وہ خاصی رغبت سے کھانے میں مصروف تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اینا علی حسن جس قدر خوبیوں سے مالا مال تھیں انہوں نے شہباز کی مغربی عورت کے بارے میں رائے کو کافی حد تک بدل دیا تھا۔

جس طرح ہاتھ کی پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ جس طرح مشرق میں رہنے والے تمام لوگ باوفا اور باضمیر نہیں اسی طرح مغرب میں رہنے والے سب لوگ بھی برے نہیں۔ ان دونوں نے مل کر شہباز کے لیے اس شام کو یادگار بنا دیا تھا۔ ان کے ساتھ کھانا کھائے گرین ٹی پیتے ہوئے ادھر ادھر کے موضوعات پر گفتگو کرتے شہباز نے ایک طویل عرصے بعد خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کیا تھا۔ اب اگلا قدم حجاب کا تھا اور اس حوالے سے وہ علی حسن صاحب کو

کسی قسم کی تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ ایک نقطۂ مثل اس کے ذہن میں تھا اور اسی نہج پر آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ اب تک کی اس کی کارگزاری میں بس اتنا ہی ہو پایا تھا کہ امی جی کے لیے کچھ پے منٹ بھیج پایا تھا۔ اس کے علاوہ بس ہینڈ ٹو ماؤتھ والا ہی حساب رہا تھا اب تک...... اور وہ مزید اس طرح زیادہ وقت نہیں رہنا چاہتا تھا۔ وقت ریت کی طرح اس کے ہاتھوں سے پھسل رہا تھا اور انہی لمحوں سے اس نے اپنے گھر کے ایک ایک فرد کے لیے خوشیاں کشید کرنی تھیں۔ اگلی صبح وہ ایک نئے حوصلے نئی جہت کے ساتھ اٹھا۔ اینا علی اسے علی الصبح اٹھتے دیکھ کر چونک گئیں۔

"کیا ہوا شاہ باز...... تم اتنی صبح کیوں اٹھ گئے طبیعت تو ٹھیک ہے مائی چائلڈ؟" وہ متفکر سی اس کے قریب چلی آئیں۔

"جی آنٹی...... میں بالکل ٹھیک ہوں...... بس آزادی اور بے فکری کے احساس نے زیادہ دیر نہیں سونے دیا۔ میں ذرا باہر جا کر اپنی آزادی کو محسوس کرنا چاہ رہا تھا۔" شہباز کی بات پر وہ کھلکھلا اٹھیں۔

"ارے you are just like a kid...... میرا ایکال بھی ایسا ہی تھا۔ بے صبرا جلدی جلدی ہر چیز دریافت کرنے کا آرزو مند...... اسپورٹس مین جیسا چلبلا اور ایکٹیو۔" وہ جیسے کسی خیال سے چونکیں۔

"میرا خیال ہے تمہیں ابھی اکیلے نہیں جانا چاہئے شاہ باز...... تمہیں راستوں کا پتہ نہیں ایسا نہ ہو کہیں راستہ بھول جاؤ۔"

"ارے آنٹی اتنی محبت خلوص اور ممتا مجھے کبھی راستہ بھولنے دیں گے بھلا...... آپ ذرا بھی پریشان مت ہوں یوں بھی میرے پاس آپ کا فون نمبر ہے اگر کھو گیا تو انکل کو تھوڑی زحمت کرنی پڑے گی مجھے گھر لانے کے لیے۔" وہ مسکرا دیا۔

"او کے جیسے تمہاری مرضی شاہ باز but be care full my child۔"

"او کے آنٹی اللہ حافظ۔" شہباز لاؤنج کے مین انٹرنس سے باہر نکلا اور ایک چھوٹا سا گراسی راستہ عبور کر کے ووڈن گیٹ سے نکلتے ہوئے وہ ہاؤس نمبر اور ایڈریس نوٹ کرنا نہیں بھولا تھا۔ یہ ہالینڈ اولڈ ٹاؤن کا Sburb تھا۔ زیادہ تر ریٹائرڈ لوگ یہاں رہتے تھے کیونکہ اسے یہاں بوڑھے لوگ زیادہ دکھائی دے رہے تھے اور گھر بھی خاصے پرانی طرز کے بنے ہوئے تھے جن میں زیادہ تر لکڑی کا کام ہوا تھا۔ ہر گھر کے سامنے ایک چھوٹا سا لان تھا جس کے ایک طرف پورٹیکو بنا ہوا تھا اور لکڑی کی چھوٹی چھوٹی دیواریں ایک گھر کو دوسرے سے الگ کرتی تھیں۔ وسیع روڈز پر اس وقت اکا دکا گاڑیاں تھیں اور واکنگ ٹریکس پر عمر رسیدہ لوگ چہل قدمی کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ اسے قدرے افسوس ہوا کہ وہ اینا آنٹی کو اگر اپنے ہمراہ لے آتا تو راستے کی بوریت سے بھی جان چھوٹ جاتی اور کچھ لوگوں سے معمولی سا تعارف بھی ہو جاتا۔

ان سب باتوں سے قطع نظر آزادی کا قوی احساس اس کے دل میں ایک نئی ترنگ اور لے پیدا کر رہا تھا۔ دل پاگل چاہتا تھا چاہے کسی مزدور کی طرح کام کرنا پڑے ابھی سے اس کام کی شروعات کر دی جائیں ہاتھوں پر چھالے پڑ جائیں۔ پاؤں زخمی ہو جائیں یا اس کے سلکی بال مٹی سے اٹ جائیں مگر جب رات کو بستر پر سوئے تو یہ آسودگی اس کے ہمراہ ہو کہ اس نے آج کا پورا دن اپنے پیاروں کی خاطر اپنا خون جلایا ہے اپنے وجود کی ساری طاقت کو صرف اور صرف اپنوں کے لیے بروئے کار لا کر وہ ان کے لیے چند خوشیاں خریدنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس کا دل سینے میں عجیب سی دھمک پیدا کر رہا تھا قدموں میں اتنی طمانیت آ گئی تھی کہ پتہ ہی نہیں چلا وہ کتنی دور نکل آیا۔ یہ رہائشی علاقے کا اختتام تھا۔ کچھ نئے بنے ہوئے یا نامکمل تعمیر شدہ مکان اور عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں۔ مشینیں گھڑ گھڑ کی آواز کے ساتھ اپنے کام میں مصروف تھیں کچھ لیبر بھی دکھائی دیئے جو تعمیر میٹریل تھیلوں میں ڈالے مشینوں کی مدد سے اوپر جا رہے تھے شہباز تھوڑا اور آگے بڑھا ایک مزدور جو شکل سے بنگالی دکھائی دے رہا تھا اس نے اسے پکارا۔

"بھائی......" مزدور نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔
"کیا آپ میری بات سمجھ سکتے ہیں؟" شہباز قدرے جھجکتے ہوئے بولا۔
"آں بولوام کوتمہاری بات سمجھ آوت ہے...... کیا کہت ہو؟" وہ واقعی بنگالی ہی تھا۔
"بھائی میں بھی یہاں مزدوری کرنے آیا ہوں...... یہاں کے انچارج سے آپ میری ملاقات کرواسکتے ہیں؟"
"کیوں نہیں...... وہ نیلے رنگ کے پینٹ کوٹ والا امارا صاحب ہے...... زا (جا) کر بات کرلو۔" وہ بنگالی ایک خاصے سوٹڈ بوٹڈ شخص کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اپنے کام میں مصروف ہوگیا تو شہباز نے اس کی طرف قدم بڑھادیئے۔
وہ برطانوی انگریز تھا اور یہاں ایک پلازہ بنانے کے لیے ٹھیکیداری کا کام کررہا تھا۔ شہباز سے بات چیت کے دوران ساری معلومات کرنے کے بعد اس نے اسے بھی اجازت دے دی۔ لیکن شہباز اس سے اگلے دن آنے کا کہہ کر اس سے رخصت لے کر واپس پلٹ آیا۔ کیونکہ زیادہ دیر اگر وہ باہر رہتا تو اینا آنٹی بے حد پریشان ہوجاتیں اور وہ اپنی وجہ سے اپنے محسنوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا اور جب وہ گھر واپس پہنچا تو اینا آنٹی اسے کافی فکرمند دکھائی دیں۔
"شاہ باز...... تم کہاں چلے گئے تھے؟" ان کے لہجے میں محسوس کی جانے والی پریشانی نے شہباز کو قدرے شرمسار کردیا۔
"اینا آنٹی میں ایڈریس نوٹ کرکے گیا تھا...... آپ خوامخواہ اتنی پریشان ہوگئیں...... ویری سوری آنٹی باہر نکلا تو پھر قدم آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے۔ وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔"
"اوکے...... اب ایسے شرمندہ مت ہوآؤ ماں بیٹا ناشتہ کرتے ہیں۔ عالی تو آج جانے کس سے ملنے چلے گئے۔ میں نے ان کے ساتھ ناشتہ نہیں کیا تمہارا انتظار کررہی تھی۔" اینا آنٹی ٹیبل پر ناشتہ لگاتے ساتھ ساتھ اس سے بول رہی تھیں۔ پھر ناشتے کے دوران وہ اپنی صبح کی سیر اور اس کے دوران جاب مل جانے کی خبر اینا آنٹی کو دیتے رہا تھا۔

❀......❀......❀......❀

ایک ماہ ہوچکا تھا عارف علی اپنی ضد پر قائم تھا۔ اسی دوران میں اسکول میں گرمیوں کی چھٹیاں بھی ہوگئیں۔ راحیلہ کے ذریعے ہادیہ اور انیقہ کو چھٹیوں کے کام کی تفصیل مل گئی تھی۔ ہمیشہ یہ ہوا کرتا تھا کہ ماہین انہیں بڑی امی کے گھر کا لالچ دیا کرتی تھیں کہ اگر جلدی جلدی سارا کام ختم کرلوگی تو بڑی امی کے گھر جائیں گے رہنے کے لیے اور بڑی امی کا گھر کیا تھا...... ایک ڈریم لینڈ تھا ہمیشہ سے ان کے لیے...... یہاں کسی کا نہ ڈر تھا نہ پابندی...... ساجی ماموں کا ساتھ لالہ آنٹی نیلم آنٹی کا بے حد پیار اور گل ماموں...... ان کی تو پوچھو ہی مت۔ کیسے لاڈ اٹھواتی تھیں وہ ان کے ساتھ۔ انیقہ کا فرمان ہوتا تھا ہر بار گل ماموں آئس کریم کھلائیں۔ ہادیہ کو فرائی فش پسند تھی۔ لالا آنٹی کو برگر اور ساجی ماموں غیر جانبدار سب کے ساتھ مل بانٹ کر کھانے والے۔ اسے وہ راتیں یاد آتی تھیں جب بڑی امی کے گھر سردیوں میں وہ چند دن رہنے کے لیے جاتے۔ لائٹ چلی جاتی تو لالٹین جلا کر کمرے میں روشنی کا اہتمام کیا جاتا۔ نیچے ہی بستر لگا کر سب رضائیوں میں گھس جاتے۔ بڑی امی بڑی سی پرات میں کوئلے دہکا کر کمرے کے وسط میں رکھ دیتیں اور گل ماموں مونگ پھلی چلغوزے لاکر ان سب کے سامنے ڈھیر کردیتے اور جب کبھی مردان یا چارسدہ کا چکر لگتا تب خشک خوبانی انجیر اور بادام بھی ہمراہ ہوتے۔ سردی ہو چاہے گرمی انیقہ کی آئس کریم بھی ضرور ہوتی اور ہادیہ کے لیے فرائی فش لانا بھی وہ کبھی نہیں بھولتے تھے۔ عجیب سا پیار عجیب سا لگاؤ ان سب رشتوں کے درمیان اور ان سب کے لیے گل ماموں ایک رول ماڈل تھے۔ ایک انسپائریشن...... ایک آئیڈیل اور شاید دنیا کی ہر خوب صورتی سے کہیں بڑھ کر پُرکشش۔
ہادیہ کی دوستیں حیران ہوتی تھیں کہ ہمارے بھی ماموں ہیں مگر وہ تو ہم سے اس قدر پیار نہیں کرتے۔ لیکن ہادیہ مسکرا دیتی تھی آسودگی اور محبت سے کیونکہ اس کی ماں...... اور اس کی ماں کے وجود سے منسلک تمام رشتے اسے بے حد انوکھے بے حد متاثر کن لگا کرتے تھے۔ وہ رات دن خواب ہوگئے

تھے۔ ماں کیا دور ہوئی یہ سب محبتیں بھی جیسے کھو سی گئیں۔ انہیں دنوں بڑی امی کی واپسی کی خبر ملی۔ دونوں ہی بے چین ہو اٹھیں۔ جس جس کو خبر ملی پتہ چلا ان سے ملنے چلا گیا۔ بس ایک وہ تھیں جو ان سے ملنے نہیں جا سکتی تھیں۔

شام کو جب سب چچا اور عارف علی صحن میں بیٹھے رات کا کھانا کھا رہے تھے تب منجھلے چچا نے ہادیہ کی طرف دیکھا۔ اس کا اترا ہوا چہرہ خلاف معمول سا لگا۔

"ہادیہ...... کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟"

"جی چچا......" وہ ان سے بہت ڈرتی تھی اور جب سے انہوں نے اس سے زمین پر ناک سے لکیریں کھنچوائی تھیں ان سے وہ دور ہی ہو گئی تھی۔ ویسے بھی ماہین کے جانے کے بعد بس تایا ابو اور تائی امی نے ہی ان کا بہت خیال رکھا تھا۔ دونوں چھوٹی پھوپوؤں کی شادیاں ہو گئی تھیں وہ تو اپنے اپنے گھر میں مصروف زندگی گزار رہی تھیں۔ بڑی چچی ویسے بھی اپنے گھر اپنی فیملی کے علاوہ نہ کچھ سوچتی تھیں نہ کرتی تھیں۔ منجھلے چچا کی بیوی کچھ ہمدرد لگی۔ لیکن وہ شوہر سے دبی تھی۔ منجھلے چچا کی بات پر شاید پہلی بار عارف علی نے بھی غور سے اپنی بیٹیوں کے چہروں کی طرف دیکھا۔ پھول جیسے گال سرسوں کی طرح زرد تھے۔ جھکی آنکھوں کے ساتھ سامنے رکھی روٹی سے چھوٹے چھوٹے نوالے توڑ کر کھاتی وہ دونوں بے حد اکیلی اور ادھوری سی دکھائی دیں۔ پہلی بار عارف علی کو کچھ ہوا۔

"ہادیہ انیقہ ادھر آؤ پتر......" روٹی سے خود بخود ہاتھ کھنچ گیا۔ وہ دونوں اٹھ کر اس کے قریب آ گئیں۔

"کیا بات ہے کھانا ٹھیک سے کیوں نہیں کھا رہیں تم دونوں؟ کتنی کمزور کمزور لگ رہی ہو...... بھابی آپ ان کا دھیان نہیں رکھتیں۔ میں نے آپ پر انحصار کر کے انہیں یہاں اپنے پاس رکھا ہے۔"

"میں تو رکھتی ہوں خیال...... جتنا ہو سکتا ہے مگر ماں کی کمی تو پوری نہیں کر سکتی۔ جتنا پیار بھی کروں۔ ماں کی تو اپنی جگہ ہوتی ہے ناں بھائی میرے۔" تائی امی کے اندر غصہ تو بہت بھرا ہوا تھا لیکن انہوں نے حتی الامکان اپنے لہجے کو تلخ ہونے سے روکا۔

"پھر......؟"

"کیا پھر......؟ ڈیڑھ ماہ ہو گیا ہے ماں سے دور رہ رہی ہیں۔ ایک دن بھی ڈھنگ سے کھانا کھایا نہ ڈھنگ سے سوئیں۔ ذہن بدلنے کو اسکول کا ماحول بہتر تھا تو ادھر سے بھی تم نے منع کر دیا۔ اب بچیاں اتنی سمجھ دار نہیں ہیں جو حالات سے سمجھوتا کرنے کی اہلیت رکھتی ہوں۔" واحد تائی امی تھیں جن کی بات کبھی کبھی عارف علی دھیان سے سن لیتا تھا۔ باقی گھر والوں میں سے کسی نے بھی اسے نصیحت کر کے اپنے گلے ڈالنے کی کوشش نہیں تھی۔

"چلیں میں ان ہی سے پوچھتا ہوں کہ آخر یہاں کیا مسئلہ ہے۔ ماں کی طرح ان کا دم گھٹتا ہے یہاں یا کچھ اور پریشانی ہے۔ ہاں ہادیہ پتر بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟" عارف علی کی اتنی توجہ نہ ہادیہ نے کبھی دیکھی تھی نہ انیقہ نے۔ ان کے وجود پر گھبراہٹ کے مارے ہلکی ہلکی لرزش طاری ہو گئی۔

"گھبراؤ نہیں...... بتاؤ کچھ نہیں کہتا میں......" عارف علی کے لہجے میں نرمی کی رمق محسوس کر کے ہادیہ نے ہمت کی۔

"ابو...... دن کو کوثر بھائی آئے تھے۔ وہ بتا رہے تھے کہ بڑی امی حج سے واپس آ گئی ہیں۔ آپا جی اور ان کے گھر والے سب ان سے ملنے چلے گئے۔ بس ہم نہیں گئے۔"

"ہم...... تو تم اپنی تائی کے گھر جانا چاہتی ہو۔" عارف علی نے گہری نظروں سے گھبرائی ہادیہ اور اس کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرتی انیقہ کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے...... تیاری کر لو صبح تمہارے تایا ابو تمہیں لے جائیں گے۔" وہ تو کہہ کر چلا گیا۔ مگر کتنی ہی دیر ہادیہ اور انیقہ دونوں کو ہی اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ اتنے دن اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہنے والا عارف علی اتنی آسانی سے مان گیا تھا۔ وہ اپنی ماما جی کے پاس جا سکیں گی یہ خیال ہی کس قدر خوش کن تھا۔ تائی امی نے بھی مسکراتی نگاہوں سے یک دم مطمئن ہوتی ہادیہ اور انیقہ کو دیکھا اور پیار سے انہیں اپنے گلے لگا لیا۔

پھر رات کو ہی ان کے کپڑے اسکول کی ساری چیزیں

تائی امی نے ایک بڑے سے بیگ میں سلیقے سے رکھ دی تھیں۔ ان کے جانے کی تیاری مکمل تھی اور صبح کا بے چینی سے انتظار تھا۔

❁.......❁.......❁.......❁

علی حسن صاحب نے شہباز کو خاصا سراہا تھا۔ اس کی خود داری انہیں بے حد اچھی لگی تھی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اسے اسی ہوٹل میں جاب کے حوالے سے مشورہ بھی دے ڈالا۔ جس میں وہ خود ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ عرصہ مینجر کی حیثیت سے کام کرتے رہے تھے۔ اس ہوٹل کا مالک اگرچہ فرانسیسی تھا لیکن ان کی دیانت داری اور خلوص کے ساتھ کام کرنے کی وجہ سے انہیں خاصا پسند کرتا تھا اس مشورے کے جواب میں شہباز نے بس اتنا ہی کہا۔

"انکل ابھی مجھے اپنی قسمت آزمانے دیجئے۔ جہاں کہیں ضرورت محسوس کی میں آپ کو آواز دے کر بلانے میں ذرہ برابر جھجکوں گا نہیں۔" اس کی یہ بات واضح کررہی تھی کہ وہ اپنی وجہ سے انہیں مزید تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا علی حسن صاحب نے بھی اس کی خودداری کو ٹھیس لگانا مناسب خیال نہ کیا۔

"اوکے برخوردار...... ایز یو وش۔ خدا تمہیں کامیاب کرے ہماری دعائیں تمہارے لیے ہیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

"بے حد شکریہ انکل...... آپ کی دعاؤں کی تو بے حد ضرورت ہے اور رہے گی اور اس کے ساتھ ساتھ اینا آنٹی کے ہاتھ کی مزیدار سی کافی کی بھی۔"

"دیکھ لیں اینا علی حسن ایک ہم ہی نہیں آپ کو مکھن لگانے والے...... ایک اور مجاہد بھی اس میدان کارزار میں اترے ہوئے ہیں۔ اب تو کافی بنتی ہے یار اسٹرونگ سی مزیدار کیوں بیوی...... کیا خیال ہے۔" انہوں نے قریب ایزی چیئر پر نیم دراز اینا علی کی طرف دیکھ کر شرارت سے کہا جو ان کی تمام باتیں سن لینے کے باوجود اس طرح ظاہر کررہی تھیں جیسے ان کی ساری توجہ اس کتاب کی طرف ہے جسے کچھ دیر پہلے وہ پڑھ رہی تھیں۔

"آں...... آپ نے کچھ کہا...... میں نے سنا نہیں۔"

"یہ اس بات کا اشارہ ہے شہباز بیٹا کہ ہمیں آج مسز علی حسن کے ہاتھ سے تیار کی گئی کافی سے محروم رہنا پڑے گا۔" علی حسن صاحب نے مصنوعی اداسی سے کہا۔

"کیا واقعی اینا آنٹی...... آج آپ ہمیں کافی نہیں پلائیں گی۔"

"اگر صرف عالی نے کہا ہوتا تو بالکل نہیں مگر اب میرے بیٹے نے کہا ہے تو ضرور پلاؤں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"چلو برخوردار تمہارے طفیل ہمیں بھی محترمہ پوچھ رہی ہیں تو احسان ہے ان کا۔"

شہباز نے ان بیتے دنوں میں غور کیا تھا کہ علی حسن شروع کے دنوں کی نسبت اب زیادہ وقت اسٹوڈیو میں نہیں گزارتے تھے بلکہ لاؤنج میں آبیٹھتے تھے اور شہباز اور اینا کے ساتھ بہت خوشگوار موڈ میں گپ شپ کرتے تھے۔ ایک طویل عرصہ کہیں نہ آنے جانے والے علی حسن کل صبح باہر گئے تھے اور آکر انہوں نے بتایا تھا کہ وہ اسی ہوٹل گئے تھے جہاں کچھ عرصہ انہوں نے ملازمت کی تھی۔ وہ شہباز کو وائٹ کالر جاب دلانا چاہتے تھے اور ہوٹل کے مالک نے حامی بھی بھرلی تھی لیکن شہباز کی اپنے بل بوتے پر کام کرنے کی خواہش کو دیکھتے ہوئے وہ خاموش ہوگئے تھے۔

شہباز جانتا تھا۔ انہوں نے سچے دل سے اسے اپنا مانا تھا اور پورے خلوص سے اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ کہیں نہ کہیں اس نے ان کے اندر کا ان کے گھر کا خلا پُر کردیا تھا۔ شاید اس گھر کے اندر اس کے وجود میں میکال حسن کو دیکھ رہے تھے ان کے گھر کے در و دیوار پر چھائی سکوت اور جمود کی کہر شہباز کے آنے سے ٹوٹ چکی تھی وہ اس کے وجود کے عادی ہوگئے تھے اس کے لیے کچھ کرکے انہیں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ یہ سب اپنے میکال حسن اپنے لختِ جگر کے لیے کررہے ہیں۔ محبت بھرا یہ قیمتی رشتہ انسانیت کا رشتہ تھا دل کا رشتہ تھا جذبات اور خلوص کا تعلق تھا یہ جس میں کچھ لو اور کچھ دو کا اصول نہیں چلتا۔ بس اپنی ذات کو منہا کرکے

دوسرے کو اہم جانا اور سمجھا جاتا ہے۔ یہ احساس نہیں ہوتا کہ دوسرا ہمارے لیے قربانی دے یا ہماری قربانیوں کو اہمیت دے بس انسان بھلائی کیے جاتا ہے اچھائی بانٹتے چلا جاتا ہے اور یہی رشتہ یہی تعلق تھا علی حسن...... اینا علی اور شہباز علی کے درمیان۔

❀......❀......❀......❀

مسٹر برکلے کے کنسٹرکشن بلاک میں زیادہ وقت تک وہ کام نہیں کر پایا تھا۔ پلازہ تکمیل کے آخری مراحل میں تھا اسے یہاں ایک ماہ ہی کام کرنے کا موقع مل سکا پورے ماہ کی کمائی میں سے چند سو فرانک اینا آنٹی کو دیئے تو وہ کچھ خفا سی ہوگئیں۔

"اینا آنٹی آپ کیوں خفا ہوئیں؟" شہباز ان کے قدموں کے قریب نیچے زمین پر بیٹھ گیا۔

"تم یہ پیسے مجھے کیوں دینا چاہتے ہو شاہ باز؟" انہوں نے اپنی گہری نیلی آنکھیں اس کے چہرے پر مرکوز کردیں۔ جن میں ناراضگی شکوہ اور اداسی ایک ساتھ آ گئی تھی۔

"اینا آنٹی اگر میکال حسن یہ پیسے آپ کو دیتا تب بھی آپ یہ سوال کرتیں...... نہیں ناں...... تب تو آپ دھونس اور پورے حق سے اس سے وصول کرتیں۔ تو پھر میرے لیے یہاں آپ کے اصول میں تفاوت کیوں؟ میں جب سے اس گھر میں آیا ہوں مجھے ایک پل بھی اجنبی ہونے کا احساس نہیں دلایا گیا۔ ہر جگہ مجھے یہی باور کرایا گیا کہ میں میکال حسن نہیں تو اس گھر کے لیے اس سے کم بھی نہیں ہوں...... پھر آج اگر میں اس گھر کا بیٹا ہونے کا فرض پورا کرنے چلا ہوں تو آپ خفا کیوں ہوگئیں آنٹی۔" شہباز ان کے گھٹنوں پر ہاتھ دھرے، بہت نرمی سے کہنے لگا۔

"شہباز ٹھیک کہہ رہا ہے اینا...... جب ہر معاملے میں ہر حوالے سے ہم نے اسے اپنا بیٹا تسلیم کیا ہے تو پھر یہ فرق رکھ کر تم اسے پرایا مت کرو۔" علی حسن بھی ان کے قریب چلے آئے۔

"پورے مان اور فخر سے اپنے بیٹے کی پہلی کمائی لو...... جس کے ہاتھوں کے چھالے اس بات کے گواہ ہیں کہ حلال رزق کماتے ہوئے اس کا خون جلا ہے مشقت کی چکی میں پس کر اپنے خوابوں کو رہن رکھ کر یہ چند سکے جو کما کر لایا ہے دنیا کی ہر قیمتی سے قیمتی چیز سے بڑھ کر ہیں یہ...... جیتے رہو بیٹا...... خدائے واحد تمہارے وجود کے ذریعے تمہاری ماں کے کلیجے کو ٹھنڈک پہنچائے تم جیسے بیٹے ماں کا فخر اور بہنوں کا مان ہوا کرتے ہیں۔ جیتے رہو۔" وہ اس کا سر تھپک کر آگے بڑھ گئے۔

اس نے ساٹھ ہزار روپے پاکستان بھجوائے جس میں خاص طور پر بیس ہزار ماہین کے لیے تھے۔ فون پر سب سے تھوڑی تھوڑی بات کر کے شہباز نے ماہین سے بچیوں کا پوچھا تو وہ رو پڑیں۔

"ڈیڑھ ماہ سے بچیاں میرے پاس نہیں ہیں گل...... تمہارے بھائی نے گھر سے نکال دیا ہے مجھے۔ ہادیہ اور لائقہ کو اپنے پاس رکھ لیا ہے۔"

"کیوں کس لیے؟" شہباز کا کلیجہ چھلنی سا ہوگیا تھا یہ سن کر۔

"باقر کے لیے نیلم کا رشتہ مانگ رہے تھے میں نے کہا امی جی کبھی بھی نہیں مانیں گی میں اگر خوش ہوتی تو باقی دونوں بیٹیاں وہ نہیں دیتیں۔ بس اس بات پر بہت ہنگامہ کیا۔ سامان سمیت گھر سے نکال دیا اور دونوں بچیوں کو اپنے پاس رکھ لیا۔" ان کی آنکھیں ساون کی طرح برس رہی تھیں۔

"بی بی...... بی بی آپ اس طرح روئیں نہیں...... مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ کا بھائی زندہ ہے ابھی۔ آپ کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" کچھ دیر تسلی اور دلاسا دینے کے بعد شہباز نے فون بند کردیا۔ لیکن روح کے اندر عجیب سی بے چینی اتر آئی۔ اس کی بی بی اس کی بہن پریشان تھی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے تو شہباز کو چین کیسے مل سکتا تھا۔ وہ جلے پیر کی بلی کی طرح ادھر ادھر چکراتا پھرا۔ اینا آنٹی اس کی یہ حالت دیکھ کر بے حد فکرمند ہوگئیں۔

"شاہ باز خیر ہے ناں...... پاکستان میں سب خیر تو ہے ناں۔"

"جی اینا آنٹی...... میری امی جی تو ج سے واپس آ گئی ہیں۔ خیر خیریت سے...... رب کے کرم سے وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔"

"پھر تم کیوں پریشان ہو مائی سن؟"

"اینا آنٹی میری بی بی میری بڑی بہن بہت دکھ میں ہے۔ بچپن سے اذیت کے سوا اس کے حصے میں کچھ بھی نہیں آیا اور اب اس سے اس کے بچوں کو بھی دور کر دیا گیا ہے آپ سمجھ سکتی ہیں ناں اینا آنٹی ایک عورت جب ماں بن جاتی ہے تو بس پھر وہ ماں ہی ہوتی ہے اور کسی رشتے کی گنجائش نہیں رہتی اس کے دل میں اور میری بی بی تو ہر رشتے ہر تعلق میں محبت ہی محبت ہے۔ بس...... اس نے بہت دکھ سہے مگر کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائی۔ کبھی آنسو نہیں آئے بہت صابر ہے وہ مگر آج وہ رو رہی تھی اینا آنٹی...... آج اس کے صابر و شاکر دل کے ٹکڑے ہو گئے...... ایسا کیوں ہوتا ہے اینا آنٹی جو سہتا ہے اسے مزید سہنے پر مجبور کیوں کیا جاتا ہے اس کے راستے میں مزید کانٹے کیوں بچھائے جاتے ہیں کیوں اس کے صبر کو قدم قدم پر لہولہان کیا جاتا ہے۔" شہباز کی گہری بھوری آنکھیں ضبط گریہ سے سرخ ہو گئیں۔ پیشانی کی رگیں تن گئیں اور آواز بھرا گئی تھی۔

"ارے ارے نہیں بیٹا تم تو بہت بہادر ہو بے حد جری اور حوصلہ مند...... تم ہمت کیسے ہار سکتے ہو جس بہن کا تم جیسا بھائی ہو تو سمجھو اس نے سب کچھ کھو کر بھی سب پالیا۔ تم سے اس کی ڈھارس ہے تم اس کا مان ہو اگر تم ہمت ہار بیٹھو گے تو کیسے چلے گا۔" اینا آنٹی نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"وہ پڑھنا چاہتی تھی...... کچھ بننا چاہتی تھی لیکن امی جی کے فیصلے کے سامنے سعادت مند بیٹیوں کی طرح سر جھکا کر اس نے اپنی زندگی کے لیے جہنم خرید لی۔ بیٹیاں پیدا کرنے کے جرم میں اس گھر میں اس پر سلسلہ حیات تنگ کر دیا گیا مگر اس نے اف نہ کہا۔ ایک بے انتہا خوب صورت بیٹے کو جنم دیا تھا اس نے لیکن وہ ننھا فرشتہ باپ کی عدم توجہی اور بے نیازی و بے پروائی کا شکار ہو کر مر گیا۔ بی بی نے یہ درد بھی سہہ لیا۔ قدم قدم پر خراج دیتی آئی ہے وہ لیکن اب کی بار اس کے کلیجے کو ہی چیر کر رکھ دیا گیا ہے وہ کیسے جی پائے گی اینا آنٹی...... وہ نہیں جی سکے گی میں اپنی بہن کو جانتا ہوں وہ تو جیتی ہی ان دونوں بیٹیوں کی خاطر تھی۔ عارف علی تم نے کس جنم کا بدلہ لیا ہے ہم سے...... ہم نے تو کچھ بھی نہ بگاڑا تھا تمہارا۔" آخری جملے شہباز کے لبوں سے نکلتے نکلتے سرگوشی میں ڈھل گئے۔

اینا علی اس کی کیفیت اس کا درد سمجھ رہی تھیں لیکن بے بس تھیں وہ جانتی تھیں شہباز ایک بے حد حساس اور درد مند دل رکھنے والا انسان تھا۔ جو دوسروں کا درد بانٹنے میں لگا رہتا ہو اپنوں کے لیے اس کے دل میں کس قدر جگہ ہو گی۔

سوعیب ہوں گے مجھ میں مگر آج بھی مجھے
اپنوں سے خفا ہونے کا انداز نہ آیا

اس کے خوابوں میں کہیں اس کا اپنا گزر نہیں تھا۔ اس کی ماں تھی اس کی بڑی بہن اس کے چھوٹے بھائی بہن بس یہی اس کی کل کائنات کل سرمایہ حیات تھا۔ وہ جانتی تھیں تسلی کے چند بول اس کے زخموں کا مرہم نہیں بن سکتے تھے اس وقت تنہائی اس کی بہترین رفیق تھی اس لیے کچھ وقت کے لیے اکیلا چھوڑ دینا ہی مناسب تھا۔ وہ خاموشی سے اس کا کندھا تسلی آمیز انداز میں تھپک کر کمرے سے باہر چلی گئیں اور شہباز اپنے دل میں اٹھتے درد کو دبانے کی کوشش میں بے حال و پژمردہ بستر پر ڈھے سا گیا۔

(انشاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

حجاب گرم ہوتا ہے

حمیرا نوشین

''چاندی کا جھومر چوڑے والا زیادہ بھرا ہوا نہ ہو' بیچ میں جالی کا ڈیزائن بنادے۔ پیروں کے لیے جھانجھر اور گلے کی مالا بس یہ تینوں چیزیں کافی ہیں اسی میں سج جائے گی میری رانی۔'' ندرت بیگم نے خوش ہوتے ہوئے آرڈر لکھوایا۔

''بس...... یہ تین چیزیں' سوچ لو کوئی اور چیز نہ رہ گئی ہو سنگھار کے لیے۔'' مسعود جل کر بولے۔

''فی الحال تو میرے ذہن میں یہی ہیں اگر کوئی اور چیز یاد آگئی تو میں بتادوں گی۔'' وہ اپنی دھن میں بولیں۔ ''ہاں' مہندی رانی کو خود اپنے ہاتھوں سے لگاؤں گی آخر میرے بھی ارمان ہیں۔''

''امی...... مہندی کا خیال آپ دل سے نکال دیں' ٹیڑھے ترچھے چاند تارے بنا کر ساری خوب صورتی کا بیڑہ غرق کردیں گی۔ میرے دوست کی بہن بیوٹیشن ہے میں نے اس سے بات کی ہے' دو دن پہلے آ کر لگادے گی۔'' بلو نے ان کے ارمانوں پر اوس ڈالی تو وہ خاموش ہوگئیں۔

''اچھا اب ادھر بھی نظر ڈال لو' دوست' احباب' رشتہ دار' محلہ پڑوس کل ملا کر ستر بندے بن رہے ہیں۔ روٹی کی بجائے روغنی نان اور میٹھے میں زردے کی جگہ رس ملائی ہوگی اور ٹھنڈی بوتلیں تو ہیں ہی مشٹ (Must)۔'' ان کے انگریزی کے اس خوب صورتی سے استعمال پر سب کے لبوں پر مسکان دوڑ گئی مگر مسعود صاحب اتنی لمبی لسٹ سن کر پسینے میں نہا گئے چکرا کر گرنے ہی لگے تھے کہ پپو نے بڑھ کر سہارا دے کر بٹھایا۔

''دماغ تو درست ہے تمہارا' اتنے لوگوں کا کہاں سے بندوبست کروں گا میں۔ کسی بینک میں ڈاکہ ڈالوں یا کسی راہ گیر کو لوٹوں۔ میرے بس سے باہر ہے کام' میری اتنی حیثیت نہیں کہ میں یہ سب خرچہ برداشت کروں۔'' انہوں نے صاف انکار کردیا۔

''اے تمہارے تو خاندان کا شروع سے یہی وطیرہ رہا ہے جہاں خرچے کی بات ہوئی دل تھام کر بیٹھ گئے نہ میں پوچھتی ہوں کہاں جاتی ہے ساری کمائی۔ کون سی میری سوتن پہ لٹا کے آتے ہو سارا دھن' ذرا مجھے بھی تو پتا چلے۔'' پل میں ان کے تیور بدل گئے۔

''تمہارے سے کچھ بچے گا تو کسی اور پر لٹانے کی نوبت آئے گی ناں' جیبیں تک تو جھاڑ لیتی ہو تم۔'' وہ بھی غصے سے پھنکارے۔

''جیبیں نہ جھاڑوں تو کیا کروں' کون سا مجھے خزانہ دیتے ہو۔ پورا گھر چلانا ہوتا ہے یہ میرا ہی جگر ہے کہ آج کے دور میں مٹھی بھر پیسوں سے سارے خرچے پورے کررہی ہوں۔ ہر آئے گئے کو اچھا کھلایا اولاد کے پہناوے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ تمہاری پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے قورمہ پکا پکا کر کھلاتی ہوں' اپنی ذات پہ دمڑی بھی خرچ کرنے سے گھبراتی ہوں۔ مجھے پتا ہے اتنی سی رقم میں یہ سب کچھ کس طرح مینج (Mannage) کرتی ہوں۔'' انہوں نے پھر انگریزی پر چار چوٹ کی مار ماری۔

''اوہو آپ لوگ بھی کس بحث میں پڑ گئے' بات سعودیہ کی ہورہی تھی پہنچ گئے امریکہ۔ اس کا تو کام ہی ہمیشہ ایک دوسرے کو لڑوانا ہوتا ہے آپ دونوں ہوش کے ناخن لیں غیروں کو باتیں بننے کا موقع کیوں دے رہے ہیں۔'' کاشی نے بیچ میں مداخلت کی۔

''اور ابا جب آپ کو پتا ہے کہ امی کی ضد کے آگے آپ کی دال نہیں گلے گی تو کیوں اپنے آپ کو بحث کر کے ہلکان کر رہے ہیں ہونا تو وہی ہے جو امی چاہیں گی اس لیے آپ کی بہتری اسی میں ہے کہ چپ چاپ ہاں کر کے پیسوں کا بندوبست کریں۔'' اس نے باپ کی طرف مخاطب ہو کر جھگڑا نمٹانا چاہا تو وہ بے بس ہو کر ندرت بیگم کو گھورتے ہوئے باہر نکلنے لگے اور وہ ان کے میدان چھوڑنے پر اپنی کامیابی پر خندہ لب ہوئیں۔

''تھوڑے عرصے کے لیے کسی یار دوست سے قرضہ ورضہ لے لینا' اگر پیسے کم پڑ جائیں۔ تمہارے نکھٹو بھائی تو اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے کچھ امید رکھی جائے یہ موقع روز روز نہیں آتا۔'' دروازے سے نکلتے نکلتے ندرت کے الفاظ مسعود کو تپا گئے۔

❁......❁......❁
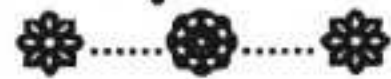
''کیا بات ہے امی' آج بڑی چپ چپ سی ہیں' ابا نے آپ کے سارے مطالبات مان لیے ہیں پھر یہ خاموشی کس طوفان کا پیش خیمہ ہے۔''

''تم بھی اپنے ابا کی زبان بولنے لگے' مجھے ہی سارے قصوروار سمجھنا۔''

''میری پیاری والدہ اپنے لخت جگر کو معاف کردیں' زبان پھسل گئی' دراصل آپ کی چیخ وپکار ہمارے دل بھی نہ ہل جائیں تو کچھ مزا نہیں آتا۔'' کاشی نے کہتے ہوئے ماں کے گلے میں بانہیں حمائل کیں اور ندرت نے اس کے سر پر ایک چپت رسید کی۔

''میری خامیوں کی نشان دہی بڑے میٹھے طریقے سے کرنی آتی ہے تم باپ بیٹوں کو۔'' وہ ہنستے ہوئے شکوہ کناں ہوئیں' ساتھ ہی اپنی خامی کا اعتراف بھی کرلیا' کاشی بھی ہنسنے لگا۔

''رانی کی جدائی کا خیال آنکھوں کو پانی سے بھر دیتا ہے اتنے دنوں کا ساتھ چھوڑنا آسان تو نہیں ہوتا۔'' وہ آبدیدہ ہوئیں تو وہ بھی افسردہ ہوگیا۔

''سچ کہہ رہی ہیں امی آپ...... رانی نے ہمیں کبھی تنگ نہیں کیا جہاں لے کر گئے چلی گئی' جو دیا کھالیا کتنی کتنی دیر باہر رہی مگر گلی کے کسی گھر سے شکایت نہیں آئی۔ بچے بڑے سب رانی سے خوش ہیں مجھے بھی رانی کے بغیر رہنے کا خیال پریشان کردیتا ہے۔''

''میں بھی تو اسی لیے زیادہ سے زیادہ وقت رانی کے پاس گزارتا ہوں چند دن کی مہمان ہے پھر تو عمر بھر کی جدائی ہے۔'' پپو بھی ان کی باتیں سن کر وہیں چلا آیا۔

''تم دونوں اس کی خوراک کا خوب خیال رکھا کرو اس کے آس پاس رہا کرو' یہ دن اس کے لیے اداسی کے ہیں اس کا دل بہلایا کرو' روزانہ گھمانے لے جایا سے جب تک اس گھر کے درودیوار کے ساتھ ساتھ

کرو۔'' ندرت بیگم نے کہا تو دونوں بیٹوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اداس نہ ہوں امی' ہماری رانی اکیلی تھوڑی جارہی ہے یہ دن تو سب پر آتا ہے۔ حوصلے سے کام لیں' چلیں اٹھیں سب رانی کے پاس چل کر بیٹھتے ہیں آپ کا دل بھی بہل جائے گا۔'' پپو نے ہاتھ پکڑ کر ماں کو اٹھایا تو وہ بھیگی پلکوں سے اس کے ساتھ چل دیں۔

میرا آنگن اداس کر کے گئی
مورا جی گھبرائے رے
میری نندیا لے کے ساتھ گئی
مورا جی گھبرائے رے
میرے گھر کا سنگھار گئی
مورا جی گھبرا رے

صبح سے رم جھم بارش ہورہی تھی اور ندرت بیگم اس موسم سے لطف اندوز ہونے کی بجائے اداسی بھرا گیت گنگنارہی تھیں۔

''کیا بات ہے اس سہانے موسم میں ایسی افسردگی' ایسے موسم میں تو تم لہک لہک کر گاتی تھیں۔

''آئے موسم رنگیلے سہانے' تو چھٹی لے کے آجا بالما...... اور میں بھی فوراً دکان بڑے بھیا کے حوالے کر کے تمہارے ساتھ موسم انجوائے کرتا تھا' بھول گئیں وہ دن۔'' شوخی سے کہتے ہوئے وہ ان کے قریب ہوئے۔

''ہک...... ہا' وہ بھی کیا دن تھے آنگن میں سے موتیے کے پھول توڑ کر خود اپنے ہاتھوں سے گجرا بنا کر مجھے پہنایا کرتے تھے۔'' وہ گزرے وقت میں کھوسی گئیں۔

''تو ایسی کیا بات ہے اب بھی میں یہ کام کرسکتا ہوں' اپنی خوش الحان بیگم کے لیے۔'' لہجے میں سارے جہاں کا پیار اور آنکھوں میں خمار بھر کر وہ مسکرائے۔

''اے بس رہنے دو' اب تو جلی کٹی باتیں سنانے کے علاوہ تمہیں آتا ہی کیا ہے۔'' وہ فوراً اپنی جون میں واپس پلٹیں۔

''تم موقع تو دو گزرے وقت کی سب باتیں دہراؤں گا۔'' وہ کھسک کر مزید قریب ہوئے تو ندرت بیگم کے پورے وجود کا خون سرخی بن کر چہرے پر رقص کرنے لگا۔

''اے چھوڑو بھی جوان اولاد کی موجودگی میں اس عمر میں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔'' وہ شرما کر فاصلے پر ہوئیں تو اسی دم پپو کمرے میں داخل ہوا مسعود گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے' ندرت بھی دوپٹہ مزید درست کرنے لگیں۔

''امی' ابا...... جلدی سے باہر آجائیں' رانی تیار ہے۔'' وہ اطلاع دے کر بھاگا تو وہ دونوں بھی اپنے دل کی حالت کو سنبھالتے باہر کی طرف لپکے۔

''ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ نظر نہ لگے میری لاڈو کو' لاکھوں میں ایک لگ رہی ہے۔ ماتھے کا جھومر' جھانجھر' سب کچھ اس پر پرفیکٹ (Perfect) لگ رہا ہے۔'' وہ اس کی ایک ایک چیز کو چھو کر دیکھنے لگیں اور جلدی سے صدقے کے پیسے اس پر سے وار کے گلی میں صدا لگاتے فقیر کو تھمائے۔ مسعود صاحب بھی رانی کو سراہے بنا نہ رہ سکے اور مسرت و افسردگی کے جذبات لیے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو رانی نے بھی اداس ہو کر سر جھکا لیا۔ دو موٹے موٹے آنسو اس کی آنکھوں سے لڑھک کر ان کے قدموں میں آن گرے تو وہ تڑپ اٹھے' ان کی پلکوں کے گوشے بھی نمناک ہوگئے۔

''امی اب رانی کا خاص خیال رکھنا ہے' سب کی نظر اس کے زیورات پر ہے' ہزاروں مالیت کی چاندی ہے اور حسین بھی تو دیکھو کتنی لگ رہی ہے نظر لگنے کا اندیشہ ہے اور ہاں پپو...... آج شام جب ہم اسے گھمانے لے جائیں گے تو دونوں دائیں بائیں رہیں گے۔'' پپو نے گردن ہلا کر اس کی دانش مندی کا اعتراف کیا۔

''امی کوئی تعویذ اس کے گلے میں ڈال دیں' گلی کے نکڑ والے حمید صاحب کا رانجھا تو اسے کئی دنوں سے تاڑ رہا ہے۔''

''تاڑ لینے دو جس کی امانت ہے پہنچے گی تو وہیں اور حمید صاحب نے بھی تو ساری عمر یہی کام کیا بڑھاپے کو چھو رہے ہیں پر آنکھ کا ڈیلا اِدھر اُدھر گھومتا ہی رہتا ہے۔ اس حمید کی وجہ سے گلی کی عورتوں نے نکلنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اس عمر میں بھی آنکھ میں ایسی گرمی ہے کہ جوان لڑکیوں کا بدن بھی جھلسا ڈالے۔ کم بخت جس گلی سے بھی گزرو' نکڑ پر پیلے دانت نکوسے کھڑا رہتا تھا وہ تو شکر ہے کہ تین گلیاں لگتی ہیں ہماری اس گلی کو۔ دور ہی سے شکل دیکھ کر جلدی سے اگلی گلی پکڑتی تھی' لمبے لمبے ڈگ بھرتی گھر میں ایسی گھستی جیسے اندھا بیل پیچھے پڑ گیا ہو۔ تمہارے ابا نے تو میرا گھر سے نکلنا ہی بند کر دیا تھا۔'' انہوں نے اگلے پچھلے سارے قصے کھنگالے۔

''اوہو تم بھی جوان اولاد کے سامنے کیا ذکر لے بیٹھیں تمہیں تو نیوز بلیٹن میں ہونا چاہیے تھا۔ ہر بات کی تفصیل بیان کرتی ہو۔'' مسعود ان کے بے تکان بولنے پر جھنجھلا گئے جبکہ بچے اپنی ماں کی عادت کو جانتے ہوئے رانی کے ساتھ مگن تھے ہزار دفعہ کے سنائے ہوئے قصے میں انہیں چنداں دلچسپی نہ تھی۔

گلی کی عورتیں بچے سب رانی کو دیکھنے آنگن میں جمع تھے' کوئی خاتون مہندی کو چھو کر دیکھتی تو کوئی ماتھے کے جھومر کی تعریف کرتی۔ ندرت بیگم کا سیروں خون بڑھ گیا جس مقصد کے لیے اتنا خرچہ کیا گیا تھا اس کے پورا ہونے پر باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔

''بھئی دل تو مسعود بھائی اور ندرت آپا کا ہے رانی کو صحیح معنوں میں رانی بنایا ہے' دیکھ دیکھ کے دل خوش ہو رہا ہے کیسا روپ چڑھا ہے۔ آج یہ حال ہے تو اس دن تو چھب ہی نرالی ہوگی' مان گئے بھئی ندرت آپا تمہاری دریا دلی کو۔'' کسی خوشامدی عورت نے

نظم

ہوا تو کچھ بھی نہیں
بس تھوڑے سے مان ٹوٹے ہیں
تھوڑے سے خواب بکھرے ہیں
تھوڑے سے لوگ اجڑے ہیں
ہوا تو کچھ بھی نہیں
بس تھوڑی سی نیندیں اڑی ہیں
تھوڑی سی خوشیاں چھن گئی ہیں
تھوڑا سا چین گنوایا ہے
ہوا تو کچھ بھی نہیں
بس اپنا آپ گنوایا ہے
آنکھوں کو رونا سکھایا ہے
محبتوں کا صلہ پایا ہے
ہوا تو کچھ بھی نہیں
دلوں کو اجاڑا ہے

سمیرا تعبیر ...... سرگودھا

تعریفوں کے پل باندھے' جس دن رانی کی رخصتی تھی اس دن دعوت کھانے بھی تو آنا تھا۔

اتنی تعریفیں سن کر ندرت بیگم کا پھولا ہوا وجود مزید پھولتا جا رہا تھا اور برآمدے میں بیٹھی شہزادی کا جل جل کر برا حال ہو رہا تھا۔

''ہونہہ یہ سب دنیا دکھاوا ہے' ریاکاری سے کام لیا جا رہا ہے پتا چل جائے گا اچھی طرح۔ ایک دن تو حقیقت سامنے آئے گی ہی ناں پھر پچھتاوؤں کے سوا ان کے پاس کچھ نہ ہوگا یہی کام سادگی سے بھی ہو سکتا ہے نمود و نمائش پر ہزاروں روپے خرچ کر دیئے اصل مقصد کو فراموش کر دیا۔'' وہ کڑھتی ہوئی سوچے جا رہی تھی۔

''آجا شہزادی تُو بھی رانی پر کچھ پڑھ کر پھونک دے۔ دیکھو تو کیسی سجی ہے۔'' انہوں نے آواز دے کر بلایا۔

''میں نے پڑھ کر پھونک دیا ہے' اللہ اسے اس کے اصل مقام تک پہنچائے۔'' اس نے وہیں سے بیٹھے بیٹھے جواب دیا تو ندرت بیگم اس کی بے رخی پر جل گئیں۔

''ناس پیٹی...... مجال ہے جو کبھی کسی بات پر خوش ہو جائے' خاندان پر گئی ہے ہر وقت گناہ' ثواب' سادگی کے چکر میں پڑی رہتی ہے۔'' وہ بڑبڑا کر پھر سے رانی کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

❀......❀......❀

جس نے بھی سنا انگشت بدنداں رہ گیا' ندرت بیگم غش کھا کر گر پڑیں۔ مسعود صاحب کے کندھے جھک گئے وہ پل میں برسوں کے مریض لگنے لگے۔ کاشی' پپو کے چہروں پر مردنی چھا گئی جس صبح رانی کی اس گھر سے رخصتی تھی اسی رات رانی زیورات سمیت گھر سے بھاگ گئی۔ پورا محلہ تلاش میں نکل پڑا' سب جگہ چھان ماری رانی کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا۔

''ہائے ہائے نظر کھا گئی میری رانی کو پتا نہیں کس کے کلیجے میں آگ لگی تھی' کس دشمنی کا بدلہ ہم سے لیا گیا ہے نہ میں پوچھتی ہوں پچھلا دروازہ کس نے کھولا تھا وہیں سے نکلی ہے۔'' ندرت بیگم نے خود ہی اندازہ لگایا۔

''اور تم تو منہ لٹکا کر بیٹھ گئے' باہر جاؤ تھانے میں رپورٹ درج کراؤ ہماری رانی ہمارے جگر پر گھونسا مار کر نکل گئی۔'' انہوں نے مسعود صاحب کو جوش دلایا۔

''کوئی فائدہ نہیں اس سب کا اب' جتنے پیسے اس پر لگائے تھے ناں اس سے زیادہ رقم تھانے کچہری میں لگ جائے گی۔ بالکل ہی قلاش ہو جاؤں گا میں' دل پر پتھر کی سل رکھ لو جو ہونا تھا وہ ہو گیا' رانی چلی گئی یا کوئی لے گیا' اب تو صبر ہی کرنا پڑے گا۔'' وہ پھر سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ محلے کی خواتین ندرت بیگم کو تسلیاں دینے لگیں جو چسکوں پھسکوں رو رہی تھیں' اتنے میں شہزادی سے بڑی حور گھر میں سسکتی ہوئی داخل ہوئی۔

''ہائے امی یہ کیا ہو گیا' بڑی جگ ہنسائی ہو رہی ہے آپ نے تو دعوت کا بھی سب کو کہہ دیا تھا۔ میری پوری سسرال رات سے فاقہ کیے بیٹھی ہے کہاں چلی گئی ہماری رانی...... راتوں رات کون لے اڑا وہ تو بڑی شریف تھی۔ ضرور یہ کسی کی سازش ہے۔'' وہ ماں کے گلے لگ کر آنسو بہانے لگی یکا یک اس کی نظر شہزادی پر پڑی۔

''سچ بتا شہزادی کہیں تُو نے تو دروازہ نہیں کھولا تھا اس کے لیے تجھے ہی پُرخاش تھی اس سے ورنہ تو اس گھر کا ایک ایک فرد اور محلہ رانی پر جان دیتا تھا۔'' وہ شہزادی کے پیچھے پڑ گئی۔

''صحیح کہہ رہی ہو مجھے بھی اسی پر شک ہے۔ خونخوار نظروں سے گھورتی تھی اس کو اس کی خوب صورتی سے جل گئی رانی پر خرچ کیے پیسوں پر کیسا واویلا کرتی تھی۔ ضرور اس نے نکالا ہے اس گھر سے۔'' ندرت بھی شہزادی کے سر ہو گئیں۔

''امی خدا کا خوف کریں مجھے اس بے زبان سے کیا پُرخاش ہو سکتی تھی یہ سب آپ لوگوں کی نیتوں کا پھل ہے۔ نمود و نمائش اور ریاکاری سے کام لینے کا یہی انجام ہوتا ہے۔ رانی کی قربانی آپ دنیا دکھاوے کے لیے کر رہے تھے' ہزاروں روپے کا زیور اس پر لاد کر سارا دن محلے میں نمائش کرتے تھے۔ کاشی اور پپو اِترا اِترا کر اس کی قیمت بتاتے تھے اور آپ...... آپ تو ہر وقت اس پر کتنا پیسہ لگایا ہے یہی گنواتی رہتی تھیں پھر قربانی کے دن مستحق لوگوں کو گوشت بانٹنے کی بجائے اپنے خاص خاص لوگوں کو بھیجتی تھیں۔ حصے بنانے سے پہلے آدھا گوشت تو آپ کلیجی مسالے کے لیے نکال کر سب کی دعوت اس لیے کرتی تھیں کہ سب کو پتا چلے کہ ہم نے کتنی اچھی قربانی کی ہے۔ پیٹ بھرے لوگوں کو کھلا کر آپ بڑی داد و تحسین سمیٹتی تھیں اور جو سارا سال اس گوشت کے لیے ترستے تھے ان کو آپ چربی اور چند بوٹیوں پر ٹرخا

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

دیتی تھیں۔ قرضہ لے کر ابو سے اتنی بڑی دعوت کا اہتمام صرف نام کرنے کے لیے کرواتی تھیں اس مرتبہ بھی یہی سب کچھ ہورہا تھا‘ اللہ کو آپ کے دکھاوے کی قربانی پسند نہیں آئی اور بھاگ گئی رانی گھر سے۔ میں آپ لوگوں کو قربانی کے اصل مفہوم سے آگاہ کرتی تھی تو آپ لوگ میرے ہی پیچھے پڑ جاتے تھے۔‘‘ شہزادی نے خوب دل کی بھڑاس نکالی اور ندرت بیگم اور حور نے اس کی بات سن کر شرمندگی سے سر جھکالیا سب خواتین بھی شہزادی کی باتوں کی قائل ہوگئیں اور اس کی تائید میں سر ہلانے لگیں‘ مسعود اٹھے اور شہزادی کو گلے سے لگالیا۔

’’میری بچی کی کتنی اچھی سوچ ہے‘ ہمیشہ یہی باتیں تمہاری ماں کو سمجھانے کے لیے میں نے کیں مگر اس نے میری کسی بات پر کان نہ دھرا‘ اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی گناہ گار ٹھہرایا۔ اللہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے۔‘‘ ان کی بات سن کر شہزادی ان کی طرف دیکھ کررہ گئی۔ کاشی اور پپو منہ لٹکائے خالی ہاتھ گھر لوٹے تو ندرت بیگم نے کھڑے ہوکر انہیں اپنے ساتھ لگالیا۔

’’رانی کی تلاش بے کار ہے اس کی فکر چھوڑ کر آئندہ کی فکر کرو‘ آخرت کی سوچو۔ قربانی کے اصل مفہوم کو سمجھو اس پر کن کن لوگوں کا حق ہے اس سب کے بارے میں جانو۔ آئندہ ہم قربانی کا جانور ان شاء اللہ ضرور خریدیں گے پر کسی کو اس کی قیمت کے بارے میں نہیں بتائیں گے‘ خوب اچھا کھلا پلا کر محض اللہ کی خوشنودی کے لیے اس کی خدمت کریں گے۔ لسٹ آئندہ سال بھی ہم سب مل کر بنائیں گے مگر وہ اس سال کی لسٹ سے بالکل مختلف ہوگی‘ ان گھروں میں پہلے گوشت جائے گا جن کے ہاں قربانی نہیں ہوگی۔ سب سے زیادہ اس گوشت کے حق دار وہ بنیں گے جو سارا سال گوشت ایک آدھ بار ہی خرید پاتے ہیں۔ رانی کے اس سال یہاں سے چلے جانے میں خدا کی بہت بڑی مصلحت ہے اس طرح وہ ہماری آنکھوں پر چھائے پردے ہٹانا چاہتا تھا ہر سال شہزادی ہمیں سمجھاتی تھیں پر ہماری عقل میں بات ہی نہیں آتی تھی۔ اس معصوم کو اپنی خوشیوں کا دشمن سمجھنے لگے اسی نے تو ہماری آنکھیں کھولی ہیں‘ اللہ ہم سب کو استقامت دے اور قربانی کے اصل مقصد کو سمجھنے کی توفیق دے‘ آمین۔‘‘ ندرت بیگم خوشی سے بولے جارہی تھیں اور سب تائید میں پورے شدومد سے گردن ہلائے جارہے تھے۔ کاشی اور پپو کے چہرے بھی پُرسکون تھے ہر سال سری اور پائے کی حق دار حور نے بھی آئندہ کے لیے کانوں کو ہاتھ لگائے اور شہزدی ان سب کو دیکھ کر اپنے رب کا شکر ادا کرنے لگی کہ جن کو ذرا دیر سے ہی سہی مگر عقل آگئی تھی۔ اسی دم کھلے دروازے سے حمید صاحب اندر داخل ہوئے۔

’’بھئی مسعود میاں سب کو لے کر ہمارے ہاں آجاؤ‘ رانجھے کی کلیجی کب سے تم لوگوں کو پکار رہی ہے۔‘‘ مخاطب وہ مسعود صاحب سے تھے اور نظریں خواتین پر جمی تھیں‘ سب خواتین نے ان کی اچانک آمد پر اپنے دوپٹوں سے اپنے چہروں کو جلدی سے چھپایا مگر ان کی تاڑو نگاہیں پل میں سب کو تاڑ گئی تھیں۔

’’حمید بھائی آج تو خوشی کے موقع پر ہم نے آپ کو بنا اجازت اندر آنے پر معاف کردیا مگر آئندہ یہ غلطی نہیں ہونی چاہیے۔‘‘ ندرت نے انہیں وارننگ دی تو وہ خجل سے ہوگئے۔ سب ہنستے ہوئے ان کے گھر کی طرف روانہ ہوئے کہ رانجھے کی کلیجی کی خوشبو سے پوری گلی مہک رہی تھی اور گلی والوں کا حق تو سب سے پہلے بنتا ہے ناں پھر اس صورت میں جب ان کے ہاں قربانی کبھی نہ ہوئی ہو۔

میکے کی عید

ماہم علی

"ممما...... ہادی کے پاپا ہادی کے لیے بکرا لے آئے ہیں' پاپا میرا بکرا کب لائیں گے؟" ننھی رمشا نے کچن میں کام کرتی ماں کا دامن پکڑ کر اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

"آ جائے گا بیٹا ابھی تو عید آنے میں کافی ٹائم ہے۔" زویا نے مصروف انداز میں جواب دیا۔

"مگر کب مما' میرے سب دوستوں کے گھر جانور آ گئے ہیں صرف میرے لیے ہی نہیں لائے پاپا۔" رمشا نے منہ بسورا۔

"چندا آپ کے پاپا مصروف تھے نا تبھی آپ کا بکرا نہیں آیا...... اب فری ہوئے ہیں تو سنڈے تک آپ کا بکرا آپ کے پاس ہوگا۔" زویا نے چولہے کی آنچ دھیمی کرتے ہوئے کہا۔

"واہ سچ مما۔" رمشا خوشی سے چلائی۔

"ہاں سچ۔" زویا بیٹی کے خوشی سے چمکتے چہرے کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں ماں بیٹی میں؟" واصف نے کچن کے دروازے سے اندر جھانکا۔

"وہی آپ کی صاحب زادی کی روز کی فرمائش بکرے کی۔" زویا نے مسکرا کر شوہر کو بتایا۔

"اچھا تو میری گڑیا کو بکرے سے کھیلنا ہے۔" واصف نے رمشا کو اٹھا کر پوچھا تو اس نے جھٹ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہادی کا بکرا آ گیا ہے اور اس کا نہیں آیا یہی فکر کھا رہی ہے اسے۔"

"چلیں بیٹا جی' اس سنڈے کو ہم دونوں منڈی جائیں گے اور اپنی بیٹی کی پسند کا بکرا لائیں گے۔ ابھی آپ دادو کے پاس جاؤ وہ بلا رہی ہیں۔"

"تھینک یو پاپا۔" رمشا خوشی سے اچھلتی کودتی باہر چلی گئی تو واصف مسکرا کر اسے دیکھتا رہ گیا۔

"کچھ اسپیشل اہتمام ہو رہا ہے کیا؟" واصف نے مصروف انداز میں کام کرتی زویا سے پوچھا۔

"ہاں روبینہ کراچی جا رہی ہے امی کے گھر تو میں نے آج لنچ پر انوائٹ کر لیا۔" روبینہ زویا کی کلاس فیلو تھی۔ جس کی شادی خالہ کے گھر ہوئی تھی' کچھ عرصہ پہلے ہی وہ لوگ زویا کے گھر کے ساتھ والے گھر میں شفٹ ہوئے تھے۔

"اچھا میں بھی کہوں کیا چکر ہے جو میری بیگم صبح سے کچن میں مصروف ہیں' میں سمجھا میرے لیے کچھ تیار ہو رہا ہے' مگر یہاں تو روبینہ کے لیے اہتمام کیا جا رہا ہے ہماری ایسی قسمت کہاں۔" واصف کو زویا کی یہ نک چڑھی سی دوست ذرا بھی پسند نہیں تھی' جس کی ہر بات شاپنگ سے شروع ہو کر شاپنگ پر ہی ختم ہوتی تھی۔ زویا کی یہ دوست جب بھی آتی واصف کو پہلے پتا ہوتا کہ کچھ دن بعد اس کی جیب خالی ہونے والی ہے۔ زویا روبینہ سے اچھی خاصی مرعوب تھی اور ان کی دیکھا دیکھی ہر مہینے بلا ضرورت بازار کا چکر لگا آتی' جس کا نتیجہ مہینے کے آخر میں ہاتھ تنگی کی صورت میں نکلتا تھا۔

"آپ تو یوں کہہ رہے ہیں جیسے میں نے پہلے کبھی آپ کے لیے کچھ خاص نہیں پکایا۔" زویا نے خفگی سے کہا۔

"ارے نہیں میرا یہ مطلب تھوڑی تھا' میں تو ویسے ہی کہہ رہا تھا۔ خیر میں ذرا عاطف کے پاس جا رہا ہوں کچھ کام تھا' جلدی آ جاؤں گا۔" واصف نے پلیٹ سے کھیرا اٹھا کر منہ میں رکھا۔

''جلدی آجانا پھر' یوں اچھا نہیں لگتا' روبینہ کے شوہر بھی ہوں گے ساتھ میں' وہ کیا سوچیں گے۔''

''تم فکر نہ کرو بیگم' ان کے کچھ سوچنے سے پہلے ہی میں آجاؤں گا۔'' شرارت سے کہتے ہوئے واصف کچن سے باہر چلا گیا۔ چاولوں کو دم لگا کر وہ برتن دھونے لگی۔

''ابھی تو گیارہ بجے ہیں۔ کافی ٹائم ہے ان کے آنے میں۔'' موبائل پر ٹائم دیکھ کر اس نے خود کو تسلی دی۔ پھر گیارہ کے تین بج گئے لیکن مہمانوں کی آمد نہ ہوئی۔ واصف بھی زویا کی تاکید پر جلدی آگیا تھا۔

تین بجے تک انتظار کرنے کے بعد اس نے ساس کو کھانا دے دیا' جبکہ واصف اور خود وہ ان کے انتظار میں ابھی تک بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر کچھ دیر روبینہ اور ان کے شوہر ارشد آئے' خوش گوار ماحول میں کھانا کھایا گیا' زویا کے ہاتھ کے کھانے کی سب نے تعریف کی' کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ مرد حضرات وہیں ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے جبکہ وہ دونوں زویا کے کمرے میں چلی آئیں۔

''میں صبح سے تمہارا انتظار کر رہی تھی' کھانا بھی جلدی تیار کر لیا تھا تاکہ ہمیں باتیں کرنے کا موقع مل سکے' مگر نہ جی تم نے دیر سے آنے کی عادت نہ چھوڑی۔'' زویا نے نمکو کی پلیٹ روبینہ کے سامنے رکھی۔

''بس یار کیا کروں' ایک دو دن میں جانا ہے تو تیاری ہی مکمل نہیں ہو رہی' روز بازار کا چکر لگتا ہے' پھر بھی کوئی نہ کوئی چیز رہ جاتی ہے۔ اتنے عرصے بعد میکے جا رہی ہوں تو خالی ہاتھ تو نہیں جایا جا سکتا نا' ایسے جا کر بھابیوں کو باتیں کرنے کا موقع تھوڑی دینا ہے میں نے۔ ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی اور خوب صورت سوٹ لیا ہے۔'' روبینہ نے فخر سے گردن اکڑائی۔

''ہاں یہ تو ہے خالی ہاتھ جانے پر بھابیاں باتیں تو کرتی ہیں' بس سے جاؤ گی یا ریل ٹرین سے۔''

''ارے نہیں' بس اور ٹرین سے اب کون جاتا ہے بھلا' بس میں سفر کیا تب بھی برا امپریشن پڑے گا' امی کا فون آیا تھا تو میں نے صاف کہہ دیا کہ اس بار مجھے عید پر چیزیں نہ بھیجیں' جہاز کے دو ٹکٹ ہی بھیج دیں تاکہ ہم آسانی سے سفر تو کر سکیں۔''

''ہاں جہاز کا سفر محفوظ بھی ہوتا ہے' سامان کی حفاظت بھی ہوتی ہے اور چوری کا ڈر بھی نہیں ہوتا' ورنہ ریل گاڑی یا بس میں دھڑکا لگا رہتا ہے کہیں کوئی چیز ٹوٹ نہ جائے یا چوری نا ہو جائے۔'' زویا نے رشک سے روبینہ کو دیکھا جو محض بھابیوں کو متاثر کرنے کے لیے جہاز کا سفر کر رہی تھی' ایک وہ تھی جو بوتیک سے کوئی مہنگا سوٹ بھی نہیں لے سکتی تھی' اس نے کوفت سے سوچا۔

''اسی لیے تو میں نے جہاز پر جانے کا پلان بنایا اور میں نے اتنی مہنگی شاپنگ ٹرین میں خراب کرنے کے لیے نہیں کی' ٹرین کے کرائے کے دگنی قیمت کا تو میرا ایک سوٹ ہے اور اس بار تو میں نے سارے سوٹ شہر کی مہنگی ترین بوتیک سے لیے ہیں۔'' روبینہ نے ایک مرتبہ پھر

سوٹ اور شاپنگ کا تذکرہ چھیڑ دیا تھا اور یہ وہ ٹاپک تھا جس پر وہ دونوں گھنٹوں باتیں کرسکتی تھیں۔

☆......☆......☆

مہمانوں کے جانے کے بعد زویا نے برتن دھو کر کچن صاف کیا' رمشا دادو کے پاس ہی سوگئی تھی۔ زویا کمرے میں آئی تو واصف لپ ٹاپ پر مصروف تھا۔

''کام ختم نہیں ہوا ابھی۔'' زویا نے تکیے کا کور ٹھیک کرکے بیڈ پر رکھا۔

''ہوں بس تھوڑا سا ہی رہ گیا ہے۔ رمشا سوگئی۔'' واصف نے بغیر سر اٹھائے پوچھا۔

''ہاں امی کے پاس سوگئی ہے' اچھا سنو میں کہہ رہی تھی اس بار آپ بکرا لینے گئے تو' صحت مند سا بکرا لانا۔'' زویا نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''صحت مند ہی لاتا ہوں' پچھلی بار بھی اچھا خاصا تھا۔''

''مجھے اس بار اچھا خاصا نہیں چاہیے' پچھلی بار کی نسبت زیادہ بڑا ہونا چاہیے' میں نے اس بار دعوت کرنی ہے سب رشتہ داروں کی۔'' زویا نے بلا آخر بلی تھیلے سے باہر نکالی' اس کے ذہن سے ابھی تک روبینہ کی بھابیوں پر اچھا امپریشن ڈالنے والی بات نہیں نکل سکی تھی' تبھی دعوت کا خیال اس کے ذہن میں آ گیا' اچھی دعوت اور مہنگا سوٹ' وہ سوچ سوچ کر ہی خوشی سے بے حال ہو رہی تھی۔

''کیا مطلب دعوت کرنی ہے اور کس کی؟'' اب کی بار واصف خود کو لیپ ٹاپ پر مصروف نہ رکھ سکا۔

''دعوت سے مراد دعوت ہے اور کیا اور سب سے مراد امی کی' اپنی بھابیوں کی اور آپ کی بہن بھی تو ہوں گی' آپ تو یوں ظاہر کررہے ہیں جیسے میں نے کوئی انوکھی بات کہہ دی ہو۔'' زویا ناراضگی سے بولی۔

''خدا کا نام لو زویا یہ فضول خیال لے کر بیٹھ گئی ہو اور بکرا ہم قربانی کے لیے لائیں گے یا دعوت کے لیے' غریبوں میں گوشت تقسیم نہیں کرنا کیا۔'' واصف نے لیپ ٹاپ بند کرکے رکھا۔

''تو غریبوں کے ساتھ ساتھ رشتہ داروں کا بھی تو حصہ ہوتا ہے وہ ہم دعوت کرکے انہیں کھلادیں گے' ضروری تو نہیں کہ گوشت بھی بھیجیں۔''

''ضروری ہے گوشت بھیجنا' ایسے کہیں نہیں لکھا کہ دعوت کرکے انہیں کھلا دو اور قربانی' دعوت کے لیے نہیں ہوتی' غریبوں میں بانٹنے کے بعد بچے گا کیا جس کی تم دعوت کروگی۔'' واصف نے غصے سے کہا۔ ''اور میں نے تمہیں پہلے ہی بتادیا تھا کہ اس مہینے عاطف نے مجھ سے ادھار لے لیا تھا' پیسے ہوتے تو پھر تو کوئی مسئلہ نہیں تھا' ناہید کو بھی عیدی بھیجنی ہے' ابھی تو تمہاری شاپنگ بھی رہتی ہے' اس کے لیے بھی اچھی خاصی رقم چاہیے ہوگی تمہیں۔''

''ہر بار بھیجتے ہیں ناہید کو عیدی...... اس بار نا بھیج سکے تو کون سی قیامت آجائے گی' اسے بھی تو احساس ہونا چاہیے نا بھائی کی پریشانی کا' میں ناہید سے بات کرلوں گی اگلے مہینے تنخواہ ملی تو سوٹ وغیرہ لے دیں گے اسے اور آپ میری شاپنگ کی فکر نا کریں' عثمان بھائی نے سب کی عیدی بھیجی ہے' میرے لیے بھی پیسے بھیجیں ہیں' امی سے بات ہوئی تھی' کل شاید اشعر لے بھی آئے۔'' زویا نے خود غرضی سے کہا۔

''تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ناہید نے کبھی مجھ سے کوئی چیز نہیں مانگی' عیدی تو میں اسے خوشی سے دیتا ہوں' اور یہ اس کا حق ہے۔'' واصف نے جتاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تو میں نے کب کہا کہ آپ اس کا حق نا دیں' میں تو صرف اتنا کہہ رہی ہوں ابھی آپ کے حالات اچھے نہیں ہیں تو بعد میں دے دیں گے اسے' سوچو اس کے سسرال کی بھی دعوت ہوجائے گی تو کتنا خوش ہوجائیں گے وہ بھی اور عیدی نا ملی تو کیا عید کی دعوت تو ہوجائے گی نا' بس میں نے ارادہ بنالیا ہے اب عین ٹائم پر انکار کرکے آپ میرا موڈ خراب مت کریں۔'' زویا ٹھنک کر بولی۔

''تم نے تو نا سمجھنے کی قسم کھا رکھی ہے' جو جی میں آئے کرو تم۔'' واصف غصے سے کہہ کر کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

زویا تاسف سے اسے دیکھ کر انگلیوں پر پیسوں کا حساب کرنے لگی۔

☆......☆......☆

زویا کی عیدی اس کی امی نے چھوٹے بھائی کے ہاتھ بھجوادی تھی تب سے وہ بہت خوش تھی اس بار اس کا ارادہ بوتیک سے سوٹ لینے کا تھا۔ جس کی قیمت پندرہ ہزار تھی وہ خوش تھی اس بار وہ من پسند سوٹ لے سکے گی۔

''اشعر چلا گیا کیا؟'' زویا کپڑے تہ کر رہی تھی جب اس کی ساس کمرے آئیں۔

''جی آپ سو رہی تھیں اس وقت۔'' زویا نے الماری کا پٹ بند کیا۔

''ہاں وہ دوائی لی تو آنکھ لگ گئی زویا بیٹا بات سنو۔'' زویا ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

''وہ بیٹا ناہید کا فون آیا تھا صبح' اسے پہلے کی طرح عیدی نہیں بھجوائی' واصف کا ہاتھ تنگ تھا تو میں نے صرف چاول اور چینی ہی بھجوادی تھی واصف کے ہاتھ' میں نے سوچا عید کے بعد واصف کو تنخواہ ملی تو اسے اور بچوں کو سوٹ لے دوں گی' ناہید بتا رہی تھی اس کی ساس اور نندیں بہت باتیں بنا رہی ہیں' باتوں باتوں میں کئی بار طعنے بھی دے چکی ہیں' میں نے سوچا تم سے پوچھ لوں اگر کچھ پیسے ہوجائیں تو اس کے لیے ہلکا سا کوئی سوٹ لے کر بھجوادوں تاکہ اس کی ساس اور نند کے طعنوں سے جان چھوٹ جائے۔''

اماں نے آہستہ سے اپنا مدعا بیان کیا' ہر مہینے واصف انہیں معقول رقم دے دیتا تھا' دوائی وغیرہ بھی وہ خود ہی لے آتا' ہر عید پر واصف ناہید کو عیدی دے آتا تھا' اس مہینے اس کے دوست کو ضرورت تھی تو واصف نے اسے ادھار دے دیے اسی وجہ سے وہ پہلے کی طرح عیدی کے ساتھ سوٹ لے کر نہ دے سکا۔

''سارے خرچے آپ کے سامنے ہی ہیں اماں' پیسے ہوتے تو میں خود سے سوٹ لے کر بھجوادیتی' ناہید میری بھی بہن ہے لیکن کیا کریں خرچے ہی پورے

نہیں ہوتے اور واصف کہہ تو رہے تھے وہ عید کے بعد سوٹ لے دیں گے، پھر کیوں اس کی ساس اتنا شور مچا رہی ہیں۔“ زویا نے صاف انکار کردیا۔ حالانکہ خود اس نے دن میں دو بار کال کر کے امی کو عیدی کی یاددہانی کروائی تھی۔

”کیا کریں بیٹا سسرال کا معاملہ ہے، سوٹ تو ہم بعد میں بھی لے دیں گے مگر اب اس کی ساس کو تو اپنے حالات نہیں بتا سکتے، خیر میں ناہید سے بات کرتی ہوں۔“ اماں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر مایوسی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ زویا خاموشی سے انہیں جاتا دیکھتی رہی۔

”ہوں بھنک پڑ گئی ہوگی میری عیدی کے پیسوں کی، اچھا خاصا خرچہ دیتے ہیں واصف بچا کر رکھتیں تو آج بیٹی کو سوٹ لے دیتیں، مجھے کیا، اتنے عرصے بعد تو اپنی پسند کا سوٹ لوں گی اب کیا یہ پیسے بھی ان کو تھمادوں؟“ زویا نے ہاتھ میں پکڑے پیسے پرس میں ڈال کر الماری کی دراز میں رکھ دیئے۔

☆......☆......☆

”زویا اب آ بھی جاؤ، دیر ہو رہی ہے، پھر منڈی میں رش ہوجائے گا۔“ رمشا کو موٹر سائیکل پر بٹھا کر واصف نے زویا کو آواز دی۔ زویا کو اس کی امی کے ہاں چھوڑ کر واصف کو اس کے بھائی کے ساتھ بکرا لینے جانا تھا۔

”آپ دومنٹ رکیں میں رفعت خالہ کو کہہ آؤں ماریا کو اماں کے پاس بھیج دیں، کھانا تو میں نے پکالیا ہے لیکن پھر بھی وہ آجائے گی تو اماں کو سہولت ہوجائے گی۔“

”اچھا یار اب ادھر نہ گھنٹہ لگا آنا، پہلے ہی بہت دیر ہوگئی ہے۔“ واصف نے کوفت سے گھڑی دیکھی۔

زویا جلدی کا کہہ کر رفعت خالہ کے گھر چلی آئی رفعت خالہ روبینہ کی ساس تھیں، خالہ سے اس کی بہت بنتی تھی۔ اس لیے جب بھی اسے میکے جانا ہوتا وہ اپنی بیٹی کو زویا کی ساس کے پاس بھیج دیتی جو اس کے آنے تک ادھر ہی ہوتی۔ خلاف معمول خالہ کے گھر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے اندر جھانکا رفعت خالہ لیٹی ہوئی تھیں ماریہ ان کے پاؤں دبا رہی تھی، اسے دیکھتے ہی ماریہ باہر آ گئی، زویا کو وہ کچھ پریشان لگی زویا کو دیکھ کر اس نے زبردستی کی بشاشت چہرے پر طاری کی۔

”السلام علیکم زویا آپی۔“

”وعلیکم السلام! خالہ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“ زویا کی نظریں ماریہ کی سرخ ہوتی آنکھوں پر تھیں۔

”پتہ نہیں آپی امی کی طبیعت بار بار خراب ہوجاتی ہے، صبح سے بی پی ہائی ہے۔“

”ڈاکٹر کے پاس نہیں لے کر گئے۔“ زویا نے پریشانی سے پوچھا۔

”ابھی ہسپتال سے ہی واپس آئے ہیں، امی دراصل انعم آپی کی وجہ سے پریشان ہیں۔“ زویا کو وہ گھر کے فرد کی طرح سمجھتے تھے، ماریہ تو اس سے کوئی بات نہیں چھپاتی تھی۔

”کیوں کیا ہوا انعم کو؟“

”آپ کو تو پتا ہے گھر کے حالات، ابو کی دکان بھی ختم ہوگئی ہے، بیماری کی وجہ سے وہ دکان پر نہیں جاسکتے، رہے ارشد بھائی تو ان کا ہونا نا ہونا ایک برابر ہے، جب سے شادی کی ہے ہمیں تو لگتا ہے وہ بھائی ہی نہیں رہے، ابو ہر عید پر باجی کو عیدی بھجواتے تھے اس بار ابو کی دکان نہیں گئے تو ان کے پاس عیدی کے لیے پیسے نہیں تھے، بھائی سے بات کی تو انہوں نے بھی انکار کردیا، دراصل اگر بھائی آپی کو عیدی بھجواتے تو پھر بھابی کو شہر کے مہنگے شاپنگ سینٹر سے شاپنگ کیسے کرواتے، یہی بات ہے عیدی نہیں گئی باجی کو تو ان کی ساس نے طنز کے نشتر چلا کر انہیں چھلنی کردیا، اٹھتے بیٹھتے طعنے دیتی تھیں، باجی بھی انسان ہیں آخر کب تک برداشت کرتی، ابھی ابو کسی دوست کے پاس گئے ہیں اگر کچھ پیسے مل جائیں تو عیدی بھجوا کر ان کی ساس کا منہ بند کرسکیں۔“ ماریہ غصے سے بھری بیٹھی تھی، زویا کے پوچھنے پر ساری بات بتادی۔

”مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آتی عیدی ہم اپنی بہنوں، بیٹیوں کو بھجواتے ہیں پھر یہ سسرال والے کیوں اتنا شور

بچاتے ہیں اگر جو کبھی عیدی نا بھیج سکیں تو۔'' زویا تاسف سے بولی۔

''سسرال والوں کو تو کچھ لینا دینا نہیں ہوتا' لیکن عید کے موقع پر بھیجی جانے والی چیزیں محض چیزیں نہیں ہوتی' وہ مان ہوتا ہے لڑکی کا' ان کا سر سسرال میں فخر سے بلند کرتی ہیں۔ میکے کی طرف سے ملنے والا مان لڑکی کو مضبوط بناتا ہے' مگر آپی کے سسرال والوں کو کون سمجھائے ہمیں تو جس پر مان تھا وہی بھائی عیدی کے لیے صاف انکار کر گیا' ہمارے لیے ان کے پاس پیسے نہیں تھے لیکن بھابی کو کراچی لے جانے اور شاپنگ کروانے کے لیے تھے پیسے ان کے پاس۔'' ماریہ نے دکھ سے کہا اس کے لہجے میں بھائی کے لیے شکوے ہی شکوے تھے۔

ماریہ کی باتوں سے زویا کا دھیان یک دم ناہید کی طرف چلا گیا' اسے بھی تو بھائی کی طرف سے بھیجی جانے والی عیدی کا انتظار ہوگا۔ جس عیدی کی وجہ سے اسے سسرال میں اتنی باتیں سنی پڑ رہی تھیں اس عیدی کے پیسے زویا نے دعوت کے لیے بچالیے تھے' کیا فائدہ ایسی دعوت کا جو ایک بیٹی کی آنکھ میں آنسو لا کر کی گئی ہو۔ اس نمود ونمائش سے تو بہتر تھا ناہید کو عیدی ہی بھجوا دیتے تا کہ اس کی عید تو اچھی گزرتی۔

''اللہ پوچھے بھابی کو اگر وہ مہنگے مہنگے مالز سے شاپنگ نہ کرتیں تو آج باجی کو یوں باتیں نہ سننی پڑتی' لیکن انہیں تو اپنی بھابیوں پر مہنگی مہنگی چیزوں کی دھاک بیٹھانی تھی' انہیں کیا فکر انعم آپی کی' فکر تو امی ابو کو ہے نا' امی کی تو ٹینشن کی وجہ سے طبیعت خراب ہوگئی ہے اور ابو صبح سے ادھر ادھر پھر رہے ہیں پیسوں کے لیے' اگر ادھار مل جائے تو آپی کو عیدی بھیج سکیں۔'' ماریہ نے آنکھوں میں آئی نمی صاف کی۔

''اللہ کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا دے گا' تم پریشان مت ہو' تم نے دل چھوٹا کیا تو خالہ کا خیال کون رکھے گا۔'' ماریہ کو تسلی دے کر وہ وہاں سے چلی آئی اس کے پاس تو تسلی دینے کے لیے الفاظ بھی نہیں تھے ذہن میں ابھی بھی ناہید کا خیال ہی گونج رہا تھا۔

ماتھے پر آیا پسینہ پونچھ کر اس نے دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تب اس کی نظر نظیر چچا پر پڑی جو سر جھکائے چلے آرہے تھے' مایوسی کی تحریر ان کے چہرے پر صاف پڑھی جاسکتی تھی' اسے اماں کا خیال آیا وہ بھی اس دن زویا کے پیسوں سے انکار کے بعد مایوسی سے اٹھ گئی تھیں۔ اولاد دکھی ہو تو ماں باپ بھلا کب چین سے رہ سکتے ہیں۔ اسے جی بھر کے ندامت ہوئی۔ زویا نے ایک نظر شکستہ قدموں سے چلتے چچا کو دیکھا' اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔

وہ اتنی خود غرض ہرگز نہیں تھی کہ کسی بے بس وجود کو پریشانی میں دیکھ کر بھی نظر انداز کر دے اور اپنے وجود کو مہنگے لباس سے سجا لے۔ زویا نے پرس کھول کر پیسے نکالے اور دوبارہ رفعت خالہ کے گھر چل دی اور ماریہ کو انعم کی عیدی کے پیسے تھما آئی' ماریہ کی آنکھوں میں اس کے لیے جو جذبات تھے ان سے نظریں چرا کر وہ واپس گھر آگئی۔

واصف بائیک پر بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ زویا کو اب بھی شاپنگ کے لیے جانا تھا لیکن اب اسے اپنی نہیں ناہید کے لیے شاپنگ کرنی تھی' ماریہ ٹھیک کہتی تھی بہنوں کو بھائیوں پر بہت مان ہوتا ہے اور جب مان ٹوٹتا ہے تو بہنیں بھی ٹوٹ جاتی ہیں اور زویا کو ناہید کا مان قائم رکھنا تھا۔

بچوں کی قربانی

تحسین انجم انصاری

میں نے اپنے بالوں میں انگلیاں گھسا کر زور سے اپنے بال کھینچے اور پریشان نظروں سے باہر دیکھا۔ شام کے وقت ہلکی ہلکی ہوا سے پھول نازک شاخوں پر لہرا رہے تھے پھر میری فکر مند نظریں احمر اور ثمرہ پہ جاٹکیں۔ وہ ایک دوسرے کی پیچھے بھاگ رہے تھے اور بار بار کھلکھلا کر ہنس رہے تھے۔ بے فکری کے دن تھے بچوں کو بھلا کیا پریشانی ہوتی لیکن میں آج کل بہت بے چین تھا۔ چک رفیقاں پوسٹنگ کے وقت مجھے ناگواری ہوئی تھی اس وقت میں نے کچھ سوچا نہ تھا کہ مجھے اس گاؤں کے غریب اور سیدھے سادے لوگوں سے اتنی محبت ہوجائے گی۔ میں ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوکر بے پناہ خوشی محسوس کروں گا اب تو یاسر بھائی کی اچانک وفات کے بعد ناہید بھائی ارسلان اور سارہ کو لے کر مستقل طور پر اپنے میکے میں رہائش پذیر ہوگئی تھی۔ میں اچھی طرح سیٹل بھی ہوگیا تھا اس لیے نمرہ امی اور بچوں کو بھی یہیں بلوالیا تھا لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ دو ماہ پہلے امی کو زبردست قسم کا ہارٹ اٹیک ہوا چند دن شہر کے ہسپتال میں رہنے کے بعد وہ خالق حقیقی سے جاملیں۔ ہم سب بہت غمزدہ تھے پورے گاؤں والے ہمارے غم میں برابر کے شریک تھے۔ غلام محمد اور شہباز خاں نے تو مجھے بہت حوصلہ دیا۔

اب بقر عید قریب آرہی تھی اور یہی تہوار میری پریشانیوں کا سبب تھا۔ میرے لیے اس عید پر پورے گاؤں کے لوگوں کو اچھا کھانا کھلانا تھا جو کہ ایک بہت بڑی خوشی تھی لیکن اس بار مجھے یہ ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔ امی کی بیماری اور ہسپتال کے اخراجات نے میری جمع پونجی بالکل صفر کردی تھی اور بکرے خریدنے کے لیے میرے پاس پھوٹی کوڑی نہ تھی بلکہ تھوڑا مقروض بھی تھا مزید قرض لے کر قربانی کرنے میں احسن نہیں سمجھتا تھا اور غریب لوگوں کو مایوس کرنے کی ہمت بھی نہیں پاتا تھا ایسے میں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں تبھی نمرین اپنی ستارہ آنکھوں اور خوب صورت مسکراہٹ کے ساتھ چائے کے دو کپ لیے آگئی۔

''میں نے سوچا شوہر نامدار کے سر میں درد ہورہا ہوگا کیوں نہ ان کی خدمت کرکے ثواب کمایا جائے۔'' وہ شرارت سے بولی میں اسے دیکھ کر مسکرا بھی نہ سکا۔

''لگتا ہے اللہ سے توکل اٹھ گیا ہے آپ کا؟'' میں سنجیدہ رہا تو وہ بھی سنجیدگی سے بولی۔

''خدانہ کرے......'' میں بے اختیار بولا۔ ''کیسے کلمات منہ سے نکال رہی ہو؟''

''آپ کا یہ لٹکا ہوا چہرہ دیکھوں گی تو اور کیا سوچوں گی؟'' وہ بڑے سکون سے بولی۔ ''اللہ کارساز ہے پھر آپ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں۔ ہر کسی کی مدد کو ہر وقت تیار رہتے ہیں پھر آپ نے کیسے سوچ لیا کہ وہ آپ کی مدد نہیں کرے گا؟''

''ٹھیک کہتی ہو تم لیکن اللہ اپنے بندوں کو آزماتا بھی تو ہے۔''

''تو کیا آپ اس آزمائش پر پورا اترنے کی کوشش نہیں کریں گے؟'' نمرین مجھے ہمیشہ لاجواب کردیتی تھی میرے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

''وہ تو سب ٹھیک ہے نمی لیکن کتنے لوگ پوچھ چکے ہیں تم جانتی ہو سب کتنی شدت سے اس دعوت کے منتظر ہوتے ہیں میں انہیں مایوس نہیں کرنا چاہتا۔

''آپ سے زیادہ اللہ کو ان کا خیال ہے زین...... اور یقین کریں وہ انہیں کبھی مایوس نہیں کرے گا۔'' وہ پیار سے بولی تبھی احمر اور ثمرہ اندر آگئے' ان کے چہرے سرخ ہورہے تھے۔

''ابو عید کو تھوڑے دن رہ گئے ہیں' بکرے کب آئیں گے؟'' احمر پھولی سانس کے ساتھ بولا۔ ثمرہ بھی جواب کی منتظر تھی' میں نے نمرہ کی طرف دیکھا۔

''اب تم ہی سمجھاؤ اپنے لاڈلوں کو۔'' میں نے کہا تو اس نے شوخی سے میری طرف دیکھا۔

''جناب...... آپ نے ابھی تک اپنی بیوی کو جانا ہی نہیں' ابھی دیکھیے گا۔ دو منٹ میں جادو دکھاتی ہوں آپ کو۔'' وہ دونوں کو ساتھ لے کر بیٹھ گئی اپنے دونوں بازو ان کے گرد پھیلائے اور احمر سے مخاطب ہوئی۔

''احمر میری جان اب آپ بڑے ہوگئے ہو' سمجھ دار بھی ہو' ساری باتیں سمجھنے لگے ہو میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟''

''جی بالکل!'' وہ سنجیدہ ہوگیا۔

''اور امی میں بھی بڑی ہوگئی ہوں۔'' ثمرہ بولی۔

''بالکل ٹھیک۔'' نمرہ نے اس کی پیشانی چومی۔

''آپ دونوں جانتے ہیں نا کہ دادو کی بیماری اور ہسپتال کے بلز کی وجہ سے بہت زیادہ پیسے خرچ ہوگئے تھے لیکن دادو کا علاج تو ضرور تھا مگر اب ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ ہم بکرے خرید سکیں اگر اس بار ہم قربانی نہ کریں تو آپ پریشان تو نہیں ہوں گے۔''

''نہیں امی......'' وہ سنجیدہ ہوگیا۔ ''مایوسی ضرور ہوگی لیکن کوئی بات نہیں۔''

''یوں بھی قربانی کا مقصد اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا ہوتا ہے' قربانی سنت ابراہیم کی تقلید کے لیے لیکن اللہ تعالیٰ صرف بکرے کی قربانی سے تو خوش نہیں ہوتا۔ آپ کو پتا ہے اللہ تعالیٰ کو گوشت کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

''تو امی اللہ تعالیٰ کو کیسے خوش کیا جاتا ہے؟'' ثمرہ معصومیت سے بولی۔

''اچھے اچھے کام کرکے' دوسروں کی مدد کرنے سے' کسی کو دکھ نہ دینے سے' غم میں لوگوں کی مدد کرنے سے۔ بہت سی باتیں ہیں لیکن پتا ہے اللہ تعالیٰ بہت خوش کب ہوتے ہیں؟'' نمرہ نے پیار سے پوچھا تو ثمرہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''جب آپ اپنی سب سے قیمتی اور پیاری چیز جو آپ کو بہت عزیز ہو' وہ کسی ایسے انسان کو دو جس کو آپ سے زیادہ اس کی ضرورت ہو اور وہ اسے لے کر دل سے خوش ہو۔''

''اپنی سب سے پیاری اور عزیز چیز؟'' دونوں بچوں نے پُرسوچ انداز میں دیکھا۔

''چلو اب آپ دونوں اندر جاؤ' ہوم ورک کرو پھر کھانا کھائیں گے۔'' دونوں بھاگتے ہوئے اندر چلے گئے تو اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔

''بھئی مان گئے اپنی بیوی کی خوبیوں کا تو میں پہلے ہی معترف تھا لیکن جانو میرا اصلی مسئلہ احمر اور ثمرہ نہیں ہیں۔ فکر تو مجھے اس گاؤں کے غریب لوگوں کی ہے میں ان کی امیدوں پر پورا سال اس تہوار کا انتظار کرتے ہیں لیکن اس بار......'' میں چپ ہوگیا۔

''زین پہلی بار میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کو اپنے اللہ پر توکل نہیں رہا۔''

''استغفر اللہ...... کیسی باتیں کر رہی ہو اس پر امید نہیں رکھوں گا تو کس پر رکھوں گا۔'' میں نے کچھ ناراضگی سے نمرین کی طرف دیکھا' مجھے واقعی دکھ ہوا۔

''اگر اللہ پر توکل ہے تو پھر کیوں پریشان ہوتے ہیں جیسے وہ کئی سالوں سے بندوبست کر رہا ہے اس سال بھی کردے گا' آپ تو صرف وسیلہ ہیں نا۔''

''ہاں لیکن بہت کم دن رہ گئے ہیں نمی' بہت کم۔''

''بس فکر نہ کریں چلیں اندر کھانے کا وقت ہوگیا ہے۔'' ہم دونوں دروازہ کھول کر اندر چلے گئے۔

❀......❀......❀

عید میں صرف دو روز باقی تھے' میری بے کلی بڑھتی جارہی تھی۔ نمرین بھی کچھ خاموش تھی لیکن اظہار نہیں کر رہی تھی۔ ہر طریقے سے مجھے ہنسانے کی کوشش کرتی اور مجھے پتا تھا وہ مجھے افسردہ نہیں دیکھ سکتی۔ شہباز سے بھی گپ شپ رہتی۔ غلام محمد اور بچے تو روز ہی آجاتے تھے لیکن میں انہیں بھی توجہ نہیں دے پارہا تھا۔ اس روز ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی جب نمرین مجھے زبردستی گھر سے باہر لے آئی۔

''ہرے بھرے کھیتوں کو دیکھ کر آپ کو تھوڑا سکون ملے گا۔'' میں بھی ساتھ آگیا' نمی کی بات رد کرنا میرے لیے یوں بھی مشکل تھا۔ سوچوں میں ڈوبا اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا کہ وہ اچانک ایک گھر کے سامنے رک گئی۔ میں نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا' وہاں آمنہ کی بیٹی کھڑی تھی اور اس کے بازوؤں میں بڑا سا بھالو تھا۔ مجھے کچھ جانا پہچانا تو لگا لیکن میں نے زیادہ توجہ نہ دی۔

''کیا بات ہے نمی' رک کیوں گئیں؟''

''اوہ کچھ نہیں......'' وہ چونکی۔ ''چلیں کھیتوں کی طرف چلتے ہیں۔'' ہرے بھرے کھیت آنکھوں کو بہت اچھے لگ رہے تھے۔ ہم آدھا گھنٹہ وہاں ٹہلتے رہے' دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ گھر واپس آئے تو اندر داخل ہوتے ہی نمرین نے ثمرہ کو آواز دی۔

''جی امی...... کیا بات ہے؟''

''بیٹا آپ کا وہ بھالو کہاں ہے جو مہرین خالہ نے امریکہ سے بھجوایا تھا؟'' ثمرہ ایک دم ڈر گئی۔

''آپ ناراض تو نہیں ہوں گی؟'' تھوڑی دیر بعد وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

''نہیں بیٹا' لیکن سچ بولنا۔''

''میں ہمیشہ سچ ہی بولتی ہوں' آپ نے ہی تو کہا تھا سچ بولنے والے سے اللہ راضی رہتا ہے تو سچ یہ ہے کہ وہ بھالو میں نے آمنہ خالہ کی بیٹی کو دے دیا تھا' امی وہ غریب ہیں اور اس کے پاس کوئی کھلونا بھی نہیں۔''

''لیکن بیٹا بھالو ہی کیوں' وہ مہرین خالہ کا تحفہ تھا' آپ کے پاس اور بھی تو کھلونے ہیں وہ دے دیتی تو بھی ٹھیک تھا۔''

''وہ بھالو مجھے بہت عزیز تھا امی اور میرے لیے بہت قیمتی تھا۔ آپ نے تو کہا تھا کہ اگر آپ اپنی سب سے قیمتی اور عزیز چیز کسی ایسے بندے کو دیں جسے اس کی آپ سے زیادہ ضرورت ہو تو اللہ میاں آپ سے بہت خوش ہوتے ہیں۔'' وہ معصوم سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھ رہی تھی' اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس نے جذبات میں بے اختیار اسے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ سینے سے لگا کر زار و قطار رونے لگی۔

''نمی کیا ہوگیا ہے' بچے کیا سوچیں گے۔'' میں نے نمی کا ہاتھ تھاما تبھی کھلے دروازے کو ذرا سا بجا کر غلام محمد اندر آگیا۔ اس کے ساتھ سفیان بھی تھا۔

''صاب جی! یہ بلا احمر کا ہے'' سفیان کہہ رہا ہے احمر

نے اسے تحفے میں دیا ہے۔ اگر یہ جھوٹ بول رہا ہے تو گھر جا کر اس کی ہڈی پسلی ایک کردوں گا۔'' میں نے حیرت سے دیکھا' وہ شاہد آفریدی کے آٹو گراف والا بیٹ لیے کھڑا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے خالہ کی مدد سے سائن کروا کے دیا تھا اور احمر اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔

''چاچا...... سفیان جھوٹ نہیں بول رہا' میں نے ہی اسے بیٹ دیا ہے عید کا تحفہ۔'' احمر اچانک اندر سے آ کر بولا۔

میرا دل بھی نمی کی طرح بھر آیا' اللہ نے ہمیں کتنے اچھے بچے عطا کیے ہیں' ہم کتنا بھی شکر کریں کم تھا۔ ابھی ہم جذبات کے اس طوفان سے نکل بھی نہ پائے تھے کہ دروازے پر پھر دستک ہوئی' غلام محمد بھاگتا ہوا واپس آیا۔

''باہر کوئی آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' میں ٹرانس کی حالت میں باہر گیا۔

''مجھے عبدالحمید کہتے ہیں' میں کل ہی باہر سے آیا ہوں آپ زین ہیں نا؟''

''جی درست۔'' میں حیران تھا۔ ''لیکن آپ کون؟ اندر آ جائیے۔''

''نہیں دراصل مجھے بہت جلدی ہے' وہ گاڑی میں دوست انتظار کر رہا ہے اور ہمیں وقت پر کسی اور جگہ پہنچنا ہے۔ آپ کے بھائی جان منیب ہمارے قریب ہی رہتے ہیں' آنا جانا رہتا ہے انہیں پتا چلا کہ میں پاکستان جا رہا ہوں تو یہ خط اور کچھ رقم بھجوائی ہے' وہ اس بار پاکستان میں قربانی کروانے کی خواہش رکھتے تھے۔'' وہ خط اور رقم مجھے دے کر چلا بھی گیا لیکن میں دم بخود تھا۔ منیب بھائی جب سے پاکستان سے گئے تھے واپس نہیں آئے۔ رابطہ بھی کم ہی رکھا کبھی سال میں ایک بار ان کا فون آ جاتا تو تھوڑی بہت بات چیت ہو جاتی لیکن آج...... آج میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میرا دل خدائے بزرگ و برتر کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔

''اور ضرورت پڑنے پر وہ اپنے پیارے بندوں کو وہاں سے عطا کرتا ہے جس کا انہیں گمان بھی نہ ہو۔'' واقعی مجھے کہاں گمان تھا میری سوچ تو ہزار سال تک اس طرف نہیں جا سکتی۔ میں من من بھر کے قدموں سے چلتا اندر آیا' نمرہ چونکی۔

''کیا ہوا زین...... آپ ٹھیک تو ہیں؟'' میں کچھ بولنے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ خط اور پیسے اس کے ہاتھ میں تھما دیے۔

''یا اللہ مجھے بخش دے' میں نے تجھ پر بھروسہ نہیں کیا...... مجھے خدشات نے گھیرے رکھا۔''

پتا نہیں اللہ کو ہمارے معصوم بچوں کی قربانیاں بھا گئی تھیں' ہماری بے بسی پر ترس آ گیا تھا یا گاؤں والوں کے سادہ غریب لوگوں کی خوشیاں عزیز تھیں۔

اللہ کے بھید تو اللہ ہی جانتا ہے' میرا سبق تو یہی تھا کہ اللہ پر توکل کرنا کبھی مت چھوڑو' وہ رحیم و کریم ہے اپنی مخلوق کو کبھی نہیں بھولتا۔ بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا' کبھی بھول کر بھی اللہ پر اپنے یقین کو متزلزل نہ ہونے دیں کہ وہ اوپر والا اپنے نیک بندوں کو مایوس نہیں ہونے دیتا۔

عیدی آئے گی

سید نیلم شاہ

فاخرہ جلے پیر کی بلی بنے کمرے میں اِدھر اُدھر گھوم رہی تھی اُس کے چہرے سے پریشانی صاف عیاں تھی مگر وجہ بے تکی سی تھی۔ دراصل آج اس کی جیٹھانی کی عیدی آئی تھی وہ فاخرہ کو بھی بتانے آئی تھی۔ ویسے مہمانوں کی خبر تو اسے ہوگئی تھی مگر رفعت بھی بس اسے جلانے آئی تھی کہ دیکھو اس بار بھی پہلے میری عیدی آئی ہے۔

”کیا بتاؤں فاخرہ امی تو اتنا کچھ لائی ہیں کہ میرا دل کرتا ہے کہ ہر ماہ بعد عید ہو‘ بچوں کے کپڑے‘ تمہارے بھائی کے کپڑے‘ میرے بھاری کام والے دو سوٹ اور ساتھ میں دیسی گھی‘ سویاں‘ مٹھائیاں‘ پھل اور نقد بھی دے کر گئیں ہیں۔“ وہ ساری تفصیل بتا کر چلی گئی اور فاخرہ بس ہاتھ ملتی رہ گی۔

”کہہ دوں گی میں امی سے کہ میری عیدی اس بھی بڑھ کر دی جائے۔“ حالانکہ فاخرہ اپنے گھر میں کافی خوش حال تھی شروع میں حالات ناساز گار تھے مگر اب رزق کی فراوانی تھی مگر اس کی جٹھانی مشکل سے گزر بسر کر رہی تھی اسی لیے اس کے والدین ایسے موقعوں پر اسے بھر بھر کر دیتے کہ ایک تو اس کی ضرورت بھی پوری ہوجائے اور عزت بھی مجروح نہ ہو۔ وہ عید‘ بکرا عید‘ شب معراج‘ شب برات اور بچوں کی چھٹی وغیرہ پر جی بھر کر دیتے اور ان کا دیکھا دیکھی فاخرہ بھی اس رسم کو مقابلہ بازی سمجھ لیتی۔ حالانکہ اس کی کوئی روایتی ساس یا سسر بھی موجود نہ تھے مگر فاخرہ کو یہ بات ہضم نہ ہو کر دے رہی تھی کہ رفعت کی عیدی پہلے کیوں آئی۔ انہی سوچوں میں اس نے فون نمبر ملایا۔

”ہیلو......“ پہلے فاخرہ مخاطب ہوئی اور دوسری طرف امی۔

”السلام علیکم! تمہیں ہزار دفعہ کہا ہے کہ ہیلو نہ کہا کرو بلکہ سلام سے شروعات کیا کرو بیٹا۔“ امی اس کی اس عادت سے بڑی خائف تھیں اسی لیے گھر کا‘ مگر وہ امی کی بات ان سنی کر کے اپنی شروع ہوگئی۔

”امی آج میری جٹھانی کی عیدی آ گئی ہے اور پتا ہے کہ وہ کتنی اترائی پھرتی ہے امی میں کیا بتاؤں سب تعریفیں کر رہے تھے۔“ وہ امی کو لسٹ بتانے لگی۔ ”امی آپ میرے لیے ہر چیز اس سے بہتر اور وافر مقدار میں لائیے گا۔“

”بیٹا...... تمہیں تو معلوم ہے کہ اس کے والدین زمیندار ہیں اسی لیے اپنی بیٹی کو یہ سب دے جاتے ہیں جبکہ تیرے بھائی کا کام اکثر مندے میں رہتا ہے یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ سلائی سے گھر کا چولہا جلتا ہے۔“ امی نے عذر پیش کیا۔

”امی آپ کو یہ سب حالات میری دفعہ ہی کیوں یاد آتے ہیں‘ آخر سسرال میں میری بھی کوئی عزت ہے‘ بس مجھے نہیں معلوم مجھے ہر حال میں ایسی عیدی چاہیے ورنہ بھول جائیں مجھے۔“ اس نے اپنی سنا کر فون بند کر دیا وہ تو بس اپنی جٹھانی کو زیر کرنا چاہتی تھی۔

چار بھائی بہن تھے‘ پہلے فاخرہ پھر عثمان اور مدیحہ اور فرح‘ ابو تو فاخرہ کی شادی سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ اس وقت گھر کے مالی حالات بہت خراب تھے یہ تو امی کے ہاتھ میں سلائی کا ہنر موجود تھا کہ زندگی کی گاڑی چلنے لگی‘ امی نے یہ ہنر مدیحہ اور فرح کو بھی دیا مگر فاخرہ تو سلائی کے نام سے ہی چڑتی تھی۔ بس سلے سلائے پہن لیتی تھی‘ امی نے سلائی کے پیسوں سے ہی عثمان کو چوڑیوں کا اسٹال لگوایا تھا‘ یہ امی ہی کی میانہ روی کا نتیجہ تھا کہ فاخرہ کی شادی ہوگئی اور وہ ایک بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہوگئیں مگر آئے دن فاخرہ کی فرمائشیں اس نے امی کا بوجھ مزید بڑھا دیا تھا وہ

اسی گھر سے بیاہ کر گئی تھی مگر اسے جان بوجھ کے لاعلمی ظاہر کرنے کا شوق تھا۔ چھوٹی بہنوں کو کبھی اس نے عیدی کے نام پر سو روپے بھی نہ دیے تھے۔

○......○......○

امی کچھ پریشان نظر آ رہی تھیں مدیحہ ظہر کی نماز پڑھ کر امی طرف آ گئی۔

"امی کیا ہوا' کوئی پریشانی ہے کیا؟" وہ اپنی ماں کو کب پریشان دیکھ سکتی تھی' اس کے پوچھنے پر امی نے ساری بات بتا دی۔

"تو کیا ہوا امی' ہم سلائی کے کپڑے زیادہ سلائی کریں گے اور جو کپڑے واپس کیے تھے رش ہونے کی وجہ سے وہ بھی منگوا لیں گے اور اس دفعہ راشن جو گھر میں موجود ہے اسی سے گزارا کرلیں گے اور عید کے کپڑے ہم نہیں بنائیں گے۔"

"لیکن بیٹا گرمی کے روزے اور اتنا کام تم دونوں بیمار ہو جاؤ گی اور پھر کمیٹی بھی تو دینی ہے۔"

"امی کام کی فکر آپ نہ کریں اور جو خرچہ بھائی دیتے ہیں اس کی کمیٹی دے دیں گے۔" فرح نے بھی ساتھ دیا۔ امی نے خوشی سے دعا دی۔

"اللہ میری بچیوں کے نصیب کھولے' آمین۔ میری بچیاں بڑی صابر و شاکر ہیں۔"

"بالکل اپنی ماں کی طرح۔" انہوں نے بیک وقت کہا۔

○......○......○

آج امی فاخرہ کو عیدی دے آئی تھیں اور فاخرہ کی دیرینہ خواہش پوری ہوگئی اور مشکل تو ان لوگوں پر آن پڑی تھی۔ گھر میں راشن تقریباً ختم ہونے والا تھا' وہ بہت احتیاط سے ہر چیز استعمال کر رہی تھیں۔ سلائی تو وہ پہلے ہی ایڈوانس لے چکی تھیں اور اب کپڑوں کا رش بھی بہت تھا' وہ تینوں ایک تو روزہ دار' گرمی اور پھر سارا دن سلائی کا کام کرتیں' گھر میں دو کمرے' چھوٹا سا صحن اور غسل خانہ تھا اور صحن میں ہی کچن موجود تھا۔

امی کی طبیعت آج کچھ ناساز تھی اسی لیے ان دونوں نے امی کو آرام کرنے کے لیے سامنے چارپائی پر لٹا دیا اور خود سارا دن سلائی کرتی رہیں۔ شام ہوئی تو امی نے آواز دی۔

"اٹھ جاؤ بچیوں اور افطاری کی تیاری کرلو۔" وہ دونوں دس منٹ بعد باہر آ گئیں۔

مدیحہ نے چینی کا جار کھولا تو وہ منہ چڑا رہا تھا۔ فرح پکوڑے بنا رہی تھی جو گھی کم ہونے کی وجہ سے پیندے میں لگ گئے تھے۔

"فرح چینی کم ہے اب کیا کریں؟" وہ تھوڑی پریشان تھی کہ روزہ کھلنے میں بس تھوڑی دیر باقی تھی۔

"تو کیا ہوا پہلے بھی برائے نام ہی ڈالتی ہو تم۔" مدیحہ نے اسے گھورا۔

"اچھا ایسا کرو نمکین سکنجبین بنالو۔" وہ پکوڑے ہاٹ

پاٹ میں رکھتی مشورہ دینے لگی اور مدیحہ اثبات میں سر ہلاتی سامان ڈھونڈنے لگی۔ ان تینوں نے روزہ کھولا' نماز پڑھی مگر امی کی دعا آج بھی ہمیشہ کی طرح طویل ہوگئی۔

''اے میرے پروردگار! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے ہمیں دیگر لوگوں سے بہتر عطا کیا' کیا ہوتا اگر ہم بھی بھیک مانگتے اور فٹ پاتھ پر سوتے' اے میرے پالنے والے تو ہمیں صبر عظیم عطا فرما اور ہماری مدد فرما آمین۔

آج ستائیسواں روزہ تھا اور افطار کے لیے کچھ بھی موجود نہ تھا۔ وہ تینوں پانی سامنے رکھ کر روزہ کھلنے کا انتظار کرنے لگیں کہ ساتھ والوں کے گھر سے افطاری آ گئی یہ باجی شمائلہ تھیں جو انہی سے کپڑے سلواتی تھیں اور جاتی جاتی وہ دو جوڑوں کی سلائی بھی دے گئیں جو ابھی باقی رہتی تھی۔

''وہ ہم سب کی ضروریات کو جانتا ہے وہ ہم سب پر قادر و مشفق ہے۔'' ان تینوں نے روزہ کھولا اور امی نماز سے فارغ ہو کر قریبی اسٹور سے سودا سلف بھی لے آئیں اور ساتھ لیمن سوڈا کی تین بوتلیں بھی فرح کافی دنوں سے اصرار کر رہی تھی۔

رات کو فاخرہ آئی اور دو سوٹ سلائی کے لیے دے گئی۔ امی نے منع کرنا چاہا مگر مدیحہ فاخرہ کو جانتی تھی کہ وہ تماشہ لگا دے گی اسی لیے رکھ لیے۔

''تم لوگوں نے عید کے کپڑے لے لیے۔''

''وہ آپی دراصل ابھی گرمیوں میں امی نے کپڑے بنوا کر دیئے تھے وہ ابھی نئے ہیں اور سلائی سے فرصت ہی نہیں کہ باہر خریداری کرنے جاتے۔''

''ہاں بھئی تم لوگوں نے جی بھر کے ان دنوں کمایا ہوگا لوگ ان دنوں منہ مانگے دام دیتے ہیں۔'' وہ ادھر ادھر کی ہانک کر چلی گئی اور چھلے کی رسم کا سنا گئی۔

آج چاند نظر آ گیا اور صبح عید تھی۔ سلائی کا کام اللہ اللہ کر کے ختم ہوا اور وہ تینوں عشاء کی نماز ادا کر کے فارغ ہوئی نہیں۔ مدیحہ تھوڑی بجھی بجھی تھی اور فرح باقاعدہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔ امی تسبیح اٹھائے ادھر آ گئیں جدھر وہ دونوں بیٹھی تھیں۔

''کیا ہوا میری بچیوں کو؟'' امی نے پیار سے پوچھا۔ مدیحہ تو خاموش رہی مگر فرح کا صبر جواب دے گیا۔ امی کیا ہی اچھا ہوا گر آپ فاخرہ آپی کی بے وجہ کی باتیں نہ مانیں؟ امی دیکھیں کیا وہ اس گھر سے بیاہ کر نہیں گئیں؟ کیا اسے گھر کے حالات کا نہیں پتہ؟ کیا اسے نہیں معلوم کہ ابا زندہ نہیں ہیں؟ اور بھائی کا کاروبار کمیٹیوں کی نذر ہو جاتا ہے؟ امی سارا مہینہ محنت کر کے ہم اپنے لیے ایک ایک جوڑا بھی نہ بنا پائیں اور تو اور سارے روزے بھی فاقے کیے پوچھ لیں امی میں سحری میں بھوکی رہتی اور مدیحہ بھی اور آپ پر کچھ ظاہر نہ کرتیں کہ آپ پریشان نہ ہوں۔'' جذبات میں فرح کے آنسو نکل آئے امی کا دل کٹ کر رہ گیا امی نے اسے سینے سے لگا لیا۔

''میری بچی جب اتنا صبر کیا تو اب کیوں رو رہی ہے۔ کیا اللہ کو ناراض کرنا ہے۔''

''امی اب مجھ سے اور صبر نہیں ہوتا بھائی نے سارا ماہ دال اور چنے کھائے مگر سوال نہ کیا؟ آپ آپی سے دو ٹوک بات کرلیں۔''

''اسے سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں بیٹا۔''

''آخر امی کیوں؟''

''امی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں فرح وہ ہمارے حالات سے مکمل آگاہ ہے جب اسے احساس نہیں تو ہم اپنے حالات کا رونا رو کر شرمندہ کیوں ہوں۔''

''اچھا چل ایسا کرتے ہیں میری سونے کی نتھ پڑی ہے جو فاخرہ کو چھلے نہانے پر دینی تھی ایسا کرتے ہیں اس میں سے عید کی خریداری کر آتے ہیں بعد میں بھی تو بیچنی ہے تو پھر آج کیوں نہیں؟'' انہیں آج بھی یاد تھا کہ فرح اپنے والد کی لاڈلی مدیحہ کم گو اور فاخرہ ہٹ دھرم تھی۔

''ہائے اللہ امی مجھے جہنم میں جانا ہے؟ جو اگر میں مر بھی جاؤں اور کفن دفن کے لیے پیسے نہ ہوں تو مجھے انہی

کپڑوں میں دفنا دینا جو میں نے پہنے ہوں گے مگر امی آپ اپنی کوئی چیز مت بیچئے گا میں تو بس یونہی اداس بیٹھی تھی بس ابھی ہاتھ منہ دھو کر آتی ہوں۔" وہ جلد از جلد منظر سے دور ہوگئی۔

وہ چاند رات کو عثمان کے اسٹال سے چوڑیاں لینے آرہی تھی کہ اس نے اپنی نندوں ان کی بچیوں اور چند ایک سسرالی کزنوں کے لیے بھی لینی تھی تاکہ فاخرہ بھابی کا نام بنے کہ ہم سب کو چوڑیاں عیدی میں دی ہیں۔ وہ بیگ اٹھا کر اپنے پورشن سے نکلی دروازے تک پہنچنے کے لیے اسے اپنی جٹھانی رفعت کا پورشن عبور کرتے ہوئے اندر سے آتی آوازیں سنائی دیں۔ یہ آواز رفعت کی ماں کی تھی جو آج رفعت کے لیے مہندی اور چوڑیاں لائی تھیں۔

"امی آپ اتنا سب کچھ نہ لایا کریں ابھی میرے پیچھے اک بہن اور بھی ہے اور سچ بتاؤں تو مجھے اب کوفت محسوس ہوتی ہے آپ ادھر میرے لیے کچھ لاتی ہیں اور ادھر فاخرہ اپنی بیوہ ماں سے میری ہی طرح کی چیزیں منگواتی ہے امی اس کی دو جوان چھوٹی بہنیں ہیں ابھی ان کی شادیاں ہونی ہیں اب اس کی ماں ان کے لیے کچھ سوچے یا پھر فاخرہ کا کوٹہ بھرے جو اپنے گھر میں خوش حالی ہے مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی کہ آخر وہ اپنی بیوہ ماں اور اس بے چارے بھائی پر اتنا بوجھ کیوں ڈالتی ہے اس نے میرے ساتھ ایک الگ ہی مقابلہ لگا رکھا ہے جس میں کھلاڑی بھی وہ جج بھی دیکھنے والی بھی وہ اور اس کھیل میں پسنے والی اس کی ماں میں چند روز پہلے میں ان کے گھر کپڑے سلائی کے لیے دینے گئی تھی اور ان کے چہرے ان کے ساتھ ہونے والی زیادتی کی نشاندہی کررہے تھے۔" رفعت نجانے اور کیا کیا باتیں کرتی مگر فاخرہ تو سن ہوگئی تھی۔ جیسے منوں برف کے نیچے دھنس گئی ہو۔ آخر مجھے اس بات کا خیال کیوں نہ آیا امی نے کہا تھا کہ حالات بہتر نہیں ہیں مگر پھر بھی میں...... رفعت کو میرے گھر کا خیال آ گیا اور میں؟ اس کا ضمیر اسے جھنجوڑ رہا تھا۔

پھر فاخرہ کو یاد آیا کہ اس دفعہ تو انہوں نے کپڑے بھی نہیں بنائے اور مجھے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ابھی گرمیوں کے کپڑے بنائے ہیں باہر امجد کھڑا اس کا انتظار کررہا تھا۔ وہ جلدی سے باہر نکل گئی۔

فرح منہ ہاتھ دھو کر ابھی آئی ہی تھی کہ فاخرہ اندر آتی دکھائی دی۔ سب نے ایک دوسرے کو عید کا چاند مبارک کہا اور دروازہ کھلا اور عثمان بائیک پر اندر آیا عثمان کو عید پر نئی بائیک لینی تھی مگر بچت نہ ہوئی لیکن چاند رات کی ڈرا میں اس کی ایک نہیں دو بائیک نکل آئیں ایک بائیک اور دوسری کا کیش لے کر وہ گھر آ گیا اسے معلوم تھا کہ اس دفعہ گھر میں کسی نے کپڑے نہیں بنائے اس دفعہ بھی آپا کی بھاری بھرکم ڈیمانڈز آئی تھیں اس نے مدیحہ فرح اور اپنی ریڈی میڈ شاپنگ کی اور امی کے لیے چکن کا سوٹ خریدا۔

ان کے جانے کے بعد فاخرہ نے امی سے اپنے رویے اور بے جا منہ مانگوں کے لیے معافی مانگی وہ تو ماں تھیں اسی لیے معاف کردیا اور پھر وہ تینوں بھی آ گئے۔ مدیحہ اور فرح نے مل کر امی کا سوٹ سلائی کیا پھر سارے گھر کی صفائی کی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

وہ دونوں نوافل پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں کہ عثمان نے انہیں کل پارک لے جانے کا وعدہ کیا۔ مدیحہ کچن میں امی کے ساتھ راشن سمیٹ رہی تھی کہ فرح بولی۔

"مدیحہ ابھی میں نے اللہ سے یہی مانگا تھا۔"

"اور میں نے بھی۔" دونوں کا مشترکہ قہقہہ پورے گھر میں رونق بن کر گونجا اور امی نے ان کے کھلکھلاتے چہرے دیکھ کر شکر ادا کیا۔

قربانی کا مقصد

ثوبیہ ملک

آسمان روشن ستاروں سے جگمگا رہا تھا‘ ٹھنڈی ہوائیں تسلسل سے جاری تھیں۔ وہ آسمان پر موجود ستاروں کو دیکھنے میں مشغول تھی۔ جب اسے باہر بچوں کے شور کی آوازیں سنائی دیں جو شاید کسی کے گھر بکرا یا گائے وغیرہ آنے پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے چونکہ بقر عید قریب تھی تو ہر کوئی قربانی کے لیے جانور خرید رہا تھا لیکن اسے بقر عید پر جانور سے زیادہ کسی اور کا انتظار تھا اور یہ انتظار پچھلے دس برس پر محیط تھا۔ اب یہ انتظار اسے اذیت دینے لگا تھا‘ اس وقت بھی وہ شدید مایوسی کا شکار تھی۔ جب اچانک پیچھے سے اس کی چھوٹی بہن اقراٗ نے اسے ڈرایا تو وہ واقعی ڈر گئی۔

”جان نکال کر رکھ دی۔“ وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔

”سوری آپی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولی تو اس نے ہلکے سے اقراٗ کے سر پر چپت لگائی۔

”یہ بتاؤ امی کیا کر رہی ہیں؟“ حریم نے پوچھا۔

”کچھ خاص نہیں۔ بس وہی پرانی عادت ان کی کہ پہلے سے ہی لسٹ تیار کر رہی ہیں کہ کس کو کتنا گوشت دینا ہے خاص کر اپنے میکے والوں کو۔“ اس نے برا سا منہ بنایا۔

”بری بات ہے اقراٗ ایسے نہیں کہتے چلو جاؤ نیچے میں بھی آتی ہوں۔“ اقراٗ سر ہلا کر چلی گئی تو حریم کو افسوس ہوا کہ اقراٗ بھی اب ماں کی عادتوں سے واقف ہوتی جا رہی تھی۔

رامیہ بیگم اور فاروق احمد کے دو بیٹے حسن اور حسین جب کہ ایک بیٹی فاطمہ تھی۔ حسن کی شادی عظمیٰ سے ہوئی جن کی دو بیٹیاں ایمن اور صبا تھی جبکہ حسین کا ایک بیٹا کاشف اور دو بیٹیاں حریم اور اقراٗ تھی جبکہ فاطمہ کا ایک بیٹا فہد اور بیٹی صائمہ تھی۔ حسن کی بیوی عظمیٰ نہایت کفایت شعار اور اچھے دل کی مالک تھی جیسے ہی بیاہ کر گھر آئی سب کو اپنے محبت بھرے سلوک سے گرویدہ کر لیا لیکن حسین کی بیوی فاریہ اسراف پسند اور جھگڑالو تھی۔ جب وہ بیاہ کر آئی تو اسے حسین کے علاوہ ہر کوئی کھٹکتا اس لیے بمشکل چند ماہ رہنے کے بعد اس نے الگ گھر کا مطالبہ شروع کر دیا تو فاروق احمد گھر میں فساد ہونے کے ڈر سے بہو کی بات ماننے پر تیار ہو گئے اور حسین کو بمشکل راضی کیا جو ماں باپ اور بھائی سے ہرگز الگ نہیں ہونا چاہتا تھا۔

فاریہ الگ گھر میں آ کر بے انتہا خوش تھی پھر اللہ نے اسے اولاد کی نعمت سے نوازا تو وہ خود کو خوش قسمت عورت تصور کرنے لگی پھر آہستہ آہستہ حسین نے بھی بچوں کی وجہ سے سمجھوتا کر لیا۔ فاریہ خود تو سسرال والوں سے ملنے نہ جاتی تھی ساتھ ہی بچوں کو بھی ان سے دور رکھا ہوا تھا۔ حریم اور کاشف بہت چھوٹے تھے جب ان سے ملنے گئے تھے جبکہ اقراٗ نے تو دیکھا بھی نہیں تھا۔ حریم کا بہت دل چاہتا تھا کہ وہ اپنی دادی‘ دادا‘ پھوپو اور کزنز سے ملے مگر ماں کی ناراضگی کے ڈر سے وہ اپنے دل کی خواہش کو دل ہی میں دبا لیتی مگر وہ ہر نماز میں اپنوں سے ملنے کی دعا ضرور کرتی۔

”آپی جلدی آئیں۔“ اقراٗ زور زور سے آوازیں

دے رہی تھی تو حریم نے جھاڑو وہیں رکھی اور جلدی سے باہر صحن میں آ گئی جہاں کاشف کے ساتھ دو بکرے موجود تھے۔ سفید رنگ کے موٹے تازے بکرے بہت پیارے لگ رہے تھے حریم کو شروع سے ہی بکروں سے ڈر لگتا تھا اس لیے دور سے ہی دیکھ کر خوش ہوئی۔

''ابو کتنے پیارے لگ رہے ہیں یہ۔'' حسین صاحب مسکرائے۔

''ظاہر ہے پیارے تو لگیں گے آخر کو پورے ایک لاکھ کے ہیں۔'' فاریہ نے تفاخر سے گردن اکڑائی جبکہ باقی سب نے ان کو تاسف سے دیکھا۔

''امی..... قربانی تو اللہ کی رضا کے لیے کی جاتی ہے اور پھر اس پر اصل حق ان غرباء و مساکین کا ہے جو سارا سال اس نعمت سے محروم رہتے ہیں۔ ہم تو خوش قسمت ہیں جو اللہ نے ہمیں اتنی طاقت دی ہے کہ ہم قربانی جیسا نیک کام انجام دے سکیں پھر امی دکھاوا کرنا چھوڑ دیں۔'' حریم نے آہستگی سے ان کو سمجھایا مگر انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا اور ٹی وی دیکھنے لگیں تو حریم نے سرد آہ بھری۔

''بیٹا..... تم جاؤ جا کر باقی کام دیکھو تمہاری ماں نہیں مانے گی۔'' حسین نے بیٹی کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر دلاسہ دیا تو وہ کچن میں چلی آئی۔

''آپی کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس عید پر ہم دادا، دادی اور چاچو کو بلائیں یا پھر ہم ملنے چلے جائیں۔'' اقراء نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''اقراء تم بھی وہ باتیں کرتی ہو جو ممکن نہیں، تمہیں پتا ہے نہ کہ امی کو برا لگے گا۔'' حریم نے کہا۔

''امی کو اچھا کب لگتا ہے اور جو امی کے اپنے رشتے دار ہیں وہ تو دکھاوے کے مظاہرے کرتے ہیں لیکن امی کو نظر ہی نہیں آتا۔'' وہ دکھ سے بولی تو حریم نے بہن کے گال تھپتھپائے۔

❁ .... ❁ .... ❁

اسی نوک جھونک میں قربانی کا دن بھی آ پہنچا۔ حسین اور کاشف نماز پڑھ کر گھر آئے تو حریم اور اقراء نے عیدی کا مطالبہ کر دیا۔

''اس عید پر گوشت ہی عیدی کے طور پر دیا جاتا ہے میڈم۔'' کاشف نے انہیں تنگ کیا۔

''جی نہیں یہ آپ سے کس نے کہا؟'' اقراء نے منہ بسورا تو کاشف نے ہنستے ہوئے دونوں کو عیدی دی تھوڑی دیر میں قصائی بھی آ پہنچا اور بکروں کو ذبح کر دیا پھر گوشت بنانے کا مرحلہ آیا تو فاریہ نے چھری سنبھال لی اور چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنانے لگی۔ وہ حریم اور اقراء کے ساتھ اس کام میں لگی ہوئی تھی کہ کاشف باہر سے آوازیں دے رہا تھا۔

''امی.....''

''آ رہی ہوں۔'' فاریہ نے زور سے کہا اور باہر کو لپکی مگر وہ جلد بازی کی وجہ سے صحن میں کھڑے پانی کو دیکھ نہ سکی اور زور سے گری تو اچھی خاصی چوٹیں لگوا بیٹھی۔ یہاں تک کہ درد اتنا شدید تھا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑی بھی نہ ہو سکی اور ضبط کے باوجود ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ تینوں بچے اور حسین بھاگے ہوئے آئے اور انہیں سنبھال کر کمرے میں پہنچایا پھر تھوڑی ہی دیر میں ڈاکٹر بھی آ گیا۔

''ڈاکٹر صاحب فکر کی تو کوئی بات نہیں۔'' حریم نے پوچھا۔

''ان شاء اللہ ایک ہفتے تک ٹھیک ہو جائیں گی باقی دوائیں لکھ دی ہیں وہ انہیں باقاعدگی سے دیں۔'' ڈاکٹر نے کہا تو کاشف نے انہیں باہر تک چھوڑا جبکہ دونوں لڑکیاں ماں کے سرہانے بیٹھ کر ان کے پاؤں اور سر دبانے لگیں۔

''امی آپ فکر نہ کریں بس آپ جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔'' حریم نے ماں کو دلاسہ دیا۔

''بیٹا...... ذرا اپنی خالہ کو کال کر کے بتا دو تم سب کیسے کرو گی اتنا کام۔ وہ تمہاری مدد کے لیے ثانیہ (بیٹی) کو بھیج دیں گی۔'' تو اقرأ نے سر ہلایا اور خالہ کا نمبر ملا کر ماں کو پیش آنے والے حادثے کے بارے میں بتایا لیکن انہوں نے مہمانوں کا بہانہ بنا کر صاف جواب دے دیا تو نجانے اقرأ کے دل میں پھوپو کا نمبر ملانے کا خیال آیا اور انہوں نے آدھے گھنٹے تک آنے کا کہا۔

''کیا کہا خالہ نے تمہاری؟'' فاریہ نے بمشکل پوچھا۔

''امی...... خالہ کے گھر مہمان آئے ہوئے ہیں وہ مصروف ہیں۔'' اقرأ نے کہا تو ان کے دل پر گھونسا سا پڑا کیونکہ ان کی بہن ہر عید پر ان کے گھر موجود ہوتی تھی اور پھر رات گئے ہی وہ اپنے بچوں کے ساتھ واپس جاتی مگر آج جب بہن کو ذرا سی تکلیف کیا پیش آئی تو انہوں نے منہ پھیر لیا۔ فاریہ کی آنکھوں میں ندامت سی آ گئی مگر حریم نے ماں کے بدلتے ہوئے رنگوں کو دیکھ لیا تھا۔

''امی آپ پریشان نہ ہوں ہم ہیں نا آپ کی اولاد پھر کیوں فکر کرتی ہیں۔'' حریم کافی حساس تھی اور کسی کی ذرا سی تکلیف بھی برداشت نہ کر پاتی۔

کچھ ہی دیر میں حریم کی دادی' چاچو وغیرہ سب آ گئے جبکہ فاریہ بیگم شرم سے آنکھ بھی ملا نہ سکی کیونکہ ساری زندگی انہوں نے اپنے بچوں کو ان کے دادا دادی سے دور رکھا اور خود بھی ان کے ساتھ برا سلوک کیا مگر آفرین ہے ان لوگوں پر ایک لفظ شکایت کا بھی منہ سے نہ نکالا۔

''مجھے معاف کر دیں آپ لوگ پلیز۔'' فاریہ نے ساس کے آگے ہاتھ جوڑے تو انہوں نے پیار سے اسے گلے لگا لیا۔

''بیٹا...... ایسی باتیں نہیں کرتے' غلطیاں تو سب کرتے ہیں مگر ان سے سبق سیکھنا چاہیے نہ کہ ان کو دوبارہ دہرایا جائے اور پھر یہ اتنا پیارا موقع ہے بقر عید کا جو ہمیں قربانی کا سبق دیتا ہے۔ یہ نفرت' انا' خود غرضی جیسی بیماریوں سے بھی نجات حاصل کرنا قربانی ہے۔'' انہوں نے پیار سے کہا تو سب نے سر ہلایا۔

''اس لیے میں سوچ رہا ہوں کہ اس خوشی کے موقع پر ہم پرانی رنجشوں کو بھلا کر پیار بھرے رشتوں کی شروعات کریں۔'' حسن نے بھی حصہ لیا۔

''جی بھائی صاحب مجھے اپنی غلطیوں کا اندازہ ہو گیا ہے اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ ہمارے درمیان یہ دوریاں کبھی حائل نہیں ہوں گی۔'' فاریہ نے وعدہ کیا۔

''ان دوریوں کو سمیٹنے کے لیے بھابی گر آپ حریم بیٹی کو ہمارے گھر کی رونق بنا دیں تو......'' حسن نے اچانک کہا تو سب خاموشی سے ان کی جانب دیکھنے لگے جبکہ حسین نے آس بھری نگاہوں سے اپنی شریک حیات کو

میمونہ گل

السلام علیکم! میرا نام میمونہ گل' پیار سے سب مون کہتے ہیں۔ میرا تعلق میاں چنوں کے نسبتاً دین دار گھرانے سے ہے' 4 جون کی تپتی دوپہر میں ٹھنڈی پھوار کی طرح اس دنیا میں تشریف لائی۔ ایم اے انگلش کی اسٹوڈنٹ ہوں' اتنی ٹف پڑھائی میں اگر آنچل نہ پڑھوں تو اس کی طرف ترستی نگاہوں سے دیکھتی رہتی ہوں' یہاں تک کہ پڑھائی میں سے ٹائم نکالنا پڑتا ہے۔ آنچل کے بغیر دن گن گن کے گزارتی ہوں کیونکہ آنچل (دوپٹہ) کے بغیر بھلا کسی لڑکی کا گزارہ ہوسکتا ہے؟ اور اپنی پوری کلاس کو آنچل اوڑھانے کا سہرہ بھی میرے سر ہے۔ حلقہ احباب حلق تک پہنچا ہوا ہے (دوستوں پریشان نہ ہونا)۔ جس میں ہر عمر کے لوگ شامل ہیں لیکن فصیحہ محبوب میری محبوب دوست ہے' جس کے لیے میں نے اپنا آپ داؤ پر لگا دیا۔ اب آتے ہیں خوبیوں اور خامیوں کی طرف' خوبیاں بہت ہی کم ہیں جن میں سے ایک یہ کہ حساس بہت ہوں' کسی کی تکلیف برداشت نہیں کرسکتی۔ دکھی لوگوں کا سہارا بننے کی کوشش کرتی ہوں' خوش اخلاق ہوں۔ جتنی بھی ناراضگی ہو' آمنہ (بہن) کو چائے بنا کر دینا نہیں بھولتی (یہ میری ایکسٹرا خوبی ہے) خامیاں بے شمار ہیں' غصہ بہت جلدی آتا ہے (لیکن دور بھی بہت جلدی ہوجاتا ہے) ہر وقت روٹھی روح بنتی رہتی ہوں۔ ہر ایک سے آسانی سے اور ہر وقت لڑسکتی ہوں لیکن دوستوں کے بقول میرے بغیر کلاس میں رونق نہیں ہوتی۔ رنگوں کی دنیا مجھے بہت پسند ہے لیکن بلیک' ریڈ اور پنک میرے زیادہ پسندیدہ ہیں بقول فصیحہ کے مجھ پر سوٹ اور بج کلر کرتا ہے۔ مجھے چمکتے چمکتے لباس پسند ہیں' لباس میں مجھے لانگ شرٹ اور چوڑی دار پاجامہ پسند ہیں۔ ہر فیشن کرنے کو دل کرتا ہے' موسموں میں موسم سرما بہت پسند ہے۔ سرما کی بارش میرے دل کو انوکھی تازگی دیتی ہے' اڑتی تتلیوں کے سنگ اڑنا میری خواہش ہے۔ میرا پسندیدہ مشغلہ چائے بنانا اور پودے لگانا ہے' مجھے اپنے والدین سے بہت پیار ہے۔ میری پسندیدہ شخصیت مس سائرہ ہیں جن کے پڑھانے کا طریقہ بہت منفرد ہے۔ لکھاریوں میں سمیرا شریف طور میں جان ہے "یہ چاہتیں یہ شدتیں" ناول بہت پسند ہے اس کا لفظ لفظ روح میں اترا ہوا ہے۔ مجھے امید ہے آپ کو میرا انٹرویو پسند آئے گا۔ اپنی رائے سے ضرور آگاہ کیجیے گا' اس دعا کے ساتھ اجازت دیں کہ اللہ ہمیں اپنے دین کا سچا پیروکار بنائے اور میرے پیارے ملک وقوم اور اس کے مکینوں کو اپنی حفظ وامان میں رکھے آمین۔

دیکھا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا تو سب خوشی سے مبارک باد دینے لگے اور حریم شرماتے ہوئے باہر نکل آئی۔

کبھی اس نے سوچا تھا کہ وہ سب مل کر رہیں اور آج اس کی دعائیں قبول ہوگئی تھیں۔ یہ عید اس کے لیے خوشیاں ہی خوشیاں لے کر آئی تھی۔

"سنو......" کوئی ہولے سے بولا تو اس نے مڑ کر دیکھا سامنے پُرشوق نگاہوں سے دیکھتا فہد کھڑا تھا۔

"ڈیئر کزن...... خوش ہیں آپ؟" اس نے جھٹ سر ہلایا مگر اپنی جلد بازی پر فوراً شرمندہ ہوگئی اور وہاں سے بھاگی تو دور تک فہد کے قہقہے کی آواز نے اسے مسکرانے پر مجبور کردیا۔

"جی تو پھر آپ سب بھی پرانی رنجشوں کو بھلا کر اپنے اپنے پیاروں کو عید ملنے جارہے ہیں ناں تو جلدی کریں اس نیک کام میں پہل کریں کہیں پھر دیر نہ ہوجائے۔"

عید کی شاپنگ

مریم مرتضیٰ

"گڈ مارننگ ڈیڈی۔" آرزو ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی بولی۔
"گڈ مارننگ۔" فرید صاحب نے اخبار سے بغیر نظر ہٹائے جواب دیا۔
"ڈیڈی...... مجھے پیسے چاہیے۔" اس نے ان کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"اچھا۔" انہوں نے پہلے اخبار کو ایک طرف رکھا پھر اسے بغور دیکھا۔
"کس سلسلے میں اور کتنے پیسے میری گڑیا کو چاہیے۔" وہ اس کے پاس آکر بیٹھے۔
"ڈیڈی...... عید آرہی ہے اور مجھے ڈھیر ساری شاپنگ کرنی ہے اس لیے پیسے بھی ڈھیر سارے ہونے چاہیے۔"
"اچھا۔" فرید صاحب ہنس دیئے۔
"بیٹا...... عید ضرور مناؤ مگر اپنی شاپنگ کرتے اپنی ضروریات پوری کرتے وقت ان کا بھی تھوڑا بہت خیال رکھ لیا کرو جن کا کوئی خیال رکھنے والا ہی نہیں۔" انہوں نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے گہری بات کی جسے وہ ان سنی کر گئی اور اکتا کر بولی۔
"اوہو ڈیڈی...... آپ مجھے پیسے دے رہے یا نہیں؟"
"میں نے انکار تو نہیں کیا۔ آؤ کمرے میں میرے ساتھ تمہیں اے ٹی ایم کارڈ دیتا ہوں جتنا چاہے خرچ کر لینا۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ مسکراتے ہوئے ان کے ساتھ چل دی۔

......☆☆☆......

"ہائے حمنہ کہاں ہو تم؟" بیڈ پر لیٹتے ہوئے موبائل کانوں پر لگائے بولی۔
"قبر میں۔" حمنہ کچن میں اکتائی ہوئی کھڑی تھی۔
"کیا ہوا سویٹ ہرٹ۔ موڈ کیوں آف ہے؟" آرزو نے پوچھا۔
"یار مما گئی ہیں اسلام آباد اور ملازمہ بھی چھٹی پر چلی گئی تو خود کچن میں آنا پڑا۔" اس نے فرائی پین کو زور سے چولہے پر رکھتے ہوئے کہا۔
"تو کوکنگ ہو رہی ہے؟ کیا پکا رہی ہو؟" آرزو نے ہنستے ہوئے چھیڑا۔
"تمہارا سر۔ اچھی طرح جانتی ہو مجھے کچھ پکانا نہیں آتا۔ بس انڈا فرائی کرنے لگی تھی۔" حمنہ نے جل کر جواب دیا۔
"تم جلدی سے تیار ہو جاؤ میں آرہی ہوں، شاپنگ پر جانا ہے اور تمہیں تمہاری پسند کا ڈنر بھی کرواؤں گی۔" اس نے خوشی خوشی آفر کی۔
"ٹھیک ہے میں تیار ہو جاتی ہوں تم آجاؤ۔" اس نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا۔ آرزو نے اس کی رضامندی جانتے ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

......☆☆☆......

"اسی شاپنگ مال میں چلیں؟" کار ڈرائیو کرتے ہوئے آرزو نے پوچھا تو حمنہ نظریں گھما کر شاپنگ مال کو دیکھنے لگی۔
"ہاں یار اس شاپنگ مال کا بڑا چرچا ہے تقریباً میرے جاننے والے سبھی یہاں سے شاپنگ کرتے ہیں۔" اس نے تفصیل بتائی۔
"کیسی ورائٹی ہے؟" حمنہ نے پوچھا۔
"ودیہ۔" آرزو نے کہا۔

☆☆☆

شاپنگ مال کے باہر کھڑی آٹھ نو سال کے لگ بھگ بچی سب امیروں کو حسرت سے آتا جاتا کھڑی دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں آرزو کی بھی کار آرکی تھی۔ وہ اور حمنہ اتری اور شاپنگ مال میں داخل ہوگئی تھیں۔ ہنستے مسکراتے ایک سوٹ نہیں تو دوسرا پسند کیا، ڈریس پسند کرکے جوتے بھی پسند کیے اور پیک کروا کر باہر نکلنے لگی تو آرزو کی اس بچی پر نظر پڑی۔

"یار یہ مانگنے والے بھی ناں دیکھو بچوں کو راستے میں کھڑا کردیتے ہیں تاکہ ان کی معصومیت دیکھ کر لوگ کچھ پیسے دے دیں گے۔" آرزو نے کار میں بیٹھ کر حمنہ سے کہا۔

"ہاں یار۔ چھوڑو تم کن لوگوں کے بارے میں سوچنے لگیں چلو ناں۔" وہ بولی۔

"بہت دیر ہوگئی یار ممی ڈیڈی ویٹ کررہے ہوں گے۔" اس نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"یار یہ پیرنٹس بھی ناں امیر کے ہوں یا غریب کے اولاد کی ٹینشن ضرور لیتے ہیں۔" حمنہ نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

☆☆☆

بیڈ پر بیٹھی آرزو لیپ ٹاپ پر فیس بک استعمال کررہی تھی کہ اس کے پاس پڑا موبائل بجا تو وہ متوجہ ہوئی حمنہ کا نمبر تھا۔

"جی سویٹ ہرٹ نیند نہیں آرہی کیا؟" اس نے فون اٹینڈ کرنے کے ساتھ پوچھا۔

"یار ابھی سویرہ نے اپنے عید کے ڈریسز پکس وٹس ایپ کیے ہیں؟" حمنہ نے ایک ہاتھ سے کھڑکی کھولتے ہوئے کہا۔

"تو کیا ہوا اس کے زیادہ ایکسپینسو ڈریس ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں ڈیئر۔"

"پھر؟"

"اس کے تمام ڈریس تمہاری ڈریسز کی طرح ہیں بس صرف کلر چینج ہے۔"

"چلو کوئی بات نہیں ہم عید کے لیے نئے سوٹ لے لیتے ہیں۔" آرزو نے مسکرا کر بات اڑائی۔

"انکل کو اے ٹی ایم واپس کردیا کیا؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں تو کیا ہوا؟ ڈیڈی میری کسی بات کو نہیں ٹالتے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"او کے پھر کل ملتے ہیں ٹیک کیئر۔" حمنہ مسکرائی۔

"گڈ بائے۔" اس نے موبائل کو بند کرکے رکھا۔

☆☆☆

"ڈیڈی مجھے آپ کا اے ٹی ایم پھر سے چاہیے۔" اس نے ٹیرس میں کھڑے ڈیڈی کے پاس جا کر کہا۔

"اب کیا کرنا ہے میری شہزادی نے؟" انہوں

نے پوچھا۔

"ڈیڈی جیسے ڈریس میں لائی ویسے ہی سویرہ لے آئی اب دیکھیں ناں میں ایسے ڈریس اب نہیں پہن سکتی میری انسلٹ ہے۔" اس نے کہا۔

"بیٹا......! وہ بھی تو ہیں جن کے پاس ایک جوڑے کے سوا کچھ نہیں۔" فرید صاحب نے اسے سمجھایا۔

"تو آپ ان سے میرا موازنہ کر رہے ہیں؟" آرزو نے چڑ کر کہا۔

"میرے الفاظ کو غلط انداز سے مت پرکھو تم جانتی ہو کہ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا مگر میری بچی قربانی دینے میں جو مزہ ہے ناں وہ کسی اور میں نہیں قربانی صرف وہی نہیں جانور ذبح کیا وہ تو سنت ہے لیکن ایک قربانی اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو کسی اور کے لیے قربان کرنا، اس میں اللہ نے بڑا لطف رکھا ہے۔" انہوں نے مزید سمجھانے کی کوشش کی۔

"اُفوہ ڈیڈی...... ہم نے کسی کا ٹھیکہ نہیں اٹھایا ہوا۔ آپ میری اتنی سی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتے؟" اس نے اکتا کر کہا۔

"یہ لو بیٹا خوش رہو۔" انہوں نے جیب سے کارڈ نکال کر دیا اور وہ ہنسی خوشی چلی گئی۔

......☆☆☆......

شاپنگ مال میں جب حمنہ اور آرزو داخل ہونے لگی تو آرزو کی نظر پھر اس معصوم بچی پر پڑی مگر وہ اسے نظر انداز کر کے چلی گئی۔ وہ جب شاپنگ کر کے گاڑی میں سوار ہوئی تو وہ انہیں حسرت اور آہ بھری نظر سے دیکھے جا رہی تھی۔ آرزو مسلسل اسے نظر انداز کیے جا رہی تھی مگر کہیں دل میں اسے چبھن محسوس ہونے لگی تھی۔

......☆☆☆......

رات کو اس کا سوشل میڈیا پر جی نہ لگا اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ سونے کی کوشش کرنے لگی مگر وہ معصوم بچی اور اس کی حسرت بھری آنکھیں اسے بار بار یاد آ رہی تھیں۔ اسے اپنے ڈیڈی کی کہی باتیں بھی یاد آ رہی تھی۔

"میری بچی قربانی دینے میں جو مزہ ہے ناں وہ کسی اور میں نہیں قربانی صرف وہی نہیں جانور ذبح کیا وہ تو سنت ہے لیکن ایک قربانی اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو کسی اور کے لیے قربان کرنا، اس میں اللہ نے بڑا لطف رکھا ہے۔"

اس اثنا میں رات بیت گئی اور اسے نیند نہ آئی، اس کا ضمیر اسے بار بار ملامت کرتا رہا اور وہ اسے نظر انداز کر کے بھی نہ کر پائی تھی۔

......☆☆☆......

صبح سویرے اس نے شاپنگ مال جا کر دوسری بار کے لیے کپڑے واپس کیے اور اس بچی کو اندر لے جا کر شاپنگ کروائی۔ اسے کپڑے جب لے کر دیے تو بچی کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"گڑیا آپ کے گھر میں اور کون ہے؟" آرزو نے اس بچی سے پوچھا۔

"امی ہے بہت بیمار ہے۔ پیسے نہیں کہ دوائی لیں۔" اس بچی نے روتے ہوئے بتایا۔

"آپی آپ یہ میرے کپڑے واپس کر دو مجھے پیسے دے دو تاکہ میری ماں ٹھیک ہو جائے۔" اس نے روتے ہوئے کہا۔

"ہم شاپنگ بھی کریں گے اور تمہاری مما کا علاج بھی ہوگا۔" اس نے بچی کے آنسو صاف کر کے گلے لگا لیا۔

"میری امی ٹھیک ہو جائے گی کیا؟" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"ہاں گڑیا تمہاری امی ٹھیک ہو جائے گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کتنی اچھی ہو آپی اللہ آپ کو بہت خوش رکھے اور اتنا پیسا دے کہ آپ کو کبھی کمی نہ ہو۔" بچی نے دعائیہ انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی۔

......☆☆☆......

"یہ کیا اول فول بک رہی ہو آرزو تم نے اتنے

سحر امتیاز

السلام علیکم سب سے پہلے میرا سلام قبول کریں۔ تمام پڑھنے والوں کو ایک بار پھر سے میرا سلام۔ میں 26 oct 1997 کو پیدا ہوئی۔ آنچل سے میری وابستگی 2007 سے ہوئی۔ کیونکہ میری بڑی بہن پڑھتی تھی۔ یوں ایک قسط پڑھی تو دل کو چھو گئی اور اب تک پڑھتی آ رہی ہوں۔ ہم پانچ بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ ماشاءاللہ سب شادی شدہ ہیں۔ میری شادی بھی ہو چکی اور ماشاءاللہ میرے دو بچے ہیں۔ ایک بیٹی اور ایک بیٹا۔ بہت حساس ہوں۔ کسی کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتی۔ وائٹ کلر پسند ہے۔ غصے کی بہت تیز ہوں۔ لمبی قمیص کے ساتھ شلوار اور لمبا دوپٹہ اوڑھنا پسند ہے۔ بریانی شوق سے کھاتی بھی ہوں اور پکاتی بھی ہوں۔ آنچل پڑھنے والوں کو پیغام دیتی ہوں کہ سب مل کر دعا کریں کہ ہمارا خاندان ایک ہو جائے اور سب کی آپس میں صلح ہو جائے اور اللہ آنچل کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا کرے۔ اس دعا کے ساتھ اللہ حافظ۔

خدیجہ اٹک بدی

پستی سے بلندی کی طرف پرواز کرتی ہوں
بسم اللہ سے اس تعارف کا آغاز کرتی ہوں

تو جناب قارئین میں 2 مارچ 1998 کو پیدا ہوئی۔ میں قصور کے قصبے کھڈیاں خاص میں رہائش پزیر ہوں۔ پسندیدہ کتاب قرآن پاک ہے۔ پسندیدہ ہستی آپ ﷺ ہیں۔ کھانے میں چرغہ، بریانی، قورمہ پسند ہے۔ لباس میں عبایہ پسند ہے۔ کچن سے الرجی ہے۔ سب سے اچھی ہستی استاد کی لگتی ہے۔ موسٹ فیورٹ ٹیچر شازیہ ہیں۔ میوزک سے نفرت ہے۔ علامہ اقبال سے خاص عقیدت ہے۔ فیورٹ رائٹر نازی، عمیرہ، نمرہ، اقرا اور مریم ہیں۔ مجھے اپنی امی سے بے انتہا محبت ہے۔ آخر میں آپ سب کو میرا پیار۔ اللہ حافظ۔

ایکسپینسو اور خوب صورت ڈریس واپس کر دیے۔“ حمنہ نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا اسے آرزو کی دماغی حالت پر شبہ ہو رہا تھا۔

”یہی حقیقت ہے یار۔“ اس نے کولڈ ڈرنک کا گھونٹ بھر کر اطمینان سے کہا۔

”عید پر تمام فرینڈز کے ڈریسز مختلف ہوں گے تو تمہارا......“ وہ رک گئی۔

”کیا فرق پڑتا ہے ملتے رہیں ایٹ لیسٹ میرے دل کو اللہ تعالیٰ نے اب سکون دے دیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے میں اطمینان سے ہوں اب۔“ اس نے حمنہ کو لاجواب کر دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کی سوچ کو بھی ایک نیا رنگ دے دیا تھا۔

......☆☆☆......

”آرزو ابھی تک نہیں آئی؟“ کولڈ ڈرنک کا گھونٹ لے کر حمنہ نے بے چینی سے باقی دوستوں سے پوچھا۔

وہ دوستوں کے جھمیلے میں ہال میں بیٹھی تھی۔ اچانک دروازہ کھلا اور آرزو داخل ہوئی۔ آرزو کے چہرے کی رونق اور خوب صورتی دیکھ کر سب جیسے سکتے میں آ گئی تھی۔ وہی ڈریس مگر اتنا جچ رہا تھا سب کا دھیان ہٹ ہی گیا کہ ایسا ہی ڈریس سویرہ نے بھی پہن رکھا تھا۔ سب کی نظر اس کے ہی چہرے پر جمی تھی۔ جو اللہ کی پسند کا کام کرتا ہے اللہ اس کی پسند کا کام کر دیتا ہے۔

بہار

حمیرا قریشی

حسب معمول نماز عصر سے فارغ ہو کر تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہوگئی سورۃ احزاب کا اول رکوع ہی پڑھ پائی تھی کہ اسی اثناء میں دروازے پر پُرزور دستک ہوئی۔ بلیک ویلویٹ سے مزین کتاب آسمانی سینے سے لگاتی دروازے تک آئی۔ دروازہ وا کیا تو سامنے سکینہ افسردگی کا لبادہ اوڑھے خستہ حال کھڑی تھی۔ بھیگی آنکھیں، سرخ ناک گواہ تھی کہ وہ خوب رو دھو کر آئی تھی۔

”ارے کیا ہوا سکینہ! خیریت تو ہے نا؟“ دائیں ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی چھوتے ہوئے تفکر سے استفسار کیا۔ بجائے مجھے جواب دینے کے سکینہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ بنا کوئی باز پرس کیے اس کا ہاتھ تھام کر اسے لاؤنج میں لے آئی۔

”ادھر بیٹھو سکینہ، یہ لو پانی پیو۔“ میں نے ٹھنڈے پانی سے بھرا گلاس اس کی سمت کیا تو سکینہ نے لمحے بھر کے لیے مجھے دیکھا پھر گلاس تشنہ لبوں سے لگالیا۔

”کیا بات ہے اب بتاؤ؟“ خالی گلاس میز پر رکھتے ہوئے طمانیت سے پُر لہجے میں کہا۔ سکینہ میرے ہاتھوں کو بےقراری سے تھام کر گویا ہوئی۔

”بی بی جی، میرے حمزہ (بیٹا) کی طبیعت بہت خراب ہے کل رات سے وہ بخار میں تپ رہا ہے، جب ہی میں آج کام پر بھی نہیں آئی بی بی جی...... وہ...... وہ......“ سکینہ لفظوں کو تلاشنے میں سرگرداں تھی۔ میں نے اپنے بیڈروم کا رخ کیا جو بات سکینہ کے لرزتے لب نہ کہہ سکے تھے وہ اس کے بہتے اشک کہہ گئے تھے۔

”یہ لو سکینہ اور اپنے بیٹے کو کسی اچھے چائلڈ اسپیشلسٹ کو دکھاؤ، پیسوں کی فکر مت کرنا کسی کی جان سے زیادہ حیثیت حاصل نہیں ہے پیسوں کو اور جب تک بچہ ٹھیک نہیں ہو جاتا تم کام پر بھی مت آنا۔“ سکینہ کے بہتے اشکوں میں، میں نے اپنے بھیگے لفظوں کو مدغم کردیا۔ سکینہ مہربان نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی شاید وہ لفظوں کی کتاب میں سے شکریہ کے لفظ تلاش رہی تھی اور جب لفظ ترتیب پاگئے تو وہ بولنے لگی۔

”رب سوہنا آپ کے آنگن میں بھی پھول کھلائے بی بی جی! بہت مہربانی آپ کی۔ اولاد کا دکھ ماں باپ کے لیے سوہانِ روح ہوتا ہے۔ اگر بچے کے اشک بہتے ہیں تو ماں کا لہو جلتا ہے۔ میرا سوہنا رب جلدی آپ کی گود بھرے بی بی جی......“ سکینہ دعاؤں کے خزانے لٹاتے ہوئے دہلیز سے رخصت ہوئی۔

”اولاد کا سکھ کیا ہوتا ہے دکھ کیا ہوتا ہے؟ بھلا مجھے کیا پتا، میرا آنگن تو برسوں سے ویران صحرا کی مانند ہے۔ میں وہ پیڑ ہوں جس پر پھول نہیں کھل سکے تھے، میرے کان بچوں کے شور وغل کے منتظر ہی رہے۔ ان کی قلقاریاں سننے کو ترستے رہے۔ ان کی معصوم شرارتوں پر ہنسنے کو میرے لب سسکتے رہے، دل لہو لہو ہوتا رہا۔ اولاد نہ ہونے کے غم نے مجھے میرے رب سے بہت قریب کردیا تھا۔ ڈاکٹرز کی طرف سے مایوس ہو کر میں نے ڈاکٹروں کے بھی ڈاکٹر سے رجوع کرلیا اور پھر سب ہی کچھ اس پر چھوڑ دیا پھر یہ ہوا کہ قلب غمزدہ کو راحت میسر آگئی۔ راحت بھری لہریں دھڑکنوں میں ڈوبنے ابھرنے لگیں۔ اطاعت باری تعالیٰ سے جو راحت قلب و جان کو میسر آتی ہے وہ ہر دکھ پر غلبہ پالیتی ہے۔“ سکینہ کی بھیگی آنکھوں میں ممتا کا سیلاب دیکھا تھا میں نے، اولاد کے لیے وہ دست نگر بن گئی تھی۔

سوچوں کی ناؤ میں سوار نجانے اور کہاں کہاں بھٹکتی مسجد سے آتی اللہ اکبر کی صدا پر چونک گئی۔

”اے عزواللہ جل! اے مالک کائنات! مجھے اولاد کی

نعمت سے نواز دے۔" آستین کہنیوں تک چڑھاتے ہوئے میں نے روتے لفظوں سے اپنے پروردگار سے پندرہ سال پرانی التجا کی اور وضو کرنے لگی۔

......☆☆☆......

گلابی نرم وگرم بے بی بلینکٹ میں چھپی ہوئی بچی مسلسل رو رہی تھی۔ اس کے رونے کی صدا پر میرا دل دکھ کے گہرے دلدل میں دھنستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے گلابی پیر پر بڑا سا زخم اسے رونے پر مجبور کر رہا تھا' زخم سے رستا لہو میرا لہو سکھا رہا تھا۔ کل ہی کی تو بات تھی' جب سکینہ روتی ہوئی اس بچی کو بانہوں میں لیے میری سنسان دہلیز پر ایستادہ تھیں۔

"یہ...... کون ہے سکینہ؟" مارے حیرت کے میری آواز بھی بامشکل نکل رہی تھی۔ سکینہ کی بانہوں میں نوزائیدہ بچہ دیکھ کر میں نے استفسار کیا۔

"بی بی جی' یہ میری بیٹی ہے۔" سکینہ میرے روبرو آ کر سرگوشی نما آواز میں بولی۔ "کل رات کو منہ جی میں اپنے حمزہ کو دوا دلا کر آ رہی تھی' ڈاکٹر صاحب کے ہاں بہت بھیڑ تھی مجھے دیر ہوگئی جب میں گھر کے قریب پہنچی تو کچرے کے ڈھیر پر مجھے کوئی چیز ہلتی نظر آئی ساتھ ساتھ بچی کے رونے کی آواز بھی سنائی دی تو میں نے لپک کے جو دیکھا تو...... بی بی جی! یقین جانو میری تو حالت ہی غیر ہوگئی۔ کچرے کے ڈھیر پر یہ ننھی کلی برہنہ پڑی تھی اور...... اور بی بی جی! پاس بیٹھا بلی کا بچہ اس معصوم روئی کی مانند بچی کا پیر جھنجھوڑ رہا تھا جس کے سبب یہ معصوم زار و قطار رو رہی تھی۔ وہ تو میں بروقت پہنچ گئی بی بی جی! وگرنہ تو نجانے کیا ہو جاتا۔" سکینہ روتے روتے بول رہی تھی اور میں روتے روتے سن رہی تھی۔ بچی اب بھی مسلسل رو رہی تھی شاید اسے بہت تکلیف تھی۔

"یہ دیکھو بی بی جی......" سکینہ نے اس کے نرم و نازک وجود کو اپنے دوپٹے سے نکالا تو میں اس کا زخمی پیر دیکھ کر بے ساختہ چیخ اٹھی۔ دھڑکتا دل دہل کر رہ گیا' پیروں میں یک دم کپکپاہٹ طاری ہوگئی کھڑا رہنا محال ہوگیا اور میں صوفے پر ڈھے گئی۔

"کون ظالم تھا جس نے اس ننھی جان پر ظلم توڑا' بچے تو پھول سے بھی نازک وحساس ہوتے ہیں اسے کچرے کی ڈھیر پر کوئی کیونکر پھینک سکتا ہے سکینہ......!"

"بی بی جی' یہاں شب کے اندھیرے میں رب سوہنے کی حمیت کو یوں ہی للکارا جاتا ہے پھر کیونکر نہ زمین لرزے گی جب اس پر یہ قیامتیں ٹوٹیں گی وہ تو لرزے گی نا۔ عذاب تو اتریں گے نا۔" سکینہ کیبنٹ صاف کرتے ہوئے رندھے لہجے میں بولی۔

میری سونی ویران گود میں بہار سوئی ہوئی تھی۔ میری زندگی میں بہار کے آنے سے یک دم بہار آئی تھی میں نے اس کا نام بہار رکھا یوں میرے رب نے میری گود بھر دی۔ میری ہر ایک سانس رب کی شکر گزار اور آنکھیں اس کی رحمت پر اشک بار تھیں۔

فخر ہے قوم کا

حرا قریشی

ہم ہیں ارض پاک کے ذروں کی حرمت کے امیں' ہم ہیں حرف لاالہ کے ترجمان بے خطر۔

جذبہ جہاد کے بغیر سامان حرب کی کوئی قدرو قیمت نہیں کیونکہ جب تک انسان کا عزم صمیم دشمن کے خلاف جذبہ و جوش کا تلاطم لیے ڈٹ کر نہ کھڑا ہوگا اس وقت تک سامان حرب کو استعمال میں لانے کی نوبت نہ آئے گی اور پھر جو شے ضرورت کی سطح سے نہ گزرے اس کے لیے اہمیت و فوقیت کا شعور برتر ہونے کا کیا جواز رکھتا ہے؟ تاریخ گواہ بنی ہے جب جب اللہ کے شیر ثابت قدم جہاد ہوئے سبک روی نے محتاط روی سے اعلیٰ دستی سے اور قوی بردباری سے بس آگے بڑھتے گئے مقصد کی حدت مادر وطن سے محبت اور جذبہ شہادت کی لذت ان کے حرکت کرتے ہر ہر قدم کو ملک کی عزت وحرمت کا کاسہ تھمائے ہوئے تھی۔ ان کے قلبی ہیجان میں لہو سے لبریز ایک پیاس تھی جو عدو سے بر سر پیکار ہوکر ہی بجھ سکتی تھی۔ ان کے سروں پر وہ دستار تھی جو شان سے اونچا رہنے کا فن جانتی تھی۔ ان کے لہجوں میں لسان کی ایسی گرمی تھی کہ گردوں بھی ٹھنڈا ہوا جاتا تھا۔ ان کے دست پایاب بے مثال قربانی اور باعث فخر بادبانوں سے لیس تھے جو شہادت کا مطلوب و مقصود بخوبی جانتے تھے۔ ان کے مضبوط قدم دشمن کے احساس تفاخر سے ابھری گردن کو مروڑ دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ یہ اس قوم کے جیالے تھے جس کی پرواز فضا میں آزاد پرندوں کی سی ہے جن کے آگے عقاب کی تندہی کچھ نہیں' خائف ہونا لڑکھڑاتے ارادے رکھنے والوں کو زیب دیتا ہے جو ہتھیلی پر جان لیے پھرے وہ تو سرزمین پاک پر مرتے وقت بھی فلک کی وسعتوں میں رہتے ہیں۔ ان کی نگاہیں نور و ظلمت سے ماورا اور لب نغمہ سرائی کے اس پرجوش و ہیجان خیز گیت سے لبریز تھے' جس کے سر شہید ہونے کے بعد بھی مدھر تان لیے عیاری و مکاری کی ملمع سازی کا خول چڑھائے دشمن کو چین کی نیند سونے نہیں دیتے' کروٹیں بدلتا عیار جو طاق میں بیٹھے محو خرام وست الو کی آواز سے ڈر جاتا ہے وہ مرد مومن جو حق کا علمبردار ہے راست بازی کا علم لیے بے خوف وخطر تن کر بصورت خط مستقیم سیدھا کھڑا ہے اس کے سامنے کیا بال و پر مار سکیں گے۔

مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری۔ چھ ستمبر تاریخ کے کے سینے پر ایک روشن ودرخشاں تاباں چمک دار سا ستارا' ایک ناقابل فراموش کتاب کا چونکا دینے والا باب ہے۔ یہ وہ دن ہے جو وطن عزیز کے حوالے سے دفاع کی دستار پہنے ہوئے ہے۔ یہ وہ دن ہے جب ہر محبِ وطن اپنا جان ومال لٹا رہا تھا۔ یہ وہ دن ہے جب ہسپتالوں کے آگے لہو کا عطیہ دینے والے سر پر کفن باندھے ہر حیل وحجت سے بے پرواقطاروں کی صورت ایستادہ تھے۔ یہ وہ دن ہے جب خوراک ولباس اتنی تعداد میں دے دیے گئے تھے کہ سنبھالنا شمار کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ یہ وہ دن ہے جب بچہ بچہ "شہادت ہے مطلوب ومقصود مومن" پر پورا اترنے کی مساعی میں لگا تھا۔ یہ وہ یادگار گھڑی ہے عالم اسلام کی' جو انگریزوں کے دجل وتلبیس اور ہندوؤں کی مکارانہ ملی بھگت اور سازش کا واضح ثبوت ہے۔ یہ وہ دن ہے جب بھارت نے شب دیجور پاکستانی سرحدوں پر بزدلانہ حملہ کیا اور جب ہماری بہادر و غیور مسلح افواج نے اپنے سے کئی گنا بڑی طاقت کی درگت بنا ڈالی' یہ وہ آزادی کے متوالے تھے جو ملی وحدت واتحاد کے جذبے سے سرشار تھے۔ جیسی درگت بنی تھی ایسا نظارہ چشم فلک نے بھی پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ زمیں کا آتشی رنگ دامن ان جانبازوں کے جسد خاکی سے نکلتے لہو سے تر ہوتا سنہری باب رقم کررہا تھا۔ غلام سرور خان کی بابت بیان کروں تو یہ اس دور کی بات ہے جب پچاس برس پیشتر انگریز نے ہمارا ملک ہمیں واپس کردیا تو تقسیم کو بالائے طاق رکھتے مسلم اکثریت کا علاقہ پٹھان کوٹ کمال عیاری کے ساتھ ہندوؤں کے حوالے کردیا گیا' جس کے پس پردہ حکمت ابلیسی کی یہ چال مدنظر تھی کہ کشمیر جو مسلم اکثریت کی

ریاست ہے اور جو صدیوں سے ہندو ڈوگرہ حکمران کا نشانہ جور وستم بنی تھی۔ اصول تقسیم کے مطابق بھارتی سورماؤں کا مسلمان حکمرانوں کی ہندو اکثریت والی ریاستوں حیدر آباد دکن' مناودر اور جونا گڑھ پر جارحانہ قبضہ تھا لیکن کشمیر میں جہاں چالیس لاکھ مسلمان صدیوں سے آباد تھے' مٹھی بھر ہندوؤں کا ان پر ظلم وستم بعید از فہم وقیاس تھا۔ وقت گزرتا رہا پنڈت نہرو برہمن وعدہ ایفائی سے ٹال مٹول کرتا کشمیریوں کو حق دجال دلانے آتے رہے اور اندر ہی اندر برہمنی لے پالکوں کی پیٹھ تھپک تھپک کے واپس جاتے رہے۔ کشمیریوں کا ستارہ مقدر نحوست کی گردش سے نہ نکل سکا۔ جیل کی کال کوٹھڑیوں کے دروازے کھول دیئے گئے۔ ان کی زمینیں چھین لی گئیں' مکان جلا دیئے گئے' معصوم عصمتیں خاک میں ملا دی گئیں۔ انہیں ملک در بدر کیا جاتا رہا۔ بالآخر انہوں نے تیرہ اگست کو جارحانہ طور پر اعوان شریف پر گولہ باری کر کے قوم کے سوئے شیر کو جگا دیا۔ اس شیر کی ایک ہی گرج نے بھارتی گیدڑوں کو دریائے توی اور اکھنور کی لہروں کے سپرد کر دیا تھا لیکن بھارتی لومڑ کی مکار ذہنیت نے ایک نیا منصوبہ تراشا کہ پاکستان کے دل شہر لاہور کی آبادی سوئی ہوگی چلو چھ ستمبر کی رات کے دو بجے چپکے چپکے ان پر حملہ کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیں اور جمخانہ لاہور میں جام عیش لنڈھائیں۔ یہ سوچ کر بھارتی سورماؤں نے راجستھان' سیالکوٹ' کھیم کرن اور چونڈہ پر آج کے دن تین اطراف سے لاہور پر حملہ کر دیا۔ میں صرف اتنا کہوں گی کہ پاکستانی قوم ناپاک دشمن کے دیو ہیکل ٹینکوں' توپوں اور ان گنت فوج کے سیل بے پناہ کے سامنے پشاور سے لے کر چٹاگانگ تک ایک سیسہ پلائی دیوار بن گئی اور بری' بحری اور فضائی جانبازوں نے اپنے کارنامے سنہری حروف میں لکھے جو آنے والی نسلوں کے لئے زندہ مثال ہوں گے پھر اس جنگ میں واہگہ کے محاذ پر میجر عزیز بھٹی اور میجر شفقت بلوچ نے بھی بہادری و شجاعت کی ایک نئی داستان رقم کی۔ میجر راجا عزیز اور میجر شفقت بلوچ نے جو طاقت کا مظاہرہ کیا وہ کہاں کبھی دیکھنے میں آئی گی۔ سچے جذبوں کی فتح ہوئی۔ چونڈہ کا محاذ بھارتی ٹینکوں کا قبرستان بن گیا۔ سترہ روزہ اس محاذ میں پاک شاہینوں کا راج رہا۔ یہ شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی آنگبین۔

......☆☆☆......

جو کبوتر پر جھپٹنے میں مزا ہے اے پسر وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں۔ آخر میں بس یہی کہوں گی جو ہمارے مرد مومن اسلام کے سچے پیروکار ہیں وہ بحر کے بھنور سے نکلنے کا فن جانتے ہیں' دریاؤں کے رخ پلٹ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں' پہاڑوں کا سینہ چیر سکتے ہیں اور کفر کی ہر دیوار ضرب مومن کے ایک ہی وار میں مٹی کا ڈھیر بن جاتی ہے کیونکہ مجاہد کی ایک ہی آرزو ہوتی ہے اور وہ ہے شہادت کی آرزو' نہ روک سکیں گے شاہینوں کو یہ مندر کے پجاری۔ اب جو اڑیں ہیں تو آسماں چھو کے رہیں گے۔ رب سوہنا پاک سرزمین پاکستان کو ہر بلا و آفت سے محفوظ رکھے اور اسے سدا قائم و دائم رکھے آمین۔

وطن پاک کی نظر میری ایک نظم

تیرے یہ محاسن' یہ خدوخال
یہی ہے بس میرا حسن و جمال......
جبیں تیری سرزمیں تیری
ازل سے ہے مکیں میری......
ہیں جو بھی عرش و سماں میں باقی
سجود و شمس و قمر یہ تیرے
انہی کے دم سے ہے تاباں
میرے قلب و جاں میں کعبہ
سب ہی جو رفعتیں ہیں جتنی بھی نکہتیں ہیں
تیرے وجود و زن سے ہی
سب ہی اندر میرے سمائی ہیں
نگاہوں میں سرب کہکشاں ابھر آئی ہیں
راہیں مستقبل کی میری نکھر آئی ہیں
تو ہر شے سے مجھ کو بڑھ کر ہے
اتحاد و تنظیم کا صمیم تو پیکر ہے

نچھاور کردوں ذات پہ تیری
ہے جو چار روزہ زیست یہ میری
جو مانگے ایک بار تو
جسم و روح کا سرب سامان دے دوں......
تیری خاطر
ہزار بار میں جان دے دوں۔!!!

جانبازِ مردِ مجاہد

طوبیٰ افشین

آؤ موت سے کریں آغاز سفر دوستو
زندگی ہوگی تو مرنے کا ڈر تو ہوگا

ضلع چکوال کے ایک گاؤں میں آنکھ کھولنے والا جانباز مردِ مجاہد کھیلتے کودتے ہنسی مذاق کرتے بچپن سے لڑکپن میں جا پہنچا۔

میٹرک کے پیپرز سے فراغت کے بعد گھر میں فارغ بیٹھنے سے بہتر اسے گھریلو کام کاج میں ہاتھ بٹانا اچھا لگا۔ ایک دن اسے کہیں سے فوج کی بھرتیوں (آرمی کی آسامیاں) کی خبر ملی تو وہ خود ہی جا کر آرمی میں نام لکھوا آیا اور گھر والوں کو بتا دیا۔ چچا کا لاڈلا ہونے کے باعث اسے مردان لے گئے اور وہاں آرمی کیمپ میں میڈیکل ٹیسٹ اور مختلف ٹریننگ مراحل میں اس کی اول پوزیشن آئی' اسے اس خوش خبری کے ساتھ گھر بھیج دیا گیا کہ اسے جلد ہی بلوا لیا جائے گا تو وہ خوشی خوشی گھر آ گیا۔

کچھ دن گزرے کہ جنگ شروع ہوگئی اور اس مردِ مجاہد کو آرمی جوائن کرنے کا پیغام بذریعہ ڈاک موصول ہوا۔ مردِ مجاہد نے اپنی کمر باندھی والدین' بڑے بھائی' رشتہ داروں' دوستوں' ہمسایوں اور محلے والوں کو مل کر یہ کہتے ہوئے رخصت ہوگیا "دعا کرنے میں واپس نہ آؤں۔"

ہر آنکھ کو اشک بار چھوڑ کر 6 ستمبر 1965ء کی جنگ میں شامل ہوگیا' جہاں پنجاب رجمنٹ لاہور بی آر بی نہر پر میجر عزیز بھٹی کے ساتھ مل کر وطن کی سرحد کا دفاع کیا۔

جہاں ریڈیو ٹیلی ویژن پر نشر ہونے والے نغمے اور قوم کی دعائیں مجاہدوں کی حوصلے بڑھا رہے تھے اور ساتھ ہی شہادت کے مرتبے پر فائز ہونے والے مردِ مجاہدوں کی خبر پر ہر آنکھ اشک بار تھی وہاں اس جانباز سپاہی کے گھر والے بے خبر تھے کہ ان کا جانباز مجاہد ملک کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہوگیا۔ چچا کو کہیں سے خبر ملی اور وہ کسی کو بنا بتائے لاہور چلے گئے اور اپنے لاڈلے کا جسد خاکی 9 ستمبر 1965ء کو گھر لے آئے جسے دیکھ کر گھر بھر میں کہرام مچ گیا۔

اے راہِ حق کے شہیدوں وفا کی تصویروں
تمہیں وطن کی ہوائیں سلام کہتی ہیں

ہر آنکھ اس مردِ مجاہد کے لیے اشک بار تھی' چھ سال تک اس کی یاد میں صف ماتم گھر والوں نے بچھائے رکھا تھا جس میں سبھی گاؤں' رشتہ دار اور باہر کے لوگ بھی شامل تھے۔

اس جانباز سپاہی نے اپنی جان تو وطن پر قربان کردی لیکن دشمن کو ایک قدم آگے نہ بڑھنے دیا۔ اس جانباز شہید کو ستارہ جرأت سے نوازا گیا۔

یہ سب لکھنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ سب اس جانباز سپاہی کے بارے میں جان سکیں' جیسے باقی سب شہداء کے متعلق معلوم ہے' اور آپ سوچ رہے ہوں گے یہ اصلی ہے یا نہیں اور جانباز سپاہی کون ہے جس کے متعلق میں نے لکھا ہے؟ تو اس کا جواب ہے یہ بالکل حقیقت پر مبنی تحریر ہے اور جانباز سپاہی راج محمد شہید آج اپنے والدین اور بڑے بھائی کے ساتھ اپنے ہی گاؤں کے قبرستان میں سپردِ خاک ہیں۔

قرآن مجید میں فرمان الٰہی ہے "شہید کو مردہ مت کہو وہ زندہ ہے۔"

واقعی شہید مرتا نہیں بلکہ زندہ رہتا ہے جیسے راج محمد شہید کا نام تاقیامت چھ ستمبر کے حوالے سے زندہ رہے گا ان شاء اللہ۔

اے شہیدانِ وطن تم پر سلام
تم نے روشن کردیا ملت کا نام

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

پشپہ ڈوگرہ

پشپہ ڈوگرہ ایک مشہور کتھک ڈانسر تھی، کشمیر سے اس کا تعلق تھا۔اس لیے رنگ وروپ اور نین نقش میں بے مثال تھی۔ کچھ عرصہ پہلے اس نے اپنی ذاتی اکیڈمی میں جوان دوشیزاؤں کو کتھک ڈانس کی ٹریننگ دینا شروع کردی تھی، بنیادی طور پر اس کا تعلق انٹیلی جنس سے تھا خصوصاً پاکستانی افسروں کے گھروں میں آنا جانا اور دوستی کے لیے انتخاب کرنا کہ صاحب بہتر رہیں گے کہ بیگم صاحبہ اسی اصول پر چلتے ہوئے وہ پاکستانی ایمبیسی کے ہر فنکشن میں پائی جاتی تھی، پاکستان قوم بھی ایسی سیدھی سادی تو ہے نہیں کہ اس کے ہاتھوں بے وقوف بنتی، یہ اس کی خام خیال ہی رہی کہ سب اس کے ہاتھ میں ہیں۔ جب بھی پاکستان سے ہمارے مشہور شعراء، ادیب، گلوکار، اداکار اور مشہور ومعروف شخصیات بھارت جاتیں تو پشپہ ڈوگرہ کی خدمات حاصل کرنا فرائض کے زمرے میں آنے لگتا تھا، پروین شاکر کا مشاعرہ اٹینڈ کرنے کے بعد وہ ہمارے گھر تشریف لے آئیں پھولوں اور تحائف سے اس نے پروین کو خوب نوازہ جبکہ پروین نے پھولوں کے سوا کوئی تحفہ قبول نہیں کیا تھا ان دنوں پشپہ ڈوگرہ احمد فراز صاحب کی غزلوں پر بے شمار رقص پیش کرچکی تھی اور اسے ان سے عقیدت بھی بے تحاشہ تھی اس کا پروین سے ملنے کا مقصد بھی پروین کی غزلوں اور نظموں پر رقص کرنے کا اجازت نامہ حاصل کرنا تھا اس نے پروین کو اس کی نظم ”بسنت بہار کی نرم ہنسی“ اور ”گوری کرت سنگھار“ پڑھ کر سنائیں اور صوفے پر بیٹھے بیٹھے کتھک کے اشاروں کنائیوں سے ان نظموں کی اہمیت کا احساس دلایا تو پروین کے لیے وہ لمحات کس قدر مسرت آگیں اور قابل فخر تھے کہ اس نے اپنی تخلیق کا اک نرالا اور حسین روپ دیکھا تھا لیکن اپنے جذبات واحساسات کو خوب صورتی سے ہضم کرلیتا تو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا چہرہ خوشی اور فخر سے بے بہرہ تھا اور بولتی آنکھیں بڑے پن کے احساس سے عاری تھیں، ایک ہلکی سی شگفتہ مسکان کے ہالے میں وہ اپنی خوشی اور فخر کو مقید کیے پرسکون و پر کیف لگ رہی تھی میں ”بسنت بہار کی نرم ہنسی“ پڑھ کر آج بھی بے حد محظوظ ہوتی ہوں اور بیتے ہوئے ان لمحوں میں پہنچ جاتی ہوں جن پر میرا اختیار تھا یہ سوچ کر چار سو اداسی اور مایوسی ڈیرے جمالیتی ہے۔

بسنت بہار کی نرم ہنسی

بسنت بہار کی نرم ہنسی

آنگن میں چھلکی
بھیگ گئی مری ساری
پھر...... پروا کی شوخی
کیسے اپنا آپ سنبھالوں
آنچل سے تن ڈھانپوں...... تو
زلفیں کھل جائیں
زلف سمیٹوں
تن چھلکے گا

(خوشبو)

یہی نظم پروین کی یاد میں، میں نے اپنی کتاب انجانی راہیں میں لکھی ہے پروین کی اجازت کے بعد شپہ ڈوگرہ نے ایسی ہی نسوانی نظموں کو اپنی کتھک ڈانس میں شامل کرلیا تھا مجھے امید ہے کہ اس کی اکیڈمی میں ان نظموں اور غزلوں کو آج بھی شمولیت ہوگی۔

مر بھی جاؤں تو کہاں لوگ بھلا ہی دیں گے
لفظ میرے، مرے ہونے کی گواہی دیں گے

دوسری نظم خاصی دلچسپ لگی۔

گوری کرت سنگھار

بال بال موتی چمکائے
روم روم مہکار
مانگ سندور کی سندرتا سے
چمکے چندن وار
جوڑے میں جوہی کی بینی
بانہہ میں ہار سنگھار
کان میں جگ مگ بالی پتہ
گلے میں جگنو ہار
صندل ایسی پیشانی پر
بندیا لائی بہار
سبز کٹارا ایسی آنکھوں میں
کجرے کی دو دھار
گالوں کی سرخی میں چھلکے
ہردے کا اقرار
ہونٹ پہ کچھ پھولوں کی لالی
کچھ ساجن کے کار
کسا ہوا کیسری شلوکا
چنری دھاری دار
ہاتھوں کی اک اک چوڑی میں
موہن کی جھنکار
سج چلے، پھر بھی پائل میں
بولے پی کا پیار
اپنا آپ درپن میں دیکھے
اور شرمائے نار
نار کے روپ کو انگ لگائے
دھڑک رہا سنسار

(خوشبو)

شپہ ڈوگرہ نے بھی اپنی پسند اور اپنے کتھک ڈانس کے لیے پروین کی نظمیں ڈھونڈ نکالی تھیں اور پروین اس کی خوشی دیکھ کر محظوظ ہورہی تھی کہ کم از کم اس کی محنت اکارت نہیں گئی۔

اس کی شاعری ہر طرح لوگوں میں موقع ومحل کے مطابق قابل قبول اور قابل آفرین سمجھی جاتی ہے مجھے اس دن یقین ہوگیا تھا۔

وہ اپنی کامیابی پر ہلکے ہلکے مسکراتی رہی فخر وتکبر سے کوسوں دور۔

یہ سچ ہے اگر غرور ہوتا (جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ناپسندیدہ اعمال میں سرفہرست تحریر کیا ہے) تو پروین کو اتنی شہرت نہ ملتی اتنی پزیرائی نہ ہوتی۔

نادیہ عمران...... اورنگی ٹاؤن، کراچی

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نجانے کس گلی میں زندگی کی شام ہوجائے

امبرین فیاض...... کہروڑپکا

حالات کے لکھے کو مٹا کیوں نہیں دیتے
یہ بوجھ ہے سینے پر ہٹا کیوں نہیں دیتے
کیوں ہم سے گریزاں ہو بتا کیوں نہیں دیتے
اس راز سے اب پردہ اٹھا کیوں نہیں دیتے

ثمر جہاں...... ملتان

مانا کہ پر فریب ہے وعدہ ترا مگر
کرتے ہیں انتظار بڑے اعتبار سے

قراۃ العین...... کراچی

زباں تو کہہ نہیں سکتی تمہیں احساس تو ہوگا
میری آنکھوں کو پڑھ لینا مجھے تم سے محبت ہے

اسما خان...... میرپورخاص

عادتیں مختلف ہیں ہماری دنیا والوں سے
کم محبت کرتے ہیں پر لاجواب کرتے ہیں

عمارہ رشید...... ٹنڈوالہ یار

ماضی کے چار دنوں نے چھین لی میری ہنسی
اب حال میں میرا حال فی الحال نہ پوچھو

علیزہ ندیم...... ڈگری، سندھ

نہ کر اے باغباں شکوہ گلابوں کی بے نیازی پر
حسین جو بھی ہوتے ہیں ذرا مغرور ہوتے ہیں

طوبیٰ بتول...... راولپنڈی

مجھ سے کیا گلہ تم کو اتنے بدگماں کیوں ہو تم
میں نے تم کو چاہا ہے تم سے تو کچھ نہیں چاہا

مہرین گل...... عمرکوٹ

میری منزلیں بھی عجیب تھیں میرا فیض بھی تھا کمال پر
کبھی سب کچھ ملا بنا طلب کبھی کچھ نہ ملا سوال پر

سیما قمر...... ڈسکہ

منسوب اس کے قصے اوروں سے بھی تھے لیکن
وہ بات بہت پھیلی جو بات چلی ہم سے

ماہ رخ بلوچ...... منڈی بہاؤالدین

جس نے ادا سیکھ لی غم میں مسکرانے کی
اسے کیا مٹائیں گی گردشیں زمانے کی

ارم کمال...... کراچی

آگ سے سیکھ لیا ہے ہم نے یہ قرینہ بھی
بجھ بھی جانا تو بڑی دیر تک سلگتے رہنا
نجانے کس عمر میں جائے گی یہ عادت اپنی
روٹھنا اس سے اوروں سے الجھتے رہنا

طاہرہ خالد...... حیدرآباد

لمحوں میں قید کردے جو صدیوں کی چاہتیں
حسرت رہی کہ اپنا بھی کوئی ایسا طلب گار ہو

فرزانہ ناز...... بہاولنگر

کسی درد کو سنبھال پانا آسان نہیں
ہنستے ہوئے ہر پل بتانا آسان نہیں
زندگی میں ہر کوئی دل میں بس نہیں پاتا
اور جو بس جائے اس کو بھول جانا آسان نہیں

ثمینہ طاہر...... اسلام کوٹ

یہ اکثر ہو بھی جاتا ہے کہ کوئی کھو بھی جاتا ہے
مقدر کو ستاؤ گے تو مقدر سو بھی جاتا ہے

یمنیٰ خان...... نواب شاہ

میرے دل کی تسلی کے لیے فقط اتنا ہی کافی ہے
ہوا جو تم کو چھوتی ہے میں اس میں سانس لیتا ہوں

راشدہ علی...... ڈسکہ

نہیں فرصت یقین جانو ہمیں کچھ اور کرنے کی
تیری باتیں تیری یادیں بہت مصروف رکھتی ہیں

امبرین نواز...... ٹنڈوآدم

وصال موسم گزر گیا تو خیال بن کر ملا کریں گے

بچھڑ گئے ہم اگر تو پھر ماہ وسال بن کر ملا کریں گے

کتاب دل کے وفا کے اک اک ورق پر اپنی خبر ملے گی
ہم اہل الفت محبتوں کی مثال بن کر ملا کریں گے

رمشا کنول...... کراچی

نہ تھیں اور کوئی بھی رنجشیں صرف عادتوں میں تضاد تھا
کہ اسے پسند تھیں شوخیاں، مجھے سادگی پہ کمال تھا

دعا نور...... لیاقت پور

عجیب دنیا ہے کوئی چاہت کی بات کرتا ہے اور کوئی چاہنے کی
ہم تو دونوں آزما چکے نہ چاہت ملی نہ چاہنے والے

عائشہ خان...... رحیم یار خان

غلط سمجھا تھا کہ محبت آنکھوں سے ہوتی ہے
دل تو وہ بھی لے جاتے ہیں جو پلکیں تک نہیں اٹھاتے

آسیہ بانو...... ڈی جی خان

کچھ ان کی وفاؤں نے لوٹا، کچھ ان کی عنایت مار گئی
ہم راز محبت کہہ نہ سکے چپ رہنے کی عادت مار گئی

نازیہ بتول...... ملتان

اکیلے ہیں تو کیا ہوا یہ زندگی بھی گزر جائے گی
ہم اپنی تنہائی مٹانے کے لیے کسی کو مجبور نہیں کرتے

فائزہ جاوید...... کورنگی، کراچی

دل کو عادت سی ہوگئی ہے ٹوٹ جانے کی
اب کہاں خوف رہا ہے کسی کے انکار کا

نادیہ فاروق...... سکھر

کتاب میری، قلم میرا اور سوچ بھی میری
پر جو لکھے ہیں میں نے خیال کیوں تیرے ہیں

لاریب افتخار...... آزاد کشمیر

کچھ وقت کی روانی نے ہمیں یوں بدل دیا
وفا پر اب بھی قائم ہیں مگر محبت چھوڑ دی ہم نے

بشریٰ منصور...... ٹھاروشاہ

رات گہری تھی ڈر بھی سکتے تھے
ہم جو کہتے تھے کر بھی سکتے تھے
تم جو بچھڑے تو یہ بھی نہ سوچا
کہ ہم تو پاگل تھے مر بھی سکتے تھے

روبینہ عثمانی...... حیدرآباد

لفظ کہنے والوں کا کچھ نہیں جاتا زید
لفظ سہنے والے کمال کر جاتے ہیں

ثمرین اختر...... کوہاٹ

کسی کو نہ بتانا کہ تم نے بھلا دیا ہمیں
ہم تو لوگوں سے یہی کہتے ہیں تم مصروف بہت ہو

ایمان فاطمہ...... سانگھڑ

نہ ہاتھ دیا نہ گلے ملے، نہ میسر تمہاری دید ہوئی
اب تم ہی بتاؤ اے ساجن یہ قیامت ہوئی یا عید ہوئی

عینی وجاہت...... گجرات

کبھی ٹوٹا نہیں میرے دل سے اس کی یاد کا رشتہ
گفتگو جس سے بھی ہو خیال اس کا ہی رہتا ہے

ارم علی...... پاک پتن

رونے سے اور عشق میں بے باک ہوگئے
دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہوگئے

حنا اقبال...... حسن ابدال

تم سے نہ کٹ سکے گا اندھیروں کا یہ سفر
اب شام ہو رہی ہے میرا ہاتھ تھام لو

طلعت نظامی...... کراچی

کہنا تو اور کچھ نہیں فقط اتنی گزارش ہے
نئے سال کی کتاب عشق میں مجھے بھی شریک نصاب رکھنا

نزہت جبین ضیاء...... کراچی

صبح کے تخت نشین شام کو مجرم ٹھہرے
ہم نے پل بھر میں نصیبوں کو بدلتے دیکھا

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

زہرہ جبیں

مٹن رائس

اجزاء:۔

چاول	آدھا کلو
بکرے کا گوشت	آدھا کلو
کٹے آلو	تین عدد
کٹے ٹماٹر	چار عدد
سلائس میں کٹی پیاز	ایک عدد
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
پسی لال مرچ	دو چائے کے چمچ
نمک	حسب ضرورت
ثابت ہری مرچ	چار عدد
کٹا ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچ
تیل	آدھا کپ

ترکیب:۔

چاول کو حسب ضرورت پانی میں بیس منٹ کے لیے بھگو دیں۔ایک برتن میں آدھا کپ تیل گرم کریں۔اس میں سلائس میں کٹی پیاز ڈال کر ہلکی گلابی ہوجانے تک فرائی کرلیں۔پھر اس میں گرم مصالحہ، بکرے کا گوشت اور ادرک لہسن کا پیسٹ ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔اب کٹے ٹماٹر، ڈیڑھ چائے کا چمچ نمک، ہلدی اور پسی لال مرچ ڈال کر مزید بھونیں۔اس کے بعد ایک کپ پانی ڈال کر مٹن کے آدھا گل جانے تک ڈھک کر پکائیں۔پھر کٹے آلو اور مزید ایک کپ پانی ڈال کر ڈھک دیں۔اب اسے مٹن اور آلو کے مکمل گل جانے تک پکنے دیں۔بھگئے ہوئے چاول، بقیہ آدھا چمچ نمک اور ڈیڑھ کپ پانی ڈال کر ڈھکیں اور چاول تیار ہونے تک پکائیں۔آخر میں پندرہ منٹ کے لیے دم پر رکھیں۔دم کے بعد ثابت ہری مرچ اور کٹا ہرا دھنیا ڈال کر پیش کریں۔

حنا اشرف......کوٹ ادو

بھنڈی گوشت

اجزاء:۔

گوشت	آدھا کلو
بھنڈی	آدھا کلو
تیل	حسب ضرورت
پیاز	تین عدد (کٹے ہوئے)
گھی	ایک کپ
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
گرم مصالحہ	حسب ضرورت (ثابت)
دہی	ایک پاؤ
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ (پسی ہوئی)	تین کھانے کے چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
کیوڑا	دو کھانے کے چمچ
ادرک	ایک درمیانہ ٹکڑا

ترکیب:۔

ایک پین میں تیل گرم کرکے اس میں پیاز فرائی کرلیں۔جب پیاز گولڈن ہوجائے تو اسے نکال کر الگ رکھ لیں۔ایک پین میں گھی گرم کرکے اس میں لہسن ادرک کا پیسٹ، گرم مصالحہ اور بکرے کا گوشت اور حسب ضرورت پانی شامل کرکے اسے پکنے کے لیے چھوڑ دیں۔ایک الگ پین میں بھنڈی فرائی کرلیں۔جب گوشت گلنے لگے تو اس میں دہی شامل کریں۔پھر ساتھ ہی نمک، پسی لال مرچ اور پسا دھنیا ڈال کر پکالیں۔جب پک جائے تو فرائی کی ہوئی بھنڈی، فرائی پیاز اور کیوڑا ڈال کر چار سے پانچ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔آخر میں پلیٹ میں نکال کر ادرک چھڑک کر سرو کریں۔

اریبہ منہاج...... کراچی

چانپیں

اجزاء:۔

پیاز دو عدد	سلائس کی ہوئی
ہرا دھنیا	آدھا کپ
ہری مرچ	آٹھ عدد
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
کالی مرچ (ثابت)	ایک کھانے کا چمچ
دہی	ایک کپ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچ
نمک	حسب ضرورت
تیل	ایک چوتھائی کپ

ترکیب:۔

بلینڈر میں پیاز، ہرا دھنیا، ہری مرچ، ادرک لہسن کا پیسٹ، ثابت کالی مرچ، دہی، لیموں کا رس اور نمک ڈال کر بلینڈ کرلیں۔اب چانپوں کو اس مکسچر سے دو گھنٹے کے لیے میری نیٹ کرلیں۔پھر تیل گرم کرکے اس میں گرائنڈ کیے ہوئے مکسچر کو پانچ منٹ کے لیے فرائی کریں، یہاں تک کہ وہ براؤن ہوجائے۔اب اس میں چانپیں ڈال کر اچھی طرح فرائی کرلیں۔پھر اس میں ایک کپ پانی شامل کرکے ڈھکیں اور پکنے کے لیے چھوڑ دیں، یہاں تک کہ چانپیں گل جائیں۔آخر میں انھیں فرنچ فرائز کے ساتھ سرو کریں۔

طلعت نظامی...... کراچی

مٹن کڑاہی

اجزاء:۔

بکرے کا گوشت	آدھا کلو
ٹماٹر	آدھا کلو
پیاز	دو عدد
ہری مرچ	چار سے پانچ عدد
نمک	حسب ضرورت
لال مرچ (کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
زیرہ (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچ
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچ
کالی مرچ (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
کڑاہی مصالحہ	دو کھانے کے چمچ
تیل	دو کھانے کے چمچ
ادرک (کٹی ہوئی)	تین سے چار کھانے کے چمچ
ہرا دھنیا گارنش کے لیے	کٹا ہوا

ترکیب:۔

مٹن کو ابال لیں اور یخنی کو ایک طرف رکھ دیں۔اب آدھا کلو میں سے آدھے ٹماٹر آدھا کپ یخنی کے ساتھ گرائنڈ کرلیں اور پین میں ڈال کر ایک کھانے کا چمچ تیل اور کڑاہی مصالحے کے ساتھ پکالیں۔ جب تیل الگ ہوجائے تو نکال کر ایک طرف رکھ دیں۔پھر باقی تیل کو پین میں گرم کرکے پیاز ڈال کر فرائی کرلیں اور گولڈن براؤن کرلیں۔اب باقی کے آدھے ٹماٹر ڈال کر گلالیں اور ہلدی، نمک، لال مرچ اور لہسن کا پیسٹ ڈال کر دو سے تین منٹ کے لیے گلالیں۔اس کے بعد مٹن، ادرک، پسا دھنیا اور پسا زیرہ ڈال کر مکس کرلیں۔پھر ٹماٹر کا پیسٹ، ہری مرچ، ادرک، پسا گرم مصالحہ اور پسی کالی مرچ ڈال کر آدھا کپ پانی شامل کریں اور دس منٹ تک ہلکی آنچ پر دم پر رکھ دیں۔آخر میں ڈش میں نکال کر ہرے دھنیے سے گارنش کریں اور نان کے ساتھ سرو کریں۔

ندا حسنین...... کراچی

دم کا گوشت

اجزاء:۔

گوشت	آدھا کلو
کچا پپیتا (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ

لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچ
کھوپرا (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
جائفل (پسی ہوئی)	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
بادام (پسے ہوئے)	چھ عدد
خشخاش	ایک چائے کا چمچ
تل (پسے ہوئے)	ایک چائے کا چمچ
پیاز (تلی ہوئی)	آدھا کپ
تیل	آدھا کپ
دہی	ایک کپ
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچ
پودینے کے پتے	ایک کھانے کا چمچ
ہری پیاز	ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:۔

گوشت کو دہی، پپیتا، گرم مصالحہ، پسا دھنیا، پسی لال مرچ، ادرک لہسن کا پیسٹ، ہلدی، نمک، لیموں کا رس، کھوپرا، پسی جائفل، زیرہ، بادام، خشخاش اور تل سے میری نیٹ کریں اور دو گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں۔ اب آدھا کپ تیل گرم کرکے اس میں تلی پیاز اور میری نیٹ کیا ہوا گوشت ڈال کر پکائیں، یہاں تک کہ گوشت نرم ہوجائے۔ جب تیل اوپر آجائے تو اسے کوئلے کا دم دیں۔ پھر اسے پودینے کے پتے، ہرا دھنیا اور ہری پیاز سے گارنش کرکے روٹی کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

نزہت جبین ضیاء...... کراچی

افغانی قورمہ

اجزاء:۔

بکرے کا گوشت	آدھا کلو (ابلا ہوا یخنی کے ساتھ)
تیل	ایک چوتھائی کپ
پیاز (کٹی ہوئی)	دو عدد
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
نمک	ایک چائے کا چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
ثابت لال مرچ	آٹھ عدد
دہی	ایک کپ
لیموں کا رس	ایک کھانے کا چمچ
کیوڑا	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچ

ترکیب:۔

تیل گرم کرکے اس میں پیاز کو ہلکا سنہرا کرلیں۔ پھر اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ، نمک اور پسی لال مرچ شامل کرکے اچھی طرح فرائی کرلیں۔ اس کے بعد گوشت کو یخنی، ثابت لال مرچ اور دہی کے ساتھ شامل کرکے دس منٹ پکائیں اور مسلسل چمچ چلاتے رہیں۔ اب اسے ہلکی آنچ پر مزید دس منٹ کے لیے دم پر رکھیں۔ آخر میں لیموں کا رس، کیوڑا اور گرم مصالحہ ڈال کر نکال لیں۔

صباء عیشل...... بھاگووال

اسپیشل قورمہ

اجزاء:۔

گوشت	آدھا کلو
دہی	ایک کپ
کھوپرا (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ڈیڑھ چائے کا چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی)	دو چائے کے چمچ
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچ
خشخاش	ایک چائے کا چمچ
بادام	دس عدد
ادرک لہسن کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
تیل	آدھا کپ
دار چینی	ایک ٹکڑا

ہری الائچی	چار عدد
پیاز (تلی ہوئی)	چار کھانے کے چمچ
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچ
پودینے کے پتے	دس سے بارہ عدد
ہری مرچ (ثابت)	چار عدد
زعفران	ایک چوتھائی چائے کا چمچ

ترکیب:۔

دہی کو مکس کرکے اس میں کھوپرا، پسا دھنیا، پسی لال مرچ، گرم مصالحہ، ہلدی، بادام، خشخاش اور ادرک لہسن کا پیسٹ ڈال کر مکس کرلیں۔ تیل گرم کرکے اس میں دار چینی اور ہری الائچی ڈالیں۔ ساتھ ہی بکرے کا گوشت شامل کرکے اچھی طرح فرائی کریں۔ پھر اس میں دہی کو تمام مصالحوں کے ساتھ ڈالیں اور اچھی طرح فرائی کر لیں۔ اس کے بعد دو کپ پانی شامل کرکے ڈھکیں اور گوشت گلنے تک پکائیں۔ پھر اس میں پیاز، ہرا دھنیا، پودینے کے پتے، ہری مرچ اور زعفران ڈالیں۔ جب تیل اوپر آجائے تو اسے نکال کر سرو کریں۔

نادیہ احمد...... دبئی

دال گوشت

اجزاء:۔

گوشت	سات سو پچاس گرام
مونگ کی دال	ایک سو گرام
مسور کی دال	ایک سو گرام
چنے کی دال	دو سو گرام
پیاز ایک عدد	باریک کٹی ہوئی
تیل	تین چوتھائی کپ
مکس ثابت گرم مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
نمک	حسب ضرورت
لال مرچ (پسی ہوئی)	دو کھانے کے چمچ
دھنیا (پسا اور بھنا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
زیرہ (پسا اور بھنا ہوا)	تین کھانے کے چمچ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
ٹماٹر (بلینڈ کیے ہوئے)	سات سو پچاس گرام
ہری مرچ (ثابت)	آٹھ عدد
لیموں والا نمک	آدھا چائے کا چمچ
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	گارنش کے لئے

بگھار کے لئے

گھی	ایک چوتھائی کپ
لال مرچ (گول)	چھ سے آٹھ عدد
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
کڑی پتے	بیس عدد

ترکیب:۔

مونگ کی دال، مسور کی دال اور چنے کی دال کو بھگو کر دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اب دالوں کو پیاز کے ساتھ اُبال لیں، یہاں تک کہ وہ گل جائیں۔ پھر انھیں ایک طرف رکھ دیں۔ تین چوتھائی کپ تیل گرم کرکے اس میں مکس ثابت گرم مصالحے، ادرک لہسن کا پیسٹ، نمک، پسی لال مرچ، دھنیا، زیرہ، ہلدی اور ٹماٹر ڈال کر اچھی طرح فرائی کر لیں۔ اب اس میں بکرے کا گوشت ڈال کر فرائی کرلیں۔ پھر اس میں تین کپ پانی شامل کرکے ڈھک کر پکائیں، یہاں تک کہ گوشت گل جائے۔ اب اس میں اُبلی دالیں اور ثابت ہری مرچ ڈال کر اتنا پکالیں کہ وہ گاڑھا ہو جائے۔ پھر لیموں والا نمک شامل کردیں۔ بگھار کے لئے: گھی گرم کرکے اس میں گول لال مرچ، سفید زیرہ اور کڑی پتے ڈالیں۔ پھر اسے دال میں شامل کرکے دس منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ اب اسے ہرے دھنیے سے گارنش کرکے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

صوفیہ خان...... سعودیہ عربیہ

چکن پزا

اجزاء:۔

انڈے	3 عدد
مرغی کا گوشت	ڈیڑھ پاؤ (باریک ٹکڑے کرلیں)
گاجر	100 گرام

ہری پیاز	3 عدد
اجینوموتو	آدھا چائے کا چمچ
نمک	حسب ضرورت
چینی	ایک چائے کا چمچ
آئل	3 کھانے کے چمچ
ہری مرچ	6 عدد

ترکیب:۔

مرغی کے گوشت کے ٹکڑے ابال لیں۔ گاجر، ہری پیاز، ہری مرچ، لہسن کھانے کے تین چمچ تیل میں بھون لیں۔ جب یہ آمیزہ ٹھنڈا ہوجائے تو اس میں تمام مسالے بمع سرخ مرچ کے شامل کرکے پزا روٹی پر پھیلا دیں اور اسے اوون ٹرے میں رکھ دیں۔ بیک ہونے پر نکال لیں اور پیش کریں۔

عائشہ وہالہ سلیم......اورنگی ٹاؤن

مزے دار چٹنی

اجزاء:۔

املی (بیج نکال کر)	آدھا سیر
لہسن، ادرک	آدھی آدھی چھٹانک
سرخ مرچ	آدھی چھٹانک (پسی ہوئی)
کشمش	آدھا پاؤ
چینی	ایک پاؤ
نمک	ایک چھٹانک
سرکہ عمدہ	آدھی بوتل

ترکیب:۔

املی کے بیج نکال کر اسے صاف کرلیں۔ لہسن اور ادرک کوٹ کر رکھ لیں۔ کشمش صاف کرکے دھولیں۔ اب ان سب چیزوں کو دیگچی میں ڈال کر نمک، سرخ مرچ بھی ڈال دیں اور سرکہ بھی ڈال کر ایک گھنٹہ کے لیے رکھ دیں۔ پھر اسے چولہے پر رکھ کر اچھی طرح پکالیں آدھا گھنٹہ پکانے کے بعد دیکھ لیں کہ املی تھوڑی گاڑھی ہوگئی ہے تو چینی ڈال کر پکاتی جائیں جب یہ سب یک جاں ہوجائیں یعنی گاڑھی چٹنی کی صورت اختیار کرجائے تو اتار لیں ٹھنڈا ہونے پر شیشے کی بوتل میں ڈال لیں اور رمضان میں پکوڑوں کے ساتھ تناول فرمائیں۔

صبا نواز بھٹی......سانگھڑ

سیاہ انگور کا شربت

اجزا:

انگور سیاہ	چھ کپ
پانی	چھ کپ
چینی	نو کپ
نمک	ایک چائے کا چمچہ
سٹرک ایسڈ	ایک چائے کا چمچہ
پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ	چٹکی بھر

ترکیب:۔

دھلے سیاہ انگوروں کو جوسر یا مکسر میں ڈال کر رس نکال لیں۔ پانی میں چینی حل کریں۔ باریک کپڑے میں چینی ملا کر پانی چھانیں اور ابالیں۔ ایک تار کی چاشنی بنائیں اور اس کو ٹھنڈا کریں۔ ٹھنڈی چاشنی میں رس اور سٹرک ایسڈ ملائیں۔ اچھی طرح یک جان مرکب بنالیں۔ نمک کو ایک چوتھائی کپ پانی میں حل کرکے پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ ملائیں اور مرکب میں ملالیں۔ بوتلوں میں بھر کر سیل بند کرلیں۔ پیش کرتے وقت ٹھنڈا پانی اور برف ملائیں۔

مسز ظفر......کینیڈا

آرائش حسن

صدیقہ احمد

جھائیوں کا خاتمہ

خواتین اپنے حسن اور شخصیت کے نکھارے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتی ہیں اور اس کے حصول کے لیے بے حد محنت کرتی ہیں تاکہ وہ جاذب نظر اور خوب صورت دکھائی دیں۔ حسن صنف نازک کے لیے قدرت کا ایک انمول تحفہ ہے اور اس حسن کی حفاظت کے لیے قدرت نے بے شمار ذرائع بھی عطا کیے ہیں۔ لیکن جلد کی شادابی اور خوب صورتی اسی وقت ممکن ہے جب ہم ان ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اپنی جلد کی حفاظت بہترین انداز میں کریں۔

بدلتا ماحول ہماری جلد پر بہت گہرے اثرات مرتب کرتا ہے اور ہمیں بہت سے جلد مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہیں مسائل میں ایک مسئلہ جھائیوں کا بھی ہے۔ جھائیوں کی بدولت جہاں ہمارے چہرے کی خوب صورتی ماند پڑ جاتی ہے وہیں چہرے کی رونق بھی ختم ہوجاتی ہے۔ عموماً جھائیاں خون کی کمی کی وجہ سے نمودار ہیں لیکن چہرے پر پڑنے والی سورج کی ڈائریکٹ شعاعیں بھی جھائیوں کا باعث بنتی ہیں۔ ان کے خاتمے کے لیے ذیل میں چند احتیاطی تدابیر دی جارہی ہیں جنہیں اپنا کر آپ بھی اپنی جلد کو خوب صورت اور چمکدار بنا سکتی ہیں۔

سب سے پہلے اپنے چہرے کی صفائی کا خاص خیال رکھیں، ہوسکے تو چہرے کے صفائی کے لیے صابن کی بجائے بیسن کا استعمال کریں۔

تازہ سبزیوں اور پھلوں کا رس زیادہ سے زیادہ استعمال کریں۔

مصالحے دار تلی ہوئی اشیاء اور گوشت سے پرہیز کریں۔

ایسی غذاؤں کا استعمال زیادہ سے زیادہ کریں جو جھائیوں کے خاتمے میں معاون ہیں مثلاً دودھ، دہی، کچی گاجریں اور شلجم اپنی خوراک کا لازمی جز و بنائیں۔

جھائیوں کے خاتمے کے لیے مختلف ٹوٹکے ذیل میں درج ہیں۔

دہی رات کو سونے سے پہلے جھائیوں پر اچھی طرح ہلکے ہاتھوں سے ملیں۔ صبح صاف کرلیں۔ چند دنوں میں جھائیوں کا خاتمہ ہوجائے گا۔

مالٹے اور کینو کے چھلکے پیس کر پیسٹ بنالیں، اس پیسٹ کو چہرے پر ملیں۔ ہفتے میں دوبار اس کا استعمال کریں۔

جھائیوں اور چہرے کے داغ دھبوں کے لیے لال پیاز کو گول قتلوں میں کاٹ لیں۔ ان کو آہستگی سے جھائیوں پر ملیں۔ دن میں دوبار یہ عمل دہرائیں، جب تک جھائیاں ختم نہ ہوجائیں۔

لیموں اور چینی کے مکسچر کو چہرے پر ملنے سے جھائیاں ختم ہوجاتی ہیں۔

شہد، عرق گلاب اور زیتون کا تیل ملا کر لگائیں، اس کے استعمال سے نہ صرف جھائیاں ختم ہوتی ہیں بلکہ جلد کی خوب صورتی برقرار رہتی ہے۔

ابٹن کا استعمال بھی جھائیوں کے خاتمے میں مددگار ہے۔

چنبیلی کے پھول کو جھائیوں پر ملنے سے بھی جھائیاں ختم ہوجاتی ہیں۔

لیموں کا رس یا لیموں کا گودا بھی جھائیوں پر ملنے سے جھائیاں ختم ہوجاتی ہیں۔

تلسی کے پتے پیس کر ملنا بھی جھائیوں کے لیے مفید ہے۔

کلونجی پانی میں پیس کر چند روز لگائیں چند دنوں میں جھائیوں ختم ہوجائیں گی۔

آم کی گٹھلی کی گری اور جامن کی گٹھلی کی گری دنوں پیس کر جھائیوں پر لگائیں۔ چند دنوں میں ہی آپ کو بہترین نتائج مل جائیں گے۔

بالوں کو خوب صورت بنائیں

خوب صورت و گھنے چمکدار بال ہر فرد کا خواب ہے۔ جتنے فیشن آئیں اور جائیں لیکن گھنے و مضبوط بالوں کی چاہ ہر ایک کے دل میں موجود ہوتی ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت کبھی بھی

کوئی یہ نہیں چاہے گا کہ اس کے سر کے بال ہلکے گھنے ہوجائیں۔ بالوں کی خوب صورتی و چمک کو برقرار رکھنے کے لیے خاص طور پر خواتین ہزاروں طرح کے نسخے ٹوٹکے آزماتی ہیں اور کچھ جلد نتائج حاصل کرنے کے لیے کیمیکل پروڈکٹس کا استعمال کرتی ہیں بالوں کی نگہداشت کے لیے اور ان کی افزائش کے لیے آج کل اروما آئلز یعنی خوشبودار تیل کا استعمال کیا جارہا ہے۔ جو بہت تیزی سے بالوں کی نشوونما میں اضافہ کرکے بالوں کو خوب صورت و حسین بنادیتے ہیں۔ ان خوشبودار آئلز میں بالوں اور جلد کی حفاظت کرنے کی خصوصیات بڑی تعداد میں موجود ہوتی ہیں۔

ہم ان حسن افزاء اور فائدہ مند آئلز کو خوشبودار خالص تیل جس دکان پر فروخت ہوتا ہے وہاں سے حاصل کرسکتے ہیں۔ آپ صرف اروما آئل کے ۲ قطرے ۱۰۰ گرام عام استعمال کے تیل میں ڈال کر استعمال کرسکتی ہیں اور اس کے فوائد سے مستفید ہوسکتی ہیں۔

ہمارے بالوں کو خشکی و سکری ڈینڈرف اور بال گرنے جیسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہمیں ان مسائل سے نمٹنے کے لیے فوری حل کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ ہم ان مسائل سے چھٹکارا پانے اور بالوں کی صحت کو بحال کرنے کے لیے مختلف کیمیکل اجزاء سے تیار کردہ شیمپو اور دیگر ہیئر کیئر پروڈکٹ کا استعمال کرتے ہیں جبکہ کیمیائی اجزاء اور مضر اثرات سے پاک یہ خوشبودار تیل آپ کے بالوں میں نئی جان و چمک پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

اروما تھراپی آئلز پودوں کے مختلف حصوں سے کشید کر حاصل ہونے والا قدرتی تیل ہوتا ہے۔ بھاپ کے ذریعے تیل کو کشیدہ جاتا ہے۔ قدرتی طریقے سے حاصل ہونے والے تیل میں بہت سے فوائد موجود ہیں لیکن اس کے باوجود اگر آپ بازار میں دستیاب اسکن کیئر ہیئر کیئر اور شیمپو استعمال کرتی ہیں جو کہ سائنٹفک میٹریل پر موجود ہوتی ہیں جو آپ کے بال اور جلد دونوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ مندرجہ ذیل میں آپ کو ان آئلز کے کچھ فوائد بتائے جارہے ہیں۔

روزمیری آئل:

اس حسن افزا تیل کا باقاعدگی سے استعمال کرنے سے آپ کے بال لمبے اور گھنے ہوجائیں گے۔ یہ تیل آپ کے بالوں کو صحت مند کرنے اور چمک عطا کرنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ آپ ۱۰۰ گرام ناریل تیل میں ۲ قطرے روزمیری اروما آئل کے شامل کرکے مکس کریں اور اس تیل کو سر کی جلد اور بالوں میں انگلیوں کے پوروں سے مساج کرتے ہوئے مہینے میں ۳،۲ بار ضرور لگائیں۔ اس کا باقاعدگی سے استعمال آپ کے بالوں کی خوب صورتی و حسن میں اضافہ کرنے کا سبب بنے گا۔

ملے جلے آئلز کا مرکب:

ایک سے زیادہ قدرتی خوشبودار تیل کا استعمال آپ کے بالوں کے لیے مفید و اکسیر ثابت ہوسکتا ہے۔

۵ قطرے لیونڈر آئل ۱۵ قطرے لیمن آئل ۱۵ قطرے روزمیری آئل اور ۱۰ قطرے ٹی ٹری آئل کے ۱۰۰ گرام ناریل کے تیل میں مکس کردیں اور اس کو روزانہ بہت کم مقدار میں اپنے بالوں میں لگائیں۔

کچھ ہفتوں کے استعمال سے ہی آپ کے بال لمبے گھنے اور چمکدار ہوجائیں گے کہ آپ کو خود بھی یقین نہیں آئے گا۔

بالوں میں برقی رو کو ختم کرنے کے لیے:

بالوں میں برقی رونمی کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس وجہ سے بھی ہوسکتی ہے کہ آپ نے اپنے بالوں کو زیادہ خشک یا ہیئر ڈرائیر کا زیادہ استعمال کرلیا ہو۔ اڑتے بالوں کو قابو میں کرنے کے لیے ایک اچھا ٹوٹکہ یہ ہے کہ ایک اسپرے بوتل میں پانی بھریں اور اسپرے ہوا میں کریں اور اس طرح کریں کہ بعد میں پانی آپ کے بالوں پر گرتا رہے۔ براہ راست پانی کا اسپرے بالوں پر نہیں کریں۔ ورنہ بال دوبارہ گیلے ہوجائیں گے۔ اس کے علاوہ ایک اچھا کنڈیشنر آپ کے بالوں کو دوبارہ سے نمی فراہم کرنے کے لیے بہت مفید ہے۔

عالم انتخاب

نزہت جبین ضیاء

سنو......!

سنو
بہت سی
ڈگریاں لے کر
ہنر پر دسترس پا کر
کسی مفلس کا دردِ دل
اگر اس کی آنکھوں سے
پڑھنے سے قاصر ہو
تو جاہل ہو

شاعر: محسن نقوی

انتخاب: ریما نور رضوان...... کراچی

نظم

تیرے پیار کا پہلا موسم
وصل کا موسم
اک مدت تک یاد رہا
باقی موسم بھول گئے

شاعرہ: فریدہ جاوید فری

انتخاب: سباس گل...... رحیم یار خان

غزل

یہ کیا کہ سب سے بیاں دل کی حالتیں کرنی
فراز تجھ کو نہ آئیں محبتیں کرنی
یہ قرب کیا ہے کہ تو سامنے ہے اور ہمیں
شمار ابھی سے جدائی کی ساعتیں کرنی
کوئی خدا ہو کہ پتھر جسے بھی ہم چاہیں
تمام عمر اسی کی عبادتیں کرنی
سب اپنے اپنے قرینے سے منتظر اس کے
کسی کو شکر کسی کو شکایتیں کرنی
ہم اپنے دل سے ہیں مجبور اور لوگوں کو
ذرا سی بات پہ برپا قیامتیں کرنی
ملیں جب ان سے تو مبہم سی گفتگو کرنا
پھر اپنے آپ سے سو سو وضاحتیں کرنی
یہ لوگ کیسے مگر دشمنی نباہتے ہیں
ہمیں تو راس نہ آئیں محبتیں کرنی
کبھی فراز نئے موسموں میں رو دینا
کبھی تلاش پرانی رقابتیں کرنی

شاعر: احمد فراز

انتخاب: طلعت نظامی...... کراچی

غزل

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا، اگر استوار ہوتا
کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا
رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے، یہ بچیں کہاں کہ دل ہے
غمِ عشق اگر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا
کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا، اگر ایک بار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا
اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا
یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

شاعر: اسداللہ غالب

انتخاب: صبا عیشل...... بھاگو وال

غزل

کہوں کس سے رات کا ماجرا نئے منظروں پہ نگاہ تھی
نہ کسی کا دامن چاک تھا نہ کسی کی طرف نگاہ تھی
کئی چاند تھے سر آسماں جو چمک چمک کے پلٹ گئے
نہ لہو میرے ہی جگر میں تھا نہ تمہاری زلف سیاہ تھی
دل کم الم پہ وہ کیفیت کہ ٹھہر سکے نہ گزر سکے
نہ حضر ہی راحت روح تھی نہ سفر میں رامش راہ تھی
مرے چار دانگ تھی جلوہ گر وہی لذت طلب سحر
مگر اک امید شکستہ پر کہ مثال درد سیاہ تھی
وہ جو رات مجھ کو بڑے ادب سے سلام کر کے چلا گیا
اسے کیا خبر مرے دل میں بھی کبھی آرزوئے گناہ تھی

شاعر: احمد مشتاق

انتخاب: عالیہ احمد...... ملتان شریف

غزل

یہ زرد پتوں کی بارش مرا زوال نہیں
مرے بدن پہ کسی دوسرے کی شال نہیں
اداس ہوگئی اک فاختہ چہکتی ہوئی
کسی نے قتل کیا ہے یہ انتقال نہیں
تمام عمر غریبی میں با وقار رہے
ہمارے عہد میں ایسی کوئی مثال نہیں
میں آسمان کا ٹوٹا ہوا ستارہ ہوں
کہاں ملی تھی یہ دنیا مجھے خیال نہیں
وہ لاشریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں
وہ بے مثال ہے اس کی کوئی مثال نہیں
کوئی خوشی ہو میں اپنی حدوں میں رہتا ہوں
مرا ملال بھی حد سے سدا ملال نہیں

شاعر: بشیر بدر

انتخاب: اقصیٰ ساجد...... ٹنڈو الہ یار

غزل

سکوں بھی خواب ہوا نیند بھی ہے کم کم پھر

قریب آنے لگا دوریوں کا موسم پھر
بنا رہی ہے تری یاد مجھ کو سلک گہر
پرو گئی مری پلکوں میں آج شبنم پھر
وہ نرم لہجے میں کچھ کہہ رہا ہے پھر مجھ سے
چھڑا ہے پیار کے کومل سروں میں مدھم پھر
تجھے مناؤں کہ اپنی انا کی بات سنوں
الجھ رہا ہے مرے فیصلوں کا ریشم پھر
نہ اس کی بات میں سمجھوں نہ وہ مری نظریں
معاملات زباں ہو چلے ہیں مبہم پھر
یہ آنے والا نا دکھ بھی اس کے سر ہی گیا
چٹخ گیا مری انگشتری کا نیلم پھر
وہ ایک لمحہ کہ جب سارے رنگ ایک ہوئے
کسی بہار نے دیکھا نہ ایسا سنگم پھر
بہت عزیز ہیں آنکھیں مری اسے لیکن
وہ جاتے جاتے انہیں کر گیا ہے پرنم پھر

شاعرہ: پروین شاکر

انتخاب: ندا حسنین...... کراچی

غزل

سفینہ رکھتا ہوں درکار اک سمندر ہے
ہوائیں کہتی ہیں اس پار اک سمندر ہے
میں ایک لہر ہوں اپنے مکان میں اور پھر
ہجوم کوچہ و بازار اک سمندر ہے
یہ میرا دل ہے مرا آئنہ ہے شہزادی
اور آئینے میں گرفتار اک سمندر ہے
کہاں وہ پیرہن سرخ اور کہاں وہ بدن
کہ عکس ماہ سے بیدار اک سمندر ہے
یہ انتہائے مسرت کا شہر ہے ثروت
یہاں تو ہر در و دیوار اک سمندر ہے

شاعر: ثروت حسین

انتخاب: حنا اشرف...... کوٹ ادو

غزل

وہ کہکشاں وہ رہ رقص ہی نہ رہی

ہم اب کہیں بھی رہیں جب تری گلی نہ رہی
تمہارے بعد کوئی خاص فرق تو نہ ہوا
حزیں قدر کے وہ پہلی سی زندگی نہ رہی
یہ ذکر کیا کہ خرد میں بہت تصنع ہے
ستم یہ ہے کہ جنون میں بھی سادگی نہ رہی
قلم روغم جاناں ہوئی ہے جب سے تباہ
دل و نظر کی فضاؤں میں زندگی نہ رہی
نکال ڈالیے دل سے ہماری یادوں کو
یقین کیجیے ہم میں وہ بات نہ رہی
جہان فروز تھا یادش بخیر اپنا جنوں
پھر اس کے بعد کسی شے میں دلکشی نہ رہی
دکھائیں کیا تمہیں داغوں کی لالہ انگیزی
گزر گئیں وہ بہاریں، وہ فصل نہ رہی
وہ ڈھونڈتے ہیں سر جادہ امید کسے
وہاں تو قافلے والوں کی گرد بھی نہ رہی

شاعر: جون ایلیا

انتخاب: نادیہ احمد...... دبئی

غزل

اپنے حواس میں شب غم کب حیات ہے
اے درد ہجر تو ہی بتا کتنی رات ہے
ہر کائنات سے یہ الگ کائنات ہے
حیرت سرائے عشق میں دن ہے نہ رات ہے
جینا جو آ گیا تو اجل بھی حیات ہے
اور یوں تو عمر خضر بھی کیا بے ثبات ہے
کیوں انتہائے ہوش کو کہتے ہیں بے خودی
خورشید ہی کی آخری منزل تو رات ہے
ہستی کو جس نے زلزلہ ساماں بنا دیا
وہ دل قرار پائے مقدر کی بات ہے
یہ موشگافیاں ہیں گراں طبع عشق پر
کس کو دماغ کاوش ذات و صفات ہے
ہستی بجز فنائے مسلسل کے کچھ نہیں
پھر کس لیے یہ فکر قرار و ثبات ہے
یہ شب یہ خیال و خواب تیرے
عنوان غفلتوں کے ہیں فرقت ہو یا وصال
بس فرصت حیات فراق ایک رات ہے

شاعر: فراق گورکھپوری

انتخاب: طیبہ عبید...... کراچی

غزل

زندہ رہیں تو کیا ہے جو مر جائیں ہم تو کیا
دنیا سے خامشی سے گزر جائیں ہم تو کیا
ہستی ہی اپنی کیا ہے زمانے کے سامنے
اک خواب ہیں جہاں میں بکھر جائیں ہم تو کیا
اب کون منتظر ہے ہمارے لیے وہاں
شام آ گئی ہے لوٹ کے گھر جائیں ہم تو کیا
دل کی خلش تو ساتھ رہے گی تمام عمر
دریائے غم کے پار اتر جائیں ہم تو کیا

شاعر: منیر نیازی

انتخاب: ندا علی...... لاہور

وادی کشمیر

بڑی اداس ہے وادی
گلا دبایا ہوا ہے کسی نے انگلی سے
یہ سانس لیتی رہے پر یہ سانس لے نہ سکے
درخت اگتے ہیں کچھ سوچ سوچ کر جیسے
جو سر اٹھائے گا پہلے وہی قلم ہوگا
جھکا کے گردنیں آتے ہیں برنادم ہیں
کہ دھوئے جاتے نہیں خون کے نشاں ان سے
ہری ہری ہے مگر گھاس اب ہری بھی نہیں
جہاں پہ گولیاں برسیں زمیں بھر بھی نہیں
وہ مائیگریٹری پنچھی جو آیا کرتے تھے
وہ سارے زخمی ہواؤں سے ڈر کے لوٹ گئے
بڑی اداس ہے وادی...... یہ وادئ کشمیر

شاعر: گلزار

انتخاب: صدف آصف...... کراچی

غزل

کیا پھول کھلے ہیں منہ اندھیرے
شعلے میں ہے ایک رنگ تیرا
باقی ہیں تمام رنگ میرے
آنکھوں میں چھپائے پھر رہا ہوں
یادوں کے بجھے ہوئے سویرے
دیتے ہیں سراغ فصل گل کا
شاخوں پہ جلے ہوئے بسیرے
منزل نہ ملی تو قافلوں نے
رستے میں جما لیے ہیں ڈیرے
جنگل میں ہوئی ہے شام ہم کو
بستی سے چلے تھے منہ اندھیرے
روداد سفر نہ چھیڑنا ناصر
پھر اشک نہ تھم سکیں گے میرے

شاعر: ناصر کاظمی

انتخاب: سیدہ لاریب زیدی..... کراچی

غزل

اب کے اُس کی آنکھوں میں بے سبب اُداسی تھی
اب کے اُس کے چہرے پر دُکھ تھا بدحواسی تھی
اب کے یُوں ملا مجھ سے یُوں غزل سُنی جیسے
میں کہ ناشناسا ہوں وہ بھی اجنبی جیسے
زرد خال وخد اُس کے سوگوار دامن تھا
اب کے اُس کے لہجے میں کتنا کھردرا پن تھا
وہ کہ عمر بھر جس نے شہر بھر کے لوگوں سے
مجھ کو ہم سخن جانا ازل سے آشنا لکھا
خُود سے مہرباں لکھا مجھ کو دلربا لکھا
اب کے سادہ کاغذ پہ سرخ روشنائی سے
اُس نے تلخ لہجے میں میرے نام سے پہلے
صرف بے وفا لکھا

شاعر: محسن نقوی

انتخاب: سیدہ عروج فاطمہ بخاری..... ملتان

غزل

طنز کرتے ہیں جو لوگ ان کو دکھانے کے لیے

لوٹ آؤ نا میرے یار زمانے کے لیے
اس لیے بھی تیری تصویر جلا دی میں نے
اور کچھ تھا ہی نہیں دل کو جلانے کے لیے
بڑے باعث ہی تو سکتے کا ہے عالم طاری
خود کو ناراض کیا تجھ کو منانے کے لیے
آج پھر شام گزاری ہے اسی جنگل میں
ان درختوں سے ترا نام مٹانے کے لیے

کلام: وصی شاہ

انتخاب: ثناء اعجاز..... ساہیوال

غزل

یہ دل یہ پاگل دل مرا کیوں بجھ گیا آوارگی
اس دشت میں اک شہر تھا اسے کیا ہوا آوارگی
کل شب مجھے بے شکل کی آواز نے چونکا دیا
میں نے کہا تو کون ہے اس نے کہا آوارگی
لوگو بھلا اس شہر میں کیسے جئیں گے ہم جہاں
ہو جرم تنہا سوچنا، لیکن سزا آوارگی
یہ درد کی تنہائیاں یہ دشت کا ویراں سفر
ہم لوگ تو اکتا گئے اپنی سنا آوارگی
اک اجنبی جھونکے نے جب پوچھا میرے غم کا سبب
صحرا کی بھیگی ریت پر میں نے لکھا آوارگی
اس سمت وحشی خواہشوں کی زد میں پیمان وفا
اس سمت لہروں کی دھمک کی گھٹا، آوارگی
کل رات تنہا چاند کو دیکھا تھا میں نے خواب میں
محسن مجھے راس آئے گی شاید سدا آوارگی

شاعر: محسن نقوی

انتخاب: عنزہ یونس انا..... حافظ آباد

غزل

تصور میں وہ آج آئے تو ہیں
ذرا زخم دل مسکرائے تو ہیں
نقوش تمنا کر مٹائے تو ہیں
دل مضطرب یہ بھی کچھ کم نہیں
ترے پاس یادوں کے سائے تو ہیں

مسافر اسے تو غنیمت سمجھ
یہ رستے کسی نے بنائے تو ہیں
محبت نہیں ہے تو نفرت سہی
نہیں ہیں جو اپنے پرائے تو ہیں
افق پہ ہیں یا میری پلکوں پہ ہیں
ستارے کہیں جھلملائے تو ہیں
جو آباد رکھتے ہیں خلوت میری
وہ گائے ہوئے گیت گائے تو ہیں
کرم یہ کرامت پہ کچھ کم نہیں
نگاہوں میں وہ نقش آئے تو ہیں

شاعر: کرامت بخاری

انتخاب: جویریہ ضیاء...... ملیر کراچی

نظم

یہ وہ جذبہ ہے جو دل کے نہاں خانے میں جب اترے
تو اندھیاروں میں گویا روشنی بھر دے
اگر مٹی کو چھو لے تو اسے اشک قمر کر دے
یہ تپتی دھوپ کو پل میں گھٹا کر دے
یہ خواہش کو دعا کر دے
یہ دھڑکن کو صدا کر دے
کسی بھی عام جذبے کو وفا کر دے
دکھوں سے ماورا کر دے
یہ جب چاہے بدن میں روح پھونکے اور جب چاہے رہا کر دے
تو سوچو کس طرح سمجھو گے نہیں اور اک اس شے کا مجھے
احساس ہے جاناں
مجھے اس کا یقین بھی ہے تمہیں مجھ سے محبت ہے
کوئی تو ہے لہو میں جو مچلتا ہے
جوان سوچوں میں پلتا ہے انوکھی چال چلتا ہے
جوان ساون کی بوچھاڑوں میں میرے ساتھ چلتا ہے
میرے اندر ہی اندر گھات گویا لگاتا ہے
مجھے بے خود بناتا ہے مری پلکیں جھکاتا ہے
وہ مجھ کو خود بتاتا ہے کہ
صدیوں کی مسافت پر کوئی رہ کر
رگ جاں سے بھی آ گے ہے
مجھے سوچے ہے مرے ساتھ جاگے
ذرا بتلاؤ تو جاناں؟
وہ میرا کون لاگے ہے؟

شاعرہ: فاخرہ بتول

انتخاب: صائمہ سکندر سومرو...... حیدر آباد، سندھ

غزل

اک آرزو ہے پوری پروردگار کرے
میں دیر سے جاؤں وہ میرا انتظار کرے
اپنے ہاتھوں سے سنواروں زلفیں اس کی
وہ شرما کر محبت کا اقرار کرے
لپٹ جائے مجھ سے عالم مدہوشی میں
اور جوش و جنوں میں محبت کا اظہار کرے
ہو شب وصل یا رب......!
اور بھیگی زلفوں سے مجھے بے دار کرے
قسم خدا کی میں کسی اور کا ہو سکتا نہیں
یہ وعدہ وفا وہ بار بار کرے
جب اسے چھوڑ کے جانا چاہوں وصی
وہ رو کے اور اک رات کا اصرار کرے

شاعر: وصی شاہ

انتخاب: نجم انجم اعوان...... کورنگی، کراچی

alam@aanchal.com.pk

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماےراحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

شوخئ تحریر

حماد ذوالفقار

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا
آگاہ ہو جاؤ میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جن کے شر سے ان کا احترام کیا جائے آگاہ ہو جاؤ لوگ جس کے شر اور گزند سے بچنے کے لیے اس کا احترام کریں وہ مجھ سے نہیں ہے۔
(تحف القول۔۵۸)

حافظہ خنسا آفرین......راجن پور جام پور

بجلی کا بل

روشنی کی ہے سزا بجلی کا بل
یا مقدر کا لکھا بجلی کا بل
تو جو چکرا کر گرے تو خیر ہے
پر محبت سے اٹھا بجلی کا بل
وقت سے پہلے ہی قربانی ہوئی
اپنے بکرے پر گرا بجلی کا بل
اڑ گئے ہاتھوں کے طوطے دفعتاً
جونہی ہاتھوں میں لیا بجلی کا بل
ڈس کنکشن کا بھی نوٹس ساتھ ہے
کس قدر یہ بے وفا ہے بجلی کا بل
خون دشمن کا نہ لے تو اپنے سر
بس اسے جا کر دکھا بجلی کا بل
تھا مریض دل بے چارہ چل بسا
دیکھتا ہی رہ گیا بجلی کا بل
کی شکایت میں نے بجلی کی مجھے
دیکھتے ہی جل گیا بجلی کا بل
روشنی کو لوگ ترسیں گے یہاں
اب اندھیرے لائے گا بجلی کا بل
جاں کے لالے پڑ گئے تہذیب خاں
اس قدر مہنگا پڑا بجلی کا بل

راؤ تہذیب حسین تہذیب......رحیم یار خان

ماں

جب ماں کو خدا نے بنایا تو فرشتوں کو حکم دیا کہ
چاند کی ٹھنڈک
شبنم کے آنسو
بلبل کے نغمے
چکوری کی تڑپ
گلاب کے رنگ
پھول کی مہک
کوئل کی کوک
سمندر کی گہرائی
دریاؤں کی روانی
موجوں کا جوش
کہکشاؤں کی رنگینی
زمین کی چمک
صبح کا نور اور آفتاب کی تمازت کو جمع کیا جائے تاکہ ماں کی تخلیق کی جائے۔
جب ماں کو خدا نے بنالیا تو فرشتوں نے پوچھا اے مالک دو جہاں تو نے اس میں اپنی طرف سے کیا شامل کیا اللہ رب العزت نے فرمایا محبت۔

اقراء وکیل......سرگودھا

محبت

رہی محبت تو وہ اچھی لڑکیوں کو بھی ہو جاتی ہے مگر جب یہ پتا چلتا ہے کہ یہ محبت ان کی نہیں ہو سکتی تو وہ خاموش رہتیں ہیں کیونکہ اچھی لڑکیاں خاموش ہی اچھی لگتی ہیں۔

ادیبہ ارشد......ملتان

ہنسنا منع ہے

لڑکی اپنی دوست سے پاپا نے کہا ہے کہ اگر اس دفعہ تم بی کام میں فیل ہو گئی تو تمہاری شادی کر دوں گا۔
دوست تو پھر تم نے کتنی تیاری کی۔
لڑکی بس ولیمے کا ڈریس رہ گیا ہے۔

نور کائنات......کوہاٹ

اور بریک فیل ہو گئے

ہم لوگ خالہ کے جہلم پر مردان سے ہوتے ہوئے پشاور گئے وین میں ہم کچھ اس طرح بیٹھے کہ شوہر کی بہن میری نند جھانی اور ممانی پچھلی سیٹ پر تھے اور میرے میاں کی کزنز

فرنٹ سیٹ پر تھیں اور اس وقت دونوں کی گود میں بچے تھے اچانک وین کو ایک زوردار جھٹکا لگا جس سے ہمارے سر زور سے اگلی سیٹ سے ٹکرائے فرنٹ سیٹ کا شیشہ اس طرح کرچی ہوا کہ اس کی باریک کرچیوں کی بوچھاڑ پیچھے تک بھی آئی اس اچانک افتاد سے وین میں سراسمیگی پھیل گئی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر ماجرا کیا ہے۔

جب ذرا حواس بحال ہوئے تو اصل صورتحال سے آگاہی ہوئی تب تو ہمارے رنگ فق ہوگئے کیونکہ وین کے بریک فیل ہوچکے تھے اور آؤٹ آف کنٹرول ہوچکی تھی اس وجہ سے کسی لمحہ بھی ناخوشگوار واقعہ پیش آسکتا تھا حفظ ماتقدم کے طور پر ممتا کے جذبے سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھی دونوں کزنز نے اپنے بچے پیچھے پکڑا دیے تاکہ آنے والے متوقع حادثہ سے کسی حد تک بچا جاسکے۔

وین میں موجود تمام لوگ حواس باختہ تھے مگر مشکل کے ان لمحات میں سب کی زبان پر آخری سہارے کا نام تھا۔

جس کو جب بھی دل سے پکارو آ پہنچتا ہے یہ سچا اور آخری سہارا اس خدا تعالیٰ کی ذات تھا جس کے نام پر کسی نے نوافل مانے، کسی نے ختم کلام پاک کسی نے صدقے کی منت مانی تو کسی نے معجزہ بی بی فاطمہ کا واسطہ دیا ان پیاری ہستیوں کے واسطے سے رحمت خداوندی جوش میں آگئی اور وین کو معجزانہ طور پر بریک لگ گئے۔ تب کہیں جاکر ہمارے حواس بحال ہوئے اور ہر طرف شکرانے کی صدائیں بلند ہوئیں۔ میں سوچتی ہوں اگر وین کو بریک نہ لگتے تو نجانے ہم لوگوں کا کیا حشر ہوتا لیکن میں یہ بھی سوچتی ہوں کہ ایسا کبھی نہ ہوتا کیونکہ خداوند تعالیٰ صدق دل سے پکارنے والوں کی مدد کو ضرور پہنچتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی اس عنایت پر اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ مگر اب بھی اس سفر کی جھلکیاں میری آنکھوں کے سامنے آتی ہیں تو میں لرز ضرور جاتی ہوں۔

بشریٰ افضل...... بہاولپور

میرے رب کی شان

میرے رب کی شان اگر سمندر ایک جگہ کھڑا رہتا موجوں کے بغیر تو اس میں بیماریاں پھیلانے والے اجزا پیدا ہوتے لیکن اللہ پاک نے اس کو چلا دیا اور ہلا دیا بلکہ اس میں قدر ضرورت نمکیات بھی شامل کردیے جو کہ پانی کو خراب ہونے سے بچاتے ہیں اور اللہ پاک نے ہمارے آنسو بھی قیمتی بنائے اور اس میں بھی نمکیات ملادی ورنہ ہماری آنکھیں گل سڑ جاتی۔

(تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے)

عائشہ اے بی...... جھنڈو

ایک قابل غور نکتہ

دوسروں کو اپنی قسمت اور تقدیر منتخب کرنے کا موقع مت دیں صبر اور استقامت سے کام لے کر اپنے خوابوں کو حقیقت کا روپ دیں۔

روبی ذیشان...... اٹک

مشاعرہ

ایک مشاعرے میں شاعر اس مصرعے کو بار بار دہرا رہا تھا اس چمن سے یہ جھانکے اس چمن سے وہ جھانکے لوگ اسے بار بار سن کر پریشان ہوگئے آخر ایک آدمی نے تنگ آکر اس مصرعے کے بعد یہ مصرعہ لگا دیا۔

جلا دو اس چمن کو نہ یہ جھانکے نہ وہ جھانکے۔

صائمہ ذوالفقار...... چک نمبر 16/14

ایک نقطہ

ایک بزرگ نے ایک دیوار پر بڑا سا وائٹ پیپر لگایا اور اس پر بلیک مارکر سے ایک نقطہ لگا کر لوگوں سے پوچھا آپ کو دیوار پہ کیا نظر آرہا ہے سب نے کہا بلیک نقطہ تو بزرگ نے کہا کمال ہے اتنا بڑا وائٹ پیپر نظر نہیں آرہا اور چھوٹا سا نقطہ نظر آگیا یہ ہی حال لوگوں کا ہے کہ ان کو دوسرے لوگوں کی اچھائیاں نظر نہیں آتی ایک چھوٹی سی برائی ضرور نظر آتی ہے۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

اچھی باتیں

- سنہری یادوں پر خواہ کتنی ہی دھول کیوں نہ پڑ جائے ان کی اصلی رنگت کبھی ماند نہیں پڑ سکتی۔
- گھر کی زکواۃ یہی ہے کہ اس میں ایک کمرہ ضیافت کے لیے رکھا جائے۔
- وہ محبت یقیناً عظیم ہوتی ہے جو ایک دوسرے کو عزت دے۔
- احسان کا بدلہ ادا نہ کرسکو تو زبان سے شکریہ ضرور ادا کرو۔
- زندگی ایک ہیرے کی مانند ہے جسے انسان خود تراش کر خوب صورت بناتا ہے۔

خوب صورتی چند روزہ حکومت ہے۔
پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

چوری

نوجوان نے رومانوی انداز میں محبوبہ سے کہا۔ "جان! تم اب بدل گئی ہو پہلے جیسی بات نہیں ہے۔"
محبوبہ نے حیرت سے پوچھا۔ "وہ کیسے۔"
نوجوان نے کہا۔ "اب میں تمہارا ہاتھ پکڑتا ہوں تو تم شرماتی نہیں ہو۔"
محبوبہ نے اٹھلا کر کہا۔ "پچھلی بار میں نے شرما کر آنکھیں بند کیں تو پرس سے پانچ سو روپے غائب تھے چور کہیں کے۔"
ارم کمال...... فیصل آباد

خوب صورت بات

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ عبادت کرنے کے لیے بہترین دن کون سا ہے؟
بزرگ نے کہا موت سے ایک دن پہلے اس نے حیرت سے کہا کہ موت کا وقت تو معلوم نہیں بزرگ نے فرمایا تو پھر زندگی کے ہر دن کو آخری دن سمجھو۔
کبریٰ مہتاب...... بوسال سکھا

خوب صورت الفاظ

اگر پانی کا قطرہ کسی جھیل میں گرتا ہے تو اپنی شناخت کھو دیتا ہے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اگر یہ کیچڑ میں گرتا ہے تو اس کا جز بن جاتا ہے جس کی کوئی جاہ نہیں ہوتی۔
اگر یہ گلاب پر گرتا ہے تو یہ چمکتا ہے اسے پسند کیا جاتا ہے۔ اگر یہ سیپی پر گرتا ہے تو انمول موتی بن جاتا ہے قطرہ وہی ہوتا ہے لیکن یہ محبت ہے جو اس کی قدر و قیمت تبدیل کر دیتی ہے۔
فیفہ جٹ، مائرہ جٹ...... سرگودھا

پانی قدرت کا انمول تحفہ

پانی کا رنگ ہے نہ ذائقہ پھر بھی خدا کی قدرت ہے پانی کے مختلف روپ ہیں اوپر کو اٹھے تو بھاپ ہوا میں اڑے تو بادل اوپر سے گرے تو بارش جم کر گرے تو اولا گر کر جمے تو برف رات میں گرے تو اوس پھول پر گرے تو شبنم پھول سے نکلے تو عرق آنکھ سے نکلے تو آنسو زمین سے نکلے تو چشمہ جمع ہو تو تالاب پہلے تو دریا قدم اسماعیل سے نکلے تو زم زم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے نکلے تو آب کوثر سبحان اللہ۔
منزہ...... کوٹ ادو

خوب صورت الفاظ

❁ انسان کا دل توڑنے والا شخص کبھی اللہ عزوجل کو تلاش نہیں کر سکتا۔
❁ لباس قیمتی ہو یا سستا گھٹیا کردار کو چھپا نہیں سکتا۔
❁ اگر پہاڑ سرکانے کی خواہش ہو تو پہلے ذروں کو سرکانا سیکھو۔
❁ کامیابی کا زینہ ناکامی کے ڈنڈوں سے تیار ہوتا ہے۔
❁ زیادہ بلندی پر جانا چاہتے ہو تو پہلے بنیاد مضبوط کرلو۔
سامعہ ملک پرویز...... خانپور ہزارہ

قران مجید پڑھنے کے فائدے

☆ شفا کے لیے پڑھتے ہیں بلاشبہ اس میں شفا ہے۔
☆ حادثات و مصیبتوں سے بچاؤ کے لیے پڑھتے ہیں۔
☆ حصول رزق اور رزق بڑھانے کے لیے پڑھا جاتا ہے۔
☆ جہنم اور عذاب قبر سے بچنے کے لیے پڑھا جاتا ہے۔
☆ راحت اور دل کو سکون پہنچانے کے لیے اسے پڑھا جاتا ہے۔
☆ ثواب حاصل کرنے کے لیے اسے پڑھا جاتا ہے۔
☆ برکت کے لیے پڑھا جاتا ہے بلاشبہ اس کے پڑھنے سے برکتیں پیدا ہوتی ہیں۔
☆ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے پڑھا جاتا ہے بلا شبہ اسے پڑھنے سے اللہ خوش ہوتا ہے اور جس سے خدا راضی ہو اس کے راستے کی تمام رکاوٹیں آسانیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔
☆ اللہ تعالیٰ ہم سب کو باقاعدگی سے قرآن مجید پڑھنے والا بنائیں آمین۔
افشاں گل...... کراچی

دعا

دعا جب ایڑیاں رگڑنے پر آجائے تو قبولیت کے زم زم

کو جاری ہونا پڑتا ہے۔

عزہ یونس انا..... حافظ آباد

بہترین انسان

○ اچھے لوگ تو وہ ہوتے ہیں جو دوسروں کی مدد کریں وہ ہر اس چیز کو ان کے پاس پہنچادیں جو ان کو میسر نہیں۔

○ اچھے لوگ تو وہ ہوتے ہیں جو بن کہے ضرورت مندوں کی تکلیف کو جان جائیں۔

○ اچھے لوگ وہ ہوتے ہیں جن کے لیے امیر غریب اور ہر وہ انسان جو ان سے کمتر ہے اس کو اپنا سمجھیں ایسے لوگ بہترین انسان کہلانے کے حقدار ہیں۔

○ ایسے انسان جو خاموش اور خود دار لوگوں کی مدد کریں عظیم لوگ ہوتے ہیں اور وہی بہترین انسان ہیں۔

○ بہترین تو وہ ہیں جن کو بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی اور ہر تکلیف کو وہ سب سے چھپا کر دوسروں کی تکالیف دور کرتے ہیں۔

شیریں گل..... ثمن

زندگی

زندگی سے توقعات نہیں رکھنی چاہیے، توقعات دکھ دیتی ہیں جب آپ کوئی توقع نہیں رکھتے تو زندگی کا ہر لمحہ سرپرائز ہوتا ہے اور سرپرائز اپنے ساتھ خوشیاں لاتا ہے۔

فریحہ شبیر..... شاہ نکڈر

دوست

جب یاد کا قصہ کھولوں تو
تم دوست بہت یاد آتے ہو
میں گزرے پل جو سوچوں تو
تم دوست بہت یاد آتے ہو
اب جانے کون سی نگری میں
آباد ہیں جا کر مدت سے
میں رات گئے تک جاگوں تو
تم دوست بہت یاد آتے ہو
کچھ باتیں تھیں پھولوں جیسی
کچھ لمحے خوشبو جیسے تھے
میں شہر چمن میں ٹہلوں تو
تم دوست بہت یاد آتے ہو
وہ پل بھر کی ناراضگیاں اور
مان بھی جانا پل بھر میں
اب خود سے جب بھی روٹھوں تو
تم دوست بہت یاد آتے ہو

کبریٰ مہتاب..... بوسال سکھا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

ایک روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا کو بیوہ عورت کے روپ میں دیکھا کہ وہ سر پر ایک رنگین چادر اوڑھے ہوئے ہے اس کی پیٹھ جھکی ہوئی ہے ایک ہاتھ مہندی سے ایک ہاتھ خون سے رنگا ہوا ہے آپ نے پوچھا اے ملعون تیری پیٹھ کیوں جھکی ہوئی ہے کہنے لگی میں نے اپنے پسر کو مار ڈالا ہے آپ نے پوچھا یہ رنگین چادر کیوں اوڑھی ہے کہنے لگی تو جوان کو اپنے اوپر فریفتہ کرتی ہوں آپ نے دریافت کیا تو نے اپنا ہاتھ خون سے کیوں رنگا ہے اس نے کہا میں نے اپنا شوہر مار ڈالا ہے پھر آپ نے فرمایا دوسرا ہاتھ مہندی سے کیوں رنگا ہے کہنے لگی ابھی دوسرا شوہر کیا ہے آپ تعجب میں ہوئے پھر کہنے لگی یا روح اللہ اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اگر میں پدر کو مار ڈالوں تو پسر مجھ پر عاشق ہو جاتا ہے اور اگر پسر کو مار ڈالوں تو پدر مجھ پر عاشق ہو جاتا ہے اور اگر ایک بھائی کو مار ڈالوں تو دوسرا بھائی عاشق ہو جاتا ہے، یا روح اللہ اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ میں نے ہزاروں شوہر مار ڈالے ہیں اور کسی ایک پر بھی ترس نہیں کھایا مگر جو شخص سرد تھا اس نے مجھے نہ چاہا اور جس نے مجھے چاہا وہ مرد نہ تھا اور جو کوئی مجھے چاہتا ہے میں اس کو نہیں چاہتی اور جو مجھے نہیں چاہتا میں اسے چاہتی ہوں۔

فاطمہ مصطفیٰ..... سرگودھا

shukhi@aanchal.com.pk

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ابتدا ہے جو خالق کونین اور مالک ارض وسماں ہے اکتوبر کا شمارہ عید نمبر پیش خدمت ہے۔ جس میں عید الاضحیٰ کے تمام رنگوں کو دلکش طریقے سے سمونے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ امید ہے آپ کے ذوق ومعیار کے عین مطابق ہوگا اس لیے ہمیں اپنی آرا وتجاویز سے آگاہ کرتے رہیے گا۔ ان شاء اللہ نومبر 2016ء کا شمارہ سالگرہ نمبر ہوگا آپ بہنوں سے گزارش ہے کہ جلد از جلد اپنی نگارشات ارسال کردیں۔ آیئے اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ تبصروں کی جانب جو بزم حسن خیال میں جھل مل کرتے عید کی شان بڑھا رہے ہیں۔

فریدہ فری یوسفزئی...... لاہور۔ السلام علیکم! سب قارئین اور رائٹرز کو فری کا سلام قبول ہو یہ خط میں اسپتال سے لکھ رہی ہوں بے حد بیمار ہوں۔ انجیکشن لگ رہے ہیں مجھ سے لکھا نہیں جارہا مگر ایک افسانے یا تحریر نے لکھنے پر مجبور کیا وہ ہے میٹھے موسم واہ کیا افسانہ تھا۔ صوفیہ سرور جی کیا خوب لکھا' لفظوں کا چناؤ پڑھ کر مزہ آگیا اور بھی میرے فیورٹ لکھنے والے ہیں مگر آپ کا افسانہ پہلی مرتبہ ہی دل میں اتر گیا تبصرہ تاخیر سے بھیج رہی ہوں لیکن تعریف بھی تو ضروری تھی۔ میں تو صرف شاعری کرتی ہوں رائٹر تو ہوں نہیں پتا نہیں آپ کی شان میں کیا لکھوں، میں آنچل کی بہت پرانی قاری ہوں اور حجاب بھی میرا پسندیدہ میگزین ہے تمام دوستوں کو سلام دعا خاص کر پروین افضل اور نزہت جبیں صاحبہ کو بے حد سلام میرا نمبر طاہر بھائی سے لے لیں میں نے رابطہ کرنا ہے۔

☆ فریدہ بہن اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو کامل صحت سے نوازے آمین۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ پیاری باجی جوہی احمد السلام علیکم اس بار حجاب کے سرورق پر ماڈل نے اپنے ہاتھوں پر مہندی کا خوب صورت ڈیزائن بنایا ہوا تھا جو کہ بہت ہی پسند آیا۔ شمیم ناز صدیقی اور کاشف شہزاد کے انٹرویوز زبردست تھے۔ آپ کا اداریہ بھارت کو للکار رہا تھا اور حجاج کرام کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ میری طرف سے حجاب کی پہلی سالگرہ مبارک ہو، حمد ونعت اور امہات المومنین پڑھ کر اپنے ایمان کو تازہ کیا، میری نگارشات پسند فرمانے پر ریما نور رضوان، حرا قریشی، عائش کشمالے کا شکریہ، سیدہ رابعہ شاہ مجھے آپ کی دوستی قبول ہے ہم حجاب کے ذریعے ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں، مرضی ہے آپ کی آپ نے تو مجھے بوتل کا جن ہی بنا دیا کہ ہر ہر ڈائجسٹ میں موجود ہوتی ہوں شکر ہے جن ہی بنایا چڑیل نہیں بنایا ورنہ ہماری دوستی آج ہی سے...... خدا حافظ۔

کوثر خالد...... فیصل آباد۔ پیارے حجاب پیاری جوہی پیارے قارئین، السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ۔ سب سے پہلے حمد خدا کہ اس نے عید الاضحیٰ جیسا قربانیوں بھرا تہوار مرحمت فرمایا، ہمارا بس چلے تو بکرے کی جگہ خود قربان ہوکر دیکھیں، بہرحال خداوند ہمیں نیت خالصہ کے ساتھ قربانی کی توفیق دے ورنہ قربانی نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ دیگر آپ لوگوں نے تبصرہ کے ذریعے میری تحریروں کو پذیرائی بخشی، سر آنکھوں پر اس دعا کے ساتھ کہ جس طرح میں ہر امتحان زندگی میں صبر فرما کر سرخرو ہوئی آپ سب جلد اس مقام کو حاصل کریں گو کہ ہم

نے بڑھاپے کی جوانی (بقول انجم انصار) میں یہ سب حاصل کیا۔ میری یہ دعا شب و روز اس لیے جاری ہے کہ میں تنہا کچھ بھی نہیں کہ فرد قائم ربطِ ملت سے ہے۔ آؤ بہنو اور بھائیو!
دست باہم کی طرح مل جائیں۔

ابھی صرف حمد و نعت، حسن خیال شوخیٔ تحریر اور آغوش مادر ہی پڑھ پائی ہوں باقی بعد میں پڑھوں گی آغوش مادر پر خیالی تبصرہ اتنا طویل تھا جیسے ناولٹ مگر قلم سے صرف اتنا لکھوں گی کہ جب تک ہر مادر پاکستان عروج کی بلندیوں پر نہ پہنچے گی کشمیر کی آزادی مشکوک ہے اور عمل میں سادگی کو میں سرفہرست رکھتی ہوں اور سچ کے بنا تو مر ہی جاؤں، بس یہ ہی دو صفات میری مجھے کامیابی تک لائی ہیں مگر میں سب کی منتظر ہوں کہ کب ہم جسم واحد بنتے ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

فیشن اور سجاوٹیں ترک کر کے کیا سکون ملتا ہے پیسے کی دوڑ بند کرتے ہی دل کی آنکھ روشن ہو جاتی ہے۔ اگر ہم نفس کو روکنے کی شرط جیت جائیں جو کہ مشکل ہے تو ایک صاف شفاف دنیا اندر اور باہر ہماری منتظر ہوتی ہے اسی لیے الم نشرح کے پس منظر میں ہم نے لکھا ہے۔

آسانی میں دشواری ہے دشواری میں آسانی ہے
آؤ مل کر ساتھ چلیں یہ دنیا آخر فانی ہے

نوٹ کیجیے میں ہمسائی کی بچی کو سنبھال رہی ہوں کہ وہ بازار گئی ہے ادھر میں قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف ادھر وہ خود ہی کلمہ اور گنتی پڑھ رہی ہے ماشاء اللہ۔ تبصرہ نہیں لکھا کہ چلو کی اور بہن کو جگہ مل جائے اور تبصرہ نہ لکھنے کی تمہید کتنی طویل ہے۔ کب سے شوق تھا یہ قرآنی سوال منظر عام پر لاؤں گی آج یہ حسرت تکمیل تک پہنچی اور کوئی غنچہ ایسا نہیں جو بن کھلے مرجھا جائے اگر اس کا تعلق سیدھی راہ اور خدا سے ہو۔ کہانیاں بھی اس لیے پڑھتی ہوں کہ شاید کوئی نئی نیکی کی بات ملے تو اس کی نعت و حمد بن جائے، بہت ہو گیا اللہ حافظ و ناصر، پاکستان زندہ باد۔

ریما نور رضوان...... کراچی۔ السلام علیکم، عزیز و خاص احباب نئے افق گروپ آف پبلیکیشن کے تمام اسٹاف و ممبران، پلس فیس بک ممبرز ماہنامہ حجاب انتہائی تاخیر سے موصول ہوا۔ باعجلت حجاب پر اظہار خیال کر رہی ہوں۔ کہیں کوئی خطا کر جاؤں تو درگزر کر دیجیے گا۔ ٹائٹل گرل بس سو سو لگی۔ اشتہارات سے آگے بڑھتے ہوئے۔ حجاب کی خوب صورت فہرست کھولی۔ ایک صرف نظر ڈال کر بات چیت کی محفل میں آ بیٹھی۔ قیصر آپا کی خشمگیں نگاہوں میں خفگی دکھائی۔ جیسے کہہ رہی ہوں بڑی جلدی آئی ہو۔ میں نے کان پکڑ کر سوری کہا۔ قیصر آپا نے تاریخ کے اوراق الٹے اور یوم دفاع پاکستان کی یاد کو تازہ کر دیا۔ دوسری جانب حج جیسے مقدس فریضے کی ادائیگی پر حجاج کرام کو ہماری طرف سے بھی مبارکباد۔ چلیں ماہانہ دعا میں تمام پیاری بہنیں شرکت کر لیں۔ قیصر آپا کے ساتھ میں بھی دعا گو ہوں۔ اس، پروردگار سے کہ وطن عزیز ہم نے وطن تیرے نام پر حاصل کیا، آج اس کی حفاظت بھی تو خود فرما اور اسے ایک اسلامی ریاست بنا دے آمین ثم آمین۔ حجاب ڈائجسٹ کو ہماری دنیا میں آئے ایک سال ہونے کو ہے واہ جی واہ یہ پیار و محبت بھرا ساتھ نبھاتے نبھاتے اک سال ہونے کو آ رہا ہے۔ حجاب نے اتنا مان، عزت، پیار دیا کہ پتہ ہی نہ چلا اور سال گرہ آ گئی۔ سال گرہ نمبر کے لیے ان شاء اللہ بہت جلد خصوصی تحریر ارسال کر دوں گی۔ دعا ہے کہ حجاب کے صفحات پر میری تحریر جگمگائے۔ آمین ثم آمین۔ اللہ پاک کامیابی نصیب فرمائے۔

حمد بے شک میرا خالق کائنات سب رعایا ہے تیری تو ہے بھی کا تاجدار۔ ریاض حسین قمر صاحب کی حمد بہت پیاری لگی۔ نعت پیاری فصیحہ آپی جی ماشاء اللہ بہت زیادہ اچھی لکھی۔ دل پکارے صلی علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک مددگار ہیں سب کے وہ۔ امہات المومنین تنہائی وسکون میں تسلی سے پڑھتی ہوں کیونکہ اس سلسلے میں بہت ساری باتیں مجھے سیکھنے میں مدد دیتی ہیں۔ سیکھنے کا عمل سانس رکنے کے بعد رو کتا ہے۔ ذکر اس پری وش کا نبیلہ ملک۔ ہانیہ اعجاز۔ کبریٰ مہتاب۔ سب سے دلچسپ ملاقات رہی ایم فاطمہ سیال سے محبتوں، چاہتوں، مسکراہٹوں سے بھری لڑکی۔ زبردست تعارف رہا۔ سباس آپی جی رخ سخن میں شمیم ناز صدیقی کے ساتھ ملی مجھے تو ملنے میں بڑا مزہ آیا۔ سباس جی باخوبی میزبانی کے فرائض انجام دیے۔ کاشف بھائی کا تعارف بھی بہت اچھا لگا۔ آغوش مادر میں میری پیاری سہیلی حرا قریشی ملیں میرے خیالات بھی ماں جی کے حوالے سے یہی ہیں۔ ان شاء اللہ کبھی آپ سب سے شیئر کروں گی۔ حرا کی تحریر نے آنکھیں نم کر دیں۔ واقعی حرا دنیا کی تمام مسرتیں ماں اس سہہ حرفی لفظ میں مجتمع ہیں۔ جویریہ وسی سچ کہا پیاری ماں میں اپنی ہر مشکل ہر الجھن کا حل تیری باتوں میں پالیتی ہوں اور تیرے ہاتھ کی روٹی اکثر بھوک سے زیادہ کھالیتی ہوں۔ شیشوں کا مسیحا از قلم تحسین انجم انصاری مکمل ناول پر تحسین جی کی گرفت مکمل رہی۔ نازنین کا جلنا کڑھنا' شہریار کا مزید جلانا' سرینا کی برجستگی' بہت اچھی لگی۔ اختیار بیگ اور فارینہ کی محبت بہت معتبر سی لگی' ناول بہت اچھا لگا۔ کانٹا از قلم اقبال بانو نصیحت وسبق آموز افسانہ میں متفق ہوں کہ انسان کی پہچان اس کے دوستوں سے ہوتی ہے۔ فیروزہ کی بینا سے دوستی نے اس کا گھر بستے ہی اجاڑ دیا تھا۔ دوست غلط راستوں پر چلیں تو انہیں سمجھانا چاہیے۔ ان کا ساتھ ہرگز نہ دینا چاہیے بہت زبردست تحریر لکھی۔ میرے خواب زندہ ہیں وقت کی کمی کی باعث نہ پڑھ سکی۔ اس ناول کی منظر نگاری اتنی عمدہ ہوتی ہے کہ میں محو ہو جاتی ہوں۔ خلش کے پار از قلم مصباح علی سید۔ مکمل ناول ایس پی عدا س نام اور نٹ کھٹ کردار بہت اچھا لگا، واقعی بدگوئی کوتاہی کرتے ہم بھول جاتے ہیں کہ کسی دن یہ احتساب میں ہمارے سامنے آ کھڑا ہوگا۔ اللہ اکبر افسانہ نگار عالیہ توصیف واقعی عالیہ جی ہم نے اپنا مزاج بنالیا ہے دوسروں پر نظر رکھنا اور تنقید کرنا اور ہر انسان کی کوئی نہ کوئی خامی تلاش کر کے دلی تسلی حاصل کرنے کا۔ بہت بہت منفرد اور خاص افسانہ لگا سوچوں کے نئے دروا کر دیے بہت ہی عمدہ۔ لمحہ احتساب ناولٹ نگار پیاری افشاں علی تظیفہ اور آژمیر کے گرد گھومتی وادی محبت کی نرم گرم چھاؤں میں چہل قدمی کرتی بھرپور رومانوی جذبات سے بھری معاشرتی برائی کے عنصر کے ہمراہ یہ تحریر پسندیدگی کے اعلیٰ معیار پر رہی۔ واقعی افشاں سوشل میڈیا کا بے دریغ استعمال نقصان دہ ہے۔ ٹیبلو سیگمنٹ ناولٹ کا جاندار حصہ رہا۔ ماشاء اللہ بہت بہت زبردست اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ دل کے دریچے از قلم صدف آصف واہ جی واہ فائز کے جذبوں پر پڑی گرد کو سفینہ نے اپنی محبت کے آنچل سے جھاڑ دیا تبھی فائز صاحب خوشی سے سرشار ہیں۔ سنی کے آئیڈیل میں روشنی ڈھلے گی یا نہیں یہ کام واقعی روشنی کے لیے مشکل ہے' واہ روشنی کے خیالات بھائی ہاہاہا مزہ آیا۔ افسانہ نکمی افسانہ نگار سمیرا غزل صدیقی عالیہ جیسی بہوئیں اور اس کی ساس جیسے کردار ہمارے معاشرے میں ہمارے ہر دوسرے گھر میں ملتے ہیں بہت عمدہ تحریر جس نے ہمارے گھروں کے ماحول کی بھرپور عکاسی کی۔ ماموں جی بس کر دیں ناول نگار ام ایمان قاضی نام سے شوخ وشنگ سی تحریر لگی' راحت بیگم کا کردار مضبوط رہا بیٹے ولید اور بھائی ماموں بخیل عقیل ماموں جیسے ناسور ہمارے معاشرے میں ہی بستے ہیں سود کے کاروبار میں ملوث ہو کر ولید اور فجر نے اتنی تکلیف واذیت دی واقعی عقیل ماموں پر یہ بات صادق آتی ہے کہ جن کے دلوں پر مہر لگی ہو ان پر الفاظ کا اثر نہیں ہوتا۔ ٹوٹے بندھنے رشتوں پر مبنی عمدہ تخلیق لگی۔ افسانہ شکستوں کا

جال افسانہ نگار صبا جاوید فریحہ محبت کے نام پر ماں وباپ کے اعتبار واعتماد کو توڑا محبت میں باوفا ہوتے ہوئے بھی بے وفا کہلائے گئے۔ امتثال کے لیے اشعر ارسلان سے روابط استوار نہ کیے۔ امتثال طلاق یافتہ محبوبہ کو بیوی کے درجے پر فائز نہ کرسکا، محبت ڈاٹ کام محبت کا کھیل ختم اچھی تحریر لگی۔ مختصر با اثر تاثر لیے صبا کی تخلیق نے متاثر کیا۔ افسانہ سہیلی افسانہ نگار عالیہ حرا واہ واہ دوست ہو تو نبیلہ جیسی جس نے برسوں بعد ملنے پر ایک نظر ہما کو دیکھنے سے اس کے تمام حال کا اندازہ لگالیا ولید اور ہما کی محبت مثالی لگی۔ ہما کی ماں نے بیٹی کا بھلا چاہا لیکن ماں نے دولت سے مستقبل محفوظ کرنا چاہا تھا۔ اسے مزید عدم تحفظ کا شکار کردیا ہے۔ حقیقت پر مبنی عمدہ تخلیق۔ مستقل تمام سلسلے عمدہ اعلیٰ بہترین اچھاجی اب اجازت ان شاء اللہ اگلے ماہ ملاقات ہوگی مجھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

سمیہ عثمان...... کراچی۔ السلام بہنوں کو خلوص کے ساتھ دعائیں حجاب ہاتھ میں آتے ہی ٹائٹل سے ہوتے ہوئے فہرست پر نظر ڈالی اور پہلی ہی جست میں میرے خواب زندہ ہیں سے پڑھنا جو شروع ہوئی تو زیاں پر اختتام کیا ارے گھبرائیں نہیں کالم بعد کے لیے رکھے وقت جو کافی تھا سمجھا کریں بات کی جائے میرے خواب زندہ ہیں کی تو مجھے جو کردار پسند ہے وہ فراز کا ہے آپی فراز کی اسٹوری کچھ ادھوری لگ رہی ہے ابھی تک یہ کردار ٹھیک سے سامنے بھی نہیں آیا جب کہ اب تو سونیا بھی راستے سے ہٹ گئی ہے اس کے بعد دل کے دریچے واہ بھئی کہانی جس خوب صورتی سے آگے بڑھ رہی ہے کرداروں کے ساتھ سوچ کے دریچے بھی کھلتے ہی جارہے ہیں بھئی اب میں بہت پرانی سوچ کی مالک تو ہوں نہیں جو کہوں کہ فائز کے ساتھ کچھ نہ ہو اس کی شادی سفینہ سے ہی ہو جبکہ یہ سب تو قسمت کے فیصلہ ہیں اور مصنفہ نے کچھ اچھا ہی سوچ رکھا ہوگا ویسے مجھے روشی بہت پسند ہے اس کا انداز، زیاں کی بات کی جائے تو شروع سے اختتام پر باقی آئندہ دیکھ کر سچ مچ چکرا گئی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ میرے ساتھ کیا مذاق ہوا، خیر تحریر کے لیے الفاظ کم ہیں اور تعریف کے لیے دل سامنے رکھنا پڑے گا سچ میں آپی مذاق نہیں۔ افشاں علی نے نشانہ ہی ٹھیک کی ہم نے واقعی فیس بک کا استعمال غلط طریقہ سے شروع کردیا ہے خیر ایسی تحریریں ہی ہماری اصلاح کرتی ہیں آپ نے ایک بہترا استاد کی حیثیت سے اپنے حصہ کا کچھ فرض ادا کردیا، مصباح علی کی تحریر میں ہمیشہ سکون سے اور سب سے آخر میں پڑھتی ہوں کیونکہ یہ جتنی محنت سے لکھتی ہیں پڑھ کر اندازہ ہوجاتا ہے آپ کی تحریر دل تو بچہ ہے میں اب بھی تنہائی میں اداس موڈ کے ساتھ پڑھتی ہوں لیکن اس کے بعد موڈ خوشگوار ہوجاتا ہے۔ ایسی ہی تحریر لکھا کریں (گزارش) باقی سب کے ہی افسانے ایک سے بڑھ کر ایک تھے اقبال بانو کا افسانہ کا شالاجواب تحریر تھی، ان کے لیے بھی میرے پاس الفاظ نہیں باقی سلسلے سب اچھے تھے سب سے دعا کی درخواست اجازت چاہوں گی، اللہ نگہبان۔

عنبر فاطمہ...... کراچی۔ السلام علیکم پرخلوص دعاؤں کی خوشبو لیے اپنے جذبات واحساسات کی عکاسی اور حجاب کی دلکشی ورعنائی کے رنگوں کو سمیٹے حسن خیال کی حسین محفل میں عنبر فاطمہ ایک مرتبہ پھر جلوہ افروز ہے، انتظار کی گھڑیاں بے حد طویل اور صبر آزما ہوتی ہیں اور حجاب کے دیدار کے یہ مراحل ہمیں انہی جانگسل لحات سے گزارتے ہیں بہرحال ملنے کی چاہ میں ہمیں اس کے یہ نخرے اور ناز برداریاں بھی برداشت اور قبول ہیں ویسے بھی زبان زدعام ہے۔

نزاکت نازنینوں کو سکھانے سے نہیں آتی
خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے

اور جب سے ہمارے حجاب میں نزاکت اور حسن وخوب صورتی کا امتزاج پیدا ہوا ہے اور ہماری تمام

خواہشات اس نے بن کہے پوری کیں تو ہم بھی ناز نخرے برداشت کرنے کو تہہ دل سے تیار ہیں جناب اب آتے ہیں شمارے کی جانب، سرورق پر جلوہ افروز ماڈل سولہ سنگھار کیے مہندی و چوڑی سے آراستہ لبوں پر دھیمی مسکان سجائے عید کی مبارک باد قبل از وقت دیتی نظر آئی، حمیرا کی مسکان سے اپنے لبوں پر بھی مسکراہٹ کے پھول سجائے اشتہارات سے بچتے بچاتے فہرست پر نظر ڈالی اور یہ ایک نظر ہٹنے سے انکاری تھی بھئی نام دیکھ کر۔ سب سے پہلے آتے ہیں مکمل ناول کی جانب تو تحسین انجم انصاری نے طویل عرصے بعد مکمل ناول کی صورت شرکت کر کے ہمیں اپنا گرویدہ کر لیا، مصباح علی سید کا ناول بھی گھریلو ناچاقی اور انتشار کے حوالے سے لکھا گیا بہترین لگا بے شک اگر خواتین چاہیں تو گھر سنور بھی جاتے ہیں اور بگڑ بھی سکتے ہیں اور نگہت کا کردار انہی اوصاف کا حامل تھا۔ اے ایس پی عداس اپنے گیٹ اپ میں بہت دلکش کردار لگا۔ ام ایمان قاضی کی تحریر جیسے کے نام سے ہی ظاہر تھا ماموں نے جی واقعی خوب ماموں بنایا لیکن بالآخر اپنی چال میں خود ہی الجھ گئے اسی لیے سودی کاروبار اور ربا سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے ڈیئر ایمان تحریر کا موضوع اچھا تھا لیکن بعض جگہ طوالت نے دلکشی کو متاثر کیا یہ ایک میری رائے ہے آپ سب کا متفق ہونا ضروری نہیں اب آتے ہیں جناب پیارے سے ناولٹ زیاں کی جانب اور اس بارے میں یہی کہوں گی ڈیئر ضوبار یہ تمہارا نام ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ کہانی دلکش اور سسپنس سے بھرپور ہوگی بہر حال پہلی قسط پڑھ کر ہی اپنا خوب صورت تاثر قائم کرنے میں یہ کہانی کامیاب رہی، عورت کی جیسے تذلیل دکھائی گئی ہے اسے پڑھ کر بے اختیار آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے، لمحہ احتساب سوشل میڈیا کے نقصانات کے حوالے سے لکھی موجودہ دور کی خامیوں کی بہترین عکاسی کر رہی تھی۔ اقبال بانو کا افسانہ ویری ویلڈن بالکل سچ کہا ہے کہ مرد کبھی وسیع القلب نہیں ہوتا بلکہ تنگ نظر ہوتا ہے یہ عورت کا ہی وصف ہوتا ہے کہ اس کی تمام خامیوں سمیت اسے نہ صرف قبول کرتی ہے بلکہ اپنے من مندر کا دیوتا بھی مان لیتی ہے، بابر حیات جیسے نجانے کتنے ہی مرد ہوں گے جن کے ظاہر و باطن میں تضاد ہوگا فیروزہ کی طلاق پر دل بے حد رنجیدہ ہوا مگر واقعی وہ بابر جیسے بے حس اور بے ضمیر شخص کی بیوی نہیں ہو سکتی تھی۔ پاکستان زندہ باد یہ تحریر کیونکر نہ پسند آتی کیونکہ نام اور انداز دونوں ہی بے حد منفرد اور خوب صورت تھے آج وطن سے غداری کرنے والے 1947ء کے ان خون ریز واقعات کو نظر انداز کیے ہوئے ہیں اگر اس تاریخ پر ایک مرتبہ نظر ڈال لیں تو ضرور اپنے وطن سے مخلص ہو جائیں، یہ تحریر پڑھ کر روایتی دشمن بھارت کے مظالم پر دکھی دل سے بے اختیار آہ نکلی اللہ تعالیٰ نہتے کشمیریوں کو آزادی کی نعمت عطا کرے اور شہیدوں کا لہو رنگ لائے' آمین اس سلسلے میں اپنے دل کی ترجمانی کے لیے ایک شعر کا سہارا ضرور لینا چاہوں گی۔

ارباب جہاں کہتے ہیں کشمیر ہے جنت
جنت کسی کافر کو ملی ہے نہ ملے گی

دیگر تمام افسانے بھی بے حد پسند آئے، مستقل سلسلوں میں امہات المومنین ہمیشہ کی طرح قابل تعریف و لائق تحسین تھا پری وش چہروں سے ملاقات بے حد اچھی رہی، حرا قریشی آغوش مادر میں نہایت چابک دستی سے اپنی ماں کو چاہتوں اور محبتوں کے نذرانے پیش کرتی بے حد اچھی لگیں، آج یقیناً آپ کی والدہ آپ سے بے حد خوش ہوں گی اور ہمیشہ آپ کے لیے دعا گو رہیں گی۔ دیگر سلسلوں اور سلسلہ وار ناول کے لیے بس اتنا کہوں گی کہ سب کچھ اے ون تھا اس کے ساتھ ہی اجازت چاہوں گی بشرط زندگی پھر ملاقات ہوگی اسی حسن خیال کی حسین سی محفل میں۔

ثنا فرحان...... ملتان۔ السلام علیکم! امید ہے تمام بہنیں خیریت سے ہوں گی۔ حسن خیال میں شامل ہونے کے لیے اس بار جلد ہی حجاب پڑھ لیا ورنہ مدیرہ صاحبہ صرف ایک ہی جملہ لکھتی ہیں کہ تبصرے میں صرف کہانیوں پر ہی تبصرہ کیا کریں اب بھئی جب تک دوستوں سے ملاقات ہر جگہ نہ ہو تو مزہ نہیں آتا زندگی ادھوری سی لگتی ہے یہ میرا خیال ہے آپ بھی ٹھیک ہی کہتی ہیں کہ جب تک مصنفین کی تعریف نہ کی جائے ان کا لکھنے کا حق ادا نہیں ہوتا جیسے شاعر کو شعر پر داد نہ دی جائے۔ ٹائٹل پر نظر ٹھہری تو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کہنا چاہتی ہو دیر سے آنے پر معافی چاہتی ہوں۔ ہم نے بھی معاف کرتے اندر کی طرف دوڑ لگائی اور اشتہارات سے بچتے ہوئے فہرست پر نگاہ ڈالی اور کافی عرصے بعد تحسین انجم کو پڑھ کر اچھا لگا امید ہے کہ پھر سے آپ غائب نہیں ہو جائیں گی، نادیہ فاطمہ رضوی میرے خواب زندہ ہیں کی تو کیا ہی بات ہے ایسے ہی صدف آصف کی تحریر دل کے دریچے نے پرانی بہت سی یادیں تازہ کر دی ہیں فرسٹ ایئر میں تھی جب جو چلے تو جان سے گزر گئے ماہا ملک کا ناول پڑھا تھا اور دل میں گھر گیا صدف آصف کا دل کے دریچے، میرے دل کے دریچے میں مہکتا ہے محبت سے گوندھی یہ تحریر معاشرے کی عکاسی بھی کرتی نظر آرہی ہے ماموں جی بس کر دیں، ام ایمان قاضی نے تھوڑا بور کیا میرا خیال تھا کہ تحریر طنز و مزاح کا انداز لیے ہوئے ہوگی لیکن اس کے برعکس تھی اچھی تحریر ہونے کے ساتھ سبق آموز بھی تھی بس تھوڑی طوالت زیادہ تھی اس کے بعد مصباح علی کو بھی پڑھا یہ وہ نام ہے جو بہت کم وقت میں اپنی پہچان بنا رہا ہے افشاں علی کی تحریر لمحہ احتساب بھی زبردست تھی ان سے یہ کہوں گی کہ افشاں پہلے لوگ چہرے پڑھا کرتے تھے اب لوگ فیس بک پڑھتے ہیں اور لوگوں کے لیے رائے قائم کر لیتے ہیں اگر کوئی اسلامیات کی ٹیچر ہے یا عالمہ تو ہم انہیں کسی دوسری دنیا کا کیونکر تصور کرتے ہیں ہوتے تو وہ بھی ہماری طرح عام انسان ہی ہیں (معذرت کے ساتھ) اس کے بعد زیاں پڑھی، ضوبار یہ کا تو نام ہی کافی ہے پہلی قسط نے ہی اگلی قسط کا انتظار کرنے پر مجبور کر دیا بے صبری سے انتظار ہے۔ اقبال بانو اور رخ چوہدری کو میں نے کم پڑھا ہے لیکن ان کی تحریریں ہوں اور اچھی نہ ہو یہ ممکن نہیں، کانٹا ایک لاجواب تحریر تعریف کے لیے الفاظ نہیں غلطیاں معاف کرنا عورت کی خاصیت ہے مرد اپنی انا میں ہی مارا جاتا ہے باقی تمام افسانے زبردست رہے۔ کالم میں عالم میں انتخاب میں مجھے عرشیہ ہاشمی کا انتخاب پسند آیا شوخی تحریر میں ریما نور رضوان نمبر لے گئیں باقی سلسلے مصروفیت کے باعث پڑھے نہیں ارے بھئی گھر کے کام ہوتے ہیں اس لیے، اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ پاک حجاب کو مزید ترقی دے آمین، اللہ حافظ۔

فائزہ بتول...... خانیوال! معزز احباب سامعین و حاضرین فائزہ کی جانب سے میرے تمام ہم نوا یان چمن کو پر خلوص اور دعاؤں سے لبریز السلام علیکم، ستمبر کا شمارہ ہاتھ میں آتے ہی دل بے قرار کو ایک گوشہ طمانیت و اطمینان نصیب ہوا، مہینوں کا فراق لمحوں میں سمٹ آیا تھا اس لیے برقراری سے آگے بڑھنا چاہا مگر ٹائٹل پر موجود دوشیزہ نے اپنے ہار سنگھار اور خوب صورتی کی بدولت پل بھر کو وہیں ٹھہرنے پر مجبور کیا، بات چیت میں روایتی حریف بھارت کی ہٹ دھرمی کا ذکر نہایت خوب صورت انداز میں تھا بے اختیار دل افسردہ کو سنبھالا اور اپنے وطن کی حالت زار پر دل خون کے آنسو رو دیا، آج کم و بیش ستر سال کی آزادی کے بعد بھی ہم ذہنی طور پر انہی کی غلامی میں ہیں کشمیریوں پر ظلم و ستم کی انتہا ہے مگر یہاں ہر کوئی انڈین فلموں اور ڈراموں کا گرویدہ ہے اور اب اس نازک موقع پر بھی بائیکاٹ نہیں کیا جا رہا ہے معذرت کے ساتھ تبصرہ میں یہ خیالات دراصل جذبات پر بند ھ باندھنا مشکل نظر آتا ہے۔ حمد و نعت نے قلب و جان کو معطر کیا اور دل و روح میں سکون اترتا گیا۔ سلسلہ وار ناول میں

''میرے خواب زندہ ہیں'' کچھ سست روی کا شکار نظر آتا ہے۔ زرتاشہ کا وہی غم وہی بدگمانی اور سونیا ضرور اسٹار پلس کے ڈراموں والی چال چلنے والی ہے کہ کامیش سے شادی کے بعد فراز تو ہمہ وقت نظر آئے گا پلیز اب یہ سب کچھ خاص تاثر قائم نہیں کرتا، ان ڈراموں کو چھوڑ کر کچھ نیا ہونا چاہیے۔ صدف آصف کی تحریر واہ واہ جناب فائز کے محبت کے بحر بیکراں میں صرف سفینہ کی چاہت کا سفینہ ہی تیر سکتا ہے بہرحال وہی ہوگا جو منظور خدا ہوگا کہانی کا سسپنس بہت بھرپور ہے۔ مکمل ناول سب ہی اچھے تھے خلش کے پار آخر کار سب دلوں کی کدورت اور خلش مٹ ہی گئی اے کاش ہم سب اس گھریلو سیاست سے باز آجائیں تو ہر گھر جنت کا گہوارا بن جائے۔ مصباح اے ون ماموں جی تو حد درجے کے کنجوس اور بخیل تھے ڈیئر ایمان ایسا لگتا ہے کہ آپ اس کردار سے بالمشافہ ملاقات کرچکی ہیں۔ بہرحال بہترین سبق کی حامل تحریر تھی۔ ''لمحۂ احتساب'' افشاں نے بالکل بجا دکھایا نجانے ہم کب اس فیس بک کی اصل حقیقت کو سمجھیں گے، آج نماز روزے سے غافل مسلمان قوم کے لیے ان فضول خرافات کے لیے بھرپور وقت ہے، سیدہ ضوباریہ کی تحریر گویا پہلی قسط سے ہی تجسس اور دلکشی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا باقی آئندہ دیکھ کر افسردگی کے ساتھ صفحات پلٹے اور افسانوں کی سرزمین پر قدم رنجہ فرمائے۔ اقبال بانو کا افسانہ واہ جناب تعریف کے لیے الفاظ کم پڑتے دکھائی دیتے ہیں۔ بابر حیات کے کھوکھلے دعوے' مکرو فریب ہمارے ناتواں و نازک دل میں بھی کانٹے کی طرح پیوست ہوتے در حقیقت بابر اور ان جیسے تمام افراد ہمارے معاشرے کے وہ ناسور اور خاردار کانٹے ہیں جس کی وجہ سے پھولوں جیسی صنف نازک نہ صرف لہولہان ہوتی ہے بلکہ اپنا وقار اور اعتماد بھی کھو دیتی ہے۔ ضرور فیروزہ کے لیے کوئی اچھا ساتھی منتظر ہوگا۔ پاکستان زندہ باد کہانی کے عنوان پر بے ساختہ آمین کہا بے شک پاکستان زندہ باد اور اس کے دشمن مردہ باد۔ خوب صورت تحریر۔ عالیہ توصیف نے بھی کوزے میں دریا بند کرتے چند صفحات پر بہت اچھا سبق دیا، نگی ہمارے گھروں کی عام کہانی جس سے ہر ساس ہر بہو دوچار ہے۔ سہیلی پڑھ کر بے اختیار اس حرماں نصیب لڑکی سے بہت ہمدردی محسوس ہوئی۔ محبت کو کبھی ترازو کے پلڑے میں نہیں تولنا چاہیے۔ جہاں چاہت ہو مان ہو عزت ہو وہاں دولت بھی خود بخود آجاتی ہے بہرحال یہ شاید اس کی ماں کا احساس محرومی تھا جس نے بیٹی کی زندگی کو جہنم بنا دیا۔ دیگر تمام سلسلوں میں حرا قریشی نے آغوش مادر میں بہت متاثر کیا حرا ڈیئر زندگی کے میدان میں بہت سی کامیابیاں تمہاری راہ تک رہی ہیں ستاروں سے آگے اور بھی جہاں ہیں بس ان کی ضیاء سے اپنی زندگی جگمگاتی رہو سالگرہ نمبر کے لیے ڈھیروں نیک تمنائیں اور فائزہ کی پرخلوص دعائیں، ان شاء اللہ پھر یونہی رونق بکھیرنے حسن خیال کی دنیا میں براجمان ہوں گے، اللہ حافظ

اب اس دعا کے ساتھ ہی رخصت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر واستقامت عطا فرمائے اور ایک دوسرے کی غلطیوں کو درگزر کرنے کی توفیق بخشے تاکہ بروز حشر ہمارا پروردگار بھی ہماری مغفرت و بخشش فرمادے، آمین۔ بہنوں سے گزارش ہے کہ وہ سال گرہ نمبر کے لیے اپنی نگارشات جلد از جلد ارسال کردیں تاکہ بروقت ملنے پر جگہ پاسکیں۔

husan@aanchal.com.pk

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

حفظان صحت

حمل کی میعاد عموماً 280 دن اوسطاً ہوتی ہے یا چاند کے پورے دس مہینے یا نو مہینے دس دن۔

ANTENATAL CARE

مکمل صحت و تندرستی کی حالت میں نظام جسم کے تمام افعال ٹھیک طور پر اپنا اپنا کام سرانجام دیتے ہیں ان میں ایک قدرتی توازن قائم رہتا ہے اور اسی توازن سے جسم تندرست رہتا ہے لیکن جب کوئی عضو نسبتاً زیادہ بڑھنے لگتا ہے تو اس میں غذا اور خون کی زیادتی ہوجاتی ہے اور اسی لیے اسی نسبت سے جسم کے باقی اعضا میں نشوونما کی کمی ہوجاتی ہے ٹھیک اسی طرح سے حمل قرار پاتے ہی نظام جسم توازن قائم نہیں رکھ سکتا کیونکہ قوت حیات کا رخ ایک نئی زندگی کو نشوونما دینے کے لیے رحم اور اس کے متعلقہ اعضا کی طرف ہوجاتا ہے۔

اس ناہم آہنگی میں سب سے زیادہ نظام عصبی (NERVOUS SYSTEM) ماؤف ہوتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جیسا ایک طرف حاملہ کے اندر کمزوری واقع ہوجاتی ہے وہاں دوسری طرف مختلف قسم کی جسمانی تکلیفوں کی نمود ہوتی ہے اور ان تکالیف کو بالمثل دواؤں سے دور کیا جاسکتا ہے تاکہ جب بچہ دنیا میں آئے تو اس کا نظام عصبی بہت مضبوط اور بیماریوں کے اثرات سے مبرا ہو حاملہ عورت کی دیکھ بھال اور حفاظت جس میں اس کی اور آنے والے بچے کے تحفظ، ذہنی آسودگی اور خوشی کا خیال رکھا جائے تاکہ ایک آسودہ ماحول میں ایک صحت مند بچہ آنکھ کھول سکے۔

مقاصد:

(1) حمل کے دوران بہتر جسمانی اور ذہنی صحت کو ترقی دی جائے۔

(2) اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ ایک صحت مند بچہ وجود میں آئے اور زچہ و بچہ کی اموات کی شرح کو کم کیا جائے۔

(3) زچگی سے متعلق حاملہ کے خوف کو کم کیا جائے۔

(4) ایسی ادویات سے دور رکھا جائے جو حاملہ کی صحت کے لیے خطرے کا باعث ہوں۔

(5) ماں کو اس کے آنے والے بچے کی حفاظت، اس کی غذائیت ذاتی صحت و صفائی اور ماحولیاتی اثرات سے آگاہی دی جائے۔

طریقے:

جب حمل کا یقین ہوجائے تو بذریعہ پیشاب البومن کی موجودگی کا تعین کیا جائے۔ اس کے علاوہ شوگر ٹیسٹ خون میں ہیموگلوبن کا تناسب RH فیکٹر اور VDRL کا ریکارڈ رکھا جائے۔

ریکارڈ:

حاملہ کی رجسٹریشن تین ماہ بعد کسی اچھے اسپتال یا کلینک میں کرانی چاہیے جس میں اس کا رجسٹریشن کارڈ تیار ہوتا ہے رجسٹریشن نمبر کا اندراج ہوتا ہے اس کی شناخت موجودہ صحت بیماریوں سے متعلق ہسٹری، عمر ازدواجی حیثیت گزشتہ اور موجودہ حمل کے متعلق معلومات درج ہوتی ہیں، اس کے علاوہ حالیہ صحت کی حالت اور اس سے متعلق شکایت درج ہوتی ہے۔

ذاتی ہدایات:

حاملہ کی غذا، ذاتی صفائی، آرام، نیند، اجابت، ورزش، منشیات سے بچاؤ، تابکاری کے اثرات، بیماری سے متعلق کسی بھی پیش آنے والے خطرات بچہ کی حفاظت خسرہ اور (SEXUAL INTERCOURES) سے متعلق ہدایات و معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔

حمل کے دوران عام طور پر ایک حاملہ کو اپنی روز مرہ کی غذا میں متوازن خوراک شامل رکھنی چاہیے جس میں 50 گرام سیریل 25 گرام دالیں 125 گرام دودھ، 10 گرام چینی کی شمولیت ضروری ہے۔
ذاتی صحت وصفائی میں روزانہ کا غسل کپڑے کی صفائی سے متعلق جاننا ضروری ہے۔
روزانہ آٹھ گھنٹے کی نیند اور دوپہر کے کھانے کے بعد دو گھنٹے کی آرام کی عادت ڈالنی چاہیے۔ قبض سے حتی الامکان دور رہنا چاہیے اور اپنی غذا میں ہرے پتوں والی سبزیاں، پھل، مشروبات اور آئرن وکیلشیم پر مبنی غذائیں شامل کرنی چاہیے۔
ہلکے پھلکے گھریلو کام کاج سے خود کو چاک وچوبند رکھنا چاہیے یہ پھرتی اور کام وضع حمل کے وقت آسانی فراہم کرتے ہیں۔
وہ حاملہ عورتیں جو منشیات کی عادی ہوتی ہیں ان کے بچے نکوٹین کے اثرات سے کمزور پیدا ہوتے ہیں اس لیے کسی بھی قسم کے نشے کو ترک کر دینا چاہیے۔
پریگنینسی کے پہلے چار مہینوں میں بلا ضرورت پیٹ کے ایکس رے اور الٹرا ساؤنڈ سے گریز کرنا چاہیے۔
اگر پاؤں میں ورم آجائے دورے پڑیں مسلسل سر درد رہے، آنکھوں میں دھندلاہٹ محسوس ہو رحم سے کسی بھی قسم کا اخراج ہو تو یہ خطرے کی علامات ہیں ایسی صورت میں فوراً ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیے۔
دوران حمل تنگ کپڑے نہیں پہنیں اس سے بچے کی نشو ونما میں فرق پڑتا ہے۔ ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے جس سے اعصابی تحریک پیدا ہونے کا خدشہ ہو غصہ، صدمہ کی بات کا ڈر جنین پر منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔ وہ عورتیں جو حمل قرار پاتے ہی حمل کے زمانے میں محض اس خیال سے کہ وہ حاملہ ہیں سست پڑی رہتی ہیں نہ صرف ان کی صحت بذات خود خراب ہو جاتی ہے بلکہ آنے والے بچے کی صحت پر بھی اس کا حد سے زیادہ اثر پڑتا ہے اس لیے ہر حاملہ کو گھر کے کام کاج میں لگا رہنا چاہیے اور تھوڑی بہت کھلی ہوا میں بھی ورزش کرنی چاہیے تاکہ ان کی جسمانی صحت بنی رہی اور وضع حمل کے وقت کسی قسم کی تکلیف نہ ہو لیکن یہ یاد رہے کہ دوڑنا، کودنا، پھاندنا، اور سخت قسم کی ورزش کرنا بعض اوقات مضر صحت ہی نہیں بلکہ بچے کو بھی ضائع کر دیتا ہے۔
دوران حمل کبھی سکت جلاب یا دست آور دوائیں نہیں لینی چاہیے کیونکہ اس سے ہمیشہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اپنی غذا میں ان چیزوں سے پرہیز رکھنا چاہیے جن سے قبض ہو سکتا ہے۔
طبی معائنے حمل کے دوران بہت ضروری ہیں مثلاً چھ سے سولہ ہفتوں کے درمیان مکمل چیک اپ جس میں حاملہ کی مکمل طبی ہسٹری ہو۔
دوسرا معائنہ 32 سے 36 ہفتوں کے درمیان جس میں جنین کی موجودگی پوزیشن وغیرہ کا تعین کیا جائے تیسرا معائنہ بچے کی پوزیشن سر، کمر وغیرہ کا پتا لگانے کے لیے ہوتا ہے۔
ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق ویکسینیشن بھی کرانی چاہیے۔

عمر	ویکسینیشن
4 ہفتے	B.C.G ویکسین
3 ماہ	SMALL POX (چیچک) سے بچاؤ
4 ماہ سے 9 ماہ	ڈفتھیریا، تشنج، پولیو وغیرہ سے بچاؤ
ایک سال	CHOLERA وغیرہ

ان ہدایات پر عمل کر کے ماں اور بچہ دونوں کی زندگیاں خطرات سے دوچار ہونے سے بچ سکتی ہیں۔

شوبز کی دنیا

دعا فاطمہ

ماڈل ڈولی خان

اداکارہ و ماڈل ڈولی خان دبئی روانہ ہوگئیں جہاں وہ میگا فیشن شو میں شرکت کریں گی۔ روانگی سے قبل انہوں نے ''این این آئی'' سے خصوصی گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ دبئی میں ہونے والے فیشن شو کے منتظمین نے مجھے دعوت دی تھی مگر میں نے ان کو مشورہ دیا تھا کہ پاکستان سے دیگر ماڈلز اور میرے ڈریس ڈیزائنرز کو بھی پرفارمنس کے لئے بلایا جائے جس پر انہوں نے میرے مشورے کی تائید کرتے ہوئے ان کو بھی باقاعدہ دعوت دی اور اب پاکستان کے علاوہ بھارت، انگلینڈ، سری لنکا، دبئی اور دیگر ممالک سے تعلق رکھنے والی ماڈلز ریمپ پر کیٹ واک کریں گی۔

ممتاز اداکار مصطفیٰ قریشی

کراچی آرٹس کونسل کی جانب سے ممتاز اداکار مصطفیٰ قریشی کے اعزاز میں ''اعتراف کمال'' کی پروقار تقریب سبزہ زار میں منعقد ہوئی۔ جس میں احمد شاہ، طلعت حسین، ندیم، امداد حسینی، مظہر صدیقی، سعید رضوی، سحر امداد، ایاز خان، پروفیسر سحر انصاری، اقبال لطیف، سعادت جعفری، روبینہ قریشی، منور سعید، غلام حیدر صدیقی، شہناز صدیقی، سید اسجد بخاری، کاشف گرامی، اطہر جاوید صوفی نے شرکت کی۔ نظامت اقبال لطیف سمیت فلم اور ٹی وی کے فنکاروں، سیاسی اور سماجی شخصیات نے شرکت کی۔ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے اداکار مصطفیٰ قریشی نے کہا کہ پاکستان میں ہر شعبہ آج بری حالت میں ہے۔ اس کی بہتری کے لئے حکومت کو کام کرنے کی ضرورت ہے۔ فلم انڈسٹری شدید بحران سے دوچار ہے، انڈسٹری سے وابستہ درجنوں افراد نے بحران کے بعد اس کے دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی امید چھوڑ دی ہے۔ حکومت کا فرض بنتا ہے کہ وہ فلم اور فلم سے تعلق رکھنے والوں کی مدد کرے۔ اداکار ندیم نے کہا کہ مصطفیٰ قریشی صرف فلموں میں لوگوں کو ڈراتے ہیں۔ اصل زندگی میں یہ ایک بہت نفیس انسان ہیں۔

پاکستانی فلمیں

لاہور سے آئے ہوئے سینئر صحافی معین بٹ نے کہا کہ ماضی میں فلمی صنعت لاہور میں تھی اور وہاں سے سالانہ بننے والی فلموں کی تعداد 150 سے زائد تھی۔ اسٹوڈیو میں شوٹنگو کے لیے فلم سازوں کو کئی کئی ماہ انتظار کرنا پڑتا تھا جبکہ آج ان اسٹوڈیو میں ویرانی چھائی ہوئی ہے اور دن رات سناٹا رہتا ہے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے کہ کراچی میں فلم سازی کا دور دوبارہ آگیا ہے اور نئی نسل کے ہدایتکار زور و شور سے اچھی فلم بنا رہے ہیں۔ وہ پاکستان فلم ٹی وی جرنلسٹس ایسوسی ایشن کی جانب سے اپنے اعزاز میں دیئے گئے ظہرانہ میں گفتگو کررہے تھے۔

فلم ہوٹل سے لال پیلا تک

ہدایتکار خالد حسن خان نے فلم ''ہوٹل'' کی ناکامی کا خود کو ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے کہا ہے کہ فلم بنانے سے ریلیز

تک جو تجربات حاصل ہوئے ان کی روشنی میں اب معیاری فلم بناؤں گا۔(اب بھی فلم بنائیں گے؟) میری نئی فلم "لال پیلا" جلد سیٹ پر آجائے گی۔(کارٹون فلم؟) انہوں نے کہا کہ جو غلطیاں ہوٹل بنانے میں ہوئیں انہیں آئندہ فلم میں نہیں دہرایا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہوٹل کی ناکامی گانے نہ ہونے اور تفریحی مواد شامل نہ ہونے کی وجہ سے ہوئی۔(جو فلم بنا رہے ہیں اس کی کامیابی وناکامی کی بات کہاں تک ہے)

سوال 700 کروڑ ڈالر کا

فلم "سوال 700 کروڑ ڈالر کا" کی ریلیز کے بعد فلمساز وہدایتکار جمشید جان محمد نئی فلم "جوانی لے ڈوبی" بنائیں گے۔ انہوں نے بتایا کہ نئی فلم جدید ٹیکنالوجی سے تیار کی جائے گی۔ اس میں بھارتی فنکاروں کو بھی کاسٹ کیا جائے گا۔(ان کے بغیر فلم فلاپ ہوجانے کا خطرہ ہے) انہوں نے کہا کہ بہتر اسکرپٹ میں ہی فلم کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ امید کرتا ہوں کے عوام فلم کو پسند کریں گے۔ (پہلی فلم کو ناپسند کیا یا......؟)

اداکار جاوید شیخ

اداکار جاوید شیخ نے فلم سازی کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہا کہ جدید ٹیکنالوجی کی بدولت فلم سازی آسان اور تیز ہوگئی ہے۔ پہلے جس کام کو کرنے میں مہینے گزر جاتے تھے اب وہ دنوں اور منٹوں میں ہوجاتا ہے۔ انہوں نے پاکستانی فلم سازی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں معیاری فلمیں بنانے کے لیے مزید محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے توقع ظاہر کی کہ پاکستانی فلمساز جلد عالمی سطح پر مقبولیت حاصل کرنے والی فلمیں بنانے کے قابل ہوجائیں گے۔(اور خود آپ بھارتی فلموں میں کام کریں گے)

اداکارہ میرا اسٹیج ڈراموں میں

اداکارہ میرا نے اسٹیج ڈرامے میں کام حاصل کرنے کے لیے پروڈیوسروں سے رابطے شروع کردیئے (اب اسٹیج پر یہ وقت بھی آئے گا) اکثریت نے لال جھنڈی دکھا دی۔ ذرائع کے مطابق اداکارہ میرا نے عیدالاضحیٰ پر اسٹیج ڈرامے میں کام حاصل کرنے کیلئے لاہور اور ملتان کے پروڈیوسروں سے رابطے کرکے ٹیم کا حصہ بنانے کی درخواست کی ہے لیکن متعدد ڈرامہ پروڈیوسروں نے میرا سے معذرت کرلی جبکہ ایک ڈرامہ پروڈیوسر نے ان سے 25 لاکھ کا شورٹی بانڈ طلب کرتے ہوئے اسٹیج ڈرامے میں کام

کرنے کی پیشکش کی ہے۔ تاہم میرا نے 25 لاکھ کا شورٹی بانڈ بھرنے سے انکار کردیا ہے۔ (اگر ہوتے تو اسٹیج پر کیونکر کام کرتیں) میرا نے اب تک جتنے بھی اسٹیج ڈراموں میں کام کیا صرف چار پانچ روز کام کرنے کے بعد میرا ڈرامے سے بغیر بتائے ہی غائب ہوجاتی تھیں اور اسی بنا پر ان کو اسٹیج ڈراموں میں کاسٹ کرنے سے گریز کیا جارہا ہے۔

اداکارہ وہدایتکارہ سنگیتا

اداکارہ وہدایتکارہ میڈم سنگیتا نے کہا ہے کہ مستقبل میں فلم انڈسٹری کے حالات بہتر ہوتے نظر آرہے ہیں، اس وقت جتنے بھی پروڈیوسر فلمیں بنارہے ہیں اس سے فلم انڈسٹری کا بحران ختم ہوجائے گا۔ (پلیز بلی بن کرخواب مت دیکھیں) اپنے ایک انٹرویو میں میڈم سنگیتا نے کہا کہ پاکستان فلم انڈسٹری کے لئے جو کوششیں آج ہورہی ہیں اگر یہ 10 سال پہلے شروع ہوجاتیں تو انڈسٹری بحران کا شکار نہ ہوتی (ففففف)۔ انہوں نے کہا کہ میرے سمیت سینئر اداکار جن میں ندیم، مصطفیٰ قریشی، غلام محی الدین، نغمہ بیگم، نیئر اعجاز، شفقت چیمہ سمیت دیگر اداکاروں کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ جونیئر اداکاروں کو اپنے سینئر اداکاروں کا احترام کرنے کے ساتھ ان سے سیکھنا بھی چاہیے۔ (فلم بنانا؟)

پرواز ہے جنون

پاک فضائیہ کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے نئی پاکستانی فلم بنانے کا اعلان کردیا گیا۔ پاک فضائیہ معاونت فراہم کرے گی، فلم "پرواز ہے جنون" میں پاک فضائیہ کے روشن پہلوؤں کو اجاگر کرے گی، پاک فضائیہ کے شاہینوں، جوانوں اور افسران کی گراں قدر خدمات کو سامنے لانے کے عزم کے تحت بنائی جانے والی فلم "پرواز ہے جنون" بنانے کا اعلان مقامی ہوٹل میں منعقدہ پریس کانفرنس میں کیا گیا۔ حسیب حسن کے ڈائریکشن میں بننے والی فلم کی شوٹنگ اگلے ماہ شروع کی جائے گی جبکہ فلم کو اگلے سال عیدالاضحی پر ریلیز کیا جائے گا۔

پاکستانی ڈرامے "بلبلے" میں اپنے مزاحیہ کردار "مومو" سے شائقین کا دل جیتنے والی اداکارہ حنا دلپزیر اب ہدایت کارہ بھی بن گئیں۔ حنا اس عیدالاضحیٰ پر اپنی ہدایات میں بننے والی پہلی ٹیلی فلم حنا دلپزیر کی گدگدی، ریلیز کریں گی۔ حنا کا کہنا تھا ایک اچھے اسکرپٹ کا انتظار تھا، علینہ فاروق نے ایک دلچسپ کہانی تحریر کی ہے جس کے ساتھ میں ہدایت کاری میں ڈیبیو کرنے جارہی ہوں۔

لیش راج فلمز

لیش راج فلمز نے دانیال ظفر کو لانچ کرنے کی منصوبہ بندی کرلی ہے جس کے بعد وہ جلد ہی فلم میں اداکاری کے جوہر دکھاتے نظر آئیں گے جب کے علاوہ 5 نئے چہرے متعارف کرائیں جائیں گے۔ (فلم کچھ پیسا بھی تو کمائے ناں)

گلوکار سونو نگم اور گلوکار عاطف اسلم

بھارتی گلوکار سونو نگم اور پاکستانی گلوکار عاطف اسلم ایک ساتھ امریکہ اور کینیڈا کا دورہ کریں گے۔ ان کے اس ٹور کا آغاز 16 ستمبر سے ہوگا۔ اس دوران دونوں گلوکار نیو جرسی، لاس اینجلس، ہوسٹن، سان جوز، وینکور، شکاگو اور آسٹن میں شوز کریں گے۔ واضح رہے کہ سونو نگم اپنے گھٹنے

بلبلے کی مومو

کے آپریشن کے باعث جنوری سے دنیائے موسیقی سے دور ہیں (گانے سے ان کے گھٹنے پر زور پڑتا ہے) اور وہ عاطف اسلم کے ساتھ مشترکہ شوز کے حوالے سے بہت خوش ہیں جبکہ عاطف اسلم نے بھی اس ٹور کو اپنے لئے یادگار دورہ قرار دیا ہے۔ (یہ تو واپسی کے بعد پتا چلے گا)

اور میں بڑی ہوگئی

پرائیڈ آف پرفارمنس گلوکارہ شاہدہ منی نے کہا ہے کہ میں کم عمری میں ہی شوبز کی دنیا میں آ گئی تھی، مجھ سے بڑی اداکارائیں بھی انڈسٹری میں موجود ہیں (ابھی بھی آپ چھوٹی ہی ہیں) جنہوں نے شادی نہیں کی، اگر وہ مناسب وقت میں شادی کر لیتی تو ان کے بچوں کے بھی آگے بچے ہوتے، شوبز میں یہ پابندی نہیں کہ آپ شادی نہ کریں۔ ایک خصوصی انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے کیریئر میں ایمانداری سے اپنا کام کیا (اور شادی......؟) اور مجھے اس کا پھل بھی مل گیا ہے۔ میں نے ہمیشہ عزت اور وقار کے ساتھ کام کیا ہے۔ اپنے سینئرز سے رہنمائی لی ہے (آپ کے سینئرز کون......؟) اور جونیئرز کی رہنمائی کی ہے۔ پہلے نام پیدا کرنے کے لئے محنت کرنا پڑتی تھی اب نام کو برقرار رکھنے کے لئے محنت کرنا پڑتی ہے۔ شاہدہ منی نے کہا کہ صوفیانہ کلام پڑھنا بہت مشکل ہے اور میرے نزدیک صوفیانہ کلام پڑھنے والوں کا احترام ہونا چاہیے۔ میں نے زندگی میں جو بھی خواہشیں کیں خدا کی ذات نے پوری کیں۔ میں اپنی موجودہ زندگی سے مطمئن ہوں۔

فلاحی کام

اداکارہ سلومی رانا نے کہا ہے کہ وہ غریب اور مستحق بچیوں کی شادیوں کا بندوبست بھی کر رہی ہیں اور اس حوالے سے ان کی تنظیم بیٹی فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام گزشتہ روز کچی بستی میں ایک بچی کی شادی کرائی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ غریبوں کی خدمت کر کے انہیں دلی سکون ملتا ہے۔ سلومی رانا نے کہا کہ بیٹی فاؤنڈیشن ایک غیر سیاسی تنظیم ہے جو صرف فلاحی اور رفاہی کام کر رہی ہے جس کا کوئی سیاسی ایجنڈا نہیں ہے۔

پاکستان میرا وطن

فلم ٹی وی کے معروف فنکار طلعت اقبال نے آئندہ ماہ پاکستان آنے کا عندیہ ظاہر کیا ہے طلعت اقبال جو ایک طویل عرصے سے امریکا کے شہر ڈیلیس میں رہائش پزیر ہیں۔ پاکستان میرا وطن ہے اور وہاں مجھے لمحہ لمحہ یاد آتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ میرے پر لگیں اور میں اڑ کر اپنے وطن پہنچ جاؤں انہوں نے کہا کہ ان شاء اللہ اکتوبر میں پاکستان آنے کا مصمم ارادہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ جلد اپنے وطن منتقل ہو جاؤں۔ انہوں نے کہا کہ گزشتہ سال جب میں آیا تھا تو کئی چینلز نے مجھے ڈراموں کی پیشکش کی تھی اور آج بھی مجھے ڈراموں کی آفرز ہیں انہوں نے کہا کہ صحت اب بالکل ٹھیک ہے۔

موسیقار ارشد محمود

موسیقار ارشد محمود نے کہا ہے کہ ٹیم موسیقی کا مقصد نئی اور معیاری موسیقی کی تخلیق کے لیے ایک ایسا ماحول تشکیل دینا ہے جس کے ذریعے صنعت موسیقی بحال ہو پائے آج ایک ایسے پلیٹ فارم کا افتتاح کیا جا رہا ہے جس میں ملک کے معروف موسیقار ہیں جو اس پروجیکٹ کے سربراہ ہونگے یہ بات انہوں نے آرٹس کونسل میں ایک تقریب میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ انہیں اس بات کا پورا احساس ہے کہ ہمارے ملک میں استعداد موسیقی کی کوئی کمی نہیں ہم اپنے ملک کے نوجوانوں جو موسیقی کے لیے کام کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں ان کی مدد کی جائے انہوں نے کہا کہ پاکستان کے ساتھ مل کر کام کرنا ہے جو نوجوان فنکاروں کو موسیقی کی نئی تربیت و ترکیب کی تخلیق کرنے میں وسیع تجربے اور مہارت سے مستفید کرنا ہے۔ موسیقی کی محصولات 360 ڈگری کا احاطہ کرنا کی خصوصیات اور تعاون کے تمام لوازمات کی حد فراہم کرتا ہے پلیٹ فارم مندرجہ ذیل خصوصیات کے ساتھ شروع کیا جا رہا ہے ٹلنٹ بنک کی یہ استعداد موسیقی کا مرکزی ڈیٹا بیس ہوگا جہاں نئے گلوکار موسیقار اور دوسرے فنکار اپنے کام کا نمونہ شیئر کر سکتے ہیں۔

تیری میری لو اسٹوری

اداکار ہمایوں سعید نے مصطفیٰ قریشی کے بھارتی فلموں پر پابندی کے بیان پر شدید مذمت کی ہے انہوں نے کہا کہ پاکستان میں بھارتی فلموں پر پابندی لگوانے کے بارے میں بیانات درست نہیں بلکہ ہمیں بھارت میں پاکستانی فلموں کو ریلیز کرانے کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ (فلم ریلیز کرانے کی جدوجہد چھوڑ کر کشمیر آزاد کرانے کی جدوجہد کریں) انہوں نے یہ بات ''تیری میری لو اسٹوری'' کے خصوصی شو کے موقع پر میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہی۔ انہوں نے کہا کہ اب ہماری فلمیں ریکارڈ بزنس کرتی ہیں البتہ سینما مالکان نئی فلموں کے ساتھ امتیازی سلوک نہ کریں کیونکہ بعض سینما ملکی فلموں کو صرف آخری شو پر ترجیح دیتے ہیں جو سراسر زیادتی ہے۔ اس عمل سے فلم بینوں کا ایک تہائی حصہ فلمیں دیکھنے سے رہ جاتا ہے۔ انہوں نے اپنی فلم جوانی پھر نہیں آنی کے پارٹ 2 کے بارے میں کہا اب آئندہ اسی فلم پر ورک ہوگا۔

بابا بلھے شاہ

ریڈیو، ٹی وی اور فلم کے سینئر اداکار عرفان کھوسٹ بابا بلھے شاہ کا کردار ادا کرنا چاہتے ہیں۔ (ڈائریکٹ سرحد کھوسٹ کریں گے؟) انہوں نے کہا کہ میں نے طویل فنی کیریئر میں بے شمار مختلف نوعیت کے کردار ادا کیے ہیں مگر اب کسی فلم یا ٹی وی ڈرامے میں بابا بلھے شاہ کا کردار ادا کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کردار اپنے اندر بہت گہرائی رکھتا ہے۔ یہ کردار جب ملا تو ضرور ادا کروں گا۔ عرفان کھوسٹ نے کہا کہ میرے فنی سفر کو نصف صدی ہو چلی ہے اور خدا نے مجھے بے پناہ عزت اور نام سے نوازا ہے۔

سینئر اداکار غلام محی الدین

عیدالاضحیٰ پر 3 نئی پاکستانی فلموں کی ریلیز اور کامیابی سے فلم انڈسٹری کو یقیناً فائدہ ہوگا۔ ان خیالات کا اظہار سینئر اداکار غلام محی الدین نے کیا۔ انہوں نے کہا کہ بہتر اور معیاری فلم سازی سے ہی ہم بھارتی فلموں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ (بالکل) انہوں نے کہا کہ جس طرح ہمارے ٹی وی ڈرامہ سیریل بھارتی ڈراموں سے بہتر ہیں اسی طرح جلد ہم بھارتی فلموں کا مقابلہ کرنے میں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ فلم انڈسٹری کی بقا پاکستانی فلموں کی کامیابی سے ہی ممکن ہے۔ اس کے لیے لاہور اور کراچی کے فلمسازوں کو مل کر معیاری فلموں کو فروغ دینا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ میرے بیٹے کی بھی ایک فلم عیدالفطر پر ریلیز ہو چکی ہے۔ (ناک کٹوائی یا بڑھائی) مجھے امید ہے کہ اس میں کچھ بہتر کرنے کی صلاحیت ہے۔ (امید پہ دنیا قائم ہے)

ریڈیو پاکستان

ریڈیو پاکستان لاہور کے اسٹیشن ڈائریکٹر ساجد حسن درانی کے ریٹائر ہونے پر الوداعی تقریب کا اہتمام ریڈیو پاکستان کے ورکرز نے نور جہاں ہال میں کیا۔ ساجد حسن درانی ریڈیو پاکستان لاہور سے

ٹوٹکے

خدیجہ احمد

ادرک کے فوائد

قدرتی جڑی بوٹیاں اپنے اندر اچھی صحت کی لاتعداد خوبیاں لیے ہوتی ہیں اس لیے جیسے جیسے ان پر تحقیق آگے بڑھ رہی ہے ان کی بے شمار خوبیاں بھی سامنے آرہی ہیں اسی لیے اب نئی تحقیق میں کہا گیا ہے کہ ادرک سے بنی چائے وٹامن سی سے مزین ہوتی ہے جو صحت کے لیے انتہائی مفید ہے۔

متلی میں مفید: اگر کسی شخص کو سفر کے دوران متلی کی شکایت ہوتو اسے چاہیے کہ وہ سفر سے پہلے ایک کپ ادرک کی چائے پیے جو پورے سفر کے دوران اس کو متلی اور قے سے دور رکھے گی اور وہ سفر کا لطف اٹھا سکے گا۔

معدے کی صلاحیت کو بہتر بناتی ہے: ادرک کی چائے نظام ہاضمہ اور غذا کو جذب کرنے کی صلاحیت کو بڑھاتی ہے اور بالخصوص بہت زیادہ کھانے کے بعد اس چائے کو پینے سے پیٹ میں گیس کے باعث پیدا ہونے والے ابھار یا سوزش کو ختم کرتی ہے۔

جلن کو دور کرنے والی: ادرک میں جلن پیدا کرنے والے عناصر کو ختم کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جبکہ اس کے علاوہ ادرک کی چائے کا ایک کپ پٹھوں اور جوڑوں کے درد میں بھی آرام دیتا ہے۔

سانس کی بیماری: ادرک کی چائے سینے کے جکڑنے اور شدید نزلے میں انتہائی مفید ہے جبکہ ماحولیاتی الرجی سے سانس کی تکلیف میں بھی ادرک کی چائے جادوئی کام دکھاتی ہے۔

دوران خون کو بڑھاتی ہے: ادرک میں موجود وٹامنز، معدنیات اور امائنو ایسڈ جسم میں دوران خون کو بہتر بنا کر دل کی بیماریوں کے خطرے کو کم کردیتا ہے جبکہ ادرک کی چائے آنتوں میں پیدا ہونے والی چکنائی کو بننے سے روکتی ہے جس سے دل کے دورے اور اسٹروک سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

خواتین کے مخصوص ایام میں مفید: ادرک کی چائے خواتین میں حیض کے دوران تکلیف سے بچاتی ہے، ادرک کی گرم چائے سے تولیہ بھگو کر اسے پیٹ پر رکھیں اس سے تکلیف میں آرام ملتا ہے جبکہ اس کے ساتھ ایک کپ ادرک کی چائے میں شہد ملا کر پی لیں۔

قوت مدافعت کو بڑھاتا ہے: ادرک کی چائے (اینٹی آکسیڈینٹ) کے عمل کے لیول کو کم کر کے قوت مدافعت کو بڑھاتی ہے۔

اسٹریس کو کم کرنے میں مدد دیتی ہے: ادرک کی چائے انسانی دماغ کو سخت ٹینشن اور تناؤ میں بھی سکون دیتی ہے۔ ماہرین طب کا کہنا ہے کہ اگر ادرک کی چائے کا ذائقہ ترش لگے تو اس میں شہد یا لیموں بنا کر اسے خوش ذائقہ بنا سکتے ہیں۔

جلے ہوئے حصوں کو سکون پہنچانے والی گھریلو ترکیبیں

حادثہ کہیں بھی اور کسی بھی جگہ پیش آسکتا ہے، خاص طور پر جب آپ باورچی خانے میں کھانا پکا رہی ہوتی ہیں۔ باورچی خانے میں ہاتھ پیروں کا جل جانا عام سی بات ہے۔ ذیل میں چند گھریلو ترکیبیں دی جارہی ہیں، جن کے ذریعے سے آپ پانی یا تیل کی جلن دور کر کے سکون حاصل کرسکتی ہیں۔ جلنے کے بعد فوراً ذیل میں دی گئی چیزوں کو استعمال کرنا چاہیے۔

شہد:

شہد دافع عفونت (ANTISEPTIC) ہے اور زخموں کو مندمل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جل جانے کی صورت میں شہد کو متاثرہ حصے پر اچھی طرح سے لگالیں، جلن دور ہوجائے گی۔

سرکہ:

سرکہ تقریباً ہر گھر میں ہوتا ہے۔ جسم کا کوئی حصہ جل جانے کی صورت میں سرکے میں پانی ملا کر پتلا کرلیں اور پھر متاثرہ حصے پر لگالیجیے۔ اسے براہ راست نہ لگایئے، بلکہ صاف کپڑے کو پانی ملے سرکے میں ڈبو کر متاثرہ حصے پر لپیٹ لیجیے۔ اگر جلن دور نہ ہو تو تھوڑی دیر بعد کپڑے کو

دوبارہ سرکے میں ڈبوئیں اور متاثرہ جگہ پر رکھ کر نرمی سے دبائیں۔ جلی ہوئی جگہ پر سرکہ لگانے سے قبل بہتر ہوگا کہ اپنے معالج سے بھی مشورہ کرلیں۔

گھیکوار:

جل جانے پر گھیکوار (ایلوویرا) کا گودا براہ راست متاثرہ جگہ پر لگالیں۔ گھیکوار جتنا تازہ ہوگا، اتنا ہی زیادہ فائدہ پہنچائے گا۔ گھیکوار کا گودا جسم کے جلے ہوئے حصوں کو جلد مندمل کردیتا ہے۔

لیونڈر کا پتلا تیل:

اسطوخودوس (لیونڈر) کی بھینی خوشبو کی بنا پر اسے گھروں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا تیل جلی ہوئی جگہ پر لگانے سے آرام آجاتا ہے۔ اگر لیونڈر کے تیل میں گھیکوار کا گودا، حیاتین جاور ھ (وٹامنز سی اور ای) بھی شامل کرلی جائیں تو یہ آمیزہ زیادہ فائدہ مند ہوجاتا ہے۔ اسے دن میں کئی بار لگایا جاسکتا ہے۔

کیلے کا چھلکا:

کیلے کا چھلکا اس جگہ پر رکھ دیں، جہاں جلن ہورہی ہو اور جب تک وہ سیاہ نہ ہوجائے، اسے نہ ہٹائیں۔ یہ جلی ہوئی جگہ کو تیزی سے مندمل کردیتا ہے۔

دہی:

جلی ہوئی جگہ پر دہی لگانے سے ٹھنڈک پیدا ہوجاتی ہے، لیکن اسے فوراً نہیں لگانا چاہیے، بلکہ 30 منٹ کے بعد لگانا چاہیے۔ جسم کا زیادہ حصہ جل جانے کی صورت میں متاثرہ فرد کو فوراً کسی قریبی ہسپتال لے جانا چاہیے۔

قالین کی صفائی

اگر آپ کے قالین پر داغ دھبے لگے گئے ہوں تو ذیل میں دیے گئے چھ طریقوں میں سے کوئی ایک طریقہ استعمال کیجیے اور داغ دھبوں سے نجات پایئے۔

روشنائی کے دھبے:

کپڑے کے ایک ٹکڑے کو گرم پانی میں ڈبو کر قالین کا وہ حصہ صاف کریں، جہاں روشنائی کا دھبا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس جگہ کو الکحل یا تھنر (THINNER) سے رگڑ دیں۔ دھبا چند منٹ میں صاف ہوجائے گا۔

تیل اور چکنائی کے داغ:

اگر قالین پر تیل اور چکنائی کے داغ پڑ گئے ہوں تو اس جگہ پر نمک، کھانے کا سوڈا یا بھٹے کا آٹا ملا دیں۔ اسے فوراً ہی نہ رگڑیں۔ مذکورہ چیزوں کو جذب ہونے کا وقت دیں۔ اس کے بعد اسے صاف کردیں۔

چائے یا کافی کے دھبے:

قالین سے چائے یا کافی کے داغ دھبے دور کرنے کے لیے گرم پانی میں سفید سرکہ ملائیں اور اسے دھبوں پر لگادیں۔ مناسب وقفے کے بعد ٹشو پیپر سے رگڑ کر صاف کردیں۔ دھبے دور ہوجائیں گے۔

پھلوں کے رس کے داغ:

تھوڑی سی شیونگ کریم انگلی پر لگا کر اس جگہ لگادیجیے، جہاں قالین پر پھل کا رس گر گیا ہو۔ تھوڑا وقفہ دے کر اسفنج کے ایک ٹکڑے کو گرم پانی میں ڈبو کر قالین کو صاف کردیں۔

جانوروں کے پیشاب کے دھبے:

جانوروں کا پیشاب خشک ہونے پر نظر نہیں آتا، لہٰذا اسے تیز روشنی میں دیکھیے۔ اگر قالین پر کسی پالتو جانور نے پیشاب کردیا ہو تو جگہ پر چاک سے نشان لگادیں۔ پھر داغ دھبے دور کرنے کے لیے صفائی کے پاؤڈر میں گرم پانی ملا کر اسے صاف کردیں۔ تھوڑی سی دیر میں قالین چمک اٹھے گا۔

کیچڑ کے داغ:

اگر قالین پر کیچڑ کے داغ لگ گئے ہوں تو کیچڑ کے خشک ہونے کا انتظار کیجیے، اس کے بعد صفائی کے پاؤڈر سے ان داغوں کو صاف کردیں۔ اگر قالین اس کے باوجود صاف نہ ہو تو سوڈا لگا کر صاف کپڑے سے رگڑ ڈالیں۔ یہ عمل اس وقت تک کرتے رہیں، جب تک داغ صاف نہ ہوجائیں۔